BAPS501DST

بین الاقوامی تعلقات

(International Relations)

بیچلر آف آرٹس (بی۔اے۔)

(پانچواں سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-انڈیا

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course- International Relations
ISBN: 978-81-968803-4-7
First Edition: December, 2023

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University
Edition	:	2023
Copies	:	600
Price	:	Rs. 385/- (Included in the admission fee of distance mode students)
Copy Editing	:	Dr. Ishtiyaq Ahmad, DDE, MANUU, Hyderabad
Composing	:	Dr. Naved Ashrafi, DDE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, DDE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	Print Time and Business Enterprises, Hyderabad

Bachelor of Arts (B.A.)
International Relations
Semester 5

On behalf of the Registrar, published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India
Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All rights reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission from the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ایڈیٹر
(Editor)

Dr. Ishtiyaq Ahmad (Course Coordinator)
Asstt. Professor (Public Administration) , Directorate of Distance Education, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر اشتیاق احمد (کورس کوآرڈینیٹر)
اسسٹنٹ پروفیسر (نظم ونسق عامہ) نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد

لینگویج ایڈیٹر
(Language Editor)

Dr. Naved Ashrafi
Assistant Professor (Contractual)/Guest Faculty
Directorate of Distance Education, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر نوید اشرفی
اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچوئل) / گیسٹ فیکلٹی، ڈی ڈی ای، مانو، حیدرآباد

Dr. Mohd Rahmat Hussain
Assistant Professor (Contractual)/Guest Faculty
Directorate of Distance Education, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر محمد رحمت حسین
اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچوئل) / گیسٹ فیکلٹی، ڈی ڈی ای، مانو، حیدرآباد

مجلس ادارت
(Editorial Board)

Prof. Mohd Umar (Retd.)
Former Head, Dept. of Political Science,
Dr. B.R.A.M.U, Aurangabad, M.H.

پروفیسر محمد عمر (رٹائرڈ)
سابق صدر، شعبہ سیاسیات، ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر مراٹھواڑا یونیورسٹی، اورنگ آباد، مہاراشٹر

Prof. Mirza Asmer Beg
Former Chairman, Dept. of Political Science, AMU,
Aligarh, UP

پروفیسر مرزا اسمر بیگ
سابق صدر، شعبہ سیاسیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یوپی

Prof. Mehtab Manzar
Professor (Retired), Dept. of Pol. Science,
Jamia Millia Islamia, New Delhi

پروفیسر مہتاب منظر
پروفیسر (رٹائرڈ)، شعبہ سیاسیات، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

Prof. Afroz Alam
Head, Dept. of Political Science,
MANUU, Hyderabad

پروفیسر افروز عالم
صدر، شعبہ سیاسیات، مانو، حیدرآباد

Dr. Abdul Qayyum
Associate Professor, Dept. of Public Administration,
MANUU, Hyd.

ڈاکٹر عبدالقیوم
اسوشئیٹ پروفیسر، شعبہ نظم ونسق عامہ، مانو، حیدرآباد

Dr. Ishtiyaq Ahmad
Assistant Professor, Directorate of Distance Education,
MANUU, Hyd.

ڈاکٹر اشتیاق احمد (کورس کوآرڈینیٹر)
اسسٹنٹ پروفیسر، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد

Dr. Md. Shahid Alam
Assistant Professor (Contractual)/Guest Faculty
Directorate of Distance Education, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر محمد شاہد عالم
اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچوئل) / گیسٹ فیکلٹی، ڈی ڈی ای، مانو، حیدرآباد

کورس کوآرڈی نیٹر

ڈاکٹر اشتیاق احمد

اسسٹنٹ پروفیسر (نظم ونسق عامہ)، نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد

مصنفین	**اکائی نمبر**
ڈاکٹر اکبر القادری، اسسٹنٹ پروفیسر، مندسور یونیورسٹی، مدھیہ پردیش	1, 11, 16
ڈاکٹر محمد شاہد عالم، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچوئل)، سیاسیات، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدر آباد	2, 3, 10, 12, 14, 15, 17, 18, 20, 21, 22, 23
ڈاکٹر اشتیاق احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، نظم ونسق عامہ، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدر آباد	4, 9
ڈاکٹر نعمان حیدر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سیاسیات، ارریہ کالج، بہار	5, 6, 7, 8
جناب رضوان اللہ خان، لیکچرار، ڈاکٹر رفیق ذکریہ کالج فار ویمن، اورنگ آباد، مہاراشٹر	19
ڈاکٹر محمد طارق انور، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سیاسیات، منگل آئتن یونیورسٹی، علی گڑھ، یو۔پی۔	13, 24

پروف ریڈرس:

اول : ڈاکٹر محمد رحمت حسین

دوم : ڈاکٹر محمد شاہد عالم

فائنل : ڈاکٹر اشتیاق احمد

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9
بلاک I	**تمہید**	
اکائی1	جدید بین الاقوامی نظاموں کی کلیدی خصوصیات	11
اکائی2	بین الاقوامی تعلقات: ایک جائزہ	22
اکائی3	بین الاقوامی تعلقات: معنی اور نوعیت	38
اکائی4	بین الاقوامی تعلقات: وسعت اور اہمیت	49
بلاک II	**بین الاقوامی تعلقات کے نظریات**	
اکائی5	حقیقیت	61
اکائی6	نوحقیقیت	76
اکائی7	لبرل ازم اور اس کی شکلیں	89
اکائی8	مارکسی نقطہ نظر	106
بلاک III	**تصورات**	
اکائی9	طاقت: معنی، عناصر اور تحدیدات	123
اکائی10	توازنِ طاقت	141
اکائی11	اجتمائی سلامتی	155
اکائی12	طاقت کے توازن اور اجتماعی سلامتی کا موازنہ	168

بلاک IV	جنگ اور تنازعات-I	
اکائی13	جنگ اور بین الاقوامی تعلقات: تعارف	183
اکائی14	پہلی عالمی جنگ: وجوہات اور نتائج	203
اکائی15	دوسری عالمی جنگ: وجوہات اور نتائج	217
اکائی16	بین الاقوامی تعلقات کی جنگ: حتمی تشخیص	233
بلاک V	جنگ اور تنازعات-II	
اکائی17	سرد جنگ	247
اکائی18	سرد جنگ کا خاتمہ	262
اکائی19	سرد جنگ: عالمی سیاست پر اثرات	276
اکائی20	تخفیف اسلحہ	293
بلاک VI	ادارے اور تنظیمیں	
اکائی21	اقوام متحدہ کا ادارہ	308
اکائی22	یوروپین یونین	324
اکائی23	جنوبی ایشیائی ایسوسی ایشن برائے علاقائی تعاون	339
اکائی24	عالمی سیاست میں بین الاقوامی تنظیم کا کردار	352
نمونہ امتحانی پرچہ		374

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1)اردو زبان کی ترویج و ترقی (2)اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3)روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور(4)تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جواِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔یہی کیفیت اکثر رسائل واخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لمحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈویژن سے ہوا اور اس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہ ہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کر کے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جا رہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلا رہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِدست 161 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centres) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جا رہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر محمد رضاء اللہ خان

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

عزیز طلبا،

بین الا قوامی تعلقات، سیاسیات کا بنیادی مضمون ہے۔ بین الا قوامی تعلقات یا بین الا قوامی امور کو عام طور پر بین الا قوامی مطالعات، عالمی مطالعات یا عالمی امور بھی کہا جاتا ہے۔ عالمی سطح پر سیاست، معاشیات اور قانون کے باہم مربوط ہونے کا مطالعہ ہے۔ بین الا قوامی تعلقات کو سیاسی سرگرمیوں اور دو یا دو سے زیادہ ریاستوں کے درمیان تعامل کے دیگر اقسام اور پہلوؤں کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ بین الا قوامی تعلقات کا تعلیمی میدان سیاسیات کی ایک شاخ ہے جس کا تعلق ریاستوں کے درمیان تعلقات، قومی ریاستوں کی خارجہ پالیسی اور میکانزم اور اداروں (جیسے بین الا قوامی تنظیمیں، بین الحکومتی تنظیمیں، بین الا قوامی اور قومی غیر سرکاری تنظیمیں اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز) جن کے ذریعہ ریاستیں آپس میں بات چیت کرتی ہیں۔ بین الا قوامی تعلقات کے مطالعہ میں بین الا قوامی اور علاقائی امن و سلامتی، بین الا قوامی تنظیمیں، جوہری پھیلاؤ، عالمگیریت، انسانی حقوق، اقتصادی ترقی، مداخلت بین الا قوامی مالیاتی تعلقات اور بین الا قوامی تجارتی تعلقات جیسے بہت سے مضامین شامل ہیں۔

بین الا قوامی تعلقات، بی اے سیاسیات 5 سمسٹر کا ایک بنیادی پرچہ ہے جو 24 اکائیوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تیاری میں UGC-DEB کے تمام احکامات اور رہنما یا اصولوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ پیش کردہ کتاب میں جدید بین الا قوامی نظام کی خصوصیات، بین الا قوامی تعلقات کا تعارف، معنی، نوعیت، وسعت اور اہمیت، حقیقت پسندی، نو حقیقت پسندی، آزاد خیالی اور اس کے متغیرات، مارکسی نقطہ نظر، طاقت، معنی، عناصر اور تحدیدات، قوت توازن، اجتماعی سلامتی، قوت توازن اور اجتماعی سلامتی کا موازنہ، جنگ اور بین الا قوامی تعلقات، پہلی عالمی جنگ وجوہات اور نتائج، دوسری عالمی جنگ، وجوہات اور نتائج، بین الا قوامی تعلقات کی جنگ کا تجزیہ، سرد جنگ، سرد جنگ کا خاتمہ، سرد جنگ کا عالمی سیاست پر اثر، تخفیف اسلحہ، اقوام متحدہ، یوروپین یونین، ساوتھ ایسوسیشن آف ریجنل کوآپریشن اور عالمی سیاست میں بین الا قوامی تنظیم کا کردار وغیرہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

ہر اکائی کے تحت خود اکتسابی نتائج، تجویز کردہ کتابیں، اپنی معلومات کی جانچ کے لئے سوالات بھی دیئے گئے ہیں تا کہ طلبا و طالبات کو سمجھنے میں آسانی ہو اور اپنی معلومات کو ہر اکائی کے متعلق جانچ سکیں۔ اس کتاب کے آخری صفحے پر نمونہ امتحانی پرچہ بھی دیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر سماجی علوم خاص طور سے سیاسیات کا مطالعہ کرنے والے طلباء طالبات کی رہنمائی کرے گی اور ان کے لئے مفید ثابت ہوگی اور ان کی لیاقت اور صلاحیت میں اضافہ کرے گی۔

ڈاکٹر اشتیاق احمد
کورس کوآرڈی نیٹر

بین الاقوامی تعلقات

(International Relations)

اکائی 1۔ جدید بین الاقوامی نظام کی کلیدی خصوصیات

(Key Characteristics of Modern International System)

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 بین الاقوامی نظام پر ایک طائرانہ نظر

1.3 جدید بین الاقوامی نظام کا ارتقا

1.4 جدید بین الاقوامی نظام کی کلیدی خصوصیات

1.5 بین الاقوامی نظام کی اہمیت

1.6 اکتسابی نتائج

1.7 کلیدی الفاظ

1.8 نمونہ امتحانی سوالات

1.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء! آپ خاندانی نظام یا اپنے گاؤں کے نظام سے بخوبی واقف ہوں گے، جہاں لوگ اپنی زندگی کو آسانی کے ساتھ گذارنے کے لیے ایک دوسرے سے اچھے تعلقات رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بقول ارسطو انسان ایک سماجی جانور ہے جو ایک دوسرے کے بنا نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے کسی نا کسی موڑ پر اسے دوسروں کے سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہی ہے، اسی لیے وہ اخوت اور بھائی چارہ کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کرتے ہیں اور باہمی اختلافات و تنازعات کو ختم کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرتی زندگی کو استحکام

ملتا ہے۔ گاؤں کی سطح سے اوپر دیکھیں تو کسی ملک کے صوبوں کے تعلقات، یا پھر مختلف ممالک کے تعلقات بھی اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ ممالک کے درمیان تعلقات استوار کرنے کے لیے ایک بین الاقوامی نظام (International System) ہوتا ہے۔ اس اکائی میں ہم جدید بین الاقوامی نظام کا مفہوم اور اس کی اہم خصوصیات کا تفصیلی مطالعہ کریں گے۔

1.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ:

- بین الاقوامی نظام کو سمجھ سکیں گے۔
- جدید بین الاقوامی نظام کے ارتقا سے واقف ہو سکیں گے۔
- جدید بین الاقوامی نظام کی کلیدی خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔
- بین الاقوامی نظام کی اہمیت کو جان سکیں گے۔

1.2 بین الاقوامی نظام پر ایک طائرانہ نظر (A brief view on International System)

بین الاقوامی نظام متعدد ریاستوں، تنظیموں اور افراد کی ایک اکائی ہے جو عالمی سطح پر بات چیت کرتی ہے۔ یہ بین الاقوامی تعلقات کا نظام العمل ہے جو اس بات کا خاکہ پیش کرتا ہے کہ کون کس کے ساتھ تعلقات رکھتا ہے اور کس طرح کے تعلقات رکھتا ہے اور ان کے تعلقات کے اصول کیا ہیں۔ یہ وہ تناظر بھی ہے جس میں انفرادی ممالک خارجہ پالیسی مرتب کرتے ہیں اور بین الاقوامی سفارتی تعلقات استوار کرتے ہیں۔

بین الاقوامی نظام کے اندر، ریاستیں بنیادی اداکار ہیں۔ وہ براہ راست یا بالواسطہ دوسری ریاستوں یا اقوام متحدہ یا یورپی یونین جیسی بین الاقوامی تنظیموں کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں۔ ریاستوں کے دیگر ریاستوں کے ساتھ اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی تعلقات بھی ہوتے ہیں جو بین الاقوامی نظام پر اثر انداز ہیں۔ ریاستیں اکثر اپنے مفادات کے تحفظ اور عالمی سیاست میں طاقت کا توازن قائم کرنے کے لیے معاہدہ کرتی ہیں۔

بین الحکومتی تنظیمیں، جیسے اقوام متحدہ یا نیٹو، بھی بین الاقوامی نظام کے بڑے کارپرداز ہیں۔ یہ تنظیمیں ممالک کے درمیان بات چیت کے لیے فورم کے طور پر کام کرتی ہیں اور بین الاقوامی تعلقات کے لیے زیادہ منظم ڈھانچہ فراہم کرنے میں مدد کرتی ہیں۔ یہ تنظیمیں معیارات اور پالیسیاں ترتیب دینے، تنازعات میں ثالثی کردار ادا کرنے، اقتصادی پالیسیوں کے قیام اور عالمی استحکام کو برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔

ممالک اور بین الحکومتی تنظیموں کے علاوہ، غیر ریاستی اداکار جیسے کارپوریشنز، این جی اوز، میڈیا آؤٹ لیٹس اور افراد بھی بین الاقوامی نظام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ اداکار رائے عامہ کو متاثر کر کے یا سفارتی مذاکرات کے ذریعے بین الاقوامی تعلقات کو متاثر کر سکتے ہیں۔ وہ تبدیلی

کے طاقتور آلات بھی ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، گرین پیس جیسے غیر ریاستی اداکاروں نے دنیا بھر میں ماحولیاتی مسائل کے بارے میں بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

بین الاقوامی نظام مسلسل بدل رہا ہے اور ترقی کر رہا ہے کیونکہ ریاستیں مسائل کو حل کرنے اور بین الاقوامی معاہدوں اور پالیسیوں کو تیار کرنے کے لیے مل کر کام کرتی ہیں۔ یہ متحرک عمل ہے جو عالمی سیاست کی وضاحت اور ہماری آج کی دنیا کو تشکیل دینے میں مدد کرتا ہے۔

بین الاقوامی نظام کی تعریف کرتے ہوئے، اسٹینلے ہوفمین اسے عالمی سیاست کی بنیادی اکائیوں کے درمیان تعلقات کے نمونے کے طور پر دیکھتے ہیں، جس کی خصوصیت ان اکائیوں کے ذریعے حاصل کیے گئے مقاصد اور ان کے درمیان انجام پانے والے کام کے ساتھ ساتھ ان کے حصول کے لیے استعمال ہونے والے ذرائع سے ہوتی ہے۔ فریڈرک ایس پیئرسن اور مارٹن روچیسٹر بین الاقوامی نظام کی تعریف "سیاسی، اقتصادی، سماجی، جغرافیائی، اور تکنیکی تعلقات کے عمومی نمونے کے طور پر کرتے ہیں جو عالمی معاملات کو تشکیل دیتے ہیں۔ ڈو گرٹی اور فلٹز گراف کہتے ہیں کہ "ایک بین الاقوامی سیاسی نظام سیاست کا ایک مجموعہ ہے جو تعاملات کے مجموعے سے منسلک ہوتا ہے۔

1.3 جدید بین الاقوامی نظام کا ارتقا (Evolution of Modern International System)

جدید بین الاقوامی نظام صرف چند صدیوں پرانا ہے اور اسے محض 4 کلیدی واقعات/مراحل سے سمجھا جا سکتا ہے

- ویسٹ فیلیا کا امن معاہدہ(The Peace of Westphalia)—(1648)
- طاقت کے توازن میں بدلاؤ(Shifting Balance of Power)—(1600-1800)
- قومیت کا عروج(Rise of Nationalism)(1800-1945)
- نیو ورلڈ آرڈرز(New World Orders)(1945 سے اب تک)

1۔ویسٹ فیلیا کا امن معاہدہ (The Peace of Westphalia)—(1648)

ویسٹ فیلیا کا معاہدہ ایک امن معاہدہ تھا جس نے مغربی اور وسطی یورپ میں کیتھولک ریاستوں اور پروٹسٹنٹ ریاستوں کے درمیان تیس سالہ جنگ کا خاتمہ کیا اور ہمارا جدید بین الاقوامی نظام قائم کیا۔ یہ یورپی تاریخ کے بدترین تنازعات میں سے ایک تھا۔ اس معاہدے کا نام مقدس رومی سلطنت کے اس خطے کے نام پر رکھا گیا ہے جس میں معاہدے پر دستخط ہوئے——ویسٹ فیلیا۔ آج یہ خطہ جرمن ریاست نارتھ رائن ویسٹ فیلیا کا حصہ ہے۔

ویسٹ فیلیا کے معاہدے نے مقدس رومی سلطنت میں لوتھرن اور کیلونسٹوں کو مذہبی رواداری عطا کی۔ اس نے ڈچ کی آزادی کو تسلیم کیا، فرانس کو السیس اور لورین کے صوبے دیے۔

ویسٹ فیلیا کے امن نے یہ اعلان کیا کہ ہر قومی ریاست کے خود مختار رہنما اپنی سرحدوں کے اندر اپنی مرضی کے مطابق کام کر سکتے ہیں اور ریاستیں عالمی سیاست میں مرکزی اداکار ہوں گی۔ اس وقت سے، بین الاقوامی نظام بنیادی طور پر قومی ریاستوں کے درمیان تعلقات پر مشتمل ہے۔ ویسٹ فیلیا کے امن کے چار اہم نکات تھے جو مندرجہ ذیل ہیں:

- قومی خود ارادیت
- سفارتی تعلقات کے ذریعے جنگوں کو ختم کرنے کی نظیر
- خود مختار ریاستوں کے درمیان پر امن بقائے باہمی
- خود مختار ریاستوں کے درمیان طاقت کا توازن اور دیگر خود مختار ریاستوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے اصول

2۔طاقت کے توازن میں بدلاؤ(1600۔1800) (Shifting Balance of Power)

سترہویں اور اٹھارہویں صدیوں میں قومی ریاست بین الاقوامی نظام کی غالب سیاسی اکائی کے طور پر ابھری۔ بڑی طاقتوں کے عروج و زوال کے ساتھ طاقتور ریاستوں کا ایک سلسلہ یورپ پر حاوی رہا۔ کمزور ریاستیں غالب طاقت کو بہت زیادہ مضبوط ہونے سے روکنے کے لیے اکثر آپس میں جڑ جاتی تھیں، یہ ایک پیکٹس تھی جسے طاقت کے توازن کے تحفظ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ متواتر جنگیں اور معاشی مسابقت نے اس دور کو نشان زد کیا۔ کچھ قومیں - خاص طور پر فرانس اور انگلینڈ - جدید دور کے بیشتر حصے میں طاقتور تھے، لیکن کچھ - جیسے اسپین اور سلطنت عثمانیہ - وقت کے ساتھ ساتھ اقتدار میں سکڑ گئے۔

3۔قومیت کا عروج (1800۔1945) (Rise of Nationalism)

انیسویں صدی نے بین الاقوامی نظام میں دو بڑی تبدیلیاں لائیں:

- قوم پرستی ایک مضبوط قوت کے طور پر ابھری، جس نے قومی ریاستوں کو مزید طاقتور ہونے کا موقع دیا۔
- اٹلی اور جرمنی متحد ممالک بن گئے، جس نے یورپ میں فوجی اور اقتصادی طاقت کا توازن بدل دیا۔

جرمنی کے اتحاد سے پیدا ہونے والے مسائل نے پہلی جنگ عظیم (1914-1918) میں اہم کردار ادا کیا۔ جنگ کے بعد بین الاقوامی نظام ایک بار پھر ڈرامائی طور پر بدل گیا۔ یورپ کی بڑی طاقتوں کو بہت نقصان پہنچا، وہیں امریکہ اپنی تنہائی سے نکل کر عالمی طاقت میں تبدیل ہونے لگا۔ اسی وقت، عثمانی اور آسٹرو ہنگری سلطنتوں کے خاتمے نے نئی قوموں کا ایک سلسلہ پیدا کیا، اور روس میں کمیونزم کے عروج نے دوسری قوموں کے لیے مشکلات پیدا کر دی۔ ان عوامل نے معاہدہ ورسائی، نازی ازم اور کمیونزم کے عروج اور دوسری جنگ عظیم (1939-1945) میں اہم کردار ادا کیا۔

4۔نیوورلڈ آرڈرز(New World Orders)(1945 سے اب تک)

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے نے عالمی نظام میں ایک فیصلہ کن تبدیلی کی نشاندہی کی۔ جنگ کے بعد صرف دو عظیم عالمی طاقتیں رہ گئیں: امریکہ اور سوویت یونین۔ اگرچہ کچھ دوسری اہم ریاستیں موجود تھیں، لیکن تقریباً تمام ریاستوں کو دو سپر پاورز کے ساتھ تعلقات کے تناظر میں سمجھا جاتا تھا۔اس عالمی نظام کو Bipolar کہا گیا کیونکہ یہ نظام دو عظیم طاقتوں پر مرکوز تھا۔

سرد جنگ کے خاتمے اور سوویت یونین کے زوال کے بعد سے، دنیا کی نوعیت ایک بار پھر بدل گئی ہے۔ صرف ایک سپر پاور باقی ہے جس کی وجہ سے کچھ اسکالرز نئے بین الاقوامی نظام کو یونی پولر قرار دے رہے ہیں۔ جبکہ دوسرے کچھ اسکالرز یورپی اور ایشیائی ریاستوں کی بڑھتی ہوئی معاشی طاقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نئے نظام کو ملٹی پولر کا نام دیتے ہیں۔ کسی حد تک، دونوں اصطلاحات درست ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کے پاس دنیا کی سب سے طاقتور فوج ہے، جو یک قطبی نقطہ نظر کی حمایت کرتی ہے، لیکن امریکی معیشت باقی دنیا کے مقابلے میں اتنی طاقتور نہیں ہے، جو کہ کثیر قطبی نقطہ نظر کو اعتبار دیتی ہے۔

1.4 جدید بین الاقوامی نظام کی کلیدی خصوصیات

(Key Characteristics of Modern International System)

بین الاقوامی نظام، خود مختار ریاستوں اور بین الاقوامی تنظیموں کے درمیان تعامل کا ایک پیچیدہ جال، مخصوص خصوصیات کے ایک سیٹ سے متصف ہے جو اس کی حرکیات اور کام کاج کو تشکیل دیتا ہے۔ یہ خصوصیات اقوام کے درمیان تعلقات کی نوعیت اور انکے میکانزم کی وضاحت کرتی ہیں جن کے ذریعے عالمی معاملات کو منظم کیا جاتا ہے۔اقوام متحدہ (UN) کے قیام کے بعد بین الاقوامی نظام کی اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

اجتماعی سلامتی(Collective Security)

اقوام متحدہ تنازعات کی روک تھام اور سفارت کاری کے قیام، امن برقرار رکھنے اور اصول ضوابط کے ذریعے بین الاقوامی امن کو برقرار رکھنے کے لیے اجتماعی سلامتی کو فروغ دیتا ہے۔

ڈپلومیسی اور گفت وشنید(Diplomacy and Negotiation)

جدید بین الاقوامی نظام میں تنازعات کو حل کرنے اور عالمی چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے سفارت کاری اور گفت وشنید پر زور دیا جاتا ہے۔

بین الاقوامی قانون(International Law)

اقوام متحدہ بین الاقوامی قانون کی ترقی دینے اور اسے برقرار رکھنے میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے، جو ریاستوں کے درمیان تعاملات کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کے رویوں کے لیے اصول طے کرتا ہے۔

انسانی ہمدردی پر مرتکز (Humanitarian Focus)

اقوام متحدہ انسانی بحرانوں کو حل کرتا ہے، امداد فراہم کرتا ہے، اور عالمی سطح پر انسانی حقوق کے تحفظ کو فروغ دیتا ہے۔

کثیر الجہتی تعاون (Multilateral Cooperation)

ممالک اقوام متحدہ کے ذریعے ماحولیاتی تبدیلی، دہشت گردی اور صحت عامہ جیسے پیچیدہ مسائل سے نمٹنے کے لیے مل کر کام کرتے ہیں۔

عالمی ترقی (Global Development)

اقوام متحدہ کے پائیدار ترقیاتی اہداف (SDGs) کا مقصد غربت کا خاتمہ، مساوات کو یقینی بنانا اور دنیا بھر میں پائیدار ترقی کو فروغ دینا ہے۔

پیس کیپنگ آپریشنز (Peacekeeping Operations)

اقوام متحدہ تنازعات کے علاقوں کو مستحکم کرنے اور تنازعات کے بعد بحالی میں سہولت فراہم کرنے کے لیے امن مشن چلاتا ہے۔

بین الاقوامی اصول (International Norms)

اقوام متحدہ جوہری عدم پھیلاؤ، پناہ گزینوں اور جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک جیسے مسائل پر اصول اور معیار قائم کرنے میں مدد کرتا ہے۔

عالمی عوامی سامان (Global Public Goods)

اقوام متحدہ صحت عامہ کے اقدامات اور سائنسی تحقیق جیسے عالمی عوامی سامان کی فراہمی میں تعاون کرتا ہے۔

انسانی حقوق پر زور (Human Rights Emphasis)

اقوام متحدہ انسانی حقوق کے اصولوں کو آگے بڑھاتا ہے اور ان کے نفاذ کی نگرانی کرتا ہے، خلاف ورزیوں کے بارے میں بیداری بڑھاتا ہے۔

تنازعات کا حل (Dispute Resolution)

اقوام متحدہ ریاستوں کو تنازعات کو پر امن طریقے سے حل کرنے کے لیے پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے، جس سے مسلح تصادم کے امکانات کم ہوتے ہیں۔

ثقافتی تبادلہ (Cultural Exchange)

اقوام متحدہ عالمی ہم آہنگی کو فروغ دیتے ہوئے یونیسکو اور دیگر ایجنسیوں کے ذریعے ثقافتی تفہیم اور تبادلے کو فروغ دیتا ہے۔

شمولیت (Inclusivity)

اقوام متحدہ طاقتور اور کم طاقت ور دونوں ریاستوں کو بین الاقوامی فیصلہ سازی میں آواز اٹھانے کے لیے ایک فورم فراہم کرتا ہے۔

یہ خصوصیات اجتماعی طور پر اقوام متحدہ کے بعد کے بین الاقوامی نظام کی تشکیل کرتی ہیں، تعاون کو فروغ دیتی ہیں اور عالمی سطح پر چیلنجوں کا حل پیش کرتی ہیں۔

اکیسویں صدی کی خصوصیت، اسٹریٹجک ماحول اور بین الاقوامی تعلقات میں تیز رفتار تبدیلیوں سے ہوتی ہے۔ موجودہ بین الاقوامی نظام 1990 کی دہائی کے آخر سے نمایاں طور پر مختلف ہے، جب اس نے ایک انقلابی تبدیلی کا تجربہ کیا، جو سوشلسٹ کیمپ اور سوویت یونین کے انہدام کی وجہ سے ہوا۔ 21ویں صدی کے اوائل سے بین الاقوامی نظام میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ ان میں سے کچھ نے یوکرین کو بری طرح متاثر کیا ہے اور بین الاقوامی "یوکرائنی" بحران کا سبب بنا ہے۔

1990 کے بعد، بین الاقوامی نظام نے کئی تبدیلیوں اور ترقیوں کا مشاہدہ کیا جس نے اس کی خصوصیات کو متاثر کیا۔ موجودہ بین الاقوامی نظام کی اہم خصوصیات کو مندرجہ ذیل نکات سے سمجھا جا سکتا ہے:

- سرد جنگ کا خاتمہ (End of Cold War): سوویت یونین کے انہدام نے سرد جنگ کے خاتمے کو نشان زد کیا، جس کے نتیجے میں سپر پاور کی دشمنی اور نظریاتی تنازعات میں کمی واقع ہوئی۔
- یونیپولرٹی (Unipolarity): امریکہ غالب عالمی سپر پاور کے طور پر ابھرا، جس کے نتیجے میں طاقت کے کم مراکز کے ساتھ یک قطبی عالمی نظام قائم ہوا۔
- گلوبلائزیشن (Globalization) ٹیکنالوجی، مواصلات، اور نقل و حمل میں تیز رفتار ترقی نے عالمگیریت کو مزید تیز کیا، قوموں کے درمیان باہمی ربط میں اضافہ ہوا۔
- انسانی مداخلت (Humanitarian Interventions): بڑے پیمانے پر مظالم کو روکنے اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے بین الاقوامی کوششوں کے ساتھ، انسانی ہمدردی کی مداخلتوں پر بڑھتا ہوا زور تھا۔
- غیر ریاستی اداکاروں کا عروج (Rise of Non-State Actors): غیر ریاستی اداکاروں جیسے بین الاقوامی کارپوریشنز، این جی اوز، اور دہشت گرد گروپوں نے بین الاقوامی سطح پر زیادہ اثر و رسوخ حاصل کیا۔
- علاقائیت (Regionalism): علاقائی تنظیموں اور بلاکس کو اہمیت حاصل ہوئی، جس کے نتیجے میں علاقائی تعاون اور انضمام میں اضافہ ہوا۔
- انسانی حقوق پر زور (Human Rights Emphasis): انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کو بین الاقوامی تعلقات کے مرکزی پہلو کے طور پر اہمیت حاصل ہوئی۔
- ماحولیاتی خدشات (Environmental Concerns): ماحولیاتی مسائل جیسے کہ موسمیاتی تبدیلی اور پائیدار ترقی عالمی ایجنڈے میں زیادہ اہم بن گئے۔

- نسلی تنازعات(Ethnic Conflicts): کئی ریاستوں کے ٹوٹنے اور نسلی تنازعات نے خود ارادیت، نسلی حقوق، اور ریاستی خود مختاری پر زیادہ توجہ دی ہے۔
- معلومات کا دور(Information Age): انٹرنیٹ اور ڈیجیٹل کمیونیکیشن کے پھیلاؤ نے اس بات کو تبدیل کر دیا کہ معلومات کو کیسے پھیلایا جاتا ہے اور عالمی بیانیے کو متاثر کیا جاتا ہے۔
- عالمی سلامتی کے چیلنجز(Global Security Challenges): نئے سیکورٹی خطرات کا ابھرنا، بشمول دہشت گردی، سائبر وارفیئر، اور بین الاقوامی جرائم، سیکورٹی کی حرکیات کو نئی شکل دینا۔
- کثیر جہتی(Multilateralism): عالمی چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے باہمی تعاون پر مبنی نقطہ نظر کو اہمیت حاصل ہوئی، ریاستیں بین الاقوامی تنظیموں کے ذریعے مل کر کام کرنے لگیں۔
- معاشی تبدیلیاں(Economic Changes): بین الاقوامی تجارت اور اقتصادی انضمام کی توسیع تجارتی پالیسیوں اور عالمگیریت کے اثرات پر بحث کا باعث بنی۔
- تنازعات کا حل(Conflict Resolution): سفارتی اور گفت وشنید کے ذریعے تنازعات کے حل کی طرف ایک تبدیلی آئی، خاص طور پر سرد جنگ کے بعد کے تنازعات میں۔
- انسانی بحران(Humanitarian Crises): نسل کشی اور بڑے پیمانے پر نقل مکانی سمیت متعدد انسانی بحرانوں نے بین الاقوامی رد عمل اور مداخلتوں کو جنم دیا۔
- ترقیاتی اتحاد(Evolving Alliances): روایتی اتحاد بدل گئے کیونکہ ممالک نے دو قطبی دنیا کی عدم موجودگی میں اپنے اسٹریٹجک مفادات کا از سر نو جائزہ لیا۔

یہ خصوصیات سیاسی، اقتصادی، تکنیکی اور سماجی عوامل کی وجہ سے ہونے والی تبدیلیوں کے ساتھ 1990 کے بعد بین الاقوامی نظام کی ابھرتی ہوئی نوعیت کی عکاسی کرتی ہیں۔

1.5. بین الاقوامی نظام کی اہمیت (Importance of International System)

بین الاقوامی نظام بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ ممالک کو بات چیت، تعاون اور عالمی مسائل سے نمٹنے کے لیے ایک فریم ورک فراہم کرتا ہے۔ یہ اقوام کے درمیان سفارت کاری، امن اور استحکام کو فروغ دیتا ہے، تجارت، مذاکرات اور بین الاقوامی قانون کے نفاذ میں سہولت فراہم کرتا ہے۔ یہ نظام تنازعات کے انتظام میں مدد کرتا ہے، ترقی کو فروغ دیتا ہے، اور انسانی حقوق جیسے چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے مشترکہ کوششوں کو قابل بناتا ہے۔

مشترکہ چیلنجوں جیسے کہ ماحولیاتی تبدیلی، وبائی امراض, سلامتی کے خطرات، اور اقتصادی باہمی انحصار سے نمٹنے میں مدد کرتا ہے۔ مزید برآں، یہ نظام بین الاقوامی قانون اور انسانی حقوق کے اصولوں کو برقرار رکھتا ہے، ایک سے زیادہ باہم مربوط اور ہم آہنگ دنیا کو فروغ دیتا ہے۔

1.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ نے:

- بین الاقوامی نظام کو سمجھا۔
- جدید بین الاقوامی نظام کے ارتقا سے واقف حاصل کی۔
- جدید بین الاقوامی نظام کی کلیدی خصوصیات کو سمجھا۔
- بین الاقوامی نظام کی اہمیت کو جانا۔

1.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

سفارتی تعلقات

ملکوں کے درمیان باہمی تعلقات اور کاروبار وغیرہ کو باامن طریقے سے چلانے کے عمل کو سفارتی تعلقات کہا جاتا ہے۔

خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی ایک طریقہ کار ہے جسے قومی حکومتیں اپنے سفارتی تعاملات اور دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات کی رہنمائی کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ایک ریاست کی خارجہ پالیسی اس کی اقدار اور اہداف کی عکاسی کرتی ہے اور عالمی میدان میں اس کے سیاسی اور اقتصادی مقاصد کو آگے بڑھانے میں مدد کرتی ہے۔

کیتھولک

یہ دنیا کی سب سے منظم مذہبی اکائی ہے۔ Statistical Yearbook of the Church, کے مطابق سن 2005 میں کاتھولک کلیسا کے مندرج ارکان کی تعداد 1,114,966,000 یعنی دنیا کی کل آبادی کا تقریباً چھٹا حصہ ہے۔

پروٹسٹنٹ

پروٹسٹنٹ مسیحیت (Protestantism) مسیحیت کا ایک بڑا فرقہ ہے۔ یہ مسیحیت کا ترقی پزیر فرقہ ہے۔ پروٹسٹنٹ کلیسا ان مسیحی گروہان کا اتحاد ہے جو زمانہ اصلاحِ کلیسا میں رومی کاتھولک کلیسا کے خلاف کھڑے ہوئے۔

1.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

1.8.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ مندرجہ ذیل میں وہ کون سا مضمون ہے جو بین الاقوامی تعلقات کا فریم ورک ہے؟

(a) بین الاقوامی نظام (b) قومی نظام (c) ریاستی نظام (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ بین الاقوامی نظام کے اندر، مندرجہ ذیل میں بنیادی اداکار کون ہیں؟

(a) ریاست (b) افراد (c) تنظیمیں (d) مذکورہ تمام

3۔ بین الاقوامی نظام میں غیر ریاستی اداکار سے کیا مراد ہے؟ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک کا انتخاب کیجئے۔

(a) اقوام متحدہ (b) نیٹو (c) کارپوریشن، این جی او (d) مذکورہ سبھی

4۔ بین الاقوامی نظام عالمی سیاست کی بنیادی اکائیوں کے درمیان تعلقات کا ایک نمونہ ہے۔ مندرجہ ذیل میں سے کس کا خیال ہے؟

(a) اسٹینلے ہافمین (b) فریڈرک ایس پییرسن (c) مارٹن روچیسٹر (d) ان میں سے کوئی نہیں

5۔ ویسٹ فیلیا کا امن معاہدہ کب ہوا؟

(a) 1541 (b) 1648 (c) 1650 (d) 1947

6۔ ویسٹ فیلیا کس ملک میں ہے؟

(a) جرمنی (b) آسٹریلیا (c) امریکا (d) برطانیہ

7۔ ویسٹ فیلیا کے امن کے اہم نکات کتنے تھے؟ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک کو منتخب کیجیے۔

(a) 4 (b) 8 (c) 10 (d) 12

8۔ سرد جنگ کا دور کب شروع ہوا؟

(a) 1945 (b) 1948 (c) 1950 (d) 1960

9۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد عظیم طاقت کون بنا؟

(a) روس (b) چین (c) امریکا (d) برطانیہ

10۔ عالمگیریت کی ابتدا کب ہوئی؟

(a) 1991 (b) 1995 (c) 2002 (d) ان میں سے کوئی نہیں

1.8.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. "توازن طاقت" کا تصور قوموں کے درمیان سفارتی حکمت عملیوں کو کیسے متاثر کرتا ہے؟۔ وضاحت کیجئے۔
2. جدید بین الاقوامی نظام (New World Orders) سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ لکھیے۔

3. طاقت کے توازن میں بدلاؤ (Shifting Balance of Power) کی وجوہات لکھیے۔

4. ویسٹ فیلیا کا امن معاہدہ قلمبند کیجیے۔

5. بین الاقوامی نظام کی اہمیت پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

1.8.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی نظام سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

2. جدید بین الاقوامی نظام کے ارتقاء پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

3. جدید بین الاقوامی نظام کی کلیدی خصوصیات کو قلم بند کیجیے۔

1.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. Pant, H. V., & Taneja, N. (Eds.). (2019). Does India Think Strategically? India's Strategic Culture and Foreign Policy. Oxford University Press.
2. Bajpai, K., & Muni, S. D. (Eds.). (2013). India's Changing World: India and the Major Powers. Routledge.
3. Sardesai, D. R. (2014). Southeast Asia: Past and Present (6th ed.). Westview Press.
4. Waltz, K. N. (1979). Theory of International Politics. McGraw-Hill.
5. Keohane, R. O., & Nye, J. S. (2000). Power and interdependence revisited. International Organization, 55(4), 1-41.
6. Morgenthau, H. J. (1978). Politics among Nations: The struggle for power and peace. Alfred A. Knopf.
7. Keohane, R. O. (1984). After Hegemony: Cooperation and Discord in the World Political Economy. International Organization, 36(4), 731-766.
8. Waltz, K. N. (1979). Theory of International Politics. International Security, 23(3), 29-33.
9. Gilpin, R. (1981). War and Change in World Politics. Cambridge University Press.
10. Wendt, A. (1992). Anarchy is What States Make of It: The Social Construction of Power Politics. International Organization, 46(2), 391-425.
11. Mearsheimer, J. J. (2001). The Tragedy of Great Power Politics. W. W. Norton & Company.
12. Huntington, S. P. (1993). The Clash of Civilizations? Foreign Affairs, 72(3), 22-49.
13. Ikenberry, G. J. (2001). After Victory: Institutions, Strategic Restraint, and the Rebuilding of Order after Major Wars. Princeton University Press.
14. Nye, J. S. (2004). Soft Power: The Means to Success in World Politics. Public Affairs.
15. Ruggie, J. G. (1983). International Regimes, Transactions, and Change: Embedded Liberalism in the Postwar Economic Order. International Organization, 36(2), 379-415.
16. Wendt, A. (1999). Social Theory of International Politics. Cambridge University Press.

اکائی 2۔ بین الاقوامی تعلقات

(International Relations)

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 بین الاقوامی تعلقات کا تعارف

2.3 بین الاقوامی تعلقات کا معنی اور تعریف

2.4 بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست

2.5 بین الاقوامی تعلقات کو پڑھنا کیوں ضروری ہے؟

2.6 بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت

2.7 بین الاقوامی تعلقات کی وسعت

2.8 بین الاقوامی تعلقات کے نظریات

2.9 اکتسابی نتائج

2.10 کلیدی الفاظ

2.11 نمونہ امتحانی سوالات

2.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

2.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

2.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

2.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء! بین الاقوامی تعلقات عالمی بین ریاستی نظام میں ریاستوں کے تعامل کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ دوسروں کے تعاملات کی وضاحت کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے جن کا طرز عمل ایک ملک کے اندر پیدا ہوتا ہے اور دوسرے ممالک کے ارکان کی طرف نشانہ بنایا جاتا ہے۔ مختصراً، بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ ریاستوں کی حدود میں پائے جانے والے رویے کی وضاحت کرنے کی ایک کوشش ہے، وسیع تر تعلقات جن کا ایسا رویہ ایک حصہ ہے، اور ادارے (نجی، ریاستی، غیر سرکاری، اور بین الحکومتی) ان تعاملات کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس رویے کی وضاحت انسانی اجتماعیت کی کسی بھی سطح پر طلب کی جاسکتی ہے۔ کچھ لوگ نفسیاتی اور سماجی نفسیاتی تفہیم کی طرف دیکھتے ہیں کہ خارجہ پالیسی بنانے والے اپنے جیسا کام کیوں کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ ادارہ جاتی عمل اور سیاست کی تحقیقات کرتے ہیں جو ریاستوں کے بیرونی اہداف اور طرز عمل میں کردار ادا کرتے ہیں۔ متبادل طور پر، وضاحتیں شرکا کے درمیان اور ان کے درمیان تعلقات (مثال کے طور پر طاقت کا توازن)، ریاستوں کے درمیان بین الحکومتی انتظامات میں (مثال کے طور پر، اجتماعی سلامتی)، کثیر القومی کارپوریشنوں کی سرگرمیوں میں (مثال کے طور پر، تقسیم) میں مل سکتی ہیں۔ دولت)، یا دنیا میں ایک نظام کے طور پر طاقت اور کنٹرول کی تقسیم ہے۔

2.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ:

- بین الاقومی تعلقات کے تعارف سے واقف ہو جائیں گے۔
- بین الاقوامی تعلقات کی تعریفات اور اُس کے معنی کو سمجھ پائیں گے۔
- بین الاقوامی تعلقات اور اُس کی نوعیت سے بھی روبرہ ہوں گے۔
- بین الاقوامی تعلقات کی وسعت سے بھی روسناش ہوں گے۔
- بین الاقوامی تعلقات کے مختلف نظریات سے واقف ہوں گے۔
- بین الاقوامی تعلقات کو پڑھنا کیوں ضروری ہے اُس کی بھی معلومات حاصل کریں گے۔

2.2 بین الاقوامی تعلقات کا تعارف (Introduction of International Relations)

بین الاقوامی تعلقات کیا ہیں؟ اس اکائی میں بین الاقوامی تعلقات کا معنی، نوعیت اور دائرہ کار سے متعلق تمام سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات لفظی طور پر ریاستوں کے باہمی تعلقات کو کہتے ہیں۔ آج دنیا میں کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو مکمل طور پر خود کفیل ہو یا دوسروں سے الگ تھلگ ہو۔ ہر ریاست براہ راست یا بالواسطہ طور پر دوسرے پر منحصر ہے۔ اس طرح بین الاقوامی میدان میں ریاستوں

کے درمیان باہمی انحصار پیدا ہو گیا ہے۔ ریاستوں کے اس باہمی انحصار کے پیش نظر ایک الگ موضوع بنایا گیا ہے جس کا نام ''بین الاقوامی تعلقات'' ہے، جس میں تفصیلی بات چیت کی گئی ہے کہ کس طرح تعاون کے ذریعے دنیا میں امن اور خوشحالی کا قیام، تنازعات، جنگوں وغیرہ سے بچنا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ وسیع ہے اور اس کی بنیاد بنیادی طور پر باہمی انحصار ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ بین الاقوامی تعلقات کی رفتار تیز ہوئی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات ایک الگ تعلیمی شعبے کے طور پر بیسویں صدی کے آغاز میں بنیادی طور پر پہلی جنگ عظیم کے بعد سامنے آیا۔ 1917 میں سوویت یونین کا امن سے متعلق فرمان اور 1918 میں امریکی صدر ووڈرو ولسن کے 14 نکاتی اصولوں کو اہم دستاویزات کے طور پر جانا جاتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں. پہلی یونیورسٹی چیئر جس نے باقاعدہ طور پر نظم وضبط میں قائم کیا وہ 1919 میں یونیورسٹی کالج آف ویلز میں بین الاقوامی سیاست کی ووڈرو ولسن چیئر تھی۔

2.3 معنی اور تعریف (Meaning and Definitions)

بین الاقوامی تعلقات ایک علیحدہ نصاب کے طور پر بین الاقوامی واقعات پر بحث کرتا ہے اور ریاستوں کے درمیان عالمی مسائل کو بین الاقوامی نظام کے تناظر میں زیر بحث لاتا ہے۔ اس کے اہم موضوعات ریاست کا کردار، بین الاقوامی تنظیمیں، غیر سرکاری تنظیمیں اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز ہیں۔ یہ ایک تعلیمی اور حکومتی پالیسی کا میدان ہے، اور یہ تجرباتی یا معیاری ہو سکتا ہے، کیونکہ علم کی یہ شاخ خارجہ پالیسی کے تجزیہ اور تشکیل دونوں میں استعمال ہوتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی کوئی خاص تعریف نہیں ہے۔ ماہرین نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اس کی تعریف کی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی تعریف میں بھی مسئلہ ہے۔ کئی بار بین الاقوامی تعلقات کو عالمی سیاست اور بین الاقوامی سیاست کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ پالمر اور پرکنز کا نام بین الاقوامی تعلقات کی تعریف میں سب سے اہم ہیں کیونکہ بین الاقوامی تعلقات کی ان کی تعریف موضوع کے لحاظ سے مناسب ہے۔ ان کے مطابق بین الاقوامی تعلقات ان قوتوں، دباؤ اور عمل سے بحث کرتے ہیں جو عالمی برادری میں تمام انسانی اور گروہی تعلقات، سرگرمیوں اور فکر کی نوعیت کو کنٹرول کرتے ہیں۔ یعنی بین الاقوامی تعلقات کی بحث میں سیاسی اور غیر سیاسی دونوں امور شامل ہوتے ہیں۔ انہوں نے بین الاقوامی تعلقات کی تعریف اس طرح کی ہے-"بین الاقوامی تعلقات بین الاقوامی زندگی کا اور اس کے تمام پہلوؤں کا بامقصد اور منظم مطالعہ ہے"۔

ماہرین کے ذریعہ بین الاقوامی تعلقات کی تعریف (Definitions by the Expert)

بہت سے اسکالرز بین الاقوامی تعلقات کو مختلف طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ یہاں پر بین الاقوامی تعلقات (International Relations) کی چند اہم ترین تعریفیں بیان کی جاتی ہیں۔

ہنس جے مورگینتھاؤ (Hans J Morgenthau) نے بین الاقوامی سیاست کی اصطلاح استعمال کی اور اس کی تعریف یوں کی کہ "بین الاقوامی سیاست میں سیاسی تعلقات اور قوموں کے درمیان امن کے مسائل کا تجزیہ شامل ہے... یہ "قوموں کے درمیان طاقت کے لیے جدوجہد اور استعمال ہے"۔

کوئنسی رائٹ (Quincy Wright) کے مطابق، بین الاقوامی تعلقات میں "غیر یقینی خود مختاریوں کے بہت سے اداروں کے درمیان تعلقات" شامل ہیں اور یہ کہ "یہ صرف وہ قومیں نہیں ہیں جن سے بین الاقوامی تعلقات جوڑنا چاہتے ہیں۔ مختلف قسم کے گروہوں - قوموں، ریاستوں، حکومتوں، لوگوں، خطوں، اتحادوں، کنفیڈریشنوں، بین الاقوامی تنظیموں، یہاں تک کہ صنعتی تنظیموں، ثقافتی تنظیموں، مذہبی تنظیموں سے بھی بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ میں نمٹا جانا چاہیے، اگر علاج حقیقت پسندانہ ہونا ہے۔"

جیکسن اور سورنسن نے کہا کہ "ایک انتہا پر علمی توجہ صرف ریاستوں اور بین ریاستی تعلقات پر ہے۔ لیکن اس میں تقریباً ہر وہ چیز شامل ہے جس کا تعلق دنیا بھر میں انسانی تعلقات سے ہے۔ لہذا بین الاقوامی تعلقات یہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو تحفظ، آزادی، نظم، انصاف اور بہبود کی بنیادی اقدار فراہم کی جاتی ہیں یا نہیں فراہم کی جاتی ہیں۔"

گولڈ سٹین ان کا خیال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات بنیادی طور پر "دنیا کی حکومتوں کے درمیان تعلقات سے متعلق ہیں"۔ لیکن وہ یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ بین الاقوامی تعلقات صرف حکومتوں کے درمیان تعلق نہیں ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کو غیر ریاستی اداکاروں کی سرگرمیوں کے لحاظ سے بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

قابل قبول تعریف یہ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات جو دنیا کی مختلف ریاستوں، غیر ریاستی تنظیموں، بین الاقوامی تنظیموں، جنگ اور امن، تخفیف اسلحہ، اتحاد کی تشکیل، دہشت گردی اور پوری دنیا کے باہمی تعلقات سے متعلق ہے۔ بین الاقوامی نظام بین الاقوامی تعلقات کا عالمی سیاست پر گہرا اثر پڑتا ہے، اور اس موضوع کی تحقیق اور عمل کا دائرہ عصری سے لے کر جدید سیاست تک، اقتصادی اور عالمی مسائل پر متعدد ریاستوں اور سیاسی نظریات کے درمیان تعلقات، باہمی تبادلہ، تعاون اور بحث و مباحثہ پر مشتمل ہے۔

2.4 بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست

(International Relations and International Politics)

بین الاقوامی سیاست کا تعلق قوموں کے درمیان تعلقات اور تعامل سے ہے۔ مختلف علما نے اس کی شناخت اور مختلف نام بتائے ہیں۔ کچھ لوگ بین الاقوامی تعلقات کا نام استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ دوسرے اسے بین الاقوامی سیاست کہنا پسند کرتے ہیں۔ اس نظم وضبط کے لیے

استعمال ہونے والے کچھ دوسرے مشہور نام ہیں: عالمی سیاست، عالمی امور، بین الاقوامی امور، خارجہ سیاست، خارجہ پالیسیاں اور بین الاقوامی نظام۔ تاہم، یہ بہت مقبول نہیں ہیں. 1. بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست: یہ نظم وضبط کے دو مشہور نام ہیں۔ اتنا تو یہ اکثر مترادفات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ کئی مصنفین بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست کے درمیان حد بندی کی لکیر کھینچنا پسند نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ کچھ اعلیٰ درجہ کے اسکالرز جیسے ہینس مور گینتھاؤ اور کینتھ تھامسن ان اصطلاحات کو ایک دوسرے کے ساتھ بدلتے ہوئے استعمال کرتے ہیں کیونکہ وہ "بین الاقوامی سیاست کو بین الاقوامی تعلقات کا ایک ناقابل تنسیخ حصہ سمجھتے ہیں۔" پالمر، پرکنز، برٹن، شوارزنبرگر، شلیچر، تھیوڈورائے کولمبس اور جیمز ایچ وولف جیسے کئی دیگر اسکالرز بین الاقوامی تعلقات کا نام استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

(a) بین الاقوامی تعلقات

بین الاقوامی تعلقات نام کے حامی، اسے ایک زیادہ جامع اصطلاح کے طور پر دیکھتے ہیں جو وسیع دائرہ کار اور اقوام کے درمیان تعلقات کی حقیقی نوعیت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ ریاستوں، ان کے لوگوں اور گروہوں کے درمیان تمام قسم کے تعلقات کے ساتھ ساتھ دنیا میں کام کرنے والے بین الاقوامی اداکاروں اور بین الاقوامی اداروں کے درمیان تعلقات کا احاطہ کرتا ہے۔ قوموں کے درمیان تعلقات سیاسی بھی ہوتے ہیں اور غیر سیاسی بھی۔ ان میں سماجی، اقتصادی، ثقافتی، قانونی، سرکاری اور غیر سرکاری تعلقات شامل ہیں۔ تمام بین الاقوامی لین دین - مالی اور تجارتی، بین الاقوامی، کھیل، تکنیکی، تعاون، ثقافتی، دورے، کاروباری دورے، تجارتی اور اقتصادی تعلقات، سفارتی تعلقات، اور رسمی دورے، بین الاقوامی تعلقات کا حصہ ہیں۔ چونکہ اقوام کے درمیان تعلقات مطالعہ کا مرکز ہیں، اس لیے بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح دیگر اصطلاحات کے مقابلے میں زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہے۔ پالمر اور پرکنز بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح کو اس بنیاد پر استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں کہ بین الاقوامی سطح پر سیاست مختلف اقسام کے تعلقات کی پیداوار میں سے ہے اور یہ نام اقوام کے درمیان تعلقات کے تمام پہلوؤں کے مطالعہ کی بجا طور پر تجویز پیش کرتا ہے۔ شوارزنبرگ (Shwazanburg) کے مطابق، ''بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح بین الاقوامی سیاست سے زیادہ وسیع ہے اور یہ بین الاقوامی معاشرے کے اندر تمام اداروں کے باہمی انحصار پر زیادہ زور دیتی ہے۔''

(b) بین الاقوامی سیاست

کئی اسکالرز بین الاقوامی سیاست کے نام کی وکالت کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح بہت عام، بہت وسیع اور ایک ڈھیلی اصطلاح ہے جو قوموں کے درمیان تعامل کی اصل نوعیت کی وضاحت کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اس سے مطالعہ کی بنیادی فکر یعنی قوموں کے درمیان سیاست کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

اس میں مزید موضوع کا ایک بے حد وسیع دائرہ کار تجویز کیا گیا ہے-دنیا کے لوگوں، گروہوں اور قوموں کے درمیان تمام قسم کے عوامی اور نجی تعلقات کا مطالعہ۔ بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح کو مزید نامناسب سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ تعاون اور تعلقات کو بین الاقوامی تعامل کے نشان کے طور پر ظاہر کرتا ہے جو بین الاقوامی نظام کی حقیقتوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

حقیقت میں، ہمیں بین الاقوامی تعاملات کا میدان مل جاتا ہے جس کی خصوصیات تنازعات، اقتدار کے لیے جدوجہد، جنگیں اور تنازعات کے ساتھ ساتھ کچھ تعاون اور دوستی بھی ہیں۔اس طرح، اقوام کے درمیان سیاست کے مطالعہ کے لیے بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح کا استعمال نامناسب اور گمراہ کن سمجھا جاتا ہے۔

لیگ اور موریسن بین الاقوامی سیاست کو اس موضوع کا صحیح نام مانتے ہیں جو قوموں کے درمیان طاقت کے تعاملات یا قوموں کے درمیان سیاست کا مطالعہ کرتا ہے، "چونکہ مطالعہ کا بنیادی شعبہ قوموں کے درمیان تعلقات کا سیاسی پہلو ہے، ہمیں اس کے استعمال پر قائم رہنا چاہیے۔ بین الاقوامی سیاست کا نام قوموں کے درمیان تعلقات کی حقیقی نوعیت کی صحیح معنوں میں عکاسی کرتا ہے۔

تشویش کی بنیادی وجہ قوموں کے درمیان طاقت کے حصول کے لیے جدوجہد ہے جو قوموں کے درمیان اعمال، سرگرمیوں، تعاملات اور تعلقات کے نظام کو جنم دیتا ہے۔ایک نظم وضبط کے طور پر، بین الاقوامی سیاست کا تعلق بنیادی طور پر قوموں کے درمیان طاقت کے تعلقات کے مطالعہ سے ہے اور تعلقات کے دیگر پہلوؤں کا مطالعہ اس بنیادی ضرورت کے مطابق ہے۔ مخصوص ہونے کے لیے، بین الاقوامی سیاست کی اصطلاح کا استعمال مقاصد کے تصادم اور قوموں کے درمیان اقتدار کے لیے جدوجہد کے مطالعہ کی نشاندہی کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے۔

(c) دونوں نام، 'بین الاقوامی سیاست' اور 'بین الاقوامی تعلقات'، استعمال کیے جاسکتے ہیں

مندرجہ بالا بحث ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ بین الاقوامی سیاست کی اصطلاح بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح سے زیادہ مخصوص اور خاص معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال، یہ بھی مان لینا چاہیے کہ اصل استعمال میں دونوں اصطلاحات یکساں مقبول رہی ہیں۔ بہت سے اسکالرز اقوام کے درمیان تعلقات کی مخصوص خصوصیات کو اجاگر کرنے کے لیے بین الاقوامی سیاست کو استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، جب کہ دوسرے جامع نام یعنی بین الاقوامی تعلقات کا استعمال کرتے ہوئے موضوع کا دائرہ وسیع رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

وسیع تر اور عمومی معنوں میں ہم بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں لیکن بین الاقوامی تعلقات اور تعاملات کی بنیادی شناخت کے لیے ہمیں بین الاقوامی سیاست کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیے۔بلاشبہ قوموں کے درمیان سیاست مختلف قسم کے تعلقات پیدا کرتی ہے اس لیے ہم اس کی وضاحت میں قطعی طور پر سخت نہیں ہو سکتے۔ایک اصطلاح کی وضاحت ہم بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست دونوں ناموں کو بغیر کسی رکاوٹ کے استعمال کر سکتے ہیں۔ لہٰذا دیگر تمام ناموں کے لیے - خارجہ امور، بین الاقوامی امور، عالمی امور، خارجہ سیاست، اور عالمی سیاست بین الاقوامی نظام کی اصطلاح ہے یہ بہت عام اصطلاحات ہیں۔ان میں سے کوئی بھی عالمی مقبولیت حاصل کرنے کی

پوزیشن میں نہیں رہا۔ان کے خلاف بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست کی اصطلاحات اسکالرز کی ایک بڑی اکثریت استعمال کر رہی ہے۔ لہذا، ہم اپنے مطالعہ کے موضوع کی شناخت کے لیے ان دوناموں کو قبول کر سکتے ہیں۔

2.5 بین الاقوامی تعلقات پڑھنا کیوں ضروری ہے؟ (Why Study International Relations)

موجودہ دور عالمگیریت کا دور ہے۔اور اس میں دنیا کے سبھی ممالک کسی نہ کسی وجہ سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ملک کا وجود الگ تھلگ ممکن نہیں ہے۔اسی وجہ سے بین الاقوامی تعلقات ممالک کے لئے ایک اہم موضوع ہے۔آج سبھی ممالک چاہے وہ معاشی، سماجی، سیاسی ثقافتی اور سفارتی اعتبار سے ایک دوسرے پر اثر ڈالتی ہے۔اس لئے بین الاقوامی تعلقات کا پڑھنا لازمی ہو چکا ہے۔ اس مختلف موضوع کے ماہرین اپنے اپنے حساب سے بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جس میں علم سیاسیات کی ایک شاخ بین الاقوامی تعلقات اہم موضوع کے طور پر سامنے آیا ہے۔

بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں سفر اور رابطے کے ذرائع میں انقلاب نے نہ صرف بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کو بدل دیا ہے بلکہ ہر روشن خیال کے لیے اس کے مطالعہ کو ضروری بنا دیا ہے۔آج ہم ایک دوسرے پر منحصر ریاست کے نظام میں رہ رہے ہیں۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس کا واضح اندازہ ہم سب کے لیے ضروری ہے۔ سیاسی واقعات اہم ہیں، لیکن یہاں تک کہ اقتصادی ترقی، تجارت، تجارت اور اداکاروں کی سرگرمیاں بھی ملٹی نیشنل کارپوریشنز بھی کم اہم نہیں ہیں۔ ہم بڑھتے ہوئے بین الاقوامی تعاون کے دور میں رہتے ہیں۔ لہذا، نہ صرف اقوام متحدہ اور اس کی متعدد ایجنسیوں کی سرگرمیاں تمام اقوام اور ان کے لوگوں کو متاثر کرتی ہیں، بلکہ علاقائی تنظیمیں جیسے یورپی یونین، جنوبی ایشیائی علاقائی تعاون کی تنظیم (SAARC)، جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کی تنظیم (ASEAN)۔اور 'افریقی اتحاد کی تنظیم (OAU) بھی ہماری زندگیوں میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی انسانیت کے لیے تشویش کا باعث رہی ہے اور عالمی بینک اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) جیسے معاشی ادارے بین الاقوامی تعلقات کو متاثر کرتے ہیں۔ اس لیے بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ طلبا اور دیگر لوگوں کے لیے انتہائی مفید بن گیا ہے۔

2.6 بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت (Nature of International Relations)

کسی مضمون کی نوعیت اس مضمون کی خصوصیات سے عبارت ہے۔اس لحاظ سے بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت درج ذیل ہے:

بین الاقوامی تعلقات کی بدلتی ہوئی نوعیت

بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت متحرک ہے۔ بین الاقوامی تعلقات عالمی سیاست میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا مکمل تجزیہ ہے۔دوسری جنگ عظیم کے بعد کے دور میں عالمی سیاست میں بہت بڑی تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ عالمی سیاست کو دو قطبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، جیسا کہ امریکہ کی قیادت

میں نیٹو(NATO)اور USSR کی قیادت میں وار سا (WARSAW) معاہدہ۔1990 کی دہائی میں سوویت یونین کے انہدام نے عالمی سیاست میں ایک قسم کی واحد قطبیت کو جنم دیا۔تاہم، اقتصادی طور پر ترقی کرنے والے ایشیائی ممالک جیسے چین، بھارت، سنگاپور، ویت نام اور مختلف جنوبی امریکی ممالک جیسے برازیل، سبھی عالمی سیاست پر نمایاں طور پر اثرانداز ہورہے ہیں۔تو یہ واضح ہے کہ بین الا قوامی سیاست ایک بار پھر کثیر قطبیت کی طرف بڑھ رہی ہے۔ پھر بین الا قوامی تعلقات کے میدان میں غیر ریاستی اداکاروں جیسے این جی او(غیر سرکاری تنظیم)، ایم این سی (ملٹی نیشنل کمپنیز) وغیرہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت پر بھی بات کی جاتی ہے۔بین الا قوامی تعلقات ایک علمی شعبے کے طور پر عصری دنیا کے بدلتے ہوئے انداز پر بحث کرتے ہیں۔ایک بین الضابطہ مضمون کے طور پر سماجی سائنس کے تمام مضامین فطرت میں بین الضابطہ ہیں۔ بین الا قوامی تعلقات بھی مطالعہ کا ایک بین الضابطہ میدان ہے جس میں سماجی سائنس کے دیگر مضامین جیسے تاریخ، معاشیات، سیاسیات، فلسفہ، جغرافیہ، ثقافت وغیرہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ریاست بین الا قوامی تعلقات میں بنیادی اداکار ہے۔ بین الا قوامی سیاست کے میدان میں ریاست واحد اور یکتا اداکار ہے۔ریاست ہمیشہ بین الا قوامی تعلقات میں ایک اہم کھلاڑی رہی ہے۔ بین الا قوامی سیاست میں ایک اہم محرک کے طور پر ریاست کے رویے کا بین الا قوامی تعلقات میں بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ قومی مفاد اور طاقت(National Interest and Power) کا مرکز ہیں۔ قومی مفادات کا تحفظ ریاست کا بنیادی ہدف ہے۔اس مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے ریاست دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلقات استوار کرتی ہے اور ریاست کی قومی طاقت اپنے قومی مفادات کو پورا کرنے کے قابل ہوگی۔اس طرح، یہ دیکھا جاتا ہے کہ قومی مفاد کے مسائل اور ان مفادات کو پورا کرنے میں قومی طاقت کا کردار IR کا بنیادی خیال ہے۔اقتدار کے لیے جدوجہد مورگنتھاؤ کے مطابق، بین الا قوامی سیاست اور اقتدار کی جدوجہد ہے۔ جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ اقتدار قومی مفاد کا ذریعہ ہے۔اس لیے طاقت کی سیاست IR کا کلیدی موضوع ہے۔ قومی ریاستوں کے درمیان مسلسل تعامل موجود ہونے سے دنیا میں کوئی بھی ریاست خود کفیل نہیں ہے۔ ہر ریاست ایک دوسرے پر منحصر ہے۔اس لیے باہمی ربط کی ضرورت ہے اور یہ مختلف ریاستوں کے درمیان رابطے کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔ بین الا قوامی تعلقات مختلف ریاستوں کی خارجہ پالیسیوں اور ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی بات کرتے ہیں۔ نظریہ کی تعمیر کے لیے تجزیاتی اور تجرباتی مطالعہ بین الا قوامی تعلقات کی تعمیر کے لیے تجزیاتی اور تجرباتی طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ IR میں کئی نظریات ہیں۔ مثال کے طور پر، Idealism اور Neo-liberalism تجزیاتی مطالعہ کا نتیجہ ہے، اور حقیقت پسندی تجرباتی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

2.7 بین الا قوامی تعلقات کے وسعت (Scope of International Relations)

بین الا قوامی تعلقات کا دائرہ کار بین الا قوامی برادری بین الا قوامی تعلقات کا آلہ ہے۔ گزشتہ ستر سالوں میں بین الا قوامی برادری میں ناقابل تصور تبدیلیوں نے بین ریاستی تعلقات کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ بین الا قوامی تعلقات ایک الگ نصاب کے طور پر 1930 کی دہائی سے بین الا قوامی معاشرے میں اس رجحان کی پیروی کر رہے ہیں۔اس وجہ سے بین الا قوامی تعلقات کے دائرہ کار پر مستقل لکیر کھینچنا ممکن نہیں۔ بین

الاقوامی تعلقات کی نوعیت کی بحث میں، آپ کو پہلے سے ہی خیال آتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ کیا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کے دائرہ کار کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

بین الاقوامی سیاست میں ریاستوں کے رویے کا مطالعہ

جس طرح جب کوئی قوم اپنی مجموعی ترقی کے لیے اچھے تعلقات استوار کرتی ہے تو وہ بین الاقوامی تعلقات کا موضوع بن جاتی ہے، بالکل اسی طرح جب مفادات کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو آپس میں تلخی پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی بین الاقوامی تعلقات کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس طرح بین الاقوامی تعلقات تعاون اور تنازعہ دونوں پر مشتمل ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات بھی اتحاد بنانے اور بحران سے نمٹنے کا ذریعہ ہیں۔

جنگ اور امن کا سوال

آج بین الاقوامی تعلقات بنی نوع انسان کو جنگ سے بچانے کے عزم کی بحث سے خالی نہیں ہیں۔ ماضی میں جو تصور کیا جاتا تھا وہ آج زیادہ حقیقت پسند ہوتا جا رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے قیام کا بنیادی مقصد عالمی امن و سلامتی کو یقینی بنانا ہے۔ بڑی اور علاقائی طاقتیں امن اور سلامتی کی فضا پیدا کرنے کے لیے اکثر خیالات کا تبادلہ کرتی رہتی ہیں۔ ثقافتی اور دیگر شعبوں میں مختلف تبادلوں اور عالمگیریت کے عمل کی فلاح و بہبود کے لیے ہر قسم کے رابطے بتدریج بڑھ رہے ہیں۔ یہ سب بین الاقوامی تعلقات کا موضوع بن گیا ہے۔

خارجہ پالیسی کا مطالعہ

بین الاقوامی تعلقات میں ایک اور اہم مسئلہ خارجہ پالیسی ہے۔ ماضی میں بادشاہوں یا وزرائے اعظم یا چند افراد نے خارجہ پالیسی کے تعین میں فعال کردار ادا کیا۔ آج خارجہ پالیسی کی تشکیل میں نہ صرف سیاستدان بلکہ مقننہ اور بہت سے شہری شامل ہیں۔ خارجہ پالیسی میں حالات یا نظریہ اور متعلقہ حکومتوں کے نظریاتی مسائل بین الاقوامی تعلقات کے اہم حصے ہیں۔

قومی ریاستوں کا مطالعہ

مختلف ریاستوں کی نسلی ساخت، جغرافیائی محل وقوع، تاریخی پس منظر، مذہب یا نظریات بالکل ایک جیسے نہیں ہیں۔ اور ان تمام اختلافات کی وجہ سے مختلف ریاستوں کے درمیان تعلق مختلف ہے۔ لہذا بین الاقوامی تعلقات کو ان تمام اختلافات پر تفصیل سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ جب سماجی ماحول مختلف ہوتا ہے تو اس کا ردعمل بین الاقوامی تعلقات پر پڑتا ہے۔

بین الاقوامی تنظیمیں

بین الاقوامی تعلقات میں قومی اور بین الاقوامی اداروں کا کردار بھی کم اہم نہیں ہے۔ مختلف ممالک کے لوگ یو ایس کانگریس آف انڈسٹریل آرگنائزیشنز، یو ایس فیڈریشن آف لیبر، فرانسیسی لیبر آرگنائزیشن، اور ویمنز انٹرنیشنل ڈیموکریٹک فیڈریشن انگیجمنٹ آرگنائزیشن میں شامل

ہیں۔ غیر سرکاری تنظیمیں اتحاد اور اس کی مختلف ماہر تنظیموں جیسے یونیسکو، انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن، اور ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی سرگرمیوں میں بھی شامل ہیں۔ لہذا بین الاقوامی تعلقات بھی تمام قومی اور بین الاقوامی تنظیموں پر بحث کرتے ہیں۔

بین الاقوامی میدان میں غیر ریاستی اداکاروں کا کردار

بین الاقوامی تعلقات کا مواد صرف ریاست اور اس کے رسمی اداروں کی سرگرمیوں کے گرد نہیں گھومتا۔ بین الاقوامی برادری میں ریاست واحد فعال اداکار نہیں ہے۔ بہت سے غیر ریاستی عناصر ہیں جن کی سرگرمیاں بین الاقوامی تعلقات کو متاثر کرتی ہیں۔ ملٹی نیشنل کارپوریشنز (MNCs)، یورپی اکنامک کمیونٹی، کونسل برائے باہمی اقتصادی امداد، نیٹو، سیٹو، وارسا پیکٹ، آسیان، امریکی ریاستوں کی تنظیم، مختلف دہشت گرد تنظیمیں، اور مذہبی تنظیمیں بین الاقوامی سطح پر غیر ریاستی عناصر کی مثالیں ہیں۔

عالمی ماحولیاتی مسائل

ماحولیات کے مسائل اب بین الاقوامی تعلقات کے اہم معاملات میں سے ایک ہیں۔ 1970 کی دہائی کے دوران ماحولیاتی سیاست صرف وسائل کے مسائل پر مرکوز تھی۔ لیکن 1990 کی دہائی سے ماحولیاتی سیاست نے گلوبل وارمنگ کے ذریعے 'موسمیاتی تبدیلی' کے مسئلے پر توجہ مرکوز کی۔ اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے اقوام متحدہ کے فریم ورک کنونشن آن کلائمیٹ چینج (FCCC)، 1997 میں کیوٹو پروٹوکول، موسمیاتی تبدیلی پر پیرس معاہدہ وغیرہ شروع کیے گئے ہیں۔ لہذا، عالمی ماحولیاتی مسائل دنیا کی ہر ریاست کو متاثر کرتے ہیں۔ اس خوبصورت دنیا کے تحفظ کے لیے تمام ریاستیں گرین ہاؤس گیسوں کے استعمال کو کم کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسے بین الاقوامی تعلقات کا سب سے اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔

بین الاقوامی سیاست میں لوگوں کا کردار

بین الاقوامی میدان میں عوام اور رائے عامہ کی اہمیت بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ سامراج کا خاتمہ بین الاقوامی، تخفیف اسلحہ، سیاسی اور اقتصادی، مختلف ممالک کے لوگوں کی طرف سے تحریکوں اور احتجاج کو متاثر کیا ہے۔ امریکی سائنسدانوں، دانشوروں، مختلف معاشروں سے تعلق رکھنے والے افراد نے ویتنام جنگ کے خلاف مظاہرے کیے ہیں۔

تیسری دنیا کا کردار

حالیہ عالمی سیاست میں تیسرا ظہور معیاری تبدیلی لایا ہے۔ دنیا میں زیادہ تر لوگ تیسری نسل کے ہیں۔ 1986 میں آٹھویں نان الائنمنٹ کانفرنس میں 101 ممالک نے شرکت کی۔ نئے بین الاقوامی نظاموں کی تعمیر، مشرق اور مغرب کے درمیان کشیدگی کو کم کرنے، تخفیف اسلحہ، نوآبادیاتی حکمرانی کے خاتمے وغیرہ میں غیر وابستہ ممالک کا بڑھتا ہوا کردار نمایاں ہے۔ اس لیے عالمی سیاست میں تیسری دنیا کا کردار بھی بین الاقوامی تعلقات میں بحث کا ایک متعلقہ نکتہ ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے کیونکہ اس میں متحرک نوعیت کے

مختلف مسائل پر بحث ہوتی ہے۔ تمام ملکی پالیسیاں جو دوسرے ممالک کو متاثر کرتی ہیں یا ان کے متاثر ہونے کا امکان ہے اب بین الاقوامی تعلقات کا احاطہ کیا جارہا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات اس وقت مختلف فیصلہ سازی کے عمل پر بحث کرتے ہیں۔

2.8 بین الاقوامی تعلقات کے نظریات (Theories of International Relations)

بین الاقوامی تعلقات کے تین بڑے نظریات:

1۔ حقیقت پسندی (Realism)

بین الاقوامی تعلقات میں حقیقت پسندی کا نظریہ عام طور پر یہ فرض کرتا ہے کہ بین الاقوامی نظام فطری طور پر بے ترتیبی اور لا قانونیت کا شکار ہے کیونکہ بنیادی اداکار طاقت اور سلامتی کی جدوجہد کے خلاف ہمیشہ بندر رہتے ہیں۔

اس نظریہ کا ایک اور عمومی مفروضہ یہ ہے کہ ریاستیں بین الاقوامی سیاست میں بنیادی اداکار ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات کے انتشاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی کوئی اعلیٰ قومی اتھارٹی نہیں ہے جو قوانین کو نافذ کر کے ان ریاستوں کے طرز عمل کو کنٹرول کرے۔ ریاستیں اس کے باوجود اپنے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے طاقت چاہتی ہیں۔ ان ریاستوں کے رویے اور اعمال ان کے مفادات کے فروغ کی طرف ہوتے ہیں۔ طاقت جمع کرنے کے دائرہ کار کے حوالے سے کوئی درمیانی بنیاد یا اعتدال نہیں ہو سکتا۔ ایک ریاست یا تو طاقت رکھتی ہے یا پھر کوئی نہیں۔

2۔ لبرل ازم (Liberalism)

بین الاقوامی تعلقات میں لبرل ازم کا نظریہ حقیقت پسندی کے نظریہ سے براہ راست متصادم ہے۔ یاد رکھیں کہ حقیقت پسندی ریاستوں کی انفرادیت کے بارے میں ہے جبکہ لبرل ازم باہمی انحصار اور تعاون کی ضرورت کے بارے میں ہے۔ لبرل ازم کے عمومی مفروضے اس تصور پر مرکوز ہیں کہ طاقت کی سیاست کو مسترد کرنا ہی بین الاقوامی تعلقات کا واحد ممکنہ نتیجہ ہے۔ اس طرح، بین الاقوامی نظام کو موروثی طور پر انتشار کے طور پر سمجھنے کے بجائے، لبرل ازم یہ سمجھتا ہے کہ تعاون کے کافی مواقع موجود ہیں۔ لبرل ازم کے مطابق بین الاقوامی سیاست میں ریاستیں واحد بنیادی اداکار نہیں ہیں۔ غیر ریاستی ایکٹرز جیسے کہ اعلیٰ قومی حکام، غیر سرکاری تنظیمیں، اور کثیر القومی کاروباری تنظیمیں بین الاقوامی تعلقات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

3۔ تعمیر پسندی (Constructivism)

تعمیریت کا نظریہ حقیقت پسندی اور لبرل ازم دونوں کا ایک خاکہ ہے۔ یہ صرف بین الاقوامی تعلقات کو بنیادی اداکاروں کے طرز عمل اور اعمال کی واحد پیداوار کے طور پر نہیں سمجھتا۔ اس کے بجائے، یہ نظریہ اس تصور کو واضح کرتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات ایک سماجی تعمیر ہے۔ تعمیر پسندی کا ایک خاص مفروضہ بین الاقوامی سیاست کو اداکاروں کی شناختوں اور طریقوں سے متاثر ہونے والے تعاملات کے دائرے کے

طور پر سمجھتا ہے اور مسلسل بدلتے ہوئے اصولوں کے ذریعے مزید ہدایت کرتا ہے۔ ریاست کے طرز عمل اور اعمال کے پیچھے محرکات دوسری ریاستوں اور اداکاروں کے ساتھ ان کے تعامل سے تشکیل پاتے ہیں۔ حقیقت پسندی اور لبرل ازم دونوں ریاستوں یا دوسرے اداکاروں کو موروثی انا پرست سمجھتے ہیں جن کی شناخت اور مفادات دوسرے اداکاروں کے ساتھ بات چیت سے پہلے ہی موجود ہیں۔ تاہم، تعمیر پسندی ان اداکاروں کو سماجی مخلوق کے طور پر سمجھتی ہے جن کی شناخت اور مفادات سماجی ڈھانچے کی پیداوار ہیں۔

4۔مارکسزم(Marxism)

مارکسزم بین الاقوامی تعلقات میں بھی ایک نظریہ ہے جس کی بنیاد اسی معاشی نظریے پر ہے جو کارل مارکس کے کاموں سے نکلی ہے۔ زیادہ مخصوص مارکسی بین الاقوامی تعلقات کے نظریات حقیقت پسندی اور لبرل ازم کو یہ دلیل دے کر مسترد کرتے ہیں کہ تجزیہ کا بنیادی مرکز معیشت ہونا چاہیے۔ نوٹ کریں کہ حقیقت پسندی اور لبرل ازم بین الاقوامی تعلقات کے سیاست پر مبنی نظریات ہیں۔

بہر حال، مارکسزم جیسا کہ یہ بین الاقوامی تعلقات میں لاگو ہوتا ہے، خاص طور پر یہ دلیل دیتا ہے کہ بین الاقوامی نظام میں عدم استحکام طبقاتی جدوجہد کے مختلف پہلوؤں جیسے کہ سرمایہ داری کی وجہ سے پیدا مسائل، چند افراد کے ذریعہ وسائل کا استحصال، دولت کی غیر مساوی تقسیم، اور ادارہ سازی عدم مساوات اور ناانصافی کا نتیجہ ہے۔

5۔ فنکشنلزم(Functionalism)

فنکشنلزم بین الاقوامی تعلقات کے عصری نظریات میں سے ایک ہے جو بین الاقوامی نظام میں بنیادی اداکار کے طور پر ریاستوں یا قومی حکومتوں کے متروک ہونے کے تصورات سے یا "ریاست" کو سماجی تنظیم کی ایک شکل کے طور پر ابھرا ہے۔

فنکشنل ازم کا نظریہ خاص طور پر پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کے ساتھ ساتھ یورپ کے انضمام کے دوران سامنے آیا۔ اس کی دلیل کا مرکز حقیقت پسندی کے اس خیال کو فروغ کے ذریعے مسترد کرنا ہے کہ عالمی انضمام یا عالمگیریت ریاستوں کے مشترکہ مفادات کے حصول سے پیدا ہونے والا عمل ہے۔ یہ عالمی انضمام افعال کے ساتھ ایک ایسا نظام بناتا ہے جو انفرادی اداکاروں کے افعال سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔

5۔نسوانیت (Feminism)

بین الاقوامی تعلقات کے نظریہ میں حقوق نسواں ایک وسیع اصطلاح ہے جو بین الاقوامی نظام اور متعلقہ تعلقات کا تجزیہ کرنے کے لیے حقوق نسواں میں ایک خاص نظریہ کے بعد مختلف تصورات اور ماڈلز کا حوالہ دیتی ہے۔ حقوق نسواں بین الاقوامی تعلقات کا نظریہ دلیل دیتا ہے کہ طاقت، تسلط، اور سلامتی کے تصورات جو بین الاقوامی تعلقات کے دیگر نظریات سے جنم لیتے ہیں صنفی تعصب پر مبنی ہیں۔ یہ بین الاقوامی نظام کی تشکیل میں خواتین کے کردار یا صنفی حرکات کے اثرات کو سمجھنے کی ضرورت پر بھی بحث کرتا ہے۔ دیگر دلائل میں یہ دیکھنا شامل ہے کہ

مردانگی کے تصور نے خارجہ پالیسی اور سفارتی تعلقات کو کس طرح تشکیل دیا، بین الاقوامی نظام میں خواتین کو اداکاروں کے ایک گروپ کے طور پر غور کیا، اور تنازعات سے نمٹنے میں نسائیت کے تصور کا استعمال کیا گیا ہے۔

2.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- بین الاقوامی تعلقات سے عارف ہوئے۔
- بین الاقوامی تعلقات کے معنی اور اُس کی تعریف سے واقفیت حاصل کی۔
- بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کی معلومات حاصل کی۔
- بین الاقوامی تعلقات کے وسعت سے واقف ہوئے۔
- بین الاقوامی تعلقات پڑھنا کیوں ضروری ہے اُسے جانا۔
- بین الاقوامی تعلقات کے مختلف نظریات کو بھی سمجھا۔

2.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

عالمگیریت

ایک ایسا لفظ ہے جو دنیا کی معیشتوں، ثقافتوں اور آبادیوں کے بڑھتے ہوئے باہمی انحصار کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو سامان اور خدمات، ٹیکنالوجی، اور سرمایہ کاری کے بہاؤ، لوگوں اور معلومات میں سرحد پار تجارت کے ذریعے لایا جاتا ہے۔

حقیقت پسندی

ایک ایسا نظریہ جس کے مطابق موجودہ نظام میں یقین رکھنا۔

عنیت پسندی

فلسفے کی ایک شاخ ہے جو کہتی ہے کہ دنیا دماغ سے باہر موجود نہیں ہے۔ آئیڈیل ازم کے مختلف درجات ہیں، جن میں سے کچھ کہتے ہیں کہ دنیا اس کے بارے میں ہمارے تاثرات سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور اس لیے مکمل طور پر فرد کی طرف سے 'تعمیر' کی گئی ہے، اور دوسرے جو کہتے ہیں کہ دنیا جزوی طور پر دماغ سے بنی ہے۔

نوحقیقت پسندی

ایک نظریہ ہے جو آزاد منڈی کے مقابلے کی قدر پر زور دیتا ہے۔ یہ معاشی اور سماجی معاملات میں ریاست کی کم سے کم مداخلت کے ساتھ Laissez-faire معاشیات کے نظریے سے قریبی تعلق رکھتا ہے، اور تجارت اور سرمائے کی آزادی کے لیے اس کی وابستگی ہے۔

Laissez-faire

امن اور املاک کے حقوق کی بحالی کے لیے ضروری کم از کم سے زیادہ معاشی معاملات میں حکومتی مداخلت کی مخالفت کرنے والا نظریہ ہے۔

2.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.11.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔Laiseez۔Faire کا تعلق کس سے ہے؟

(a) سماجیات (b) معاشیات

(c) ثقافت (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ دنیامیں زیادہ تر لوگ تیسری۔۔۔۔کے ہیں؟

(a) پہلی نسل (b) دوسری نسل

(c) تیسری نسل (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ کس کے مطابق "بین الاقوامی سیاست" بڑے گروہوں کو متاثر کرنے، جوڑ توڑ یا کنٹرول کرنے کا فن ہے، تاکہ بعض کے مقاصد کو دوسروں کی مخالفت کے خلاف آگے بڑھایا جاسکے؟

(a) کوئینسی رائٹ (b) تھامسن

(c) اسپروٹ (d) ان میں سے کوئی نہیں

4۔ ریاستیں بین الاقوامی سیاست میں بنیادی اداکار ہیں یہ کس نظریہ سے متعلق ہے؟

(a) حقیقت پسندی (b) لبرل ازم

(c) فنکشلزم (d) مارکسزم

5۔ بین الاقوامی تعلقات ایک الگ تعلیمی شعبے کے طور پر سامنے آیا

(a) اٹھارویں صدی کے آغاز میں (b) انیسوی صدی کے آغاز میں

(c) بیسویں صدی کے آغاز میں (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔اقوام متحدہ کے قیام کا بنیادی مقصد۔

(a) عالمی امن و سلامتی کو یقینی بنانا ہے

(b) دنیا کے ممالک کے درمیان معیشت کو فروغ دینا۔

(c) عالمی سطح پر ماحولیات کے منفی اثرات کا خاتمہ

(d) ان میں سے کوئی نہیں

7۔ بین الاقوامی تعلقات بنیادی طور پر "دنیا کی حکومتوں کے درمیان تعلقات سے متعلق ہیں" یہ کس کا قول ہے؟

(a) مارگینتھیو

(b) گولڈ سٹین

(c) کوئنسی رائٹ

(d) جیکسن اور سورنسن

8۔ کس کے مطابق، بین الاقوامی سیاست اقتدار کی جدوجہد ہے؟

(a) گولڈ سٹین

(b) کوئنسی رائٹ

(c) مورگنتھاؤ

(d) ان میں سے کوئی نہیں

9۔ماحولیاتی سیاست نے گلوبل وارمنگ کے ذریعے 'موسمیاتی تبدیلی' کے مسئلے پر توجہ مرکوز کی۔

(a) 1980 کے دہائی سے

(b) 1990 کے دہائی سے

(c) 2000 کے دہائی سے

(d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ کیوٹو پروٹوکول کا تعلق ہے

(a) ماحولیات سے

(b) سیاسیات سے

(c) معاشیات سے

(d) ان میں سے کوئی نہیں

2.11.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات کے مختلف نظریات کو مختصر طور پر بیان کیجئے۔
2. بین الاقوامی تعلقات کی تعریف بیان کیجئے۔
3. بین الاقوامی نوعیت کو بتائیے۔
4. بین الاقوامی تعلقات پر مختصر نوٹ لکھئے۔
5. بین الاقوامی سیاسیات پر مضمون لکھئے۔

2.11.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات کے وسعت اور نوعیت کو بیان کیجئے۔
2. بین الاقوامی تعلقات کے مختلف نظریات کا جائزہ لیجئے۔

3. بین الاقوامی تعلقات کو پڑھنا کیوں ضروری ہے؟ بحث کیجیے۔

2.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. John Baylis, Steve Smith, and Patricia Owens, *The Globalisation of World Politics* (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, *International Relations*, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, *International Relations*, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, *Understanding International Conflicts*, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, *Introduction to Global Politics*, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, *Bainul-Aqwaami Taaluqaat* (Nisaab Publishers, 2005)

اکائی 3۔ بین الاقوامی تعلقات: معنی اور نوعیت

(International Relations: Meaning and Nature)

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 بین الاقوامی تعلقات کا پس منظر

3.3 بین الاقوامی تعلقات کا معنی اور تعریف

3.4 بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت

3.5 روایتی نظریہ بین الاقوامی سیاست

3.6 موجودہ منظر: بین الاقوامی تعلقات

3.7 بین الاقوامی تعلقات پڑھنا کیوں ضروری ہے؟

3.8 اکتسابی نتائج

3.9 کلیدی الفاظ

3.10 نمونہ امتحانی سوالات

3.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

3.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

3.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

3.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء! بین الا قوامی تعلقات عالمی بین ریاستی نظام میں ریاستوں کے تعامل کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے،اور یہ دوسروں کے تعاملات کی وضاحت کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے جن کا طرز عمل ایک ملک کے اندر پیدا ہوتا ہے اور دوسرے ممالک کے ارکان کی طرف نشانہ بنایا جاتا ہے۔ مختصراً، بین الا قوامی تعلقات کا مطالعہ ریاستوں کی حدود میں پائے جانے والے رویے کی وضاحت کرنے کی ایک کوشش ہے،وسیع تر تعلقات جن کا ایسا رویہ ایک حصہ ہے،اور ادارے (نجی، ریاستی، غیر سرکاری،اور بین الحکومتی) جو ان تعاملات کی نگرانی کرتے ہیں۔.اس رویے کی وضاحت انسانی اجتماعیت کی کسی بھی سطح پر طلب کی جاسکتی ہے۔ کچھ لوگ نفسیاتی اور سماجی نفسیاتی تفہیم کی طرف دیکھتے ہیں کہ خارجہ پالیسی بنانے والے اپنے جیسا کام کیوں کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ ادارہ جاتی عمل اور سیاست کی تحقیقات کرتے ہیں جو ریاستوں کے بیرونی اہداف اور طرز عمل میں کردار ادا کرتے ہیں۔ متبادل طور پر، وضاحتیں شرکاء کے درمیان اور ان کے درمیان تعلقات (مثال کے طور پر طاقت کا توازن)، ریاستوں کے درمیان بین الحکومتی انتظامات میں (مثال کے طور پر، اجتماعی سلامتی)، کثیر القومی کارپوریشنوں کی سرگرمیوں میں (مثال کے طور پر، تقسیم) میں مل سکتی ہیں۔ دولت یا دنیا میں ایک نظام کے طور پر طاقت اور کنٹرول کی تقسیم میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔

3.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ

- بین الا قوامی تعلقات کے تعارف سے واقف ہو جائیں گے۔
- بین الا قوامی تعلقات کی تعریفات اور اُس کے معنی کو سمجھ پائیں گے۔
- بین الا قوامی اور اُس کی نوعیت سے بھی روبرہ ہوں گے۔
- بین الا قوامی تعلقات کے روایتی نظریہ سے بھی روسناش ہوں گے۔
- موجودہ منظر میں بین الا قوامی تعلقات سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- بین الا قوامی تعلقات کو پڑھنا کیوں ضروری ہے؟ اس کی بھی معلومات حاصل کریں گے۔

3.2 بین الا قوامی تعلقات کا تعارف (Introduction of International Relations)

بین الا قوامی تعلقات کیا ہیں؟ اس اکائی میں بین الا قوامی تعلقات کے معنی، نوعیت اور دائرہ کار سے متعلق تمام سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات لفظی طور پر ریاستوں کے باہمی تعلقات کو کہتے ہیں۔ آج دنیا میں کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو مکمل طور پر خود کفیل ہو یا دوسروں سے الگ تھلگ ہو۔ ہر ریاست براہ راست یا بالواسطہ طور پر دوسرے پر منحصر ہے۔ اس طرح بین الاقوامی میدان میں ریاستوں کے درمیان باہمی انحصار پیدا ہو گیا ہے۔ ریاستوں کے اس باہمی انحصار کے پیش نظر ایک الگ موضوع بنایا گیا ہے جس کا نام ''بین الاقوامی تعلقات'' ہے جس میں تفصیلی بات چیت کی گئی ہے کہ کس طرح تعاون کے ذریعے دنیا میں امن اور خوشحالی کا قیام، تنازعات، جنگوں وغیرہ سے بچنا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ وسیع ہے اور اس کی بنیاد بنیادی طور پر باہمی انحصار ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ بین الاقوامی تعلقات کی رفتار تیز ہوئی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات ایک الگ تعلیمی شعبے کے طور پر بیسویں صدی کے آغاز میں بنیادی طور پر پہلی جنگ عظیم کے بعد سامنے آیا۔ 1917 میں سوویت یونین کا امن سے متعلق فرمان اور 1918 میں امریکی صدر ووڈرو ولسن کے 14 نکاتی اصولوں کو اہم دستاویزات کے طور پر جانا جاتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں. پہلی یونیورسٹی چیئر جس نے باقاعدہ طور پر نظم وضبط قائم کیا وہ 1919 میں یونیورسٹی کالج آف ویلز میں بین الاقوامی سیاست کی ووڈرو ولسن چیئر تھی۔

3.3 معنی اور تعریف (Meaning and Definitions)

بین الاقوامی تعلقات ایک علیحدہ نصاب کے طور پر بین الاقوامی واقعات پر بحث کرتا ہے اور ریاستوں کے درمیان عالمی مسائل کو بین الاقوامی نظام کے تناظر میں زیر بحث لایا جاتا ہے۔ اس کے اہم موضوعات ریاست کا کردار، بین الاقوامی تنظیمیں، غیر سرکاری تنظیمیں اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز ہیں۔ یہ ایک تعلیمی اور حکومتی پالیسی کا میدان ہے، اور یہ تجرباتی یا معیاری ہو سکتا ہے، کیونکہ علم کی یہ شاخ خارجہ پالیسی کے تجزیہ اور تشکیل دونوں میں استعمال ہوتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی کوئی خاص تعریف نہیں ہے۔ ماہرین نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اس کی تعریف کی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی تعریف میں بھی مسئلہ ہے۔ کئی بار بین الاقوامی تعلقات کو عالمی سیاست اور بین الاقوامی سیاست کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ پالمر اور پرکنز، کے ذریعہ بین الاقوامی تعلقات کی تعریف بین الاقوامی تعلقات میں سب سے اہم نام ہیں کیونکہ بین الاقوامی تعلقات میں تعریف اور موضوع کے لحاظ سے ان کی مطابقت ہے۔ ان کے مطابق، بین الاقوامی تعلقات ان قوتوں، دباؤ اور عمل پر بحث کرتے ہیں جو عالمی برادری میں تمام انسانی اور گروہی تعلقات میں انسانی زندگی، سرگرمیوں اور فکر کی نوعیت کو کنٹرول کرتے ہیں۔ یعنی بین الاقوامی تعلقات کی بحث میں سیاسی اور غیر سیاسی دونوں امور شامل ہوتے ہیں۔ انہوں نے بین الاقوامی تعلقات کی تعریف اس طرح کی ہے۔ "بین الاقوامی تعلقات بین الاقوامی زندگی کا اور اس کے تمام پہلوؤں میں مقصد اور منظم مطالعہ ہے"۔

بین الاقوامی تعلقات کی تعریف (Definitions)

بہت سے اسکالرز بین الاقوامی تعلقات کو مختلف طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ یہاں پر IR (International Relations) (بین الاقوامی تعلقات) کی اہم ترین تعریفیں ذکر کی گئی ہیں۔

ہنس جے مورگینتھاؤ (Hans J Morgenthau) نے بین الاقوامی سیاست کی اصطلاح استعمال کی اور اس کی تعریف یوں کی کہ "بین الاقوامی سیاست میں سیاسی تعلقات اور قوموں کے درمیان امن کے مسائل کا تجزیہ شامل ہے... یہ "قوموں کے درمیان طاقت کے لیے جدوجہد اور استعمال ہے"۔

کوئنسی رائٹ (Quincy Wright) کے مطابق، بین الاقوامی تعلقات میں "غیر یقینی خود مختاریوں کے بہت سے اداروں کے درمیان تعلقات" شامل ہیں اور یہ کہ "یہ صرف وہ قومیں نہیں ہیں جن سے بین الاقوامی تعلقات جوڑنا چاہتے ہیں۔ مختلف قسم کے گروہوں - قوموں، ریاستوں، حکومتوں، لوگوں، خطوں، اتحادوں، کنفیڈریشنوں، بین الاقوامی تنظیموں، یہاں تک کہ صنعتی تنظیموں، ثقافتی تنظیموں، مذہبی تنظیموں سے بھی بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ میں نمٹا جانا چاہیے، اگر علاج حقیقت پسندانہ ہونا ہے۔"

جیکسن اور سورنسن نے کہا کہ "ایک انتہا پر علمی توجہ صرف ریاستوں اور بین ریاستی تعلقات پر ہے۔ لیکن ایک اور انتہائی IR میں تقریباً ہر وہ چیز شامل ہے جس کا تعلق دنیا بھر میں انسانی تعلقات سے ہے۔ لہذا، IR یہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو تحفظ، آزادی، نظم، انصاف اور بہبود کی بنیادی اقدار فراہم کی جاتی ہیں۔"

گولڈ سٹین کا خیال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات بنیادی طور پر "دنیا کی حکومتوں کے درمیان تعلقات سے متعلق ہیں"۔ لیکن وہ یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ IR صرف حکومتوں کے درمیان تعلق نہیں ہے۔ بلکہ IR کو غیر ریاستی اداکاروں کی سرگرمیوں کے لحاظ سے بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

قابل قبول تعریف

یہ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات ایک الگ نصاب ہے جو دنیا کی مختلف ریاستوں، غیر ریاستی تنظیموں، بین الاقوامی تنظیموں، جنگ اور امن، تخفیف اسلحہ، اتحاد کی تشکیل، دہشت گردی اور پوری دنیا کے باہمی تعلقات سے متعلق ہے۔ بین الاقوامی نظام. بین الاقوامی تعلقات کا عالمی سیاست پر گہرا اثر پڑتا ہے، اور اس موضوع کی تحقیق اور عمل کا دائرہ عصری سے لے کر جدید سیاست تک، اقتصادی اور عالمی مسائل پر متعدد ریاستوں اور سیاسی نظریات کے درمیان تعلقات، باہمی تبادلہ، تعاون اور بحث ومباحثے پر مشتمل ہے۔

3.4 بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت (Nature of International Relations)

کسی مضمون کی نوعیت اس مضمون کی خصوصیات سے مراد ہے۔ اس لحاظ سے بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت درج ذیل ہے:

بین الاقوامی تعلقات کی بدلتی ہوئی نوعیت

بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت متحرک ہے۔ بین الاقوامی تعلقات عالمی سیاست میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا مکمل تجزیہ ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے دور میں عالمی سیاست میں بہت بڑی تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ عالمی سیاست کو دو قطبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، جیسا کہ امریکہ کی قیادت میں نیٹو اور USSR کی قیادت میں وارسا معاہدہ۔ 1990 کی دہائی میں سوویت یونین کے انہدام نے عالمی سیاست میں ایک قسم کی واحد قطبیت کو جنم دیا۔ تاہم، اقتصادی طور پر ترقی کرنے والے ایشیائی ممالک جیسے چین، بھارت، سنگاپور، ویت نام اور مختلف جنوبی امریکی ممالک جیسے برازیل، سبھی عالمی سیاست پر نمایاں طور پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ تو یہ واضح ہے کہ بین الاقوامی سیاست ایک بار پھر کثیر قطبی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ پھر بین الاقوامی تعلقات کے میدان میں غیر ریاستی اداکاروں جیسے این جی او (غیر سرکاری تنظیم)، ایم این سی (ملٹی نیشنل کمپنیز) وغیرہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت پر بھی بات کی جاتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات ایک علمی شعبے کے طور پر عصری دنیا کے بدلتے ہوئے انداز پر بحث کرتے ہیں۔ ایک بین الضابطہ مضمون کے طور پر سماجی سائنس کے تمام مضامین فطرت میں بین الضابطہ ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات بھی مطالعہ کا ایک بین الضابطہ میدان ہے جس میں سماجی سائنس کے دیگر مضامین جیسے تاریخ، معاشیات، سیاسیات، فلسفہ، جغرافیہ، ثقافت وغیرہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ریاست بین الاقوامی تعلقات میں بنیادی اداکار ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں ایک اہم محرک کے طور پر ریاست کے رویے کا بین الاقوامی تعلقات میں بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ قومی مفاد اور طاقت IR کا مرکز ہیں۔ قومی مفادات کا تحفظ ریاست کا بنیادی ہدف ہے۔ اس مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے ریاست دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلقات استوار کرتی ہے اور ریاست کی قومی طاقت اپنے قومی مفادات کو پورا کرنے کے قابل ہو۔ اس طرح، یہ دیکھا جاتا ہے کہ قومی مفاد کے مسائل اور ان مفادات کو پورا کرنے میں قومی طاقت کا کردار IR کا بنیادی خیال ہے۔ اقتدار کے لیے جدوجہد مورگنتھاؤ کے مطابق، بین الاقوامی سیاست اقتدار کی جدوجہد ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اقتدار قومی مفاد کا ذریعہ ہے۔ اس لیے طاقت کی سیاست IR کا کلیدی موضوع ہے۔ قومی ریاستوں کے درمیان مسلسل تعامل موجودہ دنیا میں کوئی بھی ریاست خود کفیل نہیں ہے۔ ہر ریاست ایک دوسرے پر منحصر ہے۔ اس لیے باہمی ربط کی ضرورت ہے اور یہ مختلف ریاستوں کے درمیان رابطے کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔ بین الاقوامی تعلقات مختلف ریاستوں کی خارجہ پالیسیوں اور ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی بات کرتے ہیں۔ تھیوری کی تعمیر کے لیے تجزیاتی اور تجرباتی مطالعہ بین الاقوامی تعلقات تھیوری کی تعمیر کے لیے تجزیاتی اور تجرباتی طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ IR میں کئی نظریات ہیں۔ مثال کے طور پر، Idealism اور Neo-liberalism تجزیاتی مطالعہ کا نتیجہ ہے، اور حقیقت پسندی اور نو۔ حقیقت پسندی تجرباتی مطالعہ کا بھی نتیجہ ہے۔

3.5 روایتی نظریہ: بین الاقوامی سیاست (Traditional view of International Relations)

یہ ایک ریاستی غلبہ والا نظریہ ہے جتنا کہ اس زمرے کے تحت تعریفیں قومی ریاستوں کے درمیان سیاست اور تعلقات کے مطالعہ پر زور دیتی ہیں۔ یہ قومی ریاستوں کو بین الاقوامی سیاست کا اہم اداکار سمجھتا ہے اور ان کے سیاسی اور سرکاری تعلقات پر توجہ دیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، یہ بین الاقوامی سیاست کی تعریفیں تھیں نہ کہ بین الاقوامی تعلقات کی۔

نظم وضبط کے آغاز کے ابتدائی سالوں سے لے کر پچاس کی دہائی تک، یہ بنیادی طور پر بین الاقوامی سیاست کے طور پر جانااور مطالعہ کیا جاتا تھا۔ اس زمرے میں سب سے زیادہ مروجہ تعریفیں Schleicher کی ہیں: ان کے مطابق بین الاقوامی سیاست میں تمام بین ریاستی تعلقات کو شامل کرتا ہے، حالانکہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ تمام بین ریاستی تعلقات سیاسی نہیں ہیں۔ پیڈلفورڈ اور لنکن نے بین الاقوامی سیاست کو اپنے بعد کے کام میں طاقت کے تعلقات کے بدلتے ہوئے نمونوں کے اندر ریاستی پالیسیوں کے تعامل کے طور پر بیان کیا، انہوں نے اسے انفرادی قومی ریاستوں کے اپنے سمجھے گئے قومی مفادات اور اہداف کے حصول میں تعامل کے طور پر بیان کیا۔ تعلقات اور طاقت اور امن کا مسئلہ۔ ان کے مطابق، بین الاقوامی سیاست قوموں کے درمیان طاقت کے حصول اور استعمال کی جدوجہد ہے۔

برٹن۔ اسے پُرامن مواصلات کے نظام کے طور پر دیکھتے ہیں جس کے تحت ریاستیں شعوری طور پر اور اپنے مفاد میں تنازعات سے بچنا چاہتی ہیں کیونکہ تنازعات کی قیمتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ فرانکل۔ کے نزدیک بین الاقوامی سیاست تمام ریاستوں کی خارجہ پالیسیوں کو ان کے باہمی تعامل کے ساتھ ساتھ مجموعی طور پر بین الاقوامی نظام کے ساتھ، بین الاقوامی تنظیموں اور ریاستوں کے علاوہ دیگر سماجی گروہوں کے ساتھ، بین الاقوامی نظام کے عمل کو بھی اپناتی ہے۔ تمام ریاستوں کی گھریلو سیاست بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک جامع تعریف ہے کیونکہ اس میں نہ صرف ریاستوں کے درمیان تعامل بلکہ بین الاقوامی نظام، تنظیموں، سماجی گروہوں وغیرہ کے ساتھ ان کا تعامل بھی شامل ہے۔ انہوں نے مزید واضح کیا کہ مختلف ریاستوں کی خارجہ پالیسیوں کا تقابلی طور پر مقابلہ کرنا مشکل ہے کیونکہ ان کا اکیلا مطالعہ نہیں کیا جاسکتا اور پھر موازنہ کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ملکی سیاست سے کیا جاسکتا ہے، کوئی بھی ان کا مطالعہ دوسری ریاستوں کی خارجہ پالیسیوں کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی نظام کے و دیگر عناصر کے ساتھ تعامل میں کر سکتا ہے۔

ہیرالڈ اور مار گریٹ اسپروٹ۔ بین الاقوامی سیاست کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں، آزاد سیاسی برادریوں کے تعاملات اور تعلقات کے وہ پہلو جن میں مخالفت، مزاحمت یا مقصد یا مفاد کے تصادم کا کوئی عنصر موجود ہوتا ہے۔

تھامسن کے مطابق، "بین الاقوامی سیاست قوموں کے درمیان دشمنی اور ان حالات اور اداروں کا مطالعہ ہے جو ان تعلقات کو بہتر یا بڑھا دیتے ہیں"۔ ان دونوں تعریفوں کی خرابی یہ ہے کہ ان میں صرف متضاد اور مخالفانہ تعاملات شامل ہیں۔

کوئنسی رائٹ کے مطابق "بین الاقوامی سیاست" بڑے گروہوں کو متاثر کرنے، جوڑ توڑ یا کنٹرول کرنے کا فن ہے، تاکہ بعض کے مقاصد کو دوسروں کی مخالفت کے خلاف آگے بڑھایا جاسکے۔ یہ وہ عمل ہے جس میں طاقت حاصل کی جاتی ہے اور اسے بڑھایا جاتا ہے، وہ مزید بتاتے ہیں، ایک نظم وضبط کے طور پر، اس میں اس فن کی مشق میں ہدایات، اس کے اطلاق کے نتائج کی پیشین گوئی، اس کی تشخیص، اور اس کی تاریخ کو بیان کرنا شامل ہے۔ بین الاقوامی سیاست کا جوہر اور وضاحت ایک مصنف سے دسرے مصنف میں مختلف ہوتی ہے۔

3.6 موجودہ پس منظر: بین الاقوامی تعلقات (Present Scenario)

تازہ ترین رجحان بین الاقوامی سیاست کی ترجیح میں بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح کا وسیع استعمال کرنا ہے کیونکہ یہ تمام متعلقہ اداکاروں، مواد اور تعلقات کو گھیرے ہوئے ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ زمرے کے تحت کچھ تعریفیں محض اس کے علاوہ دیگر شعبوں کا بھی احاطہ کرتی ہیں۔

قوموں کے درمیان سیاست کی درج ذیل تعریفیں زیادہ جامع ہیں کیونکہ ان میں ریاست، بین الاقوامی نظام، بین الاقوامی تنظیمیں، دیگر بین الاقوامی اور سپر انیشنل ایجنسیاں، غیر ریاستی ادارے، گروہ اور متعلقہ افراد بطور اداکار اور تجزیہ کی بنیادی اکائی میں شامل ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ وہ تعلقات کے بڑے شعبوں کا بھی احاطہ کرتے ہیں۔تنازعات اور تعاون پر مبنی، دوستانہ اور غیر دوستانہ، طاقت کا رشتہ اور امن کا رشتہ، حکومتی اور عوام سے عوام کا رشتہ وغیرہ۔

مختلف اداکاروں کے درمیان تعلقات مختلف ہوتے ہیں جیسے کہ سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی، سائنسی اور تکنیکی وغیرہ۔ یہ سب بین الاقوامی تعلقات کا حصہ ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات کے اسکالرز نے بھی تحقیقات کے تقابلی طور پر جدید اور سائنسی آلات استعمال کیے ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح کا استعمال مناسب سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ بین الاقوامی سیاست میں شامل تمام ضروری چیزوں کا احاطہ کرتا ہے۔دوسرے موجودہ رجحانات اور اصطلاحات جو اسے مزید وسیع اور متعلقہ بناتے ہیں۔

3.7 بین الاقوامی تعلقات کو پڑھنا کیوں ضروری ہے؟
(Why we Study International Relations)

موجودہ دور عالمگیریت کا ہے۔اور اس میں دنیا کے سبھی ممالک کسی نہ کسی وجہ سے ایک دوسرے سے جڑے ہیں۔ کسی بھی ملک کا وجود الگ تھلگ میں ممکن نہیں ہے۔اسی وجہ سے بین الاقوامی تعلقات ممالک کے لئے ایک اہم موضوع ہے۔آج سبھی ممالک چاہے وہ معاشی، سماجی، سیاسی ثقافتی اور سفارتی اعتبار سے ایک دوسرے پر اثر ڈالتی ہے۔اس لئے بین الاقوامی تعلقات کا پڑھنا لازمی ہو چکا ہے۔ مختلف موضوع کے ماہرین اپنے اپنے حساب سے بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جس میں علم سیاسیات کی ایک شاخ بین الاقوامی تعلقات اہم موضوع کے طور پر سامنے آیا ہے۔

بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں سفر اور رابطے کے ذرائع میں انقلاب نے نہ صرف بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کو بدل دیا ہے بلکہ ہر روشن خیال کے لیے اس کے مطالعہ کو ضروری بنادیا ہے۔آج ہم ایک دوسرے پر منحصر ریاست کے نظام میں رہ رہے ہیں۔دنیا میں کیا ہو رہا

ہے اس کا واضح اندازہ ہم سب کے لیے ضروری ہے۔ سیاسی واقعات اہم ہیں، لیکن یہاں تک کہ اقتصادی ترقی، تجارت، تجارت اور اداکاروں کی سرگرمیاں بھی ملٹی نیشنل کارپوریشنز بھی کم اہم نہیں ہیں۔ ہم بڑھتے ہوئے بین الاقوامی تعاون کے دور میں رہتے ہیں۔ لہذا، نہ صرف اقوام متحدہ اور اس کی متعدد ایجنسیوں کی سرگرمیاں تمام اقوام اور ان کے لوگوں کو متاثر کرتی ہیں، بلکہ علاقائی تنظیمیں جیسے یورپی یونین، جنوبی ایشیائی علاقائی تعاون کی تنظیم (سارک)، جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کی تنظیم (آسیان)۔ اور 'افریقی اتحاد کی تنظیم (OAU) بھی ہماری زندگیوں میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی انسانیت کے لیے تشویش کا باعث رہی ہے اور عالمی بینک اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) جیسے معاشی ادارے بین الاقوامی تعلقات کو متاثر کرتے ہیں۔ اس لیے بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ طلباء اور دیگر لوگوں کے لیے انتہائی مفید بن گیا ہے۔

3.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- بین الاقوامی تعلقات کے تعارف کو جانا۔
- بین الاقوامی تعلقات کے معنی اور اُس کی نو تعریف سے بھی واقفیت حاصل کی۔
- بین الاقوامی تعلقات کے نوعیت کی معلومات حاصل کی۔
- بین الاقوامی تعلقات کے روایتی نظریہ کو سمجھا۔
- بین الاقوامی تعلقات کے موجودہ پس منظر سے بھی روسناش ہوئے۔

3.9 کلیدی الفاظ (Keywords)

عالمگیریت

ایک ایسا لفظ ہے جو دنیا کی معیشتوں، ثقافتوں اور آبادیوں کے بڑھتے ہوئے باہمی انحصار کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو سامان اور خدمات، ٹیکنالوجی، اور سرمایہ کاری کے بہاؤ، لوگوں اور معلومات میں سرحد پار تجارت کے ذریعے لایا جاتا ہے۔

حقیقت پسندی

ایک ایسا نظریہ جس کے مطابق موجودہ نظام میں یقین رکھنا

عنیت پسندی

فلسفے کی ایک شاخ ہے جو کہتی ہے کہ دنیا دماغ سے باہر موجود نہیں ہے۔ آئیڈیل ازم کے مختلف درجات ہیں، جن میں سے کچھ کہتے ہیں کہ دنیا اس کے بارے میں ہمارے تاثرات سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور اس لیے مکمل طور پر فرد کی طرف سے 'تعمیر' کی گئی ہے، اور دوسرے جو کہتے ہیں کہ دنیا جزوی طور پر دماغ سے بنی ہے

نوحقیقت پسندی

یک نظریہ ہے جو آزاد منڈی کے مقابلے کی قدر پر زور دیتا ہے۔ یہ معاشی اور سماجی معاملات میں ریاست کی کم سے کم مداخلت کے ساتھ Laissez-faire معاشیات کے نظریے سے قریبی تعلق رکھتا ہے، اور تجارت اور سرمائے کی آزادی کے لیے اس کی وابستگی ہے۔

Laissez-faire

امن اور املاک کے حقوق کی بحالی کے لیے ضروری کم از کم سے زیادہ معاشی معاملات میں حکومتی مداخلت کی مخالفت کرنے والا نظریہ ہے۔

3.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

3.10.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

11۔Laiseez۔Faire کا تعلق کس سے ہے؟

(a) سماجیات (b) معاشیات

(c) ثقافت (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ دنیا میں زیادہ تر لوگ تیسری۔۔۔۔ کے ہیں؟

(a) پہلی نسل (b) دوسری نسل

(c) تیسری نسل (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ کس کے مطابق "بین الاقوامی سیاست" بڑے گروہوں کو متاثر کرنے، جوڑ توڑ یا کنٹرول کرنے کا فن ہے، تاکہ بعض کے مقاصد کو دوسروں کی مخالفت کے خلاف آگے بڑھایا جاسکے؟

(a) کوئینسی رائٹ (b) تھامسن

(c) اسپروٹ (d) ان میں سے کوئی نہیں

4۔ 'ریاستیں بین الاقوامی سیاست میں بنیادی اداکار ہیں'، یہ کس نظریہ سے متعلق ہے؟

(a) حقیقت پسندی (b) لبرل ازم

(c) فنکشلزم (d) مارکسزم

5۔ بین الاقوامی تعلقات ایک الگ تعلیمی شعبے کے طور پر سامنے آیا

(a) آٹھارویں صدی کے آغاز میں (b) انیسوی صدی کے آغاز میں

(c) بیسویں صدی کے آغاز میں (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ اقوام متحدہ کے قیام کا بنیادی مقصد۔

(a) عالمی امن وسلامتی کو یقینی بنانا ہے۔ (b) دنیا کے ممالک کے درمیان معشیت کو فروغ دینا۔

(c) عالمی سطح پر ماحولیات کے منفی اثرات کا خاتمہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

7۔ بین الاقوامی تعلقات بنیادی طور پر "دنیا کی حکومتوں کے درمیان تعلقات سے متعلق ہیں" یہ کس کا قول ہے؟

(a) مارگینتھیو (b) گولڈ سٹین

(c) کوئنسی رائٹ (d) جیکسن اور سورنسن

8۔ کس کے مطابق، بین الاقوامی سیاست اقتدار کی جدوجہد ہے؟

(a) گولڈ سٹین (b) کوئنسی رائٹ

(c) مورگنتھاؤ (d) ان میں سے کوئی نہیں

9۔ ماحولیاتی سیاست نے گلوبل وارمنگ کے ذریعے 'موسمیاتی تبدیلی' کے مسئلے پر توجہ مرکوز کی۔

(a) 1980 کے دہائی سے (b) 1990 کے دہائی سے

(c) 2000 کے دہائی سے (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ کیوٹو پروٹوکول کا تعلق ہے

(a) ماحولیات سے (b) سیاسیات سے

(c) معشیات سے (d) ان میں سے کوئی نہیں

3.10.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات کیا ہے۔
2. بین الاقوامی تعلقات کی تعریف بیان کیجئے۔
3. بین الاقوامی تعلقات پس منظر پر غور کیجئے

4. بین الاقوامی تعلقات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
5. بنیادی فراض پر مضمون لکھیے۔

3.10.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات کی تعریف اور نوعیت بیان کیجیے۔
2. بین الاقوامی سیاست کے روایتی نظریہ کا جائزہ لیجیے۔
3. بین الاقوامی تعلقات کو پڑھنا کیوں ضروری ہے بحث کیجیے؟۔

3.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. M. Laxmikanth (2021), Indian Polity (6 Edition), McGraw Hill Education (India) Private Limited
2. P.K. Agarwal (2017), Constitution of India: the Supreme Law of India, Prabhat Prakash.
3. S. Elak Kuvar, (2021), Indian Polity, (Second Edition), Anudhara Publishers.
4. Dr. Qaiyyum Abdul, (2005), Indian Government and Politics, (Second Edition), Nisaab Publishers.
5. DD Basu (2021), Introduction to the Constitution of India (25 Edition), Lexis Nexis
6. Keshyap Subhash (2021), Our Constitution (21 Edition), National Book Trust
7. Kashyap Subhash (2011), Our Political System (First Edition), National Book Trust.
8. B.L Fadia and K Fadia (2022), Indian Government and Politics (18 Edition), Sahetiya Bhawan.
9. Kerela State Legal Services Authority (2016), My Nation My Heaven- A Booklet on Fundamental Duties, Kerala State Legal Services Authority.
10. S.G. Subramaniam (2020), Indian Constitution and Indian Polity (2nd Edition), Pearson Education
11. Reddy Harinath (2022), Indian Polity and Governance, Protom Publications
12. Sharma Nirbhay (2021), Indian Polity and Governance, Oak Bridge Publishing Pvt. Ltd.
13. Roy Himanshu, MP Singh (2018), Indian Political System (4th Edition), Pearson Education
14. Bharat ka Aaeen (2013) 5th Edition, National Council for Promotion of Urdu Language
15. M.V. Pylee (2004), Constitutional Government in India, S Chand & Company.

اکائی 4۔ بین الاقوامی تعلقات: وسعت اور اہمیت

(International Relations: Scope and Importance)

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 بین الاقوامی تعلقات کے معنی و مفہوم

4.3 بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست میں فرق

4.4 بین الاقوامی تعلقات کی وسعت

4.5 بین الاقوامی تعلقات کی اہمیت

4.6 اکتسابی نتائج

4.7 کلیدی الفاظ

4.8 نمونہ امتحانی سوالات

4.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

4.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا! اس اکائی میں ہم بین الاقوامی تعلقات کی وسعت اور اہمیت کا مطالعہ کریں گے۔ بین الاقوامی تعلقات سے مراد دو یا دو سے زیادہ ممالک کے درمیان تعلقات سے ہے۔ جس میں سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی اور حکمت عملی کے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات مطالعہ کے لیے ایک دلچسپ موضوع ہے۔ یہ عالمی بین ریاستی نظام میں ریاستوں کے درمیان بات چیت کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ دوسرے ممالک سے بات چیت کی وضاحت کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ مختصراً، بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ ریاستوں کی حدود میں

پائے جانے والے رویہ کی وضاحت کرنے کی ایک کوشش ہے۔ایک مضمون کے طور پر بین الاقوامی تعلقات پہلی عالمی جنگ کے بعد وجود میں آیا۔عام طور سے مغرب میں، خاص طور سے امریکہ میں کیوں کہ امریکہ بین الاقوامی نظام میں ایک طاقت کے طور پر اُبھر کر سامنے آیا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد دنیا کے تمام یونیورسٹیز اور کالجوں میں بین الاقوامی تعلقات سے متعلق تعلیم اور تحقیق کا مطالعہ شروع کیا گیا۔ دو عالمی جنگوں کے درمیان بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ کرنے کے لئے یوروپ اور امریکہ اور دنیا کے دیگر ممالک میں کئی اسکول، جامعہ ادارے اور شعبے قائم کیے گئے۔ بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ وقت کے ساتھ تبدیل ہوتا رہا پہلی عالمی جنگ سے قبل اس میں سفارت کاری، تاریخ اور بین الاقوامی قانون کا مطالعہ شامل تھا۔جب کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد بین الاقوامی اداروں کا مطالعہ ،خارجہ پالیسی کی حکمت عملی کے پہلوؤں،نوآبادیاتی مخالف تحریکوں کو اہمیت حاصل ہوئی۔عصر حاضر میں، بین الاقوامی تعلقات میں مملکت اور غیر مملکت عنصر،علاقائی مطالعہ ،سیکورٹی، بین الاقوامی سیاسی معاشی نظام، عالمگیریت،ماحولیات اور ٹیکنالوجی وغیرہ جیسے اہم موضوعات کا اضافہ ہوا۔ بین الاقوامی تعلقات کو اس مقصد کے لیے فروغ دیا گیا ہے کہ کس طرح تعاون کے ذریعہ دنیا میں امن اور خوشحالی قائم کی جا سکتی ہے۔تنازعات اور جنگوں وغیرہ سے گریز کیا جا سکتا ہے۔

4.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا،اس اکائی میں آپ،

- بین الاقوامی تعلقات کے معنی و مفہوم کو جانیں گے۔
- بین الاقوامی تعلقات کی وسعت کو سمجھیں گے۔
- بین الاقوامی تعلقات کی اہمیت کا مطالعہ کریں گے۔
- بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاسات میں فرق کو معلوم کر پائیں گے۔

4.2 بین الاقوامی تعلقات کے معنی و مفہوم(Meaning of International Relations)

بین الاقوامی تعلقات علم سیاسیات کی ایک اہم شاخ ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کو دو یا دو سے زیادہ مملکتوں کے درمیان سیاسی سرگرمیوں اور بات چیت کے دیگر اقسام اور پہلوؤں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کا تعلیمی میدان سیاسیات کی ایک اہم شاخ ہے جس کا تعلق ریاستوں کے درمیان تعلقات، قومی ریاستوں کی خارجہ پالیسی اور میکانزم اور اداروں جیسے (بین الاقوامی تنظیمیں، بین الحکومتی تنظیمیں، بین الاقوامی اور قومی غیر سرکاری تنظیمیں اور ملٹی نیشنل کارپوریشنز) جن کے ذریعہ ریاستیں بات چیت کرتی ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ میں بہت سے مضامین شامل ہیں جیسے بین الاقوامی اور علاقائی امن وسلامتی، بین الاقوامی تنظیمیں، جوہری افزائش،عالمگیریت ،انسانی حقوق

،اقتصادی ترقی ،مداخلت،امن و تنازعات ، بین الاقوامی مالیاتی تعلقات اور بین الاقوامی تجارتی تعلقات ، خارجہ پالیسی،اسلحہ اور تخفیف اسلحہ، بین الاقوامی قانون، حکمت عملی ،مذاکرات ،طاقت کی کشمکش جو بین الاقوامی نظام میں مختلف ریاستوں اور اداروں کے درمیان ہوتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات بین الاقوامی نظام میں ممالک کے درمیان خارجہ امور اور تعلقات کا مطالعہ ہے۔یہ دنیا کے لوگوں یاعوام اور مختلف گروہوں کے درمیان جامع تعلقات سے ہیں۔یہ ان تمام رویوں پر مشتمل ہے جو ایک ملک اور قوم سے شروع ہوتے ہیں اور دوسرے ملک اقوام کو متاثر کرتے ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات میں معاشی قانونی،سیاسی یا کسی دیگر کردار سے متعلق تعلقات شامل ہے۔یہ ایک کثیر الشعبہ پر مشتمل مطالعہ میدان ہے۔

4.3 بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست میں فرق

(Difference between International Relations and International Politics)

بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست میں فرق درج ذیل ہیں:

- بین الاقوامی تعلقات، بین الاقوامی سیاست کے لیے ایک بڑا جملہ ہے جبکہ بین الاقوامی سیاست بین الاقوامی تعلقات کا ایک بڑا حصہ ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ وسیع ہے جبکہ بین الاقوامی سیاست کا دائرہ محدود ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات میں ریاستوں اور افراد کے درمیان قائم سیاسی،اقتصادی اور ثقافتی تعلقات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مختلف اداروں کے درمیان رابطوں کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے جبکہ بین الاقوامی سیاسیات میں ریاستوں کے درمیان صرف ان تعلقات کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن سے قومی طاقت اور قومی مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔
- بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح اپنے آپ میں وسیع ہے جبکہ بین الاقوامی سیاست کی اصطلاح ایک محدود معنی میں استعمال ہوتی ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ مختلف واقعات پر جو مبنی ہے، عملی اور تاریخی ہوتا ہے جبکہ بین الاقوامی سیاست کا مطالعہ نظریاتی ہوتا ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات ہر قسم کے تعلقات کو بیان کرتے ہیں جبکہ بین الاقوامی سیاست صرف سیاسی تعلقات کو بیان کرتے ہیں۔
- بین الاقوامی تعلقات وضاحتی ہیں جبکہ بین الاقوامی سیاست تجزیاتی ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات اقوام کے تعلقات یا خارجہ امور سے متعلق ہیں جبکہ بین الاقوامی سیاست صرف ریاستوں کے سیاسی تعلقات سے
- نمٹتا ہے اور اس بات پر توجہ مرکوز کرتا ہے کہ مملکتیں ابھرتے ہوئے عالمی مسائل پر اجتماعی طور پر کیسے رد عمل ظاہر کرتی ہیں۔

- بین الاقوامی تعلقات غیر سیاسی، سرکاری، غیر سرکاری گروہوں یا تنظیموں کے درمیان پر مرکوز ہیں جبکہ
- بین الاقوامی سیاست کا تعلق صرف حکومت سیاسی جماعتوں اور حکام سے متعلق ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ زیادہ کثیر الوجہی ہے اور سائنسی نقطہ نظر اور طریقوں کا استعمال کرتا ہے جبکہ بین الاقوامی سیاست کا مطالعہ
- وضاحتی، تاریخی اور تجزیاتی طریقہ استعمال کرتا ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات ایک وسیع تصور ہے اور اس کا دائرہ وسیع ہے جبکہ بین الاقوامی سیاست ایک محدود نظریہ ہے۔
- اس میں تعلقات کا مکمل ہونا شامل ہے اس کا تعلق ریاستی اداکاروں اور سرکاری تعلقات سے ہے جبکہ بین الاقوامی سیاست کا تعلق بین الاقوامی برادری سے ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات میں عالمگیریت، پائیدار ترقی، اقتصادی ترقی، مالیات، دہشت گردی وغیرہ مختلف مسائل شامل ہیں جبکہ بین الاقوامی سیاست میں یہاں زیر بحث مسائل کے مقابلہ میں موضوعات کافی محدود ہوتے ہیں۔
- بین الاقوامی تعلقات ایک وسیع میدان ہے جو سماجی، اقتصادی اور سیاسی تعلقات کے ذریعہ قوموں کے درمیان تعلقات کے قیام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جبکہ بین الاقوامی سیاست بین الاقوامی تعلقات کا ذیلی مجموعہ ہے۔
- یہ جنگ امن، معیشت، سفارت کاری وغیرہ کے متعدد موضوعات کو دیکھتا ہے۔ جبکہ بین الاقوامی سیاست، بین الاقوامی تعلقات کے مقابلے میں محدود موضوعات کو دیکھتا ہے۔

البتہ، بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست انتہائی اہم تعلیمی مضامین ہیں اور ان کے درمیان فرق کی صرف ایک پتلی لکیر ہے۔ تاہم بین الاقوامی تعلقات بین الاقوامی سیاست کے برعکس کئی قدم آگے ہے۔ کیونکہ یہ بین الاقوامی سطح پر اداکاروں کے درمیان ہونے والے بات چیت کا تجزیہ کرتا ہے جو ان کے سیاسی ایجنڈوں سے متعلق ہے۔ Adi H. Doctor نے ان دونوں کے درمیان فرق کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جو اپنے مطالعہ میں مخالفانہ تعلقات کو شامل کرتے ہیں اسے بین الاقوامی تعلقات اور جو اپنے مطالعہ میں مخالفانہ تعلقات میں دلچسپی رکھتے ہیں اسے بین الاقوامی سیاست کا نام دیا ہے۔ اس لیے بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ بین الاقوامی سیاست سے زیادہ وسیع ہے۔ بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست میں یہی فرق ہے۔

4.4 بین الاقوامی تعلقات کی وسعت (Scope of International Relations)

1۔ بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کی بنیاد بنیادی طور پر باہمی ہے۔ جدید تکنیکی اطلاعات کے نظام میں ترقی کے ساتھ بین الاقوامی تعلقات کی رفتار بہت تیز ہوئی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی وسعت میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی وسعت سے متعلق ماہرین میں اختلاف پائے جاتے ہیں۔ کچھ مفکروں کا خیال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں صرف سرکاری سطح کے تعلقات کو شامل

کرنا چاہئے۔جب کہ دوسرے مفکر سرکاری، غیر سرکاری، تمام قسم کی سرگرمیوں اور تعلقات کو بین الاقوامی تعلقات میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات ایک جدید اور ترقی پزیر موضوع ہے۔اس کے مطالعہ کے میدان میں درج ذیل موضوعات شامل ہیں۔

☆ بین الاقوامی تعلقات دو یا دو سے زیادہ مملکتوں کا مطالعہ ہے۔اس میں دو یا دو سے زیادہ مملکتوں کے تعلقات اور بات چیت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ہر مملکت اپنے جغرافیہ، آبادی، سفارت کاری اور قومی مفاد کے تاریخی مذہبی اور نظریاتی اور حکمت عملی عناصر سے متاثر ہوتی ہے۔اور اسی کے مطابق ملک دیگر پڑوسی مملکتوں کے ساتھ تعلقات برقرار رکھتے ہیں۔مثال کے طور پر ہندوستان کے پڑوسی ممالک پاکستان، افغانستان، چین، بھوٹان، نیپال، بنگلہ دیش، برما اور سری لنکا ہیں اور اسی وجہ سے ہندوستان کو اسٹراٹیجک نقطہ نظر سے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ میں ان عناصر کو شامل کرنا ضروری ہے۔دوسری طرف یہ تمام ممالک ہندوستان کے لیے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔اس کے معنی ہیں کہ بین الاقوامی تعلقات، بین ریاستی تعلقات کے مطالعہ پر زور دیتے ہیں۔

2۔ بین الاقوامی تعلقات میں طاقت پر نظریہ طاقت جس قدر توجہ دی گئی ہے اتنا شاید ہی کسی دیگر موضوع پر توجہ دی گئی ہے۔ابتدا، مختلف قسم کی طاقتوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ مشہور مفکر مور گینتھاؤ کا خیال ہے کہ "بین الاقوامی تعلقات طاقت کی سیاست کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے"۔ ہر سیاست کی طرح یہ ایک طاقت کی جدوجہد ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کا حتمی مقصد جو بھی ہو، طاقت ہمیشہ اقتدار کا فوری ہدف ہوتا ہے۔"درحقیقت دنیا کی تمام ریاستیں حصول اقتدار کے لیے کوشاں رہتی ہیں اور ان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں اقتدار کا ہدف سب سے فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ قومی طاقت کی مدد سے ہی مختلف ممالک بین الاقوامی سطح پر اپنے مفادات کی تکمیل کرتے ہیں۔ جس ملک میں طاقت زیادہ ہوگی وہی بین الاقوامی سیاست میں زیادہ کامیاب ہوگا۔

3۔ بین الاقوامی تعلقات میں بین الاقوامی اداروں اور تنظیموں کا بھی تفصیلی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ ادارے اور تنظیمیں تمام ملکوں کے درمیان تعاون قائم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔اور ان کے باہمی تنازعوں اور مسائلوں کو حل کرتے ہیں۔چونکہ یہ تنظیمیں ریاستوں کے کثیر الجہتی تعلقات میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ بین الاقوامی تنظیمیں ریاستوں کے درمیان اقتصادی، فوجی، تکنیکی اور ثقافتی تعاون کو آگے بڑھانے کے لیے بنائی جاتی ہیں۔موجودہ دور میں بین الاقوامی سطح پر سیاسی، معاشی، ثقافتی وغیرہ ایسی تنظیمیں ہیں جن کا مطالعہ ہم بین الاقوامی تعلقات میں کرتے ہیں۔ جیسے مجلس اقوام، اقوام متحدہ، (UNO)، عالمی بینک، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF)، یونیسکو (UNESCO)، بین الاقوامی مزدور تنظیم (ILO)، عالمی تجارتی تنظیم (WTO) وغیرہ اس کے علاوہ مختلف قسم کی علاقائی تنظیمیں اور معاہدہ بھی قائم ہو چکے ہیں۔ یہ ادارے جیسے NATO،SEATO،CENTO،AU،AL،SAARC،EU،G20،ECO،OAS وغیرہ یہ بین الاقوامی تعلقات میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

4۔ بین الاقوامی تعلقات میں خارجہ پالیسی ایک اہم موضوع ہے۔ ماضی میں بادشاہ، وزیر اعظم یا چند افراد نے خارجہ پالیسی ترتیب دینے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ہے۔ آج خارجہ پالیسی کی تشکیل میں نہ صرف سیاست داں بلکہ مقننہ، شہریوں کی ایک بڑی تعداد اور دیگر اسٹیک ہولڈر بھی شامل ہیں۔ خارجہ پالیسی کے ذریعہ ہی ایک ملک دوسرے ملک سے اپنی خارجہ یا بین الاقوامی تعلقات قائم کرتی ہیں۔ اگر کسی ریاست کو دوسری

ریاست کی خارجہ پالیسی کا علم ہو تو وہ اس کے ساتھ بہتر طریقہ سے بات چیت کر سکتا ہے۔ مختلف اقوام کی خارجہ پالیسیوں کا مطالعہ کرنے سے ہم بہت سے خارجہ تعلقات اور بین الاقوامی رویوں کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ قومی حکومتیں اپنی خارجہ پالیسی کے ذریعہ اپنے قومی مفادات کو اپنے وژن کے مطابق آگے بڑھا سکتی ہیں۔

5۔ بین الاقوامی تعلقات کا موضوع جنگ اور امن کے سوالات سے متعلق ہے۔ جیسا کہ بہت سے مفکروں کا خیال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات اقتدار کے لیے جدوجہد ہے۔ جب کوئی کشمکش بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو جنگ میں بدل جاتی ہے۔ پھر جنگیں روکنے کے لیے امن کی کوشش شروع ہو جاتی ہے۔ بین الاقوامی سیاست جنگ اور امن کے ارد گرد گھومتی ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جدید دور میں کئی ممالک بندوق چلائے بغیر ہی جنگ کی حالات میں ہیں۔

طاقتور ممالک اقتصادی پابندیوں کے ذریعہ دوسرے ممالک کے خلاف معاشی جنگیں چھیڑ سکتی ہیں۔ جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے بعد جنگ نے انسانیت کے لیے ایک سنگین شکل اختیار کر لی ہے۔ جنگ اور امن کا سوال بہت اہم ہو گیا ہے۔ ان سبھی سوالوں کا بین الاقوامی سیاست میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔

6۔ جوہری ہتھیار زمین پر سب سے خطرناک ہتھیار ہیں۔ یہ پورے شہر کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ ممکنہ طور پر لاکھوں افراد کو ہلاک کر سکتا ہے۔ اس کے طویل مدتی تباہ کن اثرات کے ذریعہ قدرتی ماحول اور آنے والی نسلوں کی زندگیوں کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے۔ ایسے ہتھیاروں سے خطرات ان کے وجود سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا جنگ کو کم کرنے اور امن کی بحالی کے لیے تخفیف اسلحہ کے بہت سے معاہدوں پر دستخط کیے گئے ہیں۔ ایسی تمام کوششیں اور تجاویز بھی بین الاقوامی تعلقات کا موضوع ہیں۔ تخفیف اسلحہ ایسے خطرات کے خلاف بہترین تحفظ ہے لیکن اس مقصد کو حاصل کرنا ایک بہت مشکل چیلنج رہا ہے۔

7۔ بین الاقوامی قانون، قومی طاقت اور ریاستی کاروائی پر پابندی کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس طرح اسے بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ کے ایک لازمی پہلو کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی قانون، قوانین کے ایک مجموعہ پر مشتمل ہے جو امن اور جنگ دونوں کے دوران بین ریاستی رویہ کے مثالی نمونہ کو منظم اور متعین کرتا ہے۔ اس لیے بین الاقوامی تعلقات کو سمجھنے کے لیے بین الاقوامی قانون کا صحیح علم ضروری ہے۔

8۔ قومی مفادات، خود مختار مملکتوں کا نصب العین ہیں۔ مقصد طاقت کی مدد سے اور خارجہ پالیسی کے ذریعہ ایک طرح سے قومی مفادات وہ محور ہیں جن کے ارد گرد بین الاقوامی تعلقات کا جھرمٹ ہے۔ ہارٹ مین نے درست فرمایا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات ایک مطالعہ کے طور پر اس پر زور دیتا ہے کہ ریاستیں اپنے قومی مفادات کو دوسری ریاستوں کے مفادات کے ساتھ کس طرح ہم آہنگ کرتی ہیں۔ اس طرح قومی مفادات قومی پالیسیوں کی تشکیل کرنے میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

9۔ بین الاقوامی تعلقات، قومی سلامتی اور دفاع کے مسئلے کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ جنگوں کے خلاف تیاری اور تحفظ، دوطرفہ اور کثیر الجہتی سیکورٹی انتظامات، اتحاد کی سفارت کاری، فوجی معاہدوں، ہتھیاروں پر کنٹرول اور تخفیف اسلحہ کے اقدامات، قدرتی طور پر نظم وضبط میں بہت سے مطالعات فوجی، سیاسی، اسٹریٹجک تجزیہ پر خصوصی زور دیتے ہیں۔ حکمت عملی کا مطالعہ بین الاقوامی تعلقات کو سمجھنے کے لیے فائدہ مند ہے۔ کیوں کہ خارجہ پالیسی اور فوجی پالیسی اہم مربوط ہوتے ہیں۔

10۔ دوسری جنگ عظیم نے منتخب علاقوں کی تاریخ، زبان، سماجیات، جغرافیات، سیاست اور معاشیات کا مطالعہ کرنے کے لیے علاقے اور علاقائی مطالعہ کی دلچسپی کو اُجاگر کیا۔ یہ علاقائی پروگرام مختلف علاقوں میں اتحادی افواج کے فوجی جوانوں کو مناسب معلومات حاصل کرنے میں فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔ یہ فوجی حکومت کے زیر قبضہ علاقوں کا انتظام کرنے میں بھی انتہائی مددگار تھے۔ جنگ کے وقت کی یہ ترقی اتنی مقبول ہوئی کہ اسے جنگ کے بعد کے بین الاقوامی تعلقات کے ایک بڑے پہلو کے طور پر قبول کیا گیا۔

دوسری جنگ کے بعد کے دور میں امریکہ میں علاقائی مطالعہ کی حوصلہ افزائی کرنے والی دو وجوہات تھیں۔ سب سے پہلے ترقی پزیر اور تیسری دنیا کے ممالک کو جاننے کی ایک حقیقی جستجو تھی جن پر مغربی ممالک نے ابھی تک کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ دوسرا، علاقائی مطالعہ واضح طور پر سرد جنگ کے تقاضوں کے جواب میں تھا۔ کچھ معاملات میں فیلڈ اسٹڈیز کو اہم معلومات اکھٹا کرنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا جسے کوئی ملک خاص طور پر امریکہ، سویت یونین اور اس کے اتحادیوں کے خلاف اپنی دشمنی میں استعمال کر سکتا ہے۔ اس طرح علاقہ اور علاقائی مطالعہ بین الاقوامی تعلقات کا اہم حصہ ہے۔

11۔ قوم پرستی، جدید ریاست کا ایک اہم عنصر ہے اور بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ کا ایک اہم میدان ہے۔ اس نے بین الاقوامی تعلقات کی کلاسیکی نوعیت کو تبدیل کر دیا ہے۔ اور یہ یوروپ سے ایشیا اور افریقہ یا نوآبادیاتی نظام کی طرف غیر آبادکاری کے زور کو منتقل کرنے کا بھی ذمہ دار ہے۔ قوم پرستی، روایتی سامراجیت اور نوآبادیاتی کے خاتمے کا باعث بھی بنی ہے۔ لیکن سامراجیت کی نئی اقسام نے بھی اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہے۔ مثلاً کمیونسٹ سامراجیت یا سرخ سامراجیت، معاشی سامراجیت یا نوآبادیات وغیرہ یہ تمام موضوعات بین الاقوامی تعلقات کا موضوع ہیں۔

12۔ سفارت کاری بین الاقوامی تعلقات کا اہم آلہ ہے۔ یہ بنیادی طور پر یہ ایک اصطلاح ہے جو مختلف ممالک کے درمیان بین الاقوامی تعلقات کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں امن سازی، اقتصادیات، تجارت، جنگوں وغیرہ کی بنیاد ہے۔ سفارت کاری اقوام کے درمیان پرامن تعاون، مکالمہ، بات چیت، مفاہمت اور ہم آہنگی کا ذریعہ ہے۔ یہ بین الاقوامی تعلقات کا ایک لازمی عنصر ہے۔ سفارت کاری کا مقصد اس ملک، مملکت، قوم یا تنظیم کو مضبوط کرنا ہے جو اپنے مفادات کو آگے بڑھا کر دوسروں کے حوالے سے کام کرتا ہے۔ سفارت کاری عام طور پر اس مملکت کے ساتھ خیر سگالی کو فروغ دینے کی کوشش کرتی ہے جس کی وہ نمائندگی کرتی ہے۔ غیر ملکی ریاستوں اور لوگوں کے ساتھ ایسے تعلقات کو فروغ دینا جو ان کے تعاون کو یقینی بنائے یا اس میں ناکامی پر ان کی غیر جانبداری کو یقینی بنائے۔ جب سفارت کاری ناکام

ہو جائے تو جنگ چھڑ سکتی ہے۔تاہم، جنگ کے دوران بھی سفارت کاری مفید ہے۔یہ احتجاج سے لیکر خطرے تک، مکالمے سے لے کر بات چیت،الٹی میٹم سے بدلہ لینے تک اور جنگ سے امن اور دوسری ریاستوں کے ساتھ مفاہمت تک کا عمل کرتی ہے۔

13۔ماحولیات کے مسائل بین الاقوامی تعلقات کے اہم مطالعہ میں سے ایک ہے۔1970 کی دہائی کے دوران ماحولیاتی سیاست صرف وسائل کے مسائل پر مرکوز تھی۔لیکن 1990 کی دہائی سے ماحولیاتی سیاست نے گلوبل وارمنگ کے ذریعہ موسماتی تبدیلی کے مسئلے پر مرکوز کی۔اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے اقوام متحدہ فریم ورک کنونشن آن کلائمنٹ چینج، 1997 میں کیوٹو پروٹوکول موسمیاتی تبدیلی پر پریس معاہدہ وغیرہ شروع کیے گئے ہیں۔لہٰذا،عالمی ماحولیاتی مسائل دنیا کی ہر مملکت متاثر کرتے ہیں۔اس خوبصورت دنیا کے تحفظ کے لیے تمام ریاستیں گرین ہاؤس گیسوں کے استعمال کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسے بین الاقوامی تعلقات کا اہم حصہ تصور کیا جاتا ہے۔

14۔اقوام مجلس کا قیام بھی بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ میں شامل ہے۔جدید دور میں امریکہ کے ووڈرو ولسن کے مخلصانہ کوششوں کی وجہ سے پہلی جنگ عظیم کے بعد 1920 میں اقوام مجلس کا قیام کے ساتھ مطالعہ کا میدان وسیع ہوا۔اقوام مجلس کے قیام نے بین الاقوامی تعلقات کے کردار میں اہم کردار ادا کیا۔اس لیے بین الاقوامی اداروں کا مطالعہ بھی اس کے دائرہ میں شامل ہے۔

15۔اقوام متحدہ کا قیام بھی اس کے مطالعہ میں شامل ہے۔دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد مختلف بین الاقوامی کانفرنسیس منعقد ہوئیں ۔روزویلٹ،چرچل اور اسٹالن کی ملاقات تہران اور یالٹا میں ہوئی۔انہوں نے امن پسند ریاستوں کے لیے عالمی سطح پر ایک بین الاقوامی تنظیم قائم کرنے کے لیے اتفاق کیا۔لہٰذا 26 جون 1945 کو ایک قابل قبول چارٹر پر دستخط کیے گئے۔اقوام متحدہ آزاد اور خود مختار ریاستوں کی ایک تنظیم ہے اور اس کا بنیادی مقصد عالمی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنا ہے۔اقوام متحدہ کے قیام نے بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ میں کافی حد تک تعاون کیا ہے۔

مندرجہ بالا مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کی وسعت بہت زیادہ ہے۔بین الاقوامی تعلقات میں ملکوں کے درمیان تمام انسانی تعلقات آجاتے ہیں۔پاپر اور پر کنس کے مطابق "بین الاقوامی تعلقات ایک وسیع لفظ ہے۔"

4.5 بین الاقوامی تعلقات کی اہمیت (Importance of International Relations)

بین الاقوامی تعلقات ایک ترقی پزیر مضمون ہے۔اسے قوموں کے درمیان گہرے بدلتے اور ترقی پزیر تعلقات کے ساتھ رفتار برقرار رکھنا ہوتا ہے۔اس کی اہمیت مندرجہ ذیل ہے۔

- بین الاقوامی تعلقات دنیا کی موجودہ تاریخی اور سماجی حالات کا تجزیہ کرتی ہے اور بین الاقوامی مسائل کا معقول حل تلاش کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی پیشن گوئی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مستقبل میں اس کی نوعیت کیسی ہو گی۔

- بین الاقوامی تعلقات کا عالمی امن میں کافی تعاون رہتا ہے۔ عالمی امن آج کی ضرورت ہے۔ بین الاقوامی تعلقات عالمی امن کو قائم کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہیں لہٰذا بین الاقوامی تعلقات کی جدید دور میں کافی اہمیت ہے۔
- دنیا میں مختلف طرح کے اصول موجود ہیں۔ ان کی اپنی خوبیاں اور خامیاں ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سا اصول ملک کے مفاد میں ہے۔ اس مطالعہ کے ذریعہ کوئی بھی ملک خود کو ان ممکنہ خطرہ سے بچا سکتا ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ سے اجتماعی سلامتی اور ترک اسلحہ سے متعلق مسائل کی سمجھ کو مزید تقویت ملتی ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ کے نظریہ سیاستدانوں کو علم فراہم کرتے ہیں جس سے وہ خارجہ پالیسی سے متعلق مسائلوں جیسے سامراجیت، نوآبادیت، بین الاقوامی تجارت، معیشت کی عالمگیریت، جدید بین الاقوامی نظام اور تحقیق اسلحہ وغیرہ کو حل کرنے میں مدد کرتا ہے۔
- بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ فعال طور پر تناؤ کے خلاف مزاحمت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جدید دور میں جوہری طاقت کی کافی ترقی ہوئی ہے۔ جوہری طاقت کا استعمال کرنے سے جہاں دنیا میں توانائی پیدا کی گئی وہیں جوہری طاقت سے تباہ کن ہتھیار بنائیں گے۔

دنیا میں تناؤ میں اضافہ ہوا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی جدید دور میں کافی اہمیت ہو گئی ہے کیوں کہ بین الاقوامی تعلقات کے نظریوں کے ذریعہ ایک ایسے ماحول کو فروغ دینا ممکن ہے جو دنیا میں بین الاقوامی تعلقات کا فعال مخالفت کر سکے اور دنیا میں امن قائم کرے۔

آج دنیا انسانی تاریخ میں پہلے سے زیادہ جڑی ہوئی ہے۔ تاہم بین الاقوامی تنازعات نے غریب اور کمزور قوموں پر عظیم طاقتوں کے اثر و رسوخ کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے جن کہ اثر و رسوخ اور مفادات پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات کا مضمون ہر ملک کے سیاسی اور معاشی مفادات کا مطالعہ کرنے اور سمجھنے کے لیے ایک کلیدی عنصر بن گیا ہے جب کہ کسی بھی قسم کے بین الضابطہ تعلقات کو انجام دیا جائے۔ اس طرح بین الاقوامی تعلقات کی اہمیت آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے اور روز بروز ہونے والی سیاسی بین الاقوامی سرگرمیوں نے اس کی اہمیت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ اس لیے بھی فائدہ مند ہے کیوں کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس حالات میں فرد اور ملک کس طرح کا رویہ اختیار کریں اور اپنے مفادات کا تحفظ کریں۔

4.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- بین الاقوامی تعلقات کے معنی و مفہوم کا مطالعہ کیا۔
- بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست کے درمیان فرق کو سمجھا۔
- بین الاقوامی تعلقات کی وسعت کو گہرائی سے جانا۔

- بین الاقوامی تعلقات کی اہمیت کو سمجھا۔

4.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

اقتدار اعلیٰ

مملکت کی اعلیٰ طاقت جو کسی داخلی یا بیرونی حدود کے تابع نہ ہو۔

قومی ریاست یا مملکت

مملکت کی شکل جو اس کی نسلی شناخت پر مبنی ہے۔ لوگ مشترکہ بندھن کے ذریعہ خود کو متحد محسوس کرتے ہیں اور ایک آزادانہ حکومت کے تحت علاقائی طور پر منظم ہوتے ہیں۔

طاقت

کسی کام کو ویسے ہی انجام دینے کی اہلیت یا صلاحیت جیسے کوئی فرد دوسروں سے کرانا چاہتا ہے۔

ٹھوس عناصر

آبادی اور علاقہ جیسے عناصر جن کی پیمائش یا مقدار صحیح طرح کی جاسکتی ہے۔

غیر محسوس عناصر

ایسے عناصر جو نظر نہیں آتے اور جن کی پیمائش نہیں کی جاسکتی ہے۔

4.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

4.8.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ عالمی تجارتی تنظیم کب قائم ہوئی؟

(a) 1990 (b) 1993 (c) 1995 (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ سویت یونین کب منتشر ہوا؟

(a) 1989 (b) 1990 (c) 1991 (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ اقوام متحدہ کا قیام کب ہوا؟

(a) 1944 (b) 1945 (c) 1946 (d) ان میں سے کوئی نہیں

4۔Politics among Nations کس کی لکھی ہوئی کتاب ہے؟

(a) K. J. Holsti (b) Govind Boyal

(c) Hans J. Morgenthau (d) ان میں سے کوئی نہیں

5۔پہلی عالمی جنگ کب شروع ہوئی؟

(a) 14اگست1914 (b) 20جون1914 (c) 23جون1914 (d) 28جون1914

6۔دوسری عالمی جنگ کب شروع ہوئی؟

(a) ستمبر1939 (b) اکتوبر1939 (c) نومبر1939 (d) دسمبر1939

7۔فرانسیسی انقلاب کب ہوا تھا؟

(a) 1787 (b) 1789 (c) 1800 (d) 1879

8۔détente سے کیا مراد ہے؟

(a) کشیدگی میں نرمی (b) کشیدگی کی شدت (c) تناؤ میں اضافہ (d) اس میں کوئی نہیں

9۔The Prince کتاب کے مصنف کون ہیں؟

(a) Machiavelli (b) Karl Marx

(c) Thomas Hobbes (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ مجلس اقوام کا تصور کس نے پیش کیا؟

(a) Kant (b) Hume (c) Kelvin (d) ان میں سے کوئی نہیں

4.8.2۔مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات سے کیا مراد ہے؟
2. بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاسیات کے درمیان کیا فرق ہے؟
3. پہلی اور دوسری عالمی جنگ کے بعد بین الاقوامی تعلقات کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
4. بین الاقوامی تعلقات 'بین الاقوامی اداروں کا مطالعہ ہے پر بحث کیجئے۔
5. ماحولیات بین الاقوامی تعلقات کے اہم مطالعہ میں سے ایک ہے واضح کیجئے۔

4.8.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات معنی اور اس کی وسعت بیان کیجئے۔
2. بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی سیاست کے درمیان فرق کو واضح کیجئے۔

3. بین الاقوامی تعلقات کی اہمیت بیان کیجئے۔

4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. Hrnz John, H. (1976) *The Nation State and Crises of World Politics: Essays on International Politics in the 20th Century*, David Mc Kay Company, USA.
2. Morganthau, (1973) *Politics among Nations: The Struggle for power and peace*, Random House, India.
3. Deutsch Karl W, (1968) The Analysis of International Relations, Englewood Clitls, N.J. Prentice Hall.
4. Palmer and Perkins, (2001) International Relations., CBS Publishers and Distributors Delhi.
5. Martin Wright, System of States, Leicester University Press, USA,.
6. * Rumki Basu (2012), International Politics: Concepts, Theories and Issues, Sage Publication, New Delhi.
7. Prakash Chandra, (2010) International Relations, S. Chand Publishing, New Delhi.
8. Abdul Qayum (2005) Bainul Aquwami Taluqat, Nisab Publications, Hyderabad.

اکائی 5۔ حقیقت پسندی

(Realism)

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید
5.1 مقاصد
5.2 حقیقت پسندی کا معنی
5.3 حقیقت پسندی کی تعریف
5.4 حقیقت پسندی کی فلسفیانہ بنیاد
5.5 حقیقت پسندی کے بنیادی اصول
5.6 بینالاقوامی تعلقات پر حقیقت پسندانہ نقطہ نظر
5.7 ہنس مرگنتھاؤ کے "سیاسی حقیقت پسندی کے چھ اصول
5.8 بین الاقوامی سیاست میں حقیقت پسندی کا مطلب
5.9 حقیقت پسندی: کلیدی تصورات
5.10 حقیقت پسندی: کلیدی مضمرات
5.11 حقیقت پسندی کی تنقید
5.12 اکتسابی نتائج
5.13 کلیدی الفاظ
5.14 نمونہ امتحانی سوالات
5.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
5.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
5.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
5.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء، یہ جاننا واقعی دلچسپ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کے بارے میں متضاد نظریات یا نقطہ نظر کے دو وسیع رنگ ہیں۔ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات اپنی نوعیت کے اعتبار سے متضاد ہیں۔دوسرا نقطہ نظر بین الاقوامی تعلقات کو بنیادی طور پر باہمی تعاون اور پر امن طور پر بیان کرتا ہے۔موٹے طور پر، بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ کے لیے بڑے نظریاتی نقطہ نظر مندرجہ بالا مفروضوں میں سے ایک پر متفق ہیں۔اس کے بعد دوسرے نظریاتی فریم ورک ہیں جو دو متضاد طریقوں کو ملانے اور سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کے باوجود بہت سے دوسرے لوگ ان اہم نظریوں پر تنقید کرتے ہیں اور بین الاقوامی تعلقات کو دیکھنے کے متبادل طریقے پیش کرتے ہیں۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اکائی کے مطالعے کے ذریعے ہم

- حقیقت پسندی کے معنی، تعریفات، بنیادی نظریاتی مفروضے کا علم حاصل کریں گے؟
- حقیقت پسندی کی بنیادی فلسفانہ بنیاد کو جانیں گے۔
- حقیقت پسندی کی بنیادی اصوُل سے واقف ہوں گے۔
- بین الاقوامی سیاست میں حقیقت پسندی کا مطلب کو سمجھیں گے۔
- حقیقت پسندی کی تنقید اور مطابقت کی کسوٹی کا مطالعہ کریں گے۔
- کیا یہ عصری دنیا کی عکاسی کرتی ہے اس کی معلومات حاصل کریں گے۔

5.2 حقیقت پسندی کا معنی (Meaning of Realism)

حقیقت پسندی انگریزی لفظ 'Realism' کا اُردو موافقت ہے۔ حقیقت پسندی دو الفاظ سے بنا ہے Real اور ism۔ خیال کیا جاتا ہے کہ لفظ Real کا ارتقا یونانی زبان سے ہوئی ہے جس کا مطلب ہوتا ہے 'آبجیکٹ' اور ism کا مطلب ہے وجود۔اس طرح حقیقت پسندی کا لغوی معنی اعتراض یا نظریہ ہے جس میں شے کے وجود سے متعلق ہے۔ چنانچہ حقیقت پسندی شے کے وجود کو قبول کرتی ہے اور شئے کی حقیقت پر زور دیتی ہے۔ یہ نظریہ مادیت پر مبنی ہے اور مادیت کے مطابق صرف مادی دنیا ہی سچی ہے۔اس طرح حقیقت پسندی ایک ایسا اصول ہے جو دنیا کو اسی طرح قبول کرتا ہے جیسا کہ یہ ظاہر ہوتا ہے یا محسوس کیا جاتا ہے۔

5.3 حقیقت پسندی کی تعریف (Definition of Realism)

حقیقت پسندی کی تعریفیں مختلف دانشوروں نے دی ہیں۔ کچھ اہم تعریفیں درج ذیل ہیں:

- جیمز ایس راس کے مطابق - حقیقت پسندی کا اصول اس بات کو قبول کرتا ہے کہ ہمارے ادراک کی اشیاء کے پیچھے اور اس سے مطابقت رکھنے والی اشیاء کی ایک حقیقی دنیا ہے۔
- براؤن کے مطابق—حقیقت پسندی کا بنیادی نظریہ ہے کہ تمام طبعی اشیاء یا ظاہری دنیا کی چیزیں حقیقی ہیں اور ان کا وجود مشاہدہ کرنے والے سے الگ ہے، چاہے ان کا مشاہدہ کرنے والا کوئی شخص نہ ہو، تب بھی وہ موجود ہوں گے اور حقیقی ہوں گے۔
- بٹلر کے مطابق—حقیقت پسندی دنیا کے بارے میں ہماری عمومی قبولیت کو تقویت دیتی ہے جیسا کہ یہ ہمیں دکھائی دیتی ہے۔

5.4 حقیقت پسندی کی فلسفیانہ بنیاد (Philosophical Basis of Realism)

مابعد الطبیعات میں حقیقت پسندی (Realism in metaphysics): حقیقت پسندی کا خیال ہے کہ کائنات متحرک مادے سے بنی ہے۔ ہم اپنے تجربات کی بنیاد پر دنیا کے باقاعدہ کام کو پہچان سکتے ہیں۔ مادہ حرکت میں ہے اور موجود ہے اس لیے یہ سچ ہے۔

علمیات میں حقیقت پسندی (Realism in epistemology): حقیقت پسندوں کا خیال ہے کہ حقیقی دنیا موجود ہے۔ ہم ایک حقیقی چیز کو جانتے ہیں کیونکہ یہ موجود ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی چیز حقیقی دنیا میں موجود ہے تو وہ سچ ہے۔ کوئی بھی بیان تجزیہ کے بعد ہی قابل قبول ہے۔ علم کے وجود کو صرف دماغ ہی قبول کرتا ہے۔

اقدار میں حقیقت پسندی (Realism in values): حقیقت پسند قدرتی قوانین پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان ان اصولوں پر عمل کرکے نیک زندگی گزار سکتا ہے۔ فطرت حسن سے بھرپور ہے۔ خوبصورتی—فن کے کامل کام، کائنات یا فطرت کی ترتیب اور منطق کا عکس ہے۔ فن کو سراہا جانا چاہیے۔

5.5 حقیقت پسندی کے بنیادی اصول (Fundamental Principles of Realism)

نظریہ حیاتیات (Theory of Organism)

حقیقت پسندی ایک ایسا نظام ہے جو ہمیشہ نامیاتی رہتا ہے۔ اس کا ہر حصہ بذات خود ایک فعال نظام ہے، ایک مربوط عمل ہے۔ یہ نہ صرف نتیجہ ہے بلکہ خود ایک سبب بھی ہے۔ یہ دنیا کے ارتقاء کے عمل میں ایک لہر کا عنصر ہے۔ تبدیلی اس متزلزل دنیا کی بنیادی خوبی ہے، سچائی ہے۔ حقیقت کا جوہر یہ ہے کہ ذہن کو جزو کے کام کے طور پر قبول کیا جانا چاہیے۔

انسان کی موجودہ اور عملی زندگی پر زور (Emphasis on Present and Practical Life of Man)

حقیقت پسند ان مثالی سوچ، اصولوں اور اقدار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا جن کا تعلق حال اور عمل سے نہیں ہوتا، اس کے ساتھ ہی وہ دانشوری اور آئیڈیلسٹ کی مخالفت کرتے ہیں۔

حقیقت پسندی ماورائیت کو قبول نہیں کرتی (Realism does not accept Transcendentalism)

حقیقت پسندی ظاہری دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتی ہے، جس کے مطابق اس دنیا سے باہر کوئی چیز نہیں، اس طرح یہ سائنسی نقطہ نظر اور معروضیت پر زور دیتا ہے، حقیقت میں حقیقت پسندی اپنے عمل میں سائنسی ہے۔

طبیعی دنیا میں باقاعدگی (Regularity in Object World)

حقیقت پسند طبیعی دنیا کی باقاعدگی کو بنیاد سمجھتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ طبعی دنیا میں جتنی بھی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، ان میں مسلسل باقاعدگی پائی جاتی ہے، لہٰذا یہ باقاعدگی انسان کے تجربے اور علم میں ہونی چاہیے، تب ہی حقیقی علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔

حِسّی علم کی حقیقت (Reality Of Sensory Knowledge)

حقیقت پسندی کا ایک اور اصول حِسی علم کی حقیقت ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حقیقی علم صرف حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے حواس حساس ہوتے ہیں۔

مرئی/بصری دنیا کی حقیقت (Reality Of Phenomenal World)

حقیقت پسندی کا بنیادی اصول مرئی دنیا کی حقیقت ہے کیونکہ وہ مرئی دنیا کو ہی اصل چیز سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں اس دنیا میں جو کچھ ہم دیکھتے ہیں، سنتے یا تجربہ کرتے ہیں وہی حقیقت ہے، یعنی جو نظر آتا ہے اسی کا وجود ہے۔

5.6 بین الاقوامی تعلقات پر حقیقت پسندانہ نقطہ نظر

(Realist Perspective on International Relations)

حقیقت پسندانہ نقطہ نظر حقیقت پسندی اور حقیقت پر مبنی بین الاقوامی سیاست کا ایک بڑا اور اہم نقطہ نظر ہے۔ یہ نقطہ نظر مثالی عقائد کو قبول نہیں کرتا ہے۔ یہ معاشرے اور سیاست کے بارے میں اپنے عقائد کو عقل اور تجربے کی بنیاد پر پیش کرتا ہے۔

یہ حقائق اور واقعات کی اصل نوعیت کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ موجودہ دور میں اس نظریے کا اصل حامی ہنس جے مرگنتھاؤ(Hans Joachim Morgenthau)ہیں۔ مرگنتھاؤ کے اپنے الفاظ میں، یہ نظریہ انسانی فطرت کو ویسا ہی لیتا ہے جیسا کہ وہ ہے اور تاریخی واقعات کو اس شکل میں لیتا ہے جس میں وہ کمتر ہوتے ہیں۔ اس لیے اس نظریہ کو حقیقت پسندانہ نظریہ کہا جاتا ہے۔

مرگنتھاؤ سے پہلے بھی کچھ مشہور ادیبوں نے حقیقت پسندانہ انداز اپنایا تھا۔ انیسویں صدی میں ترتشکے(Treitschke)، نتشے (Nietzsche)، ایرچ کافمین(Erich Kaufmann)اور بیسویں صدی میں ڈیوڈ ایسٹن(David Easton)،ای ایچ کار (E H Carr)، کوئنسی رائٹ(Quincy Wright)، نکولس جے(Nicolas J Spykman)وغیرہ رہے ہیں۔

اگرچہ حقیقت پسندانہ نقطہ نظر کو بہت سے اسکالرز نے اپنایا ہے، لیکن جدید دور میں اسے ترقی دینے اور اسے منظم انداز میں بیان کرنے کا سہرا ہنس جے مرگنتھاؤ اور سفارت کار جارج کینن(George F Kennan)کو جاتا ہے۔

5.7 ہنس مرگنتھاؤ کے "سیاسی حقیقت پسندی کے چھ اصول

(Hans Morgenthau's Six Principles of Political Realism)

ہنس مرگنتھاؤ کو 20ویں صدی میں حقیقت پسندانہ اسکول کے بانی میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ اس مکتب فکر کا خیال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں قومی ریاستیں مرکزی کردار ادا کرتی ہیں اور یہ کہ اس شعبے کی بنیادی فکر طاقت کا مطالعہ ہے۔ ہنس مرگنتھاؤ کی کتاب (Politics Among Nations)کے دوسرے ایڈیشن میں "سیاسی حقیقت پسندی کے چھ اصول" وضع کیے گئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

- سیاسی حقیقت پسندی کا خیال ہے کہ سیاست معروضی قوانین کے تحت چلتی ہے جس کی جڑیں انسانی فطرت میں ہے۔
- سیاسی حقیقت پسندی کا بنیادی نشان "اقتدار" کے لحاظ سے بیان کردہ مفاد کا تصور ہے جو سیاست کے موضوع میں عقلی ترتیب کو داخل کرتا ہے اور اس طرح سیاست کی نظریاتی تفہیم کو ممکن بناتا ہے۔
- حقیقت پسندی یہ فرض کرتی ہے کہ مفاد کو طاقت کے طور پر بیان کیا گیا ایک معروضی زمرہ ہے جو عالمی طور پر درست ہے لیکن اس معنی کے ساتھ نہیں کہ جو ایک بار اور ہمیشہ کے لیے طے ہو۔ طاقت انسان پر انسانی کنٹرول ہے۔
- سیاسی حقیقت پسندی سیاسی عمل کی اخلاقی اہمیت سے آگاہ ہے۔ یہ اخلاقی حکم اور کامیاب سیاسی عمل کے تقاضوں کے درمیان تناؤ سے بھی آگاہ ہے۔ حقیقت پسندی اس بات کو قبول کرتی ہے کہ آفاقی اخلاقی اصول ریاستوں کے اعمال پر ان کی تجریدی آفاقی تشکیل میں لاگو نہیں کیے جاسکتے ہیں، لیکن یہ کہ انہیں وقت اور جگہ کے ٹھوس حالات کے ذریعے فلٹر کیا جانا چاہیے۔
- سیاسی حقیقت پسندی کسی خاص قوم کی اخلاقی خواہشات کو کائنات پر حکمرانی کرنے والے اخلاقی قوانین سے شناخت کرنے سے انکار کرتی ہے۔ یہ طاقت کے لحاظ سے بیان کردہ مفاد کا تصور ہے جو ہمیں اخلاقی زیادتی اور سیاسی حماقت سے بچاتا ہے۔

- سیاسی حقیقت پسند سیاسی میدان کی خود مختاری کو برقرار رکھتا ہے۔ سیاستداں پوچھتا ہے کہ "یہ پالیسی قوم کی طاقت اور مفادات کو کیسے متاثر کرتی ہے؟" سیاسی حقیقت پسندی انسانی فطرت کے تکثیری تصور پر مبنی ہے۔ سیاسی حقیقت پسند کو یہ ظاہر کرنا چاہیے کہ قوم کے مفادات اخلاقی اور قانونی نقطہ نظر سے کہاں مختلف ہیں۔

اس طرح مرگنتھاؤ نے دلیل دی ہے کہ ان اصولوں پر ہنر مند سفارت کاری طاقت کے توازن کے ذریعے استحکام کا باعث بن سکتی ہے۔ انہوں نے لکھا کہ "طاقت کا توازن اور اس کے تحفظ کے لیے پالیسیاں نہ صرف ناگزیر ہیں، بلکہ خود مختار قوموں کے معاشرے میں استحکام کا ایک لازمی عنصر ہے۔ جبکہ انہوں نے "طاقت کی مرکزیت" اور "قومی مفاد" پر زور دیا، Politics Among Nations کا ذیلی عنوان "طاقت اور امن کی جدوجہد" —نہ صرف اس بات کی تشویش ظاہر کرتا ہے کہ اقتدار کی مسلسل جدوجہد ہے بلکہ ان طریقوں سے بھی جس میں یہ اخلاقی اور قانونی اصولوں سے محدود ہے۔ تاہم، مرگنتھاؤ کے مطابق، عملی طور پر، "طاقت کے حصول کی جدوجہد میں سرگرم ممالک کا اصل مقصد طاقت کا توازن —یعنی مساوات— نہیں بلکہ اپنی طرف سے طاقت کی برتری پر ہونا چاہیے۔"

5.8 بین الاقوامی سیاست میں حقیقت پسندی کا مطلب

(The meaning of Realism in International Politics)

اب ہم بات کریں گے کہ بین الاقوامی سیاست میں حقیقت پسندی کا کیا مطلب ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں حقیقت پسندی سلامتی اور طاقت کی پیچیدگیوں اور مفادات کو اپنا بنیادی مطالعہ مواد سمجھتی ہے۔ یہ نقطہ نظر فرد کا عقیدہ ہے کہ دوسرے ہمیشہ اسے تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس لیے اسے اپنی حفاظت کے لیے دوسروں کو تباہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اس نقطہ نظر کی بنیاد یہ عقیدہ بھی ہے کہ قوموں کے درمیان دشمنی اور تصادم ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے۔ یہ دشمنی اور تنازعہ بین الاقوامی سیاست کا ایک طاقتور قانون ہے، نہ کی بین الاقوامی تعلقات میں قبل از وقت ہونے والا واقعہ۔

دوسرے لفظوں میں بین الاقوامی سطح پر اقتدار کی کشمکش جاری ہے۔ ان تنازعات اور دشمنیوں کو بین الاقوامی اخلاقیات، قانون اور عالمی حکومت کے ذریعے قابو نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے قومی رہنماؤں اور سفارت کاروں کا اصل کام اقتدار کی کشمکش کو جیتنا ہے۔ یہ فتح اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب طاقت کا توازن ہمیشہ اس کے حق میں ہو۔

حقیقت پسندی کے مطابق اقتدار کی کشمکش کا استحکام اور عالمگیریت ہی بین الاقوامی حقیقت کی سچائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ذرائع اور مقاصد کے درمیان اخلاقی تعلق کی بات آتی ہے تو حقیقت پسندی بین الاقوامی سیاست میں خاموش رہتی ہے۔ یہ تکثیری معاشرے میں اعتدال اور توازن کے ذریعے تنازعات کو محدود کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں جہاں جدوجہد نہ ہو، اس لیے مختلف مفادات کے درمیان توازن قائم کرنا ہی جدوجہد میں واحد رکاوٹ ہے۔

طاقت کی کشمکش کو کم کرنے کے لیے اختیار کیے گئے اس طرح کے اقدامات دراصل طاقت کا ایک نیا توازن قائم کرتے ہیں۔اس طرح تصادم کی حالت مستقل بنی رہتی ہے اور کسی اخلاقی نظریات یا خیالی پروازوں سے کوئی بھی عدم تصادم مثالی نظام نہیں لایا جا سکتا ہے۔

لہٰذا، مختلف متضاد مفادات کو متوازن کر کے تنازعات کو محدود کرنے کی کوشش کرنا معقول ہے۔اس طرح ایک تکثیری بین الاقوامی معاشرے میں صرف اعتدال اور توازن کے اصول سے کسی حد تک تنازعات سے بچا جا سکتا ہے۔

عصر حاضر کے نامور حقیقت پسند جارج کینن اور ہنس مرگنتھاؤ کی رائے ہے کہ قومی مفاد نظریاتی پالیسی اور نظریاتی تجزیہ دونوں کے لیے ایک زیادہ مفید رہنما ہے۔ لیکن قومی مفاد اور اخلاقی اصول کے درمیان تعلق کے بارے میں ان کے خیالات ایک جیسے نہیں ہیں۔

کینن کا خیال ہے کہ ایک قوم اور اس کے رہنما اپنے مفادات کو جان اور سمجھ سکتا ہے لیکن دوسری قوم کی ضروریات اور مفادات کو نہیں سمجھا جا سکتا اور ان پر کوئی فیصلہ نہیں لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ ایک طرف ہمیں اپنی خارجہ پالیسی اور اپنے قومی مفاد کے مطابق کام کرنا چاہیے اور دوسری طرف اپنی تہذیب میں موجود اخلاق اور اخلاقی اصولوں کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

سیاسی حقیقت پسندی اور سیاسی آئیڈیلزم کے درمیان سب سے زیادہ متنازعہ مسئلہ اقتدار کا مسئلہ ہے۔آیڈیلزم ان نظریات پر مبنی ہے جو فلسفیانہ اور بنیادی اہمیت کے حامل ہیں، جبکہ حقیقت پسندی طاقت کی بالادستی پر زور دیتی ہے۔ یہی نہیں، سیاسی آیڈیلزم بھی یہ مانتا کہ قومی مفاد میں ہم آہنگی ممکن ہے لیکن حقیقت پسندی ایسے امکان سے انکار کرتی ہے، اس لیے آیڈیلزم اور حقیقت پسندی میں تضاد ہونا فطری بات ہے۔ دونوں خیالات اپنے آپ میں انتہا پسند ہے۔

اس لیے ایک ایسے نقطہ نظر کی ضرورت تھی جو سیاسی حقیقت پسندی کی خوبیوں کو علم سیاسیات اور سیاسی آیڈیلزم کے نظریات سے ہم آہنگ کر سکے۔ جان ہارز (John H Herz) نے اس سمت میں کوشش کی اور ایک نیا نقطہ نظر پیش کیا جو حقیقت پسندانہ لبرل ازم کو نہیں دیا گیا تھا۔ ہرز کا نقطہ نظریہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ آیڈیلزم اور حقیقت پسندی کے الزامات سے کیسے بچا جائے۔

5.9 حقیقت پسندی: کلیدی تصورات (Realism: Key Concepts)

مفروضے منطقی عقائد ہیں اور بہت اہم ہیں کیوں کہ یہ نظریاتی نقطہ نظر کے بنیادی ستون ہیں۔ مثال کے طور پر آپ فرض کرتے ہیں کہ انسان فطرتاً خود غرض ہیں۔ یا یہ کہ وہ ایک سماجی جانور ہے جو دوسرے انسانوں کے ساتھ تعاون اور امن سے رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ تصورات مل کر کسی مسئلے کی وضاحت کرنے اور اسے بین الاقوامی تعلقات کے نقطہ نظر یا اصول سے ہم آہنگ کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر، حقیقت پسندی کے بنیادی مفروضوں کو جاننا ضروری ہے جنہیں وہ بین الاقوامی تعلقات کو سمجھنے کے لیے اپنے بنیادی آلے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

ریاستیں بین الاقوامی نظام میں اہم اداکار ہیں (States are real actors in the international system)

حقیقت پسندی کے اس تصور کے چار معنی ہیں

(i) بین الاقوامی سیاست خود مختار ریاست اور ریاستوں کے درمیان تصادم کا ایک علاقہ ہے۔ان خود مختار ریاستوں کے درمیان تعامل بین الاقوامی سیاست کا مرکز ہے۔

(ii) (ii)ریاستیں بین الاقوامی سیاست میں خود مختار، واحد اور عقلی اداکار ہیں۔خود مختار ریاستیں، کم از کم تصوراتی سطح پر، طاقتور ہوتی ہیں، مخصوص سیاسی اہداف کے ساتھ مربوط ہوتی ہیں، اور وہ لاگت سے فائدہ کا تجزیہ کرتی ہیں۔

(iii) (iii)دوسری ریاستوں کے ساتھ معاملات میں، ہر ریاست اپنے 'مفاد' کو فروغ دینے اور اس کی ضمانت دینے کی کوشش کرتی ہے۔ہر ریاست کا سب سے اہم مفاد اس کی سلامتی اور اس کی طاقت کی توسیع ہے۔

(iv) (iv)اپنی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے، ہر ریاست طاقت کو محفوظ اور جمع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔طاقت ہی دشمن کو حملہ کرنے سے روک سکتی ہے۔دوسرے الفاظ میں، ہر ریاست اپنی صلاحیت کو بڑھانے اور وسیع کرنے کے لیے آزاد ہے۔اگر ضرورت پڑی تو دوسری ریاست کی قیمت پر بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات اپنے کردار میں انارکی ہے(International system is anarchical in its character)

حقیقت پسندی میں، 'انتشار، بین الاقوامی تعلقات کی وضاحت کرتا ہے'۔انارکی کا مطلب یہ ہے کہ خود مختار ریاستوں کے درمیان بین الاقوام تعلقات کو منظم کرنے یا ترتیب دینے کے لیے کوئی "مرکزی اتھارٹی" یا عالمی حکومت نہیں ہے۔مختلف ریاستیں ایک دوسرے پر عدم اعتماد کرتی ہیں اور عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ طاقت جمع کرتی ہیں تاکہ 'محفوظ' بن سکیں۔'انارکی' ایک تسلیم شدہ سیاسی صورتحال ہے جس میں نظم و ضبط کو نافذ کرنے کا کوئی عالمی اختیار نہیں ہے۔اس فرضی صورتحال نے ریاست کو لاگت-فائدہ کا حساب لگانے کے لیے "آزاد" کر دیا ہے اور پوری طرح سے اپنی صلاحیت کی بنیاد پر اپنے ذاتی مفاد یا "قومی مفاد" کے لیے کام کرنے کے لیے مجبور کر دیا ہے۔صلاحیت—فوجی، تکنیکی، اقتصادی اور سیاسی—کو وسیع اور مضبوط رہنا چاہیے، ورنہ ریاست کی جان اور سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

وسائل پر کنٹرول عالمی سیاست کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے(Control over resources is fundamental to world politics)

اپنی صلاحیت کو بڑھانے کے لیے ہر ریاست مادی وسائل پر زیادہ سے زیادہ کنٹرول حاصل کرنے کے لیے مسلسل کوشاں رہتی ہے اور کنٹرول کا یہ رجحان عالمی سیاست کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔حقیقت پسندی اس عقیدے کو دوسرے عقائد کے ساتھ جوڑ کر درست ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے جو اس نقطہ نظر کو فروغ دیتے ہیں۔ریاستوں کو مادی وسائل پر کنٹرول رکھنے کے لیے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کیونکہ (i)اس کی اجزا کی اکائیوں میں وسائل کی منصفانہ تقسیم کرنے کے لیے کوئی مرکزی اختیار نہیں ہے۔(ii)مادی وسائل وافر مقدار میں نہیں ہے، اور (iii)مادی وسائل اس کے ہم منصبوں کے خلاف ریاست کی صلاحیت کو مضبوط بناتے ہیں جو ایک انارکی سیاسی نظام میں اہم ہے۔یہ عوامل

ایک ریاست کو زیادہ سے زیادہ قابلیت حاصل کرنے کی تحریک دیتا ہے،اور ساتھ ساتھ دوسرے قسم کی اہلیت کو بھی حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

5.10 حقیقت پسندی: کلیدی مضمرات (Realism: Implications)

بلاشبہ، حقیقت پسندی بین الاقوامی تعلقات کے مطالعے اور تجزیہ کے لیے سب سے اہم نظریاتی فریم ورک میں سے ایک ہے۔اس کے علاوہ بہت سے دوسرے اسکالرز، جیسے مرگنتھاؤ،ای ایچ کار اور کینیتھ والٹز(Kenneth Waltz)نے ایسے نظریات اور بصیرت تیار کی ہیں جو حقیقت پسندانہ فکر کی بنیاد بناتے ہیں۔بلاشبہ،ان مفکروں کے درمیان اہم اختلافات ہیں؛مثال کے طور پر مرگنتھاؤ اور والٹز کے درمیان۔ چاہے جیسا بھی ہو،جب کہ بعض مفروضے اور اصول حقیقت پسندی کا مرکز ہوتے ہیں۔ حقیقت پسندی کے اندر کئی قسمیں یازمرے ہوتے ہیں۔ تین اہم تصورات کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ان اور دیگر مفروضوں کے کیا مضمرات ہیں؟آیئے درج ذیل پر ایک نظر ڈالیں:

- خود مختار ریاستیں بین الاقوامی نظام میں مکمل اداکار ہیں۔ حقیقت پسند تھامس ہابز(Thomas Hobbs)کے خیالات کی طرف راغب ہیں۔ہابز نے انسان کو خود غرض، عقلی اور مطلبی قرار دیا۔اسی طرح ریاست خود غرض، عقلی اور اپنے مفاد کو پہلے سوچتی ہے۔وہ خود کو غیر محفوظ محسوس کرتا ہے اور دوسری ریاستوں کے ارادوں پر عدم اعتماد کرتا ہے جو بالکل اسی طرح سوچتے اور برتاؤ کرتے ہیں۔ایسی ریاست کا رجحان ہے کہ وہ جنگ کی تیاری کرے اور اپنی طاقت کو دوسری ریاست کی قیمت پر بڑھا دے،تاکہ اپنی سلامتی کی ضمانت دی جاسکے۔
- حکم نافذ کرنے کے لیے کسی بین الاقوامی حکومت کی کمی کی وجہ سے، بین الاقوامی نظام انتشار کا شکار ہے جس میں ہر ریاست خود غرض اور مشکوک ہے۔ بین الاقوامی نظام محض باہمی تعامل کرنے والی ریاستوں کا مجموعہ ہے۔ ہر کوئی اپنی بقا اور ترقی کو یقینی بنانے کے لیے اقتدار کے پیچھے بھاگتا ہے۔دوسرے الفاظ میں، بین الاقوامی نظام میں افراتفری فطری طور پر ایک غیر مستحکم صورتحال پیدا کرتی ہے۔
- ہر ریاست کی سب سے بڑی تشویش اس کی سلامتی ہے۔اپنی بقا اور سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے ریاست طاقت جمع کرتی ہے۔ جیسے جیسے ایک ریاست زیادہ طاقت جمع کرتی ہے،دوسری ریاستیں اس سے ڈرتی ہیں۔ ہر ریاست کی طرف سے طاقت جمع کرنے کی کوشش ہوتی ہے اور باہمی بداعتمادی کی فضا ہوتی ہے۔
- ریاستوں کے رویے میں خود غرضی ہے۔ریاستوں کو اپنے طویل مدتی اہداف، جو کہ سلامتی اور طاقت ہیں، کی حفاظت کے لیے مختصر مدت میں 'قائم بین الاقوامی قوانین' پر عمل کرنا آسان معلوم پڑتا ہے۔ حقیقت پسندوں کا کہنا ہے کہ ریاستیں ان قوانین کی خلاف ورزی کریں گی جب یہ ریاستی طاقت کے حصول کے لیے آسان نہ ہو۔ بالآخر، بین الاقوامی قانون اور طریقوں کو نافذ کرنے کے لیے کوئی عالمی حکومت نہیں ہے۔

- حقیقت پسندی کے مطابق بین الاقوامی نظام کی تشکیل اور استحکام اس کی جزو ریاستوں کی نسبتاً طاقت سے ہوتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ عالمی یا علاقائی سطح پر بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کا تجزیہ کرتے وقت نظام کی قطبیت (Polarity) ایک اہم حقیقت پسندانہ آلہ ہے۔انتشاری بین الاقوامی ترتیب کا حقیقت پسندی کا ماڈل جنگ کے استقامت کی وضاحت میں مدد کرتا ہے۔ جس کی تعریف سیاسی مقاصد کے حصول میں دو یا زیادہ بین الاقوامی اداکاروں کے درمیان بڑے پیمانے پر منظم تشدد کے طور پر کی جاتی ہے۔

اس طرح بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کے اسباب کی وضاحت کے لیے حقیقت پسندی ایک اچھا رہنما ہے۔ یہ دنیا کو آسان بنانے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ یہ صرف ان اداکاروں اور بات چیت کو اجاگر کرتا ہے جو بین الاقوامی تنازعات کی وضاحت میں حصہ ڈالتے ہیں۔ حقیقت پسندوں کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کو سمجھتے ہیں۔ان کے دعوے ریاستوں اور حکمراں اشرافیہ کے حقیقی رویے پر مبنی ہے۔ چنانچہ حقیقت پسند تجرباتی اور سائنسی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

5.11 حقیقت پسندی کی تنقید (Criticism of Realism)

حقیقت پسندانہ نقطہ نظر بین الاقوامی تعلقات کی طاقت پر مبنی ترتیب پر زیادہ زور دیتا ہے۔ حقیقت پسندی ریاستوں کی طاقت کو اس حد تک بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے کہ وہ تصادم اور جنگ کو ناگزیر بنا دیتی ہے۔اقتدار کے متلاشیوں کے طور پر، ریاستیں اپنے بیرونی طرز عمل میں جارح ہیں۔ یہ نقطہ نظر اس بات کی تردید کرتا ہے کہ ریاست تعاون اور باہمی امداد کی اہلیت رکھتی ہے۔ جبکہ، نئے نقطہ نظر، جن میں سے کچھ اس کورس میں زیر بحث آئے ہیں، ریاستوں کو جارح اور اتحادی دونوں کے طور پر دیکھتے ہیں۔ مزید برآں، یہ نئے طریقے بین الاقوامی تعلقات کی ایک طاقتور تنقید ہیں اور بین الاقوامی تعلقات کو تبدیل کرنے کے طریقے کے بارے میں متبادل خیالات فراہم کرتے ہیں۔

اسی طرح، بین الاقوامی تعلقات کی انتشار کے طور پر حقیقت پسندی کا تصور اس امکان کی نفی کرتا ہے کہ تعاون کے لیے بین الاقوامی ادارہ جاتی بندوبست ہو سکتا ہے۔ حقیقت پسندی دوسرے عالمی نظریے کو خیالی (Utopia) کہہ سکتا ہے، لیکن 1945 سے اقوام متحدہ کا وجود اور دوسری عالمی جنگ کو روکنے میں اس کا روک تھام کا کردار انتشار کی سیاسی حالت کو صحیح طور پر اہل نہیں بناتا جیسا کہ حقیقت پسندی نے تصور کیا تھا۔اقوام متحدہ ایک عالمی حکومت کا مترادف نہیں ہے، لیکن یہ یقینی ن طور پر امن اور تعاون کی عالمی خواہش کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ اجتماعی تحفظ فراہم کرتا ہے اور سلامتی کونسل کو طاقت کی استعمال کی اجازت دینے کا عہد کرتا ہے جس پر عمل درآمد کے لیے رکن ممالک کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

بین الاقوامی سیاست میں ریاست کو واحد اداکار کے طور پر برتاؤ کرنے پر حقیقت پسندی پر تنقید کی جاتی ہے۔ سرد جنگ (Cold War) کے بعد کے سیاسی ماحول کے تناظر میں، جہاں اداکار کی شرکت دھندلی حدود سے دوچار ہے، حقیقت پسندی کے واحد دائرہ اختیار کو سخت چیلنج کیا گیا تھا۔ان تنقیدوں سے ہونے والے نقصان سے خود کو بچانے کے لیے، حقیقت پسندی نے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کی روشنی میں اپنی نظریاتی

تجاویز کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔ مثال کے طور پر، کچھ حقیقت پسندانہ اصلاحات عالمی سیاست کی آئیڈیلسٹ/لبرل وضاحتوں کی روشنی میں ہوئیں کیونکہ بعد میں بین الاقوامی تعلقات کی وضاحتیں ترقی اور جمہوری امن کے ایک مربوط نقطہ نظر پر مبنی تھی۔ تاہم، حقیقت پسندی کو بہتر بنانے کی اس طرح کی کوششوں نے مزید تنقید کو جنم دیا ہے۔ مثال کے طور پر، جیفری لیگرو(Jeffrey W. Legro)اور اینڈریو موراوسیک(Andrew Moravcsik)نے مشاہدہ کیا کہ حقیقت پسندانہ تمثیل ختم ہو رہی ہے کیونکہ اس کی تصوراتی بنیاد شناخت یا افادیت سے باہر پھیلی ہوئی ہے۔ جیسا کہ حقیقت پسندی نے اپنی نظریاتی حدود کو دوسرے نظریاتی طریقوں تک پھیلا دیا، لیگرو اور موراوسیک اس طرح پوچھتے ہیں، "کیا ہر کوئی اب ایک حقیقت پسند ہے"۔

حقیقت پسندی کے زوال کی وضاحت کرتے ہوئے، تھامس واکر(Thomas Walker)اور جیفری مورٹن(Jeffrey S. Morton)نے کہا: "سرد جنگ کے خاتمے، جمہوریت کی توسیع اور عالمی تجارت اور بین الاقوامی تنظیموں کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے ساتھ، دنیا اب حقیقت پسندی کے لیے سازگار نہیں رہی۔ بین الاقوامی تعلقات میں تحقیق اب عالمی سیاست کے کسی ایک مثالی نقطہ نظر سے منسلک نہیں ہے۔ شواہد، نظریاتی خدشات کی کثرت کے ساتھ ایک فیلڈ کو ظاہر کرتے ہیں"۔

حقیقت پسندی کی مندرجہ بالا تنقیدیں درست ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بین الاقوامی تعلقات کے نقطہ نظر کے طور پر حقیقت پسندی کا وجود ختم ہو گیا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت پر عصری مباحث میں حقیقت پسندی بدستور متعلقہ ہے۔ امریکہ میں 9/11 کی دہشت گردی کے واقعات اور اس کے بعد امریکہ کی طرف سے اٹھائے گئے پیشگی/متوقع اقدامات کو نظریہ سازی کے حقیقت پسندانہ کاروبار کے حق میں ایک ارتقاء کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ اور افغانستان، عراق، لیبیا، شام وغیرہ میں مداخلتوں سمیت خارجہ پالیسی کے اقدامات کی وجہ سے "ہوم لینڈ سیکورٹی" کا بار بار حوالہ، پالیسی سازی میں حقیقت پسندانہ سوچ کے عروج کو ظاہر کرتا ہے۔

5.12 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

بہت بنیادی سطح پر، یہ اکائی قارئین کو تنازعات اور مسابقتی طاقت کے مفادات سے آگاہ ایک نقطہ نظر سے حقیقت پسندی کے پہلوؤں سے متعارف کراتا ہے۔ اس نے ابتدائی طور پر اس بات پر روشنی ڈالی کہ :

- بین الاقوامی تنازعہ یا کوآپریٹو قیاس آرائیوں کے درمیان، حقیقت پسندی تنازعات اور جنگ کی پیروی کرتی ہے۔
- حقیقت پسندی کے قیاس آرائیوں کے تصادم کو اس کے "بنیادی مفروضوں کے ذریعے" کے حصے میں قبول کیا گیا ہے۔
- ریاستیں بین الاقوامی نظام میں اداکار ہیں، ہر ایک اپنی حفاظت کے خواہاں ہیں اور اگر ضروری ہو تو، دوسروں کی قیمت پر، ریاستی اہداف پر اسرار کرتے ہیں۔
- بین الاقوامی نظام انارکی ہے۔ مادی وسائل پر کنٹرول حقیقت پسندی کے نظریاتی مفروضوں کے لیے بنیادی ہے۔

- حقیقت پسند "سوچ" سے زیادہ مرضی کی اہمیت پر زور دینے کے تصور کو نمایاں کرتا ہے۔اس کے مطابق عالمی سیاست میں جذبات اور آیڈیلزم کی کوئی جگہ نہیں۔
- مرگنتھاؤ کے سیاسی حقیقت پسندی کے اصول بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کی مرکزیت پر زور دیتے ہیں۔
- والٹز نے دلیل دی کہ عالمی سیاست کی انارکی ریاستوں کے رویے سے آگاہ کرتی ہے کیونکہ انارکی سے سلامتی کو خطرات لاحق ہوتے ہیں۔

5.13 کلیدی الفاظ (Keywords)

مابعد الطبیعات

فلسفے کا وہ شعبہ جو وجود، سچائی اور علم کی نوعیت سے متعلق ہے۔

قومی مفاد

مجموعی طور پر کسی قوم کے مفاد کو ایک آزاد ادارہ تصور کیا جاتا ہے جو ماتحت علاقوں یا گروہوں اور دیگر اقوام یا غیر قومی گروہوں کے مفادات سے الگ ہو۔

آئیڈیل ازم

آئیڈیل ازم بین الاقوامی تعلقات سے جنگ، بھوک، عدم مساوات، جبر اور تشدد کو ختم کر کے بین الاقوامی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے کھڑا ہے۔

لبرلزم

مناسب اداروں اور سفارت کاری کے ساتھ، لبرلز کا خیال ہے کہ ریاستیں زیادہ سے زیادہ خوشحالی اور تنازعات کو کم کرنے کے لیے مل کر کام کر سکتی ہیں۔

انارکی

ایسی صورت حال جس میں لوگ قواعد وضوابط کی پابندی نہیں کرتے؛ایسی صورتحال جس میں کسی ملک میں حکومت نہ ہو۔

سرد جنگ

سرد جنگ ریاستہائے متحدہ اور سوویت یونین اور ان کے متعلقہ اتحادیوں کے درمیان جاری سیاسی دشمنی تھی جو دوسری جنگ عظیم کے بعد تیار ہوئی۔

5.14 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

5.14.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ بین الاقوامی تعلقات میں حقیقت پسندی زور دیتا ہے:

(a) عالمی حکمرانی اور تعاون
(b) ثقافتی سفارتکاری کی اہمیت
(c) غیر ریاستی عناصر کا کردار
(d) قومی مفاد اور طاقت کی سیاست

2۔ حقیقت پسندوں کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی نظام میں بنیادی کردار یہ ہیں:

(a) غیر سرکاری تنظیمیں
(b) کثیر القومی کارپوریشنز
(c) بین الاقوامی ادارے
(d) ریاستیں

3۔ کلاسیکی حقیقت پسندی ساختی حقیقت پسندی سے کس بنیاد پر مختلف ہے؟

(a) بین الاقوامی نظام میں انارکی
(b) بین الاقوامی تعاملات میں متعلقہ فوائد
(c) بین الاقوامی تنظیموں کا کردار
(d) انسانی تحفظات

4۔ حقیقت پسندی مشورہ دیتا ہے کہ بین الاقوامی تنازعات اکثر اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے:

(a) مشترکہ ثقافتی اقدار
(b) اقتصادی باہمی انحصار
(c) باہمی تعاون پر مبنی سفارت کاری
(d) طاقت کی تفاوت اور سلامتی خدشات

5۔ حقیقت پسندی بین الاقوامی تعاون کو بنیادی طور پر کارفرما کے طور پر دیکھتی ہے:

(a) ہمدردی کے مقاصد
(b) نظریاتی مماثلت
(c) باہمی اقتصادی فوائد
(d) مذہبی وابستگی

6۔ حقیقت پسندی میں ایک کلیدی تصور، طاقت کا توازن، سے مراد ہے:

(a) ایک ریاست کا فوجی غلبہ
(b) ریاستوں کے درمیان طاقت کا توازن
(c) بین الاقوامی تنظیموں کی بالادستی
(d) عالمی حکمرانی کا درجہ بندی کا ڈھانچہ

7۔ حقیقت پسندی کا دعویٰ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کو نشان زد کیا جاتا ہے:

(a) مکمل امن اور ہم آہنگی

(b) تمام اداکاروں کی طرف سے عقلی فیصلہ سازی

(c) ریاستوں کے درمیان اعتماد اور تعاون

(d) طاقت کے لیے تنازعات اور مقابلہ

8۔ حقیقت پسندوں کا کہنا ہے کہ ریاستوں کا بنیادی مقصد یہ ہے:

(a) عالمی انسانی حقوق کو فروغ دینا

(b) معاشی خوشحالی کو زیادہ سے زیادہ بنانا

(c) بین الاقوامی قانون کو مضبوط بنانا

(d) اپنی بقا اور سلامتی کو یقینی بنانا

9۔ حقیقت پسندی ریاستوں کے رویے کی تشکیل میں گھریلو عوامل کے مقابلے میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ کو زیادہ اہمیت دیتی ہے۔

(a) اقتصادی تحفظات

(b) ثقافتی سفارت کاری

(c) نظامی عوامل

(d) اخلاقی اقدار

10۔ حقیقت پسندی میں، خود کی امداد، کے تصور سے مراد ریاستوں کا انحصار ہے:

(a) اجتماعی حفاظتی طریقہ کار پر

(b) انسانی مداخلت پر

(c) کثیر الجہتی سفارت کاری پر

(d) سلامتی اور بقا کے لیے ان کی اپنی صلاحیتیں

5.14.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. حقیقت پسندی کی فلسفیانہ بنیاد کی وضاحت کریں۔
2. حقیقت پسندی کے بنیادی اصولوں کی تشریح کریں۔
3. بینالاقوامی تعلقات پر حقیقت پسندانہ نقطہ نظر پر بحث کریں۔
4. حقیقت پسندی کی کلیدی تصورات اور مضمرات پر روشنی ڈالیں
5. حقیقت پسندی کا تنقیدی جائزہ لیں۔

5.14.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی سیاست میں حقیقت پسندی کا مطلب کو سمجھائیے۔
2. ہنس جے مارگینتھو کے سیاسی حقیقت پسندی پر رشنی ڈالیئے۔
3. حقیقت پسندی کے معنی اور اس کی تعاریف بیان کیجئے۔

5.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. Korab-Karpowicz, W. Julian. "Political realism in international relations." 2010.
2. Crawford, Robert MA. Idealism and realism in international relations. Routledge, 2005.
3. Bell, Duncan. "Political realism and international relations." Philosophy Compass 12, no. 2 (2017): e12403.
4. Spegele, Roger D. Political realism in international theory. Vol. 47. Cambridge University Press, 1996.
5. Lomia, Ekaterine. "Political Realism in International Relations: Classical Realism, Neo-realism, and Neo-Classical Realism." International Journal of Social, Political and Economic Research 7, no. 3 (2020): 591-600.
6. Legro, Jeffrey W., and Andrew Moravcsik. "Is anybody still a realist?." In The Realism Reader, pp. 505-517. Routledge, 2014.
7. Morgenthau, Hans Joachim, Kenneth W. Thompson, and W. David Clinton. "Politics among nations: The struggle for power and peace." (1985).
8. Waltz, Kenneth N. "The emerging structure of international politics." International security 18, no. 2 (1993): 44-79.
9. Waltz, Kenneth N. "Realist thought and neorealist theory." In The Realism Reader, pp. 124-128. Routledge, 2014.
10. Cohen, Jean L., and Andrew Arato. "Civil society and political theory." In Democracy: A Reader, pp. 370-374. Columbia University Press, 2016.

اکائی 6۔ نو حقیقت پسندی

(Neo-Realism)

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 ارتقا

6.3 نو حقیقت پسندی کا نظریہ

6.4 دفاعی حقیقت پسندی

6.5 جارحانہ حقیقت پسندی

6.6 علمی بحث

6.7 تنقید

6.8 حقیقت پسندی بمقابلہ نو حقیقت پسندی

6.9 اکتسابی نتائج

6.10 کلیدی الفاظ

6.11 نمونہ امتحانی سوالات

6.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

6.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

6.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء نو حقیقت پسندی (Neo-Realism) یا ساختی حقیقت پسندی (Structural-Realism) بین الاقوامی تعلقات کا ایک نظریہ ہے جو بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کی سیاست کے کردار پر زور دیتا ہے، مسابقت اور تنازعات کو پائیدار خصوصیات کے طور پر دیکھتا ہے اور تعاون کی محدود صلاحیت کو دیکھتا ہے۔ بین الاقوامی نظام کی انتشاری حالت کا مطلب یہ ہے کہ ریاستیں دوسری ریاستوں کے ارادوں اور ان کی سلامتی کے بارے میں یقین نہیں رکھ سکتیں، اس طرح وہ طاقت کی سیاست میں حصہ لینے پر اکساتی ہیں۔

نو حقیقت پسندی یا ساختی حقیقت پسندی کا نظریہ سب سے پہلے کینتھ والٹز (Kenneth Waltz) نے اپنی 1979 کی کتاب (Theory of International Politics) میں بیان کیا تھا۔ نو لبرلزم (Neo-Liberalism) کے ساتھ ساتھ، نو حقیقت پسندی بین الاقوامی تعلقات کے لیے دو سب سے زیادہ اثر انگیز نظریوں میں سے ایک ہے۔ 1960 کی دہائی سے 1990 کی دہائی تک بین الاقوامی تعلقات کے نظریہ پر یہ دونوں نقطہ نظر کا غلبہ رہا ہے۔

نو حقیقت پسندی شمالی امریکہ کے سیاسیات کے نظم و ضبط سے ابھرا، اور ای ایچ کار (E. H. Carr)، ہنس جے مرگنتھاؤ (Hans Morgenthau)، جارج کینن (George Kennan) اور رین ہولڈ نیبر (Reinhold Niebuhr) کی کلاسیکی حقیقت پسندانہ روایت کی اصلاح کرتا ہے۔ نو حقیقت پسندی کو دفاعی (Defensive) اور جارحانہ (Offensive) نو حقیقت پسندی میں تقسیم کیا گیا ہے۔

6.1 مقاصد (Objectives)

بین الاقوامی تعلقات میں حقیقت پسندی کا مطالعہ عالمی سیاست اور ریاستی تعاملات کی حرکات کے بارے میں قابل قدر بصیرت فراہم کرتا ہے۔ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد ہم مندرجہ ذیل مقاصد حاصل کر پائیں گے:

- نو حقیقت پسندی کی ارتقاء اور اس کے نظریہ سے واقف ہوں گے۔
- دفاعی اور جارحانہ حقیقت پسندی کی معلومات حاصل کریں گے۔
- نو حقیقت پسندی کے علمی بحث سے بھی واقفیت حاصل کریں گے۔
- نو حقیقت پسندی کے تنقید کی معلومات حاصل کریں گے۔

6.2 ارتقا (Origin)

نو حقیقت پسندی کلاسیکی حقیقت پسندی ہنس مرگنتھاؤ کی تحریر سے ایک نظریاتی انحراف ہے۔ کلاسیکی حقیقت پسندی اصل میں بین الاقوامی سیاست کی چالوں کو انسانی فطرت پر مبنی ہونے کے طور پر بیان کیا اور اس وجہ سے بین الاقوامی سیاست کو عالمی رہنماؤں کی انا اور جذبات کے تابع بتایا۔ نو حقیقت پسندی مفکرین نے اس کے بجائے یہ تجویز کرتے ہیں کہ 'ساختی رکاوٹیں' نہ کہ حکمت عملی، انا پرستی، یا حوصلہ افزائی۔ بین الاقوامی تعلقات میں رویے کا تعین کریں گی۔ جان میئر شیمر (John Mearsheimer) نے اپنی کتاب (The Tragedy of Great Power Politics) میں جارحانہ نو حقیقت پسندی اور مرگنتھاؤ کے حقیقت پسندی کے درمیان نمایاں فرق کیا ہے۔

6.3 نو حقیقت پسندی کا نظریہ (Theory of Neo-Realism)

نو حقیقت پسندی، بین الاقوامی تعلقات کے نظریہ میں حقیقت پسند مکتب فکر کا ایک ذیلی شاخ ہے۔ نو حقیقت پسندی، حقیقت پسندی کے پانچ بنیادی نظریاتی مفروضوں سے کام کرتا ہے جیسا کہ جارحانہ نو حقیقت پسند مفکر جان جے میئر شیمر (John J. Mearsheimer) نے (The False Promise of International Institutions) میں بیان کیا ہے۔ یہ مفروضے ہیں:

- بین الاقوامی نظام انتشار کا شکار ہے۔
- ریاستیں فطری طور پر کچھ جارحانہ فوجی صلاحیت رکھتی ہیں، جو انہیں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے اور ممکنہ طور پر تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
- ریاستیں دوسری ریاستوں کے ارادوں کے بارے میں کبھی بھی یقین نہیں کر سکتی۔
- ریاست کی بنیادی محرک 'خود کی بقا' ہے۔
- ریاستیں حکمت عملی سے سوچتی ہیں کہ بین الاقوامی نظام میں کیسے زندہ رہنا ہے۔

یہ پانچ مفروضے نو حقیقت پسندی کے اس عقیدے کو آگے بڑھاتے ہیں کہ ریاست کی بقا "خود کی مدد" (Self-Help) کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے۔ تاہم، نو حقیقت پسندی، کلاسیکی حقیقت پسندی کے دوسرے اہم مفروضے سے ہٹ جاتا ہے کہ 'یہ انسانی فطرت کی خامیاں اور پیچیدگیاں ہیں جو بین الاقوامی نظام کو چلاتی ہیں'۔ اس کے بجائے، نو حقیقت پسند اس بات پر زور دیتے ہیں کہ 'بین الاقوامی نظام کے ڈھانچے میں موجود انار کی بین الاقوامی سیاست کی محرک ہے'۔ نو حقیقت پسندی کی انہیں کلیدی مفروضوں کی بنیاد پر دفاعی اور جارحانہ نو حقیقت پسند ریاستی طرز عمل کے نمونوں کے بارے میں ان کی مسابقتی تفہیم کی تشریح کرتا ہے۔

ساختی حقیقت پسندی کا خیال ہے کہ بین الاقوامی ڈھانچے کی نوعیت اس کے ترتیب دینے والے اصول (انتشار)، نظام کی اکائیوں (ریاستوں) اور صلاحیتوں کی تقسیم (جو کہ بین الاقوامی نظام کے اندر بڑی طاقتوں کی تعداد سے ماپا جاتا ہے) سے بیان کی جاتی ہے، اور صرف 'صلاحیت کی

تقسیم 'کو وقت کے ساتھ کسی بھی معنی خیز تبدیلی کے ساتھ ایک آزاد متغیر سمجھا جاتا ہے۔ بین الاقوامی ڈھانچے کا انتشاری ترتیب کا اصول لا مرکزیت ہے، یعنی بین الاقوامی سطح پر کوئی مرکزی اقتدار / عالمی حکومت نہیں ہے۔ اس نظام میں ہر خود مختار ریاست باضابطہ طور پر برابر ہے۔ یہ ریاستیں انا پرستی کی منطق کے مطابق کام کرتی ہیں، یعنی ریاستیں اپنا مفاد چاہتی ہیں اور اپنے مفاد کو دوسری ریاستوں کے مفادات کے تابع نہیں کریں گی۔

ریاستوں کو کم از کم فرض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی بقا کو یقینی بنانا چاہتی ہیں کیونکہ یہ دوسرے احداف کو حاصل کرنے کے لیے ایک شرط ہے۔ بقا کی یہ محرک قوت ان کے رویے کو متاثر کرنے والا بنیادی عنصر ہے اور اس کے نتیجے میں ریاستیں غیر ملکی مداخلت کے لیے جارحانہ فوجی صلاحیتوں کو فروغ دیتی ہیں اور ایک ذریعہ کے طور پر اپنی متعلقہ طاقت کو بڑھاتی ہے۔ چونکہ ریاستیں دوسری ریاستوں کے مستقبل کے ارادوں کے بارے میں کبھی بھی یقین نہیں کر سکتیں، ریاستوں کے درمیان اعتماد کی کمی ہے جس کی وجہ سے انہیں طاقت کے نسبتاً نقصانات کے خلاف محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے جو دوسری ریاستوں کو اپنی بقا کو خطرے میں ڈالنے کے قابل بنا سکتی ہے۔ اعتماد کی یہ کمی، غیر یقینی صورتحال پر مبنی ہے، کو سلامتی کا مخمصہ (Security Dilemma) کہا جاتا ہے۔

ریاستیں ضروریات کے لحاظ سے ایک جیسی سمجھی جاتی ہیں لیکن انہیں حاصل کرنے کی صلاحیتوں کی بنیاد پر وہ منفرد ہیں۔ صلاحیتوں کے لحاظ سے بین الاقوامی سطح پر ریاستوں کی پوزیشن، صلاحیتوں کی تقسیم کا تعین کرتا ہے۔ پھر صلاحیتوں کی ساختی تقسیم ریاستوں کے درمیان تعاون کو دوسری ریاستوں کی طرف سے کئے گئے متعلقہ فوائد کے خوف اور دوسری ریاستوں پر انحصار کے امکان کے ذریعے محدود کر دیتی ہے۔ متعلقہ طاقت کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی ہر ریاست کی خواہش اور قابلیت ایک دوسرے کو محدود کرتی ہے، جس کے نتیجے میں 'طاقت کا توازن' (Balance of Power) پیدا ہوتا ہے، جو بین الاقوامی تعلقات کو تشکیل دیتا ہے۔ یہ سلامتی کے مخمصے کو بھی جنم دیتا ہے جس کا تمام اقوام کو سامنا ہے۔ ریاستیں طاقت کو دو طریقوں سے متوازن کرتی ہیں: اندرونی توازن اور بیرونی توازن۔ اندرونی توازن اس وقت ہوتا ہے جب ریاستیں معاشی ترقی اور / یا فوجی اخراجات میں اضافہ کر کے اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کرتی ہیں۔ بیرونی توازن اس وقت ہوتا ہے جب ریاستیں زیادہ طاقتور ریاستوں یا اتحادوں کی طاقت کو محدود کرنے کے لیے دیگر اتحاد میں داخل ہوتی ہے۔ نو حقیقت پسندوں کا کہنا ہے کہ صلاحیتوں کی تقسیم میں تبدیلیوں کے مطابق بنیادی طور پر تین ممکنہ نظام موجود ہیں، جن کی تعریف بین الاقوامی نظام میں بڑی طاقتوں کی تعداد سے ہوتی ہے۔ یک قطبی نظام (Unipolar)، جس میں صرف ایک عظیم طاقت ہوتی ہے، دو قطبی نظام (Bipolar)، جو دو عظیم طاقتوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور کثیر قطبی نظام (Multipolar)، جو دو سے زیادہ عظیم طاقتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ نو حقیقت پسند یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ دو قطبی نظام کثیر قطبی نظام سے زیادہ مستحکم ہوتا ہے (اس میں عظیم طاقت کے مابین جنگ اور نظامی تبدیلی کا خطرہ کم ہوتا ہے) کیونکہ توازن صرف اندرونی توازن کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے کیونکہ کوئی اضافی عظیم طاقتیں نہیں ہیں جس کے ساتھ اتحاد قائم کیا جا سکے۔ چونکہ دو قطبی نظام میں بیرونی توازن کے بجائے صرف اندرونی توازن ہوتا ہے، اس لیے غلط حساب کتاب کے مواقع کم ہوتے ہیں اور اس کے لیے عظیم طاقت کی جنگ کے امکانات کم ہوتے ہیں۔

نو حقیقت پسند دلیل دیتے ہیں کہ تقلید اور مسابقت کے عمل ریاستوں کو مذکورہ بالا طریقوں سے برتاؤ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ تقلید ریاستوں کو کامیاب ریاستوں (مثال کے طور پر جنگ میں جیتنے والے) کے طرز عمل کو اپنانے پر لے جاتی ہے، جبکہ مسابقت ریاستوں کو چوکس طریقوں سے اپنی حفاظت اور بقا کو بہترین ذرائع سے یقینی بنانے کی طرف لے جاتا ہے۔ بین الاقوامی نظام کی انتشاری نوعیت اور ریاستوں کی دوسری ریاستوں یا تنظیموں پر انحصار کرنے کی نااہلی کی وجہ سے، ریاستوں کو 'خود مدد' میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔

نو حقیقت پسندوں کے لیے، سماجی اصولوں کو بڑی حد تک غیر متعلق سمجھا جاتا ہے۔ یہ کچھ کلاسیکی حقیقت پسندوں کے برعکس ہے جنہوں نے ان اصولوں کو ممکنہ طور پر اہم سمجھا۔ نو حقیقت پسند بین الاقوامی اداروں کی بین الاقوامی نظام میں آزادانہ طور پر کام کرنے اور ریاستوں کے درمیان تعاون کو آسان بنانے کی صلاحیت پر بھی شکوک کا اظہار کرتے ہیں۔

6.4 دفاعی حقیقت پسندی (Defensive Realism)

2001 میں میئر شیمر کی کتاب (The Tragedy of Great Power Politics) کی اشاعت کے بعد ساختی حقیقت پسندی دو شاخوں، دفاعی اور جارحانہ حقیقت پسندی میں تقسیم ہوگئی۔ والٹز کی حقیقت پسندی کی اصل تشکیل کو اب دفاعی حقیقت پسندی سے منسوب کیا جانے لگا، میئر شیمر کے حقیقت پسندی کے نظریہ میں ترمیم کو جارحانہ حقیقت پسندی کہا جانے لگا۔ دونوں شاخیں اس بات پر متفق ہیں کہ نظام کا ڈھانچہ ریاستوں کے مابین مقابلہ کرنے کا سبب بنتا ہے، لیکن دفاعی حقیقت پسندی یہ کہتی ہے کہ زیادہ تر ریاستیں اپنی حفاظت کو برقرار رکھنے پر توجہ مرکوز کرتی ہے (یعنی ریاستیں سلامتی کو بڑھانے والی ہیں) جارحانہ حقیقت پسندی کا دعویٰ ہے کہ تمام ریاستیں زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں (یعنی ریاستیں طاقت بڑھانے والی ہیں)۔

جیسا کہ والٹز نے اپنے بنیادی دفاعی حقیقت پسندی تحریر (Theory of International Politics) میں زور دیا، دفاعی حقیقت پسند زور دیتے ہیں کہ بین الاقوامی نظام کی انتشاری نوعیت ریاستوں کو دفاعی اور اعتدال پسند پالیسیاں اپنانے کی ترغیب دیتی ہے۔ ان کا استدلال ہے کہ ریاستیں اندرونی طور پر جارحانہ نہیں ہیں اور یہ کہ "ریاستوں کی پہلی فکر طاقت کو زیادہ سے زیادہ کرنا نہیں ہے بلکہ نظام میں اپنی پوزیشن برقرار رکھنا ہے"۔ والٹز کے طاقت کا توازن کا نظریہ اور اس مفروضے کی بنیاد پر کہ "بینڈ ویگننگ (Bandwagoning) کے مقابلے میں توازن زیادہ عام ہے"، دفاعی حقیقت پسند کا دعویٰ ہے کہ جو ریاستیں بین الاقوامی نظام میں بالادستی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں ان کا مقابلہ دوسری ریاستیں کرتی ہیں جو جمود (Status Quo) کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔

دفاعی حقیقت پسند دلیل دیتے ہیں کہ ریاستیں سماجی ہوتی ہین اور تاریخی نظیر سے آگاہ بھی ہوتی ہیں، اس لیے عام طور پر بالادستی کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے ریاستی جارحیت اور توسیع دوسری ریاست کی طرف سے مزاحمت کو راغب کرتی ہے۔ اس لیے جارحیت کو سلامتی کے مقصد کے حصول میں خود کو شکست دینے کی دلیل دی جاتی ہے، جسے دفاعی حقیقت پسند ریاست کا بنیادی مقصد سمجھتے ہیں۔ در حقیقت، جیک سنائیڈر

(Jack Snyder) نے زور دے کر کہا، "بین الاقوامی انارکی جارحیت کو سزا دیتی ہے؛ یہ اس کا بدلہ نہیں دیتی"۔ دفاعی حقیقت پسند اس بات پر زور دیتے ہیں کہ "ریاستیں اتنی کمزور نہیں ہیں جتنی کہ انسان فطرت کی حالت میں ہیں" اور ان کی تباہی ایک مشکل اور طویل کام ہے۔

دفاعی حقیقت پسندی کے شعبے میں ایک بنیادی مطالعہ رابرٹ جروِس (Robert Jervis) کا 1978 کا کلاسک مضمون (Cooperation under the Security Dilemma) ہے جو سلامتی مخمصہ پر ہے۔ یہ اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ کس طرح غیر یقینی صورتحال اور جارحیت—دفاعی توازن—سلامتی کے مخمصے کو بڑھا/ گھٹا سکتا ہے۔ جروِس کے مفروضے کی بنیاد پر اسٹیفن وان ایویرا (Stephen Van Evera) دفاعی حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے جنگ کے اسباب کو تلاش کرتا ہے۔ جارحیت اور دفاع کے ابہام کی بنیاد پر، یہ بھی تجویز کیا گیا ہے کہ جب کوئی ریاست نسبتاً طاقت کی تسلی بخش سطح حاصل کر لیتی ہے تو اس کا درست اندازہ لگانا ناممکن ہے۔

6.5 جارحانہ حقیقت پسندی (Offensive Realism)

جارحانہ حقیقت پسندی بین الاقوامی تعلقات میں ایک ساختی نظریہ ہے جس کا تعلق نو حقیقت پسند مکتبہ فکر سے ہے اور اسے سیاسی مفکر جان میئر شیمر نے دفاعی حقیقت پسندی کے جواب میں پیش کیا تھا۔ جارحانہ حقیقت پسندی کا خیال ہے کہ بین الاقوامی نظام کی انتشاری نوعیت بین الاقوامی سیاست میں جارحانہ ریاستی رویے کے فروغ کے لیے ذمہ دار ہے۔ یہ نظریہ بنیادی طور پر دفاعی حقیقت پسندی سے مختلف ہے جس میں عظیم طاقتوں کو، طاقت کی افزائش اور نظر ثانی کر بین الاقوامی نظام پر غلبہ حاصل کرنے کے اپنے مستقل مقصد میں توازن کی حکمت عملیوں سے فرار اور خود کو فروغ دینے کا حق حاصل ہے۔ یہ نظریہ بین الاقوامی تعلقات کے مطالعہ اور تفہیم کے لیے ایک اہم متبادل پیش کرتا ہے لیکن تنقید کا موضوع بنا ہوا ہے۔

6.5.1 نظریاتی ماخذ (Theoretical Origins)

جارحانہ حقیقت پسندی حقیقت پسند مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے بین الاقوامی تعلقات کا ایک نمایاں اور اہم نظریہ ہے، جس میں مختلف ذیلی رجحانات شامل ہیں جن کی خصوصیات، نمائندہ اسکالر جیسے رابرٹ گلپن (Robert Gilpin)، رینڈل شیولر (Randall Schweller)، ایرک جے لیبز (Eric J. Labs) اور فرید ذکریا (Fareed Zakaria) کے مختلف نقطہ نظر سے ہوتی ہے۔ اس کے باوجود، آج تک، جارحانہ حقیقت پسندی کی سب سے اہم شکل جان جے میئر شیمر کی ہے جس نے اپنی کتاب (The Tragedy of Great Power Politics) میں پوری طرح سے وضع کی ہے۔

اگرچہ میئر شیمر کا جارحانہ حقیقت پسندی کا نظریہ کلاسیکی حقیقت پسندوں کے ذریعہ بیان کردہ بعض مفروضوں کا اعادہ کرتا ہے اور اس کی بنیاد رکھتا ہے، لیکن یہ سائنس کے فلسفے کے طور پر مثبتیت پسندی کا استعمال کرتے ہوئے اور بین الاقوامی نظام کی ساخت کی بنیاد پر بین الاقوامی

سیاست میں ریاستی رویے کے مطالعے کے لیے نظام پر مبنی نقطہ نظر کو شامل کر کے اس شاخ سے مکمل طور پر الگ ہو جاتا ہے۔اس طرح،اس کا جارحانہ حقیقت پسندی دیگر نو حقیقت پسندی جیسے کہ دفاعی حقیقت پسندی کے ساتھ نو حقیقت پسندی کی ذیلی شاخ سے متعلق ہے۔

6.5.2 اہم اصول (Main Tenets)

یہ نظریہ پانچ مرکزی مفروضوں پر مبنی ہے جیسا کہ والٹز کے دفاعی حقیقت پسندی کے مرکز میں ہے۔یہ ہیں:

- عالمی سیاست میں بڑی طاقتیں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور بین الاقوامی نظام انتشاری ہیں۔
- تمام ریاستیں کچھ نہ کچھ جارحانہ فوجی صلاحیت رکھتی ہیں۔
- ریاستیں دوسری ریاستوں کے ارادوں پر کبھی یقین نہیں کر سکتیں۔
- ریاستوں کی بقاان کا بنیادی مقصد ہے۔
- ریاستیں عقلی اداکار ہیں، جو ایسی بہترین حکمت عملیوں کو اپنانے کی صلاحیت رکھتی ہیں جو ان کے بقا کے امکانات کو زیادہ سے زیادہ کرتی ہیں۔

دفاعی حقیقت پسندی کی طرح، جارحانہ حقیقت پسندی ایک انتشاری بین الاقوامی نظام کی حیثیت رکھتی ہے جس میں عقلی عظیم طاقتیں دوسری ریاستوں کے ارادوں کے بارے میں غیر یقینی اور فوجی جارحیت کے قابل اپنی بقا کی کوشش کرتی ہے۔اگرچہ ابتدائی طور پر دفاعی حقیقت پسندی سے ملتی جلتی تجاویز سے تیار کیا گیا تھا، لیکن میئر شیمر کا جارحانہ حقیقت پسندی بین الاقوامی سیاست میں عظیم طاقت کے رویے کے حوالے سے کافی مختلف پیش گوئیوں کو آگے بڑھاتا ہے۔

بنیادی طور پر، یہ طاقت کے جمع ہونے کے حوالے سے دفاعی حقیقت پسندی سے ہٹ کر ایک ریاست کو اپنی سلامتی کو یقینی بنانے کی ضرورت پر زور دیتی ہے اور حکمت عملی اپنانے والی ریاستیں سلامتی کی اس تسلی بخش سطح کو پورا کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی ہیں۔بالآخر، میئر شیمر جارحانہ حقیقت پسندی بین الاقوامی سیاست کی ایک بہت زیادہ مایوس کن تصویر کھینچتی ہے جس کی خصوصیت خطرناک بین ریاستی حفاظتی مقابلہ ہے جو ممکنہ طور پر تنازعات اور جنگ کا باعث بنتی ہے۔

میئر شیمر کی جارحانہ حقیقت پسندی والٹز کے دفاعی حقیقت پسندی کے "جمود کی تعصب"(Status Quo Bias) کو ٹھیک کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔دونوں نو حقیقت پسند متغیرات کا استدلال ہے کہ ریاستیں بنیادی طور پر اپنی حفاظت کو زیادہ سے زیادہ کرنے سے متعلق ہے، پر وہ اس عمل میں مطلوبہ طاقت کی مقدار پر متفق نہیں ہیں۔دفاعی حقیقت پسندی کے برعکس، جارحانہ حقیقت پسند کا دعویٰ ہے کہ ریاستیں در حقیقت طاقت کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے والے اور نظر ثانی پسند ہیں جو جارحانہ ارادوں کو پناہ دیتی ہیں۔در حقیقت، جارحانہ حقیقت پسندی میں، بین الاقوامی نظام بڑی طاقتوں کو ان کی سلامتی کو بڑھانے اور اپنی بقا کو یقینی بنانے کے لیے جارحانہ کاروائی کا سہارا لینے کے لیے مضبوط ترغیب فراہم کرتا ہے۔

ریاستیں ممکنہ حریفوں کی قیمت پر طاقت کے اضافی افزائش کے ذریعے طاقت کے توازن کو تبدیل کرنے کے مواقع تلاش کرتے ہیں کیونکہ ایک ریاست دوسری ریاستوں پر جتنا زیادہ فوجی فوقیت حاصل ہوتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ عظیم طاقتیں تسلیم کرتی ہیں کہ ان کی سلامتی کو یقینی بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اب بالادستی (Hegemony) حاصل کی جائے۔ ان کا ماننا ہے کہ بالادستی کے حصول کے لیے اپنی نسبتی طاقت کو بڑھانے کے لیے ریاست کی بہترین حکمت عملی جارحانہ حربوں پر انحصار کرنا ہے۔ طاقت کی یہ انتھک جستجو فطری طور پر "مسلسل حفاظتی مقابلے" کی کیفیت پیدا کرتی ہے، جس میں جنگ کا امکان ہمیشہ پس منظر میں ہوتا ہے۔

6.6 علمی بحث (Scholarly Debate)

حقیقت پسندانہ سوچ کے اندر (Within Realist Thought)

اگرچہ نو حقیقت پسند اس بات پر متفق ہیں کہ بین الاقوامی تعلقات کا ڈھانچہ سلامتی کی تلاش میں بنیادی محرک ہے، مگر ان کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ آیا ریاستوں کا مقصد صرف زندہ رہنا ہے یا ریاستیں اپنی متعلقہ طاقت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہتی ہیں۔ سابقہ والٹز کے خیالات کی نمائندگی کرتا ہے، جبکہ مؤخر الذکر شیمر اور جارحانہ حقیقت پسندی کے خیالات کی نمائندگی کرتا ہے۔ دیگر مباحثوں میں یہ بھی شامل ہے کہ ریاست کس حد تک طاقت کے خلاف توازن رکھتی ہے (والٹز کی اصل نو حقیقت پسندی اور کلاسیکی حقیقت پسندی میں)، بمقابلہ ریاست کس حد تک خطرات کے خلاف توازن رکھتی ہے (جیسا کہ اسٹیفن والٹ کے "The Origins of Alliances" میں متعارف کرایا گیا ہے، یا مسابقتی مفادات کے خلاف توازن (جیسا کہ رینڈل شیولر کے 'مہلک عدم توازن' (Deadly Imbalances) میں متعارف کرایا گیا ہے۔)

دوسرے مکاتب فکر کے ساتھ (With other schools of thought)

نو حقیقت پسند یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ چونکہ جنگ بین الاقوامی نظام کے انتشاری ڈھانچے کا اثر ہے، اس لیے اس کے مستقبل میں جاری رہنے کا امکان ہے۔ در حقیقت، نو حقیقت پسند اکثر یہ استدلال کرتے ہیں کہ تھوسیڈائڈز (Thucydides) کے زمانے سے لے کر جوہری جنگ کے آغاز تک بین الاقوامی نظام کا ترتیب دینے والا اصول بنیادی طور پر تبدیل نہیں ہوا ہے۔ یہ نظریہ کہ دیرپا امن کے حصول کا امکان نہیں ہے، اسے دوسرے نظریہ دانوں نے بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں ایک بڑی حد تک مایوسی کے نقطہ نظر کے طور پر بیان کیا ہے۔

نو حقیقت پسند نظریہ کے لیے ایک اہم چیلنج جمہوری امن کا نظریہ (Democratic Peace Theory) اور معاون تحقیق ہے۔ جمہوری امن کے نظریہ کے حامی جمہوریت کے پھیلاؤ کو انتشار کے اثرات کو کم کرنے میں مدد کے طور پر دیکھتے ہیں۔ بروس ریسٹ (Bruce M. Russett) کا خیال ہے کہ دنیا میں کافی جمہوریت ہیں جس سے حقیقت پسندانی اصول (انتشار، ریاستوں کی سلامتی کا مخمصہ) کو ختم کرنا ممکن ہے جو کم از کم سترھویں صدی سے عمل پر حاوی ہیں۔

نولبرل ازم(Neo-liberalism) کو چھوڑ کر نو حقیقت پسند فکر کے ساتھ مقابلہ کرنے والے سب سے زیادہ قابل ذکر اسکولوں میں سے ایک تعمیراتی اسکول(Constructivist) ہے، جو اکثر طاقت پر نو حقیقت پسند فوکس سے اختلاف کرتا ہے اور اس کے بجائے بین الاقوامی تعلقات کے رجحانات کے لیے ایک وضاحتی نقطہ نظر کے طور پر نظریات اور شناخت پر توجہ مرکوز کرنے پر زور دیتا ہے۔

حال ہی میں، تاہم، انگلش اسکول(English School) کے نام سے ایک مکتبہ فکر نے نو حقیقت پسندانہ روایت کو سماجی اصولوں کے تجزیہ کی تعمیری تکنیک کے ساتھ ضم کر دیا ہے تاکہ بین الاقوامی تعلقات کے لیے تجزیے کی بڑھتی ہوئے گنجائش فراہم کی جا سکے۔

6.7 تنقید (Criticism)

نو حقیقت پسندی پر مختلف سمتوں سے تنقید کی گئی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کے علمیات کے دیگر بڑے نمونے، جیسے لبرل اور تعمیری نقطہ نظر نے نظریہ اور تجربات کے لحاظ سے نو حقیقت پسند علمیات پر تنقید کی ہے۔ حقیقت پسندی کے اندر، کلاسیکی حقیقت پسندوں اور نو کلاسیکی حقیقت پسندوں نے بھی نو حقیقت پسندی کے کچھ پہلوؤں کو چیلنج کیا ہے۔

جن مسائل پر نو حقیقت پسندی پر تنقید کی گئی ہے ان میں داخلی سیاست، نسل، تجارت سے حاصل ہونے والے فوائد، اداروں کے پر سکون اثرات، اور خارجہ پالیسی کے رویے کے لیے حکومت کی قسم کی مطابقت کو نظر انداز کرنا ہے۔

ڈیوڈ اسٹرانگ(David Strang) کا استدلال ہے کہ نو حقیقت پسند پیشن گوئی وقت کے ساتھ ساتھ اور تمام خطوں میں خود مختاری میں ہونے والی تبدیلیوں کا حساب دینے میں ناکام رہتی ہے۔ خود مختاری میں ہونے والی ان تبدیلیوں کے تعاون اور مسابقت پر اثرات مرتب ہوئے ہیں، کیونکہ ایسی پالیسیاں جنہیں خود مختار تسلیم کیا گیا تھا، کافی زیادہ استحکام دیکھا گیا ہے۔

ان تنقیدوں کے جواب میں کہ نو حقیقت پسندی عصری بین الاقوامی پالیسی سے مطابقت نہیں رکھتا اور بڑی طاقتوں کی خارجہ پالیسی کے رویے کی وضاحت کرنے میں ناقص کام کرتا ہے، چارلس گلیزر(Charles Glaser) نے لکھا، "یہ نہ تو حیران کن ہے اور نہ ہی کوئی سنگین مسئلہ، بین الاقوامی سیاست کو سمجھنے کے لیے حقیقت پسندانہ عینک کا استعمال کرنے والے مفکر حقیقت پسندی کے مرکزی فوکس سے باہر ہونے والے مسائل کو سمجھنے کے لیے بغیر کسی تضاد یا عدم مطابقت کے دوسرے نظریات کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

6.8 حقیقت پسندی بمقابلہ نو حقیقت پسندی (Realism vs. Neorealism)

حقیقت پسندی اور نو حقیقت پسندی کے مابین چار خصوصیات ایک جیسے ہیں:

- دونوں فریقین بین الاقوامی تعلقات میں ریاستی مرکزی طاقت کی حمایت کرتی ہیں۔

- دونوں انسانی فطرت کے مخصوص پہلوؤں پر مبنی ہے: حقیقت پسندی کے لیے یہ فرد کی جارحیت (Aggression) ہے نو حقیقت پسندی کے لیے ڈر/خوف کا احساس (Fear) ہے۔
- دونوں مانتے ہیں کہ ریاست اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے فوجی طاقت کے استعمال یا استعمال کے ڈر پر انحصار کرتی ہے۔
- دونوں فوجی صلاحیتوں کے توازن میں یقین رکھتے ہیں اور ریاست کے طرز عمل پر دیگر بین الاقوامی اثرات کی نفی کرتے ہیں

مندرجہ بالا مسابقت کے باوجود ریاستی حفاظت اور اس کے لیے لائحہ عمل بنانے پر دونوں کے خیالات مختلف ہیں:

- حقیقت پسندی اقتدار میں دلچسپی رکھتی ہے، اور نو حقیقت پسندی سلامتی میں دلچسپی رکھتی ہے۔
- حقیقت پسندی اپنی دلچسپی کو انسانی فطرت پر مرکوز کرتی ہے، وہیں نو حقیقت پسندی اپنی دلچسپی کو نظام کی ساخت پر مرکوز کرتی ہے۔
- جہاں نو حقیقت پسند 'طاقت کی ہم آہنگی' کی پالیسی پر اعتماد کرتی ہیں اور طاقت کے حصول کو اپنے آپ میں مقصد مانتا ہے، وہیں نو حقیقت پسند 'حفاظت کی ہم آہنگی' کی پالیسی پر یقین رکھتے ہیں جو حفاظت کے لیے اظہار کی ضرورت پر انحصار کرتا ہے۔
- حقیقت پسند فوجی حفاظت کو ریاست کی بنیادی ذمہ داری مانتے ہیں، فوجی صلاحیت ہر حال میں ریاست کے افزائشی ڈھانچے پر منحصر کرتی ہے اور فوجی حملہ کا خطرہ سب سے بڑا خطرہ ہوتا ہے جس سے نمٹنا بنیادی کام ہے۔ لیکن نو حقیقت پسند کا بنیادی فرق اس حفاظت کے درجے کو لے کر ہے یعنی فوجی تیاری کو لے کر ریاست کس حد تک جاسکتی ہے۔ نو حقیقت پسند مفکروں کا خیال ہے کہ اگر فوجی تیاری اور دیگر اقتصادی ترقی صلاحیت میں تضاد ہو تو فوجی صلاحیت بڑھانے کو فوقیت دی جانی چاہیے۔
- حقیقت پسندی بین الاقوامی تعلقات میں تنازعات سے نمٹنے کے لیے حکمت عملیوں کے نفاذ پر یقین رکھتے ہیں۔ وہیں نو حقیقت پسند تنازعات سے نمٹنے کے لیے حکمت عملی طے کرنے پر یقین رکھتا ہے، لیکن یہ نقطہ نظر سلامتی کی طرف زیادہ مائل ہے۔

6.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- نو حقیقت پسندی کی ارتقاء اور اس کے نظریہ سے واقفیت حاصل کی۔
- دفاعی اور جارحانہ حقیقت پسندی کی معلومات حاصل کی۔
- نو حقیقت پسندی کے علمی بحث سے بھی واقفیت حاصل کی۔
- نو حقیقت پسندی کے تنقید کی معلومات حاصل کی۔

6.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

انارکی

بین الاقوامی تعلقات میں انارکی سے مراد مرکزی گورننگ اتھارٹی کی عدم موجودگی ہے جو ریاستوں کے درمیان قواعد وضوابط کو نافذ کر سکے۔

طاقت کا توازن

ریاستوں کے درمیان طاقت کی تقسیم جو کسی ایک ریاست کو غالب ہونے سے روکتی ہے اور اس طرح استحکام برقرار رکھتی ہے۔

قطبیت

بین الاقوامی نظام میں طاقت کے بڑے مراکز یا عظیم طاقتوں کی تعداد سے مراد ہے۔

متعلقہ فوائد

یہ تصور اس بات پر توجہ مرکوز کرتا ہے کہ ریاستیں دوسری ریاستوں کے مقابلے میں اپنے فوائد یا نقصانات کا اندازہ کیسے لگاتی ہے۔

سلامتی کا مخمصہ

ایسی صورتحال جس میں فوج کی تشکیل یا اتحاد جیسے اقدامات کے ذریعے اپنی حفاظت کو بڑھانے کی ریاست کی کوششیں نادانستہ طور پر دوسری ریاستوں کے لیے عدم تحفظ کا باعث بن سکتی ہیں۔

بینڈ ویگننگ

ریاستیں سلامتی یا اثر رسوخ کو بڑھانے کے لیے، ممکنہ خطرات کے باوجود فوائد حاصل کرنے کے لیے ایک مضبوط طاقت کے ساتھ صف بندی کرتی ہے۔

6.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

6.11.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ نو حقیقت پسندی کس کی اہمیت پر زور دیتا ہے؟

(a) ثقافتی سفارت کاری
(b) انفرادی رہنماؤں کی شخصیات
(c) قومی مفادات اور طاقت کی تقسیم
(d) مذہبی نظریات

2۔ نو حقیقت پسندی کے مطابق، ریاستوں کے طرز عمل کی تشکیل میں کون سا عنصر سب سے اہم سمجھا جاتا ہے؟

(a) اقتصادی باہمی انحصار (b) تکنیکی ترقی

(c) فوجی اتحاد (d) بین الاقوامی نظام میں انتشار

3۔ نو حقیقت پسندی کا مؤقف ہے کہ بین الاقوامی اداکار، جیسے ریاستیں، بنیادی طور پر یہ کوشش کرتی ہے:

(a) عالمی انسانی حقوق کو فروغ دینا (b) معاشی خود کفالت حاصل کرنا

(c) ان کے متعلقہ طاقت اور تحفظ کو زیادہ سے زیادہ کرنا (d) عالمی حکومت کے ادارے قائم کرنا

4۔ نو حقیقت پسندی اس بات پر زیادہ زور دے کر خود کو کلاسیکی حقیقت پسندی سے الگ کرتی ہے:

(a) اخلاقی تحفظات (b) کثیر الجہتی سفارت کاری

(c) اقتصادی تعاون (d) نظامی رکاوٹیں

5۔ نو حقیقت پسندی میں "طاقت کے توازن" کے تصور سے مراد ہے:

(a) ایک ریاست کا فوجی غلبہ (b) ریاستوں کے درمیان وسائل کی تقسیم

(c) عالمی ترقی کے لیے تعاون (d) تسلط کو روکنے کے لیے ریاستوں کے درمیان توازن

6۔ نو حقیقت پسندی کے مطابق، کس قسم کا بین الاقوامی ڈھانچہ سب سے زیادہ مستحکم سمجھا جاتا ہے؟

(a) یک قطبی (b) دو قطبی

(c) کثیر قطبی (d) الگ تھلگ

7۔ نو حقیقت پسندی کا دعویٰ ہے کہ ریاستوں کے درمیان تعاون میں اکثر رکاوٹیں آتی ہیں:

(a) مشترکہ ثقافتی اقدار (b) سپرانیشنل تنظیمیں

(c) سیکیورٹی کا مخمصہ (d) اقتصادی باہمی انحصار

8۔ نو حقیقت پسندی کا استدلال ہے کہ ریاستوں کی خارجہ پالیسیاں بنیادی طور پر تشکیل دی جاتی ہیں:

(a) ملکی سیاست (b) عالمی رائے عامہ

(c) انسانی ہمدردی کے تحفظات (d) بین الاقوامی نظام میں طاقت کی تقسیم

9۔ نو حقیقت پسندی کی بنیادی توجہ ریاستوں کے درمیان تعاملات پر ہے بجائے اس کے:

(a) غیر ریاستی اداکار (b) بین الاقوامی تعلقات

(c) معاشی خوشحالی (d) تکنیکی ترقی

10۔ نو حقیقت پسندی بتاتی ہے کہ ریاستوں کے درمیان تنازعات بنیادی طور پر اس سے پیدا ہوتے ہیں:

(a) نظریاتی اختلافات (b) مذہبی کشیدگی

(c) طاقت کا تفاوت اور سلامتی کے خدشات (d) اقتصادی مقابلہ

6.11.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات میں نو حقیقت پسندی کے کلیدی اصول اور مفروضے کیا ہیں؟
2. بین الاقوامی نظام طاقت اور ریاستی رویے کی نوعیت کو سمجھنے میں نو حقیقت پسندی کلاسیکی حقیقت پسندی سے کس طرح مختلف ہے؟
3. نو حقیقت پسندی ریاستوں کے درمیان تنازعات اور تعاون کی وضاحت کیسے کرتا ہے؟
4. حقیقت پسندی اور نو حقیقت پسندی کے مابین تفریق واضح کریں۔
5. نو حقیقت پسندی کا تنقیدی جائزہ لیں۔

6.11.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. حقیقت پسندی بمقابلہ نو حقیقت پسندی پر ایک مضمون لکھئے۔
2. نو حقیقت پسندی کے علمی بحث کا جائزہ لیجئے۔
3. نو حقیقت پسندی کا نظریہ پر غور وفکر کیجئے۔

6.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. Baldwin, D. (1993) *"Neorealism and Neoliberalism"*, Columbia University Press.
2. Burchill, S. et al (2013) *"Theories of International relations"* (5th Edition), Palgrave Macmillan.
3. Gilpin, R. (1984). *"The richness of the tradition of political realism",* International Organization.
4. Isakovic, Z. (2000) *"Introduction to a Theory of Political Power in International Relations",* Ashgate.
5. Wohlforth, William C. (2009) *"Realism and security studies."* In The Routledge handbook of security studies, pp. 25-36. Routledge.
6. Waltz, Kenneth N. (1959). *"Man, The State, and War: A Theoretical Analysis".* Columbia University Press.
7. Walt, Stephen (1990). *"The Origins of Alliances".* Cornell University Press.
8. Van Evera, Stephen. (2001). *"Causes of War: Power and the Roots of Conflict".* Cornell University Press.
9. Waltz, Kenneth N. (2008). *"Realism and International Politics".* Routledge.
10. Glaser, Charles L. (2010). *"Rational Theory of International Politics: The Logic of Competition and Cooperation"*. Princeton University Press.

اکائی 7۔ آزاد خیالی اور اس کے متغیرات

(Liberalism and its Variants)

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید
7.1 مقاصد
7.2 لبرل روایت: اہم خصوصیات
7.3 کلاسیکی لبرل زم
7.4 جنگ کے بعد کے سالوں میں لبرل نقطہ نظر
7.4.1 سماجی لبرل ازم
7.4.2 فنکشنلزم
7.4.3 باہمی انحصار لبرل ازم
7.4.4 ریپبلکن لبرل ازم
7.5 نولبرل اپروچ
7.5.1 روایتی لبرل ازم کے ساتھ ایک وقفہ
7.5.2 بین الاقوامی تعلقات میں نو نو بحث
7.5.3 نول لبرل ازم کا تاریک پہلو
7.6 اکتسابی نتائج
7.7 کلیدی الفاظ
7.8 نمونہ امتحانی سوالات
7.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
7.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
7.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید (Introduction)

حقیقت پسندی کی طرح، آزاد خیالی (اور اس کی موجودہ مختلف نوآزاد خیالی) بین الاقوامی سیاست کو سمجھنے کے لیے مرکزی دھارے کا ایک طریقہ کار ہے۔ اور حقیقت پسندی ہی کی طرح یہ بین الاقوامی تعلقات کے متعلقہ نظریات کے خاندان کو دیا جانے والا نام ہے۔ اس کی ایک کثیر جہتی روایت ہے جو 17ویں اور 18ویں صدی کی ہے۔ تاریخی طور پر، لبرل روایت جاگیردارانہ سیاسی حکمرانی کی تنقید کے طور پر ابھری۔ یہ تجارتی نظام کی تنقید کے طور پر بھی ابھرا، گو اس وقت کی غالب اقتصادی حکمت عملی تھی۔ لبرل ازم بین الاقوامی تعلقات سے متعلق سوچ کی ایک بھرپور روایت بھی ہے۔

18ویں اور 20ویں صدیوں میں آزاد خیال فلسفیوں اور سیاسی مفکرین نے لوگوں کے درمیان منصفانہ، منظم اور پرامن تعلقات قائم کرنے کی مشکلات پر بحث کی۔ عالمی امن کے مسائل پر ایک منظم اکاؤنٹس 1795 میں ایمانوئل کانٹ (Immanuel Kant) نے دیا تھا۔ ان کے نظریات نے بین الاقوامی تعلقات میں لبرل ازم کی ترقی پر گہرا اثر ڈالا۔

19ویں صدی میں، جنگ کے مسئلے کے حل نے یہاں تک کہ نامور مفکرین کو بھی نظرانداز کر دیا۔ لبرل دانشوری کا زیادہ تر حصہ پہلی جنگ عظیم کے شروع ہونے تک سفارتی تاریخ سے مطمئن ہو گیا۔ عظیم جنگ اور اس سے ہونے والی تباہی نے لبرل مفکرین کو مجبور کیا کہ وہ پرتشدد تنازعات کو روکنے کے لیے نئے ذرائع تلاش کریں اور ایسے حالات پیدا کریں جن میں وجہ اور تعاون غالب ہو۔ انسان کی فطری بھلائی پر اپنی بنیاد رکھتے ہوئے، ان آزاد خیال مفکرین نے مذاکرات، قانون کی حکمرانی اور مستحکم بین الاقوامی اداروں کی قیام پر توجہ دی۔ یوروپ اور شمالی امریکہ کے اندر وسیع پیمانے پر جنگ مخالفت جذبات کو جو 1920 کی دہائی میں موجود تھے نے لبرل انٹرپرائز کو ضروری مدد فراہم کی۔

تاہم، لیگ آف نیشنز (League of Nations) کی ناکامی اور دوسری عالمی جنگ کے پھوٹ پڑنے سے لبرل فکر کو پسماندگی کا سامنا کرنا پڑا جو آیڈیلزم سے متاثر تھی۔ حقیقت پسندی اس وقت سامنے آئی کیونکہ ایسا لگتا تھا کہ یہ سرد جنگ کی 'طاقت کی سیاست' کی بہتر وضاحت فراہم کرتا ہے جو بین الاقوامی تعلقات پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے آئی تھی۔ اس کے باوجود، لبرل روایت میں اختراعات جاری رہیں جس کی وجہ سے بین الاقوامی تعلقات میں ہونے والی پیش رفت کی وضاحت کے لیے متعدد نظریات کی ترقی ہوئی۔ ان میں سماجی لبرل ازم/بین القومی ازم (Sociological Liberalism or Transnationalism) تکثیریت (Pluralism)، باہمی انحصار کا نظریہ (Interdependence)، لبرل بین الاقوامیت (Liberal Internationalism)، لبرل امن نظریہ (Liberal Peace Theory)، عالمی معاشرہ (World Society) اور نو لبرل نقطہ نظر (Neo-Liberal Approach) نمایاں ہیں۔

1980 کے دہائی کے اوائل میں جب بڑی طاقتوں کے درمیان تنازعات کم ہو گئے تھے اور باہمی مفادات کے حصول میں تعاون عالمی سیاست کی ایک نمایاں خصوصیت کے طور پر اُبھرا تھا، لبرل روایت میں تجزیے کا ایک نیا نمونہ یا فریمورک ابھر کر سامنے آیا—نو لبرل بین الاقوامیت (Neoliberal Internationalism)۔ چونکہ یہ نقطہ نظر نو حقیقت پسندی کی ترقی کے جواب میں سامنے آیا، اس نو لبرل نقطہ نظر بھی کہا جاتا ہے۔ اس نئے نقطہ نظر نے لبرل دانشوری میں زیادہ سائنسی سختی کو متاثر کیا۔

1990 کی دہائی میں، ایک طرف علاقائی اور بین الاقوامی اقتصادی انضمام (economic integration) اور دوسری طرف کثیر ثقافتی (multiculturalism)، جمہوریت اور ماحولیات جیسے نئے مسائل نے لبرل ازم کو بین الاقوامی نظم و نسق، اداروں اور حکمرانی کے عمل، انسانی حقوق، جمہوریت، امن اور معاشی انضمام پر توجہ مرکوز کرنے پر مجبور کیا۔ اس اکائی کا فوکس دوسری جنگ عظیم سے پہلے کے سالوں میں لبرل روایت کی غالب خصوصیات اور جنگ کے بعد کے سالوں میں لبرل ازم کے ارتقاء کے اہم رجحانات پر ہے۔

7.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبا اس قابل ہو جائیں کہ ؛

- لبرل روایت اور اُس کی اہم حصوصیات کو سمجھ پائیں۔
- جنگ کے بعد کے سالوں میں لبرل نقطہ نظر کی معلومات حاصل کریں۔
- نولبرل ازم کی جانکاری حاصل کریں۔
- کالاسیکی لبرل ازم سے بھی واقفیت حاصل کریں۔

7.2 لبرل روایت: اہم خصوصیات (The Liberal Tradition: Main Characteristics)

لبرل تھیوریسٹ انسانی عقل پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اس خصوصیت کا پتہ جان لاک (John Locke) کے نظریات سے لگایا جا سکتا ہے جنہوں نے دلیل دی کہ سچائی اور صحیح عمل تک پہنچنے کے لیے وجہ ضروری ہے۔ فطرت اور معاشرے کو سمجھنے اور تشکیل دینے کے لیے عقل ضروری ہے۔ لبرل نظریہ نگاروں کے مطابق، انسان بین الاقوامی تعلقات سمیت اپنی تقدیر کو تشکیل دینے اور عالمی حکومت کی عدم موجودگی کے منفی اثرات کو ڈھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

دوم، لبرل تھیوریسٹ تاریخی ترقی کے امکان پر یقین رکھتے ہیں۔ انسانی عقل اور سماجی تعلیم کے عمل سے ترقی ممکن ہوتی ہے۔ لہٰذا لبرل تصور میں، بنی نوع انسان دائمی تصادم کی حالت میں رہنے کے لیے محکوم نہیں ہے۔ لیکن اس سے بچنے کے لیے سیاسی حکمت عملی کا انتخاب کر سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، لبرل تھیوریسٹ دلیل دیتے ہیں کہ بین الاقوامی تعلقات کی اصلاح ممکن اور مطلوب ہے۔

تیسرا، لبرل تھیوریسٹ ریاست اور معاشرے کے روابط پر توجہ مرکوز کرتے ہیں اور ایک طرف ملکی اداروں اور سیاست اور دوسری طرف بین الاقوامی سیاست کے درمیان قریبی تعلق کی موجودگی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جرمن فلسفی ایمانوئل کانٹ کی کتاب (Perpetual Peace) کی اشاعت کے بعد سے بہت سے لبرل نظریہ دان اس بات پر قائل ہو گئے کہ گھریلو حکومت کی شکل اور جنگ کے امکان کے درمیان ایک خاص ربط ہے۔ کانٹ نے خاص طور پر دعویٰ کیا تھا کہ 'ریپبلکن' (یعنی جمہوری) ریاستیں کم از کم ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ پرامن ہیں۔ جمہوری امن کا عصری نظریہ کانٹ کے اس خیال سے لگایا جا سکتا ہے۔

لبرل تھیوریسٹ بھی کثرت پسند (Pluralists) ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ معاشرے کے اندر اور بین الاقوامی سطح پر ریاست صرف ایک اداکار ہے۔ وہ حقیقت پسندانہ مفروضے کو چیلنج کرتے ہیں کہ ریاستیں بین الاقوامی سیاست میں 'واحد' اداکار ہیں۔ لبرل کہتے ہیں کہ عالمی سیاست میں بہت سے ایسے اداکار ہیں جو بین الاقوامی نتائج کو متاثر کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ لبرل روایت غیر ریاستی اداکاروں جیسے MNCs اور NGOs کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

پانچویں، ڈیوڈ ریکارڈو (David Ricardo)، اور رچرڈ کوبڈن (Richard Cobden) کی پیروی کرنے والے کچھ لبرل نظریہ دان، ریاستوں کے درمیان بڑھتے ہوئے باہمی انحصار کے طور پر آزاد تجارت کو جنگ کے امکانات کو کم کرنے کا ایک اہم آلہ مانتے ہیں۔ لبرل یہ استدلال کرتے ہیں کہ آزاد تجارت کو محدود تجارت پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ یہ بغیر جنگ کے دولت پیدا کرتی ہے۔

لبرل تھیوریسٹ بھی اداروں پر بہت زور دیتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ سیاست میں نظم و ضبط، آزادی، انصاف اور رواداری جیسی بنیادی اقدار کی حفاظت اور پرورش کے لیے ادارے ضروری ہیں۔ اس لیے انہوں نے پہلی جنگ عظیم کے بعد لیگ آف نیشنز کی تخلیق میں کامیابی حاصل کی۔ انہیں یقین تھا کہ لیگ ایک بین الاقوامی تنظیم کے طور پر جنگ کو متبادل سے بہتر طریقے سے روک سکتی ہے، بشمول روایتی طاقت کے توازن کی سیاست۔

7.3 کلاسیکی لبرل زم (Classical Liberalism)

کلاسیکی لبرل ازم دوسری جنگ عظیم سے پہلے کے سالوں میں لبرل سوچ کو دیا جانے والا نام ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا، لبرل ازم نے انسانی عقل کے خیال کو اہمیت دی۔ اس کا ماننا ہے کہ تمام افراد عقلی مخلوق ہیں۔ لہٰذا، وہ یہ فیصلہ کرنے کے لیے بہتر پوزیشن میں ہیں کہ ان کی اپنی بھلائی کے لیے کیا ہے۔ یہ خاص طور پر اس لیے ہے کہ انسان عقل کی منطق سے کارفرما ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، خاص طور پر ان شعبوں میں جہاں ان کی مشترکہ دلچسپی ہے۔ اس طرح کا تعاون ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہو سکتا ہے۔ لبرل ازم انفرادی آزادی کے خیال پر مرکوز ہے۔ کلاسیکی لبرل ازم کی بنیادی باتیں ایڈم اسمتھ (Adam Smith)، جان لاک (John Locke) اور جیریمی بینتھم (Jeremy Bentham) کے نظریات میں پائی جا سکتی ہیں۔

- جان لاک کلاسیکی لبرل ازم کے بانی کے طور پر جانا جاتا ہے۔انہوں نے دلیل دی کہ حکومت کو محکوموں کی رضامندی سے حکومت کرنی چاہیے۔لاک نے محدود حکومت کے معاملے پر بحث کی۔ حکومت کی بنیادی ذمہ داری اپنے شہریوں کے حقوق اور آزادیوں کا تحفظ کرنا ہے۔
- ایڈم اسمتھ 'معاشی آدمی'(Economic Man) کے خیال پر یقین رکھتے تھے۔اسمتھ کا خیال تھا کہ اگر ہر فرد اپنے مفاد کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرے تو اس سے معاشرے میں مجموعی معاشی خوشحالی آئے گی۔اسمتھ نے (Laissez Faire) معیشت کی اصطلاح بنائی۔اس خیال کے مطابق، بازار کے سرگرمیوں میں ریاست مداخلت نہیں کرے گی۔اسمتھ نے تصور کیا کہ ایک آزاد منڈی مجموعی قومی خوشحالی لا سکتی ہے۔
- بینتھم نے سب سے بڑی تعداد کی سب سے بڑی خوشی (greatest happiness of the greatest number) کا تصور پیش کیا۔اس طرح، افراد کو ان سرگرمیوں پر توجہ مرکوز کرنا چاہیے جو زیادہ سی زیادہ خوشی اور غم کو کم کرتی ہے۔بینتھم نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ایک بین الاقوامی عدالت ہونی چاہیے۔بینتھم کے خیال کی روح کو بین الاقوامی عدالت (International Court of Justice) کے انصاف کے ڈھانچے اور افعال میں دیکھا جا سکتا ہے۔

20ویں صدی کے اوائل میں، لبرل مفکرین نے بین الاقوامی تعلقات اور پالیسی سازی دونوں پر غلبہ حاصل کیا۔ درحقیقت بین الاقوامی تعلقات کو حل کرنے کے لیے تعلیمی نظم و ضبط کا قیام بنیادی طور پر ایک آزاد خیال منصوبہ تھا۔ تعلیمی نظم و ضبط خاص طور پر بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں ہماری سمجھ کو بہتر بنانے اور بدلے میں تعلقات کو بہتر بنانے یا اصلاح کرنے کے لیے سامنے آیا۔

اس وقت کی لبرل سوچ نے پہلی جنگ عظیم کے اسباب کو سیاسی اشرافیہ کے درمیان مہلک غلط فہمیوں، خفیہ سفارت کاری اور جمہوریت کی کمی، جنگی رجحانات والے فوجی اداروں، بین الاقوامی اداروں کی کمی وغیرہ کا پتہ لگایا۔لبرلز نے پہلی جنگ عظیم کے فوری بعد کے سالوں میں ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک سیاسی پروگرام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ایسا کرتے ہوئے، انہوں نے اس وقت کی غالب خارجہ پالیسیوں پر ایک اہم نشان سبط کیا۔ان کا زیادہ تر ایجنڈا جنوری 1918 میں امریکی صدر ووڈرو ولسن (Woodrow Wilson) کی طرف سے دی گئی چودہ نکاتی (Fourteen Points) پروگرام کی تقریر میں جھلکتا ہے۔

چودہ نکاتی پروگرام کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

- امن کے کھلے معاہدوں کا مقصد کھلے عام (Open covenants of peace openly aimed at): اس کا مطلب یہ ہے کہ بین الاقوامی سفارت کاری کا عمل شفاف ہونا چاہیے۔ ریاستیں اب ایک دوسرے کے ساتھ خفیہ اتحاد نہیں کر سکیں گی۔اس منطق کی پیروی کرتے ہوئے، لبرل ازم بین الاقوامی اداروں کی تشکیل کو اہمیت دیتا ہے تاکہ وہ قوانین، اور ریاستوں کے لیے قوانین کی پیروی کر سکے۔

- معاشی رکاوٹوں کا خاتمہ (Removal of economic barriers): یہ سوچ لبرل عقیدہ سے نکلتا ہے کہ جیسے جیسے ریاستوں کے درمیان اقتصادی تعاون بڑھے گا، وہ جنگ میں نہیں جائیں گے۔
- قومی خودارادیت (National Self-determination): ہر ریاست کو جمہوریت کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔
- ریاستوں کا انجمن (Associations of Nations): ریاستوں کو چاہیے کہ وہ آپس میں ایسی انجمنیں بنائیں جو ان کی علاقائی سالمیت اور سیاسی آزادی کی ضمانت دیں۔

ان اصولوں کی بنیاد پر 1919 میں پیرس میں امن کانفرنس میں لیگ آف نیشنز (League of Nations) کا قیام عمل میں آیا۔ لیگ کا مقصد امن کی بحالی اور جنگ کو روکنا تھا۔ لیگ کے رکن ممالک کو اجتماعی سلامتی کی بنیاد پر دوسرے ساتھی اراکین کی علاقائی سالمیت کی حفاظت کرنی تھی۔ اجتماعی سلامتی 'سب کے لیے ایک، اور سب ایک کے لیے' (one for all, and all for one) کے نظریے پر مبنی ہے، یعنی اجتماعی طور پر ہر ایک ریاست اس بات کو قبول کرتی ہے کہ ایک کی سلامتی سب کی فکر ہے، اور جارحیت کے اجتماعی ردعمل میں شامل ہونے پر متفق ہے۔ یہ اجتماعی دفاع یا کسی خاص خطرے کے جواب میں یا کسی خاص وجہ کے مسئلے کے لیے اکٹھے ہونے والے متعدد ریاستوں کے اتحاد سے مختلف ہے۔

لبرل پروگرام پالیسی سازی پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہوا لیکن تنازعات اور جنگ سے بچنے میں ناکام رہا۔ جنگ کے بعد کے ایک روشن مستقبل کے بجائے، اس نے 'بیس سال کا بحران' (Twenty Years' Crisis) دیکھا جو آخر کار دوسری جنگ عظیم کا باعث بنا۔ ان سالوں کے دوران، امریکہ کے لیگ میں شامل نہ ہونے اور یوروپ میں نازی ازم/فاشزم کے ابھرنے سے، لبرل نظریات اور حکمت عملی پروان نہیں چڑھ سکی۔ اجتماعی سلامتی نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ دوسری عالمی جنگ کے آخری اختتام کی طرف، بڑی طاقتوں نے بین الاقوامی اداروں، اقوام متحدہ اور بعد میں یوروپی کمیونیٹی کی مجید جدید شکلیں قائم کر کے لبرل ایجنڈے کو ایک بڑا دھکا دینے کا فیصلہ کیا۔

7.4 جنگ کے بعد کے سالوں میں لبرل نقطہ نظر
(Liberal Approach in The Post-War Years)

دوسری جنگ عظیم کے بعد چار دہائیوں میں، دو سپر پاورز کے درمیان سرد جنگ کے تنازع نے عالمی تناسب کو سنبھال لیا۔ حقیقت پسندانہ مکتب فکر جو یوروپ اور شمالی امریکہ میں اکیڈمی اور پالیسی سازی میں غالب پوزیشن میں آیا تھا اس نے لبرل نقطہ نظر کو یوٹوپین (Utopian) یا آئیڈیلسٹ (Idealistic) کہ کر مسترد کر دیا۔ پھر بھی، ان کے نظریہ کی عملی ناکامیوں کے باوجود، لبرل مفکرین نئے نظریات بنانے اور بین الاقوامی تعلقات کے تحقیقی ایجنڈے میں نمایاں حصہ حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ ان نظریات (Sociological Liberalism, Functionalism, Interdependent Liberalism and Republican

کے ساتھ ساتھ ان کے مفروضوں نے ایک نئی تصوراتی فریمورک ،نو لبرل (Neoliberal) نقطہ نظر (جسے Liberal Institutional Approach بھی کہا جاتا ہے) کے ظہور کی بنیاد بنائی ہے۔ (Liberalism

7.4.1 سماجی لبرل ازم (Sociological Liberalism)

سماجی لبرل ازم انیسویں صدی کے اختتامی مراحل کے دوران وجود میں آیا اور بیسویں صدی کے وسط تک پھلتا پھولتا رہا۔ رچرڈ کوبڈن (Richard Cobden)، کارل ڈوئچ (Karl Deutsch) اور جان برٹن (John Burton) کی تحریریں ان خیالات کی وضاحت کرتی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ کوبڈن کا استدلال ہے کہ دنیا بھر میں تعاملات مختلف معاشروں کے درمیان ہو سکتے ہیں۔ لبرل ازم کی یہ شکل بین الاقوامی تعلقات میں تکثیریت کے لیے ایک مضبوط کیس بناتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق، لوگ اور سماجی گروہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور پوری دنیا میں نیٹ ورک بناتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پچھلی اکائی میں دیکھا، حقیقت پسند صرف ریاستوں کے درمیان 'سرکاری' اور 'رسمی' تعلقات کو اہمیت دیتے ہیں۔ سماجی لبرل ازم اس نظریے کو انتہائی تنگ نظر اور یک طرفہ قرار دیتے ہوئے مسترد کرتا ہے۔ یہ بین الاقوامی تعلقات میں ریاستوں کے علاوہ دیگر اداکاروں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سماجی لبرل ازم بین الاقوامیت کے نظریے کو آگے بڑھاتا ہے جس کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

- نجی گروہ اور معاشرے بین الاقوامی سیاست کے اہم ایجنٹ ہیں۔
- یہ گروپ بین الاقوامی تعلقات میں اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ریاستوں کی مدد کرتے ہیں۔
- مختلف معاشروں کے لوگوں کے درمیان تعلقات فطرت کے لحاظ سے دوستانہ ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔
- اس سے انہیں آپس میں پر امن تعلقات استوار کرنے میں مدد ملتی ہے۔
- وہ دنیا بھر میں آپس میں نیٹ ورک بنا سکتے ہیں۔ یہ عالمی معاشروں کی تشکیل کا باعث بن سکتا ہے۔

اس اسکول کے ایک اور اہم مفکر، کارل ڈوئچ نے سلامتی برادری (Security Community) کا خیال پیش کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان باقاعدہ تعامل آپس میں ایک برادری احساس (community feeling) کی نشو نما کا باعث بن سکتا ہے۔ اس سے ریاستوں کے درمیان تصادم کے امکانات کم ہوں گے۔ جان برٹن نے اپنی کتاب (World Society) میں دنیا بھر کے مختلف سماجی، اقتصادی اور ثقافتی گروہوں کے درمیان ہونے والے تعاملات پر بھی بات کی ہے۔ یہ نیٹ ورک کوب ویب (Cobweb) ماڈل کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس سے عالمی سیاست میں تصادم کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سماجی لبرل ازم کا خیال ہے کہ لوگوں کے درمیان اوور لیپنگ (overlapping) ایک دوسرے پر منحصر تعلقات ریاستوں کے درمیان تعلقات کے مقابلے میں زیادہ تعاون پر مبنی ہوتے ہیں کیونکہ ریاستیں خصوصی ہوتی ہیں اور ان کے مفادات ایک دوسرے سے متجاوز نہیں ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک بڑی تعداد میں بین الاقوامی نیٹ ورکس والی دنیا زیادہ پر امن ہوگی۔

7.4.2 فنکشنلزم (Functionalism)

ڈیوٹ میٹرنی (David Mitrany) اور ارنیسٹ ہاس (Ernst Haas) جیسے فنکشنلسٹ تھیورسٹ کا استدلال ہے کہ اگر ریاستیں کسی ایک پہلو میں تعاون کرتی ہیں تو وہ دوسرے شعبوں میں ایس کرنے کے قابل ہو جائیں گی۔ اگرچہ فنکشنلزم کی بنیادی توجہ ریاستوں کے درمیان اقتصادی تعاون پر ہے، لیکن اس کا بنیادی مفروضہ یہ تھا کہ اقتصادی تعاون انہیں سیاسی میدان میں بھی تعاون کرنے کی اجازت دے گا۔ دوسرے لفظوں میں، ایک شعبے میں تعاون کا ایک اسپل اوور (spillover) اثر پڑے گا جو آخر کار ایک سپر نیشنل اتھارٹی (جیسے یوروپی یونین) کو جنم دے گا۔

بین الاقوامی سیاست میں فنکشنلزم کو یوروپی یونین کے قیام کی تاریخ کا مشاہدہ کر کے بہتر انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کا آغاز 1952 میں یوروپی کوئلہ اور اسٹیل کمیونٹی (European Coal and Steel Community) کے ظہور کے ساتھ ہوا۔ دوسری عالمی جنگ سے تباہ ہونے والی یوروپی معیشتوں نے اقتصادی بحالی کو زیادہ اہمیت دینا شروع کر دی۔ یہ اس عقیدے پر مبنی تھا کہ تعاون اقوام کے درمیان جنگ اور تنازعات کو روک سکتا ہے۔ اگر ریاستیں تجارت، ثقافت، نقل و حمل اور مواصلات کے میدان میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو امن بحال ہو سکتا ہے۔ در حقیقت، ECSC کے قیام کے بعد سے، یوروپی ممالک کے درمیان بڑھتا ہوا اقتصادی اور سیاسی تعاون رہا ہے جس کی وجہ سے زراعت، کرنسی، سلامتی وغیرہ میں مشترکہ پالیسیاں چل رہی ہیں۔ اس کے نتیجے میں 1993 میں یوروپی یونین (European Union) کا قیام عمل میں آیا۔ یوروپی یونین سیاسی، اقتصادی اور مالیاتی یونین کی ایک مثال ہے۔ یوروپی یونین خود مختاری کا اجتماع (pooling of sovereignty) کے حق میں ایک مضبوط مقدمہ پیش کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاستیں اپنی خود مختاری کسی کے حوالے نہیں کر رہی ہیں، بلکہ وہ ایک ایسی حالت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو انہیں اقتدار کی شراکت کے حصول میں مدد دے سکتے ہیں۔

7.4.3 باہمی انحصار لبرل ازم (Interdependence Liberalism)

یہ تصور 1970 کی دہائی کے آخری حصے کے دوران بین الاقوامی سیاست کی زبان میں آیا۔ رابرٹ او کیو ہانے (Robert O' Keohane) اور جوزف ایس نائی (Joseph S. Nye)، جنہوں نے اس تصور کا تیار کیا، اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بین الاقوامی تعلقات کے تمام اداکار—ریاست اور غیر ریاستی طور پر ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ بین الاقوامی سیاست ان مختلف اداکاروں کے

اشتراک کی بنیاد پر چلتی ہے۔ باہمی انحصار پیسہ، افراد، سامان، خدمات اور مواصلات کے بین الاقوامی بہاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اپنی کتاب (Power and Interdependence) میں، کیوہانے اور نائی نے باہمی انحصار کی تین اہم خصوصیات کی نشاندہی کی ہے:

رابطے کے متعدد چینلز ہیں جو معاشروں اور لوگوں کو جوڑتے ہیں۔ اس میں ان کے درمیان غیر رسمی تعلقات شامل ہیں: سرکاری افسران؛ غیر سرکاری فرد؛ اور بین الاقوامی تنظیموں کے اراکین۔ یہ درجہ بندی اس خیال کا اظہار کرتی ہے کہ عالمی سیاست میں بین الاقوامی رابطے اہم ہیں۔ یہ فہم حقیقت پسندی سے مختلف ہے۔

عالمی سیاست میں کئی مسائل ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ بین الاقوامی سیاست میں مسائل کا کوئی درجہ بندی نہیں ہے۔ لٰہذا لبرل ازم دنیا بھر کے ایسے سیاستدانوں کو چیلنج کرتا ہے جو صرف فوجی اور سلامتی کے مسائل کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کا استدلال ہے کہ کسی ملک کی گھریلو سیاست کے کچھ ایسے مسائل ہیں جن کا پوری دنیا پر اثر پڑ سکتا ہے۔

کسی ملک کے قومی مسائل کا بین الاقوامی واقعہ کے ساتھ تعلق ہو سکتا ہے۔ لبرل تھیورسٹ اسے لنک اسٹریٹجی (linkage strategy) کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک ملک میں مالیاتی خرابی عالمی معیشت پر منفی اثرات مرتب کر سکتی ہے۔

7.4.4 ریپبلکن لبرل ازم (Republican Liberalism)

ریپبلکن لبرل ازم ایمانوئل کانٹ (Immanuel Kant) اور ہم عصر امریکی اسکالر مائیکل ڈوئل (Michael Doyle) کے نظریات سے متاثر ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جمہوری حکومتیں مثبت خصوصیات رکھتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں نہیں جاتیں۔ یہ جمہوری امن مقالہ (democratic peace thesis) کا مرکزی خیال ہے۔ یہ مقالہ حقیقت پسندانہ دعووں کے لیے ایک چیلنج ہے کہ امن کا انحصار حکومتوں کے گھریلو فطرت کے بجائے طاقت کے توازن کے نظام پر ہے۔

مائیکل ڈوئل جس نے کانٹ کا مستقل امن (Perpetual Peace) کا نظریہ تیار کیا ہے اس کی وضاحت کرتا ہے کہ جمہوریتیں ایک دوسرے کے ساتھ امن میں کیوں ہیں۔ سب سے پہلے، تنازعات کے پُر امن حل پر مبنی گھریلو سیاسی ثقافتوں کا وجود پُر امن بین الاقوامی تعلقات کی حوصلہ افضائی کرتا ہے۔ حکومت جو اپنے شہریوں کے زیر کنٹرول ہیں دوسری جمہوریتوں کے ساتھ جنگوں کی حمایت یا وکالت نہیں کرے گی۔

دوسرا، جمہوریتیں مشترکہ اخلاقی اقدار رکھتی ہیں جو کانٹ کی پیسفک یونین (pacific union)، ایک رسمی معاہدہ نہیں، بلکہ امن کا خطہ، کی تشکیل کا باعث بنا۔ اظہار رائے کی آزادی اور آزادانہ مواصلات بین الاقوامی سطح پر باہمی افہام اور تفہیم کو فروغ دیتے ہیں، اور اس بات کو یقینی بنانے میں مدد کرتے ہیں کہ سیاسی نمائندے شہریوں کے خیالات کے مطابق کام کرتے ہیں۔

آخری، اقتصادی تعاون اور باہمی انحصار کے ذریعے جمہوریتوں کے درمیان امن مضبوط ہوتا ہے۔ پیسفک یونین میں اس کی حوصلہ افزائی کرنا ممکن ہے جسے کانٹ نے 'تجارت کی روح'(the spirit of commerce) کہا: بین الاقوامی اقتصادی تعاون اور تبادلے میں شامل افراد کے لیے باہمی اور متقابل فائدہ۔

اس لیے ریپبلکن لبرل ازم امن کے حصول کے لیے دنیا بھر میں جمہوریت کے فروغ کی وکالت کرتا ہے، جو تمام سیاسی اقدار کی سب سے بنیادی اقدار میں سے ایک ہے۔ اس لحاظ سے، یہ ایک مضبوط اصولی عنصر کے ساتھ نظریات میں سے ایک ہے۔

7.5 نولبرل اپروچ (Neo-Liberal Approach)

ہم نے پچھلی اکائی میں دیکھا کہ حقیقت پسندانہ نقطہ نظر کے دائرہ کار میں ایک نیا مثبت رجحان اور تبدیلی تھی جسے نو حقیقت پسندی یا ساختی حقیقت پسندی کہا جاتا تھا۔ لبرل ازم میں بھی اس طرح کی تبدیلی واقع ہوئی، جو بڑی حد تک نو حقیقت پسندی کے عروج کے ردعمل کے طور پر تھا۔ دو اہم بنیادی کام جنہوں نے بین الاقوامی تعلقات میں موجودہ لبرل روایت کو توڑا ہے وہ ہیں رابرٹ کیوہانے کی (After Hegemony: Cooperation and Discord in the World Political Economy)اور رابرٹ ایکسلورڈ(Robert Axelrod) کی(Evolution of Cooperation)۔ سابقہ نے پیچیدہ باہمی انحصار پر توجہ مرکوز کی، آخرالذکر نے گیم تھیوری(game theory) کو اس بات کی وضاحت کے لیے لاگو کیا کہ تعاون کیسے ابھرتا ہے اور برقرار رہتا ہے۔ ان اشاعتوں نے لبرل مطالعہ میں ایک نیا تصوراتی ڈھانچہ متعارف کرایا جسے نولبرل ازم کہا جاتا ہے۔ 'نولبرل' لیبل کے استعمال میں کوئی شک نہیں کیوں کہ کیوہانے اور ایکسلورڈ کے تیار کردہ نظریات نے نو حقیقت پسندی کے ساتھ بہت زیادہ اشتراک کیا ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی انارکی اور ریاستوں کی عقلی اناپرستی کے دو بنیادی مفروضوں کو قبول کیا تاکہ یہ ظاہر کیا جا سکے کہ انارکی نظاموں میں بھی عقلی اناپرستوں کے لیے تعاون کرنا ممکن ہے۔ انہوں نے بھی اسی قسم کے ماخذوں سے مواد اخذ کیا جیسے نو حقیقت پسندوں نے— خاص کر گیم تھیوری، عوامی پسند (public choice)اور عقلی انتخابات(rational choice) کا نظریہ۔

7.5.1 روایتی لبرل ازم کے ساتھ ایک وقفہ (A Break with Traditional Liberalism)

نولبرل ازم کلاسیکی لبرل ازم سے کئی اہم طریقوں سے مختلف تھا۔ اولاً، لبرل فکر نے بین الاقوامی نظام میں انارکی کے سوالوں کو حل نہیں کیا تھا۔ نولبرل نے نو حقیقت پسند کے اس تجویز کو قبول کیا کہ بین الاقوامی نظام انارکی ہے، لیکن اس دعوے کو مسترد کر دیا کہ یہ حالت تصادم کا باعث بنے گی۔ اس کے بجائے، نولبرل نے بین الاقوامی سیاست میں تعاون کی مرکزیت پر زور دیا۔ ایک اہم سوال جو وہ حقیقت پسندوں کے سامنے رکھتے ہیں وہ یہ کہ "اگر انتشاری بین الاقوامی نظام لازمی طور پر ایک خود مدد ماحول پیدا کرتا ہے—سب کے خلاف سب کی جنگ، جیسا ہابز نے تجویز کیا تھا—تو پھر جنگ زیادہ عام کیوں نہیں ہے؟

نو لبرل بھی تنازعات کی وجوہات پر کلاسیکی لبرل سے مختلف ہیں۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا، لبرل ازم نے انسانی فطرت کی مرکزیت پر زور دیا تھا اور دلیل دی تھی کہ تنازعات اور جنگ بُرے عناصر یا تعاون کی ناکامی کا نتیجہ ہے۔ دوسری طرف، نو لبرل ازم، بین الاقوامی اداروں کی اہمیت پر زور دیتا ہے کہ بین الاقوامی ماحول کو ان طریقوں سے تشکیل دیا جائے جو انارکی کے خلاف تخفیف کرے۔ دوسرے لفظوں میں، تصادم کے اسباب انسانی فطرت سے نہیں بلکہ بین الاقوامی اداروں کی موجودگی یا غیر موجودگی میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ نو لبرل کہتے ہیں کہ بین الاقوامی ادارے درج ذیل کام انجام دیتے ہیں:

- ریاستوں کے درمیان بات چیت اور مکالمے کی حوصلہ افزائی کریں جو اپنے اختلافات پر گفت وشنید کے لیے ایک فورم تشکیل دیں۔
- ریاستوں کے درمیان بات چیت اور ان معاہدوں میں شفافیت کو فروغ دینا جن پر وہ گفت وشنید کرتے ہیں۔
- توقعات کو تشکیل دینے اور عالمی سیاست میں استحکام اور پیشن گوئی کرنے والے اجتماعی بین الاقوامی اصولوں کو تیار کرنے میں مدد کریں۔
- تنازعات کے پُر امن حل میں سہولت فراہم کرنے والے ریاستوں کے درمیان باہمی تعاون اور سودے بازی کو فروغ دینے کے لیے ایک فریم ورک قائم کریں۔ وہ اجتماعی کاروائی کے مسائل میں تناؤ کو دور کرنے کے لیے پالیسی کے ہم آہنگی کی اجازت دیتے ہیں اور اس طرح سلامتی اور قیدیوں کے مخمصے (security and prisoners' dilemmas) سے بچنے میں مدد کرتے ہیں۔

عالمی اداروں میں دی جانے والی اہمیت کی وجہ سے بین الاقوامی تعلقات کے نو لبرل نظریہ کو نو لبرل ادارہ جاتی (Neo-liberal Institutionalism) بھی کہا جاتا ہے۔

دوم، عالمی سیاست میں اہم اداکاروں کے سوال پر نو لبرل ازم، لبرل ازم سے مختلف ہے۔ لبرل ازم عالمی سیاست میں بطور اداکار انفرادی ایجنٹوں کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ انفرادی انتخاب اور نفسیات لبرل وضاحتوں اور تجزیہ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس، نو لبرل اس حقیقت پسندانہ دعوے کو قبول کرتے ہیں کہ ریاست سب سے اہم اداکار ہے حالانکہ وہ بین الاقوامی اداروں کو ریاستوں کے مجموعے کے طور پر بھی شامل کرتے ہیں۔ دیگر اداکاروں میں غیر ریاستی اداکار شامل ہوں گے جیسے MNCs اور NGOs۔ وہ نو حقیقت پسند کے اس دعوے کو قبول کرتے ہیں کہ ریاست ایک عقلی اداکار ہے اور وہ متعین اہداف کے حصول میں لاگت اور فوائد کے تجزیے میں مصروف ہے۔

آخر میں، نو لبرل ازم تنازعات کے تجزیہ میں لبرل ازم سے مختلف ہے۔ لبرل ازم عام طور پر اپنی واقفیت میں تاریخی اور فلسفیانہ ہے، مخصوص تاریخی تناظر میں تنازعات کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ سیاسی نظریہ اور فلسفہ جیسے شعبوں پر بڑے پیمانے پر انحصار کرتا ہے۔ دوسری طرف تنازعات کی نو لبرل وضاحتیں تاریخی ساختی وضاحتوں پر زیادہ توجہ مرکوز کرتی ہے۔ نو لبرل اپنے تجزیے میں تاریخ اور فلسفے کی بجائے گیم تھیوری اور طرز عمل معاشیات (behavioural economics) پر بڑے پیمانے پر اخذ کرتے ہیں۔ نو لبرل اکثر گیم تھیوری کے

تصورات کو یہ ظاہر کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ کس طرح بین الاقوامی نظام کی ساخت کسی خاص نتائج کو مجبور کر سکتی ہے یا ایسے حالات کی طرف لے جا سکتی ہے جہاں عقلی فیصلہ سازی جو بظاہر عقلی تو ہو سکتی ہے لیکن وہ ذیلی نتائج کا باعث بنتی ہے۔

7.5.2 بین الاقوامی تعلقات میں نو نو بحث (The Neo-Neo Debate in IR)

اگر ہم لبرل ازم اور نو لبرل ازم کے ظہور کو ایک اکیڈمک ڈسپلن کے طور پر جاننا چاہتے ہیں تو بین الاقوامی تعلقات کے عظیم مباحث پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ حقیقت پسندی اور لبرل بین الاقوامیت کے درمیان پہلی عظیم بحث نے یہ ظاہر کیا کہ لیگ آف نیشنز کی ناکامی نے یہ ثابت کیا کہ مفادات کی ہم آہنگی کا خیال درست نہیں تھا۔ ای ایچ کار (E.H Carr) جیسے مؤرخین نے لبرل بین الاقوامیت کو یوٹوپیا ازم (utopianism) اور آئیڈیلزم (idealism) قرار دیا ہے۔ طرز عمل (Behaviouralism) اور مابعد طرز عمل (Post-behaviouralism) کے درمیان دوسری عظیم بحث اس بات پر مرکوز تھی کہ آیا بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ قدرتی سائنس کے طریقوں سے مدد لے کر کیا جانا چاہیے یا اسے زیادہ قدر پر مبنی نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے کیا جانا چاہیے۔ نو حقیقت پسندی اور نو لبرل ازم کے درمیان بین الاقوامی تعلقات میں تیسری عظیم بحث (نو نو بحث) مطالعہ کے نقطہ نظر کے طور پر بین الاقوامی تعلقات میں نو لبرل ازم کی تفصیلی تفہیم فراہم کرتی ہے۔ نو حقیقت پسندی اور نو لبرل ازم دونوں کا خیال ہے کہ ریاستیں عقلی اداکار ہیں۔ لیکن ان کے درمیان کچھ اختلافات ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں:

نو حقیقت پسند اور نو لبرل ازم تسلیم کرتے ہیں کہ بین الاقوامی نظام میں انارکی ہے۔ نو حقیقت پسند کا استدلال ہے کہ انتشار کی وجہ سے ریاستیں کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہیں کریں گی۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے۔ نو حقیقت پسند محسوس کرتے ہیں کہ تعاون کا انحصار ریاست کی مرضی پر ہے۔ دوسری طرف نو لبرل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ریاستیں ان مسائل پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی ہیں جہاں ان کے ایک جیسے مفادات ہوں۔

نو حقیقت پسند بقا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اس لیے طاقت کے استعمال سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف، نو لبرل اسکول پیچیدہ باہمی انحصار کے خیال پر یقین رکھتا ہے۔

نو لبرل تعاون پر مبنی رویے کے بارے میں پُر امید ہے اور اس لیے مطلق فوائد کے حق میں بحث کرتے ہیں۔ جب ریاستیں معاشی تعامل کر رہی ہوتی ہیں، تو یہ ایک مثبت مجموعی گیم (positive sum game) کی طرف جاتا ہے۔ اس عمل میں شامل تمام فریقین فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دوسری طرف، نو حقیقت پسندی کا خیال ہے کہ ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتی ہیں اور اس وجہ سے صرف نسبتاً فائدہ ہو سکتا ہے۔

نو حقیقت پسندی ریاستوں کی صلاحیت پر روشنی ڈالتی ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ریاستیں دوسری ریاستوں کے ارادوں کے بارے میں ہمیشہ غیر یقینی رہتی ہیں۔ نو لبرل ازم ریاستوں کی ترجیحات اور ارادوں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

نولبرل دلیل دیتے ہیں کہ بین الاقوامی حکومتیں عالمی سیاست میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ ریاستوں کو آپس میں تعاون کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔ نو حقیقت پسند اس نکتے سے متفق نہیں ہے۔

مندرجہ بالا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نو حقیقت پسندی اور نولبرل ازم میں بہت کچھ مشترک ہے۔ امریکہ سے باہر کے اسکالر اور ساتھ ہی وہ لوگ جوان تمثیلوں سے باہر کام کرتے ہیں اس لیے اسے 'نو نو ترکیب' (neo-neo synthesis) کہتے ہیں۔ مزید یہ کہ، وہ دلیل دیتے ہیں کہ نو نو بحث نے مجموعی طور پر بین الاقوامی تعلقات اسکالرشپ کو ترقی نہیں دی ہے۔ اس کے بجائے اس نے قابل اعتراض مفروضوں (جیسے انارکی) اور ایسے طریقہ کار پر مبنی سطحی تفتیش تک میدان کو محدود کر دیا ہے جو نظم وضبط کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

7.5.3 نول لبرل ازم کا تاریک پہلو (The Darker side of Neo-Liberalism)

نولبرل اپروچ پر مبنی متعدد مطالعات 1980 کی دہائی سے سامنے آئی ہیں۔ تاہم، تقریباً تمام مطالعات نے بین الاقوامی باہمی انحصار اور حکومتوں کے ساتھ مغربی ممالک کے تجربے پر توجہ مرکوز کی ہے۔ جیسا کہ رابرٹ کاکس (Robert Cox) نے مشاہدہ کیا ہے،

"رجیم تھیوری (regime theory) میں گروپ آف سیون (G-7) اور ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کے دیگر گروپوں کے درمیان اقتصادی تعاون کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے جو ان کے مشترکہ مسائل کے حوالے سے ہیں۔ عالمی معیشت کے ڈھانچے کو تبدیل کرنے کی کوشش کے بارے میں جتنا بھی کہا جائے کم ہے، جیسے تیسری دنیا میں 'نو بین الاقوامی اقتصادی ترکیب' (New International Economic Order) کا مطالبہ۔ درحقیقت، حکومتیں عالمی معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں اور ان کا اثر ہے، جیسا کہ کوہانے نے اپنے کام میں، ریاستوں کو اقتصادی راسخ العقیدہ سے بنیاد پرست انخلاء شروع کرنے سے روکنے اور تعین کی نشاندہی کی ہے۔"

سرد جنگ کے دوران عالمی جنوب (Global South) کے اہم کوآپریٹو ادارہ، غیر منسلک تحریک (Nonaligned Movement) کو نولبرل نظریہ سازوں کی طرف سے بہت کم توجہ ملی ہے۔ دوم، یہ نظریات 'حکومتوں کو فلاحی، رضاکارانہ، تعاون پر مبنی اور جائز کے طور پر قائم کرنے کے بجائے فرض کریں گے'، یہ ایک انتہائی قابل اعتراض مفروضہ ہے جب کوئی کچھ حکومتوں اور کثیر جہتی اداروں کی خارجی نوعیت پر غور کرے، کم از کم عالمی جنوب کے نقطہ نظر سے۔ ان لاطینی امریکی ممالک کے معاملے پر غور کریں جنہوں نے نجکاری اور ساختی ایڈجسٹمنٹ پالیسی (Structural Adjustment Policy) کے نتیجے میں معاشی عدم مساوات کا سامنا کیا۔ بولیویا، وینیزویلا اور دیگر لاطینی امریکی ممالک نے نولبرل اقتصادی پالیسیوں کے خلاف احتجاج میں اپنی آواز کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ، یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ سرمائے کی بڑھتی ہوئی نقل و حرکت کی وجہ سے، ریاستوں کی حکومت کو نجکاری کے زیر قیادت ترقیاتی منصوبوں سے حاصل ہونے والے منافع پر ٹیکس لگانے میں مشکلات کا سامنا ہے۔ اگر حکومت ان منصوبوں سے آمدنی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی تو اسے صحت، تعلیم اور سماجی تحفظ کے اقدامات جیسے سماجی شعبوں کی ترقی کی طرف موڑ دیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا، یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ ایک نظریہ کے طور پر، نولبرل ازم ترقی یافتہ دنیا کی تعمیر ہے۔ جیسا کہ رابرٹ کاکس نے مشہور دلیل دی تھی، 'تھیوری ہمیشہ کسی کے لیے اور کچھ مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔

7.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں آپ نے:

- لبرل روایت اور اُس کی اہم خصوصیات کو سمجھا۔
- جنگ کے بعد کے سالوں میں لبرل نقطہ نظر کی معلومات حاصل کیا۔
- نولبرل ازم کی جانکاری حاصل کی۔
- کالاسیکی لبرل ازم سے بھی واقفیت حاصل کی۔

7.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

طاقت کی سیاست (Power politics)

پاور پالیٹکس بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کا ایک نظریہ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ طاقت اور قومی مفادات کی تقسیم یا ان تقسیم میں تبدیلیاں جنگ اور نظام کے استحکام کے بنیادی اسباب ہیں۔

کثرت پسند (Pluralists)

ایک سیاسی فلسفہ کے طور پر تکثیریت ایک سیاسی جسم کے اندر تنوع کی پہچان اور تصدیق ہے، جو مختلف مفادات، عقائد اور طرز زندگی کے پر امن بقائے باہمی کی اجازت دیتا ہے۔

کوب ویب (Cobweb) ماڈل

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عالمگیریت کی وجہ سے ہم تیزی سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور ایک دوسرے پر انحصار کر رہے ہیں۔ جالے کا ایک حصہ ٹوٹ جائے تو پورا نظام کمزور ہو جاتا ہے۔

قیدیوں کے مخمصے (Prisoners' dilemmas)

قیدی کا مخمصہ ایک ایسی صورت حال ہے جہاں انفرادی فیصلہ سازوں کے پاس ہمیشہ ایک ایسا طریقہ منتخب کرنے کی ترغیب ہوتی ہے جو افراد کے لیے بحیثیت گروپ ایک بہترین نتیجہ پیدا کرتا ہے۔

گیم تھیوری (Game theory)

اس بات کا تجزیہ ہے کہ فیصلہ ساز دوسرے فیصلہ سازوں کے رد عمل اور انتخاب کو مد نظر رکھنے کے لیے فیصلہ سازی میں کس طرح تعامل کرتے ہیں۔

عالمی جنوب (Global South)

گلوبل ساؤتھ کے زیادہ تر ممالک کم آمدنی والے، گنجان آبادی، ناقص انفراسٹرکچر، اور اکثر سیاسی یا ثقافتی پسماندگی کی خصوصیت رکھتے ہیں۔

7.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

7.8.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ لبرل بین الاقوامی تعلقات کے نظریہ کا بنیادی اصول کیا ہے؟

(a) انارکی (b) طاقت کا توازن

(c) تعاون اور باہمی انحصار (d) حقیقی سیاسی

2۔ کون سا تصور بتاتا ہے کہ بین الاقوامی ادارے تنازعات کو کم کرنے اور ریاستوں کے درمیان تعاون کو فروغ دینے میں مدد کر سکتے ہیں؟

(a) حقیقت پسندی (b) آئیڈیلزم

(c) انارکی (d) پیچیدہ باہمی انحصار

3۔ لبرل ازم کی اہمیت پر زور دیتا ہے:

(a) فوجی طاقت (b) طاقت کی سیاست

(c) اقتصادی باہمی انحصار (d) زیرو سم گیمز

4۔ لبرل ازم کے مطابق، جمہوری ریاستیں زیادہ امکان رکھتی ہیں:

(a) اقتدار کی جدوجہد میں مشغول ہونا (b) جارحانہ توسیع کا پیچھا کریں۔

(c) نسلی شناخت کی بنیاد پر اتحاد قائم کریں۔ (d) تعاون کریں اور تنازعات کو پرامن طریقے سے حل کریں۔

5۔ کون سا نظریہ بتاتا ہے کہ بین الاقوامی تجارتی اور اقتصادی تعاون اقوام کے درمیان امن اور استحکام کا باعث بن سکتا ہے؟

(a) طاقت کے توازن کا نظریہ (b) مارکسزم

(c) لبرل ازم (d) تعمیر پسندی

6۔ نولبرل ازم کے مطابق کون سا ادارہ بین الاقوامی تعاون کو فروغ دینے اور تنازعات کے حل میں اہم کردار ادا کرتا ہے؟

(a) ورلڈ بینک (b) اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل

(c) غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) (d) فوجی اتحاد

7۔ کون سا تصور اس خیال کو بیان کرتا ہے کہ اقتصادی ترقی اور ترقی زیادہ عالمی تعاون اور تنازعات کو کم کرنے کا باعث بن سکتی ہے؟

(a) مرکنٹائلزم (b) تحفظ پسندی

(c) لبرل امن کا نظریہ　(d) مطلق فائدہ

8۔ بین الاقوامی تعلقات کا کون سا نظریہ بین الاقوامی تنظیموں کو ریاستی رویے کی تشکیل میں مرکزی کردار کے طور پر دیکھتا ہے؟

(a) حقیقت پسندی　(b) لبرل ازم

(c) تعمیر پسندی　(d) مارکسزم

9۔ لبرل ازم کی پیش گوئی ہے کہ جمہوری طرز حکمرانی کا پھیلاؤ:

(a) عسکریت پسندی میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔　(b) یک قطبی ورلڈ آرڈر میں نتیجہ

(c) تعاون کو آسان بنانا اور تنازعات کو کم کرنا　(d) تنہائی پسندی کی حوصلہ افزائی کریں۔

10۔ نولبرل ازم کے ساتھ منسلک ہے:

(a) ریاستی خود مختاری اور عدم مداخلت پر توجہ　(b) بین الاقوامی تعلقات میں فوجی طاقت کی بالادستی پر یقین

(c) اقتصادی باہمی انحصار اور عالمی اداروں پر زور　(d) خود مختار اور بند معیشتوں کے لیے سپورٹ

7.8.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات میں کلاسیکی لبرل ازم کے بنیادی اصول کیا ہیں، اور وہ نیو ریل ازم کے اصولوں سے کیسے مختلف ہیں؟
2. لبرل بین الاقوامی تعلقات کے نظریہ کے کلیدی عناصر کے طور پر جمہوری امن کے نظریہ اور معاشی باہمی انحصار کے تصورات کا موازنہ اور ان کے برعکس کریں۔
3. لبرل ازم کی مختلف قسمیں، جیسے کہ نولبرل ادارہ جاتی اور جمہوری لبرل ازم، ریاستوں کے درمیان تعاون اور امن کو فروغ دینے میں بین الاقوامی تنظیموں کے کردار کے بارے میں مختلف نقطہ نظر کیسے پیش کرتے ہیں؟
4. ان چیلنجوں کا تجزیہ کریں جن کا سامنا مختلف ممالک میں بڑھتی ہوئی قوم پرستی اور پاپولزم کے موجودہ دور میں لبرل بین الاقوامیت کو ہے۔
5. نولبرل ازم کا تنقیدی جائزہ لیں۔

7.8.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. نولبرل اپروچ پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
2. کلاسیکی لبرل ازم پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. لبرل ازم کیا ہے؟ اُس کے مختلف قسموں کو بتائیے۔

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. Baldwin, David (eds.). (1993). Neorealism and Neoliberalism: The Contemporary Debate. New York. Columbia University Press.
2. Blair Alasdair and Steven Curtis. (2009). International Politics: An Introductory Guide. Edinburgh. Edinburgh University Press.
3. Brown, Chris and Kirsten Ainley. (2009). Understanding International Relations. Hampshire and New York. Palgrave Macmillan.
4. Burchill, Scott (2013). “Liberalism”, in Scott Burchill et al., (eds.). Theories of International Relations. Hampshire: Palgrave Macmillan.
5. Daddow, Oliver. (2013). International Relations Theory: The Essentials, New Delhi. Thousand Oaks and London: Sage.
6. Gill, Stephen and David Law. (1988). Global Political Economy: Perspectives, Problems and Policies. London: Harvester Wheatleaf.
7. Gunter, Tamar. (2017). International Organizations in World Politics. Thousand Oaks. London. New Delhi and Singapore. Sage.
8. Heywood, Andrew. (2011). Global Politics. Basingstoke. Palgrave Macmillan.
9. Jackson, Robert and George Sorensen. (2008). International Relations: Theories and Approaches. New York. Oxford University Press.
10. Kauppi, Mark V and Paul R. Viotti. (2020). International Relations Theory. London. Rowman and Littlefield.
11. Keohane, Robert O’ and Joseph S. Nye. (2001). Power and Interdependence. New York. Longman.
12. Rosenau, J. (1980). The Study of Global Interdependence: Essays on the Transnationalization of World Affairs. New York. Basic Books.

اکائی 8۔ مارکسی نقطہ نظر

(Marxian Perspective)

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید
8.1 مقاصد
8.2 مارکسی نقطہ نظر کے بنیادی مفروضے
8.3 مارکسزم اور سامراجیت
8.4 نومارکسزم
8.4.1 انحصاری اسکول
8.4.2 گرامشی اور نو گرامشیانزم
8.4.3 تنقیدی نظریہ
8.5 اکتسابی نتائج
8.6 کلیدی الفاظ
8.7 نمونہ امتحانی سوالات
8.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
8.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
8.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء بین الاقوامی تعلقات کے نظریات اور نقطہ نظر ایسے اوزار ہیں جو بین الاقوامی سیاست کو بہتر طریقے سے مطالعہ کرنے اور سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ رابرٹ ڈبلیو کاکس (Robert W. Cox) نے بین الاقوامی تعلقات کے نظریات کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے: مسئلہ حل کرنا (Problem Solving) اور تنقیدی نظریہ (Critical Theory)۔ مسائل کو حل کرنے والے نظریات میں حقیقت پسندی (Realism) اور لبرل ازم (Liberalism) شامل ہیں، تنقیدی نظریات مارکسزم (Marxism)، حقوق نسواں (Feminism)، مابعد جدیدیت (Post Modernism) اور مابعد نوآبادیات (Post Colonialism) جیسے نظریات کی ایک وسیع دائرہ کو شامل کیے ہوئے ہے۔ جمود (status quo) کے حامی ہونے کے ناطے، مسئلہ حل کرنے والے نظریات بنیادی طور پر اس بات پر توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ بین الاقوامی نظام میں ترتیب کس طرح قائم اور برقرار رہے۔ یہ نظریات جمود کی وضاحت پر توجہ مرکوز کرتے ہیں لہٰذا بین الاقوامی نظام میں تبدیلی پر بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، لبرل ازم اس بات پر توجہ مرکوز کرتا ہے کہ کس طرح بین الاقوامی ادارے، جمہوریت اور اداکاروں کے درمیان باہمی انحصار، جنگ کو روکتے ہیں، جو بین الاقوامی نظام میں تبدیلی کا بڑا ذریعہ ہے۔ نو حقیقت پسندی (Neorealism) عظیم طاقتوں کے تعاون اور حکمت عملیوں کی راہ میں حائل بڑی رکاوٹوں کا خاکہ پیش کرتا ہے جن کے ذریعے وہ بالادستی قائم اور برقرار رکھتے ہیں۔ تسلسل پر یقین رکھتے ہوئے، حقیقت پسند بین الاقوامی نظام میں تبدیلی کے بہت کم امکانات دیکھتے ہیں۔

ایک لمبے عرصے تک مارکسزم اور بین الاقوامی تعلقات ایک دوسرے سے غفلت کی حالت میں تھے۔ بین الاقوامی تعلقات کے نظم وضبط میں سرمایہ دارانہ ریاستوں کے تسلط اور مارکسزم کے تئیں ان کے شکوک کے پیش نظر، بڑے پیمانے پر 1970 تک، مارکسزم مغرب میں بین الاقوامی تعلقات کے کورسز کے نصاب میں جگہ نہیں بنا سکا۔ یہ عقیدہ کہ کارل مارکس (Karl Marx) اور فریڈرک اینگلز (Friedrich Engels) نے بین الاقوامی تعلقات کا نظریہ تیار نہیں کیا، مارکسزم کی بین الاقوامی تعلقات کے مرکزی دھارے سے خارج ہونے کی ایک اور وجہ تھی۔ نتیجے کے طور پر، بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ کرنے کے نقطہ نظر کے طور پر مارکسزم پر محدود مطالعہ موجود تھے۔ اس کے باوجود، 1990 کی دہائی سے، چیزوں میں نمایاں بہتری آئی ہے۔ اب مارکسی نقطہ نظر کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے اور عالمی سیاست کی ایک باریک تصویر پیش کی گئی ہے۔

یہ بین الاقوامی تعلقات کا واحد نظریہ ہے جس کا نام ایک فلسفی (Karl Marx) کے نام پر رکھا گیا۔ لیکن، عالمی سیاست کا مارکسی نقطہ نظر صرف کارل مارکس کے نظریات تک محدود نہیں ہے۔ ولادیمیر لینن (Vladimir Lenin)، انتونیو گرامشی (Antonio Gramsci)، آندرے گونڈر فرینک (Andre Gunder Frank)، رابرٹ کاکس (Robert Cox)، اسٹیفن گل (Stephen Gill)، جسٹن روزنبرگ (Justin Rosenberg)، اینڈریو لنک لیٹر (Andrew Linklater) اور مارک

روپرٹ(Mark Rupert) جیسے نظریات کی ایک وسیع رینج نے مارکسی نقطہ نظر کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ عالمی سیاست میں مارکسی نقطہ نظر کا بنیادی مرکز ریاست، ریاستی نظام کی اصل نوعیت اور سرمایہ داری عالمی معیشت پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے برعکس ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کے لیے مارکسی نقطہ نظر کی مختلف شکلیں اور بعض اوقات ان کے مسابقتی دعوے بین الاقوامی سیاست کے طالب علم کو پریشان کر سکتے ہیں۔ غیر ضروری الجھنوں سے بچنے کے لیے، کچھ مشترکہ مفروضوں کی نشاندہی کرنا دانشمندی ہوگا اور مددگار ہوگا جو مارکسزم کی مختلف شکلوں کو ایک ساتھ رکھتے ہیں۔ آیئے اب مختلف مارکسی نقطہ نظر کے کچھ مشترکہ مفروضوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

8.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- بین الاقوامی تعلقات کے لیے مارکسی نقطہ نظر کے بنیادی مفروضوں کی وضاحت کر سکیں گے۔
- مارکسی نقطہ نظر کے ارتقاء کی معلومات حاصل کر سکیں۔
- مارکسزم اور سامراجیات سے واقف ہو سکیں۔
- نومارکسزم سے بھی رُوبرو ہوں گے۔
- مارکسزم کے تنقیدی نظریہ کی بھی معلومات حاصل کر سکیں۔

8.2 مارکسی نقطہ نظر کے بنیادی مفروضے (Basic Assumptions of Marxist Approach)

اول، بین الاقوامی تعلقات ایک پیچیدہ رجحان ہے۔ یہ ایک پیچیدہ اور جڑے ہوئے ڈھانچے میں ہوتا ہے۔ مطلب ایک پہلو میں تبدیلیاں دوسرے عناصر کے کام کو متاثر کرتی ہیں۔ کارل مارکس نے اپنی مشہور کتاب(The Poverty of Philosophy) میں لکھا ہے کہ "ہر معاشرے کے پیداواری تعلقات(relations of production) ایک مکمل(whole) تشکیل دیتے ہیں"۔ یعنی، کسی ریاست کے معاشرے اور ثقافت کو اس کے معاشی نظام سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بنیاد (معاشی عنصر) میں تبدیلی اس کے اعلی ساخت (superstructure)، معاشرے اور ثقافت، میں تبدیلیاں لاتی ہیں۔ مارکس سے اخذ کرتے ہوئے، مارکسی بین الاقوامی تعلقات کے مفکروں کا خیال ہے کہ عالمی سیاست کو جزئیات اور علیحدگی کے بجائے مجموعی طور پر بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ کاکس، ایک نوگرامشین نظریہ ساز، نے استدلال کیا ہے کہ عالمی مسائل کی صحیح تفہیم کے لیے، "تاریخ، سماجیات اور جغرافیہ، در حقیقت تمام سماجی علوم اور انسانیت پر توجہ دینے کے لیے مقدس بین الضابطہ (interdisciplinary) حدود کو توڑنا ضروری ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ مارکسزم مادی اور نظریاتی تغیرات میں فرق کرنے کے لیے نو حقیقت پسندی کے ملکی اور بین الاقوامی اور تعمیری مقالہ کی مخالفت کرتا ہے۔ سماجی علوم کی تاریخ، سماجیات،

سیاسیات، اور بین الاقوامی تعلقات جیسے مضامین میں تقسیم عالمی سیاست کے بارے میں ہماری صحیح سمجھ میں رکاوٹ ہے۔ ایمانوئل والرسٹائن (Immanuel Wallerstein) نے سماجی علوم کی مصنوعی تقسیم پر سب سے زیادہ منظم تنقید پیش کی ہے۔

دوئم، بین الاقوامی سیاست میں اہم اداکار کون ہے؟ یہ بین الاقوامی تعلقات کے نظم وضبط کا ایک بنیادی سوال ہے۔ مختلف نظریات اس اہم سوال کا مختلف طریقے سے جواب دیتے ہیں۔ حقیقت پسندوں کا خیال ہے کہ ریاستیں اہم اداکار ہیں۔ لبرلز کے لیے ریاستیں، گروہ اور یہاں تک کہ افراد ایک کردار ہیں۔ مارکسزم یہ فرض کرتا ہے کہ یہ ریاست یا فرد نہیں بلکہ طبقات، سماجی تحریکیں اور معاشی منڈی کی قوتیں ہیں جو عالمی سیاست کے اہم کردار ہیں۔ طبقاتی ڈھانچہ کوئی بھی شکل اختیار کر سکتا ہے جیسے شمالی بمقابلہ جنوبی (North vs South)، بنیادی بمقابلہ دائرہ کار (Core vs Periphery)، پہلی دنیا بمقابلہ تیسری دنیا (First World vs Third World)۔ سرمایہ دارانہ عالمی معیشت میں، سرمائے سے مالامال ریاستوں کے گروہ بورژوازی (bourgeoisie) طبقے کی تشکیل کرتے ہیں سرمائے سے غریب ریاستیں پرولتاریہ (proletariat) طبقے کی تشکیل کرتی ہیں۔ سرمائے سے مالامال ریاستیں پیداوار کے ذرائع (means of production) کی مالک ہیں سرمایہ سے غریب ریاستیں اس سے محروم ہیں۔ سرمایہ دارانہ عالمی معیشت میں، پرولتاریہ طبقہ سرمایہ سے مالامال بورژوا طبقے کو سستی مزدوری اور خام مال فراہم کرنے اور بورژوازی طبقے کے لیے تیار مال کی منڈی فراہم کرنے کے لیے محدود کر دی گئی ہے۔

تیسرا، مارکسزم ایک ساختی نظریہ ہے۔ یہ فرض کرتا ہے کہ عالمی سیاست ایک ایسے ماحول میں ہوتی ہے جسے عالمی نظام کہتے ہیں۔ ایمانوئل والرسٹائن نے عالمی نظام کا تصور کیا ہے جو ریاستی نظام اور عالمی معیشت پر مشتمل ہے۔ دیگر ساختی نظریات اس ساخت کو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ مثال کے طور پر، حقیقت پسندانہ اسے بین الاقوامی نظام کہتے ہیں انگریزی اسکول بین الاقوامی معاشرے کو ترجیح دیتا ہے۔ مارکسی اور نو حقیقت پسندی دونوں ساخت کی مادیت پسند تعمیر (materialist construction of the structure) پر یقین رکھتے ہیں۔ نو حقیقت پسند اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بین الاقوامی نظام کی ساخت کا تعین کرنے میں صلاحیتوں (طاقت) کی تقسیم اہم ہے۔ ان کے لیے، ساخت کو قطبیت کے لحاظ سے دیکھا جا سکتا ہے: یک قطبی، دو قطبی یا کثیر قطبیت۔ مارکسزم ساخت کو بنیادی اور دائرہ کار کے لحاظ سے دیکھتا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ سرمایہ دارانہ عالمی نظام کا ڈھانچہ اس بات سے طے ہوتا ہے کہ سرمائے اور ذرائع پیداوار پر کس کا قبضہ ہے اور کون اس سے محروم ہے۔ مارکسی مفکروں کا ماننا ہے کہ عالمی سیاست ڈھانچے کے اندر چلتی ہے اور اسی کا پابند بھی ہے۔ لہٰذا، یہ ساختی سطح کے عوامل کو مد نظر رکھ کر عالمی سیاست کی حرکیات کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چوتھا، بین الاقوامی تعلقات کے ساختی نظریات بین الاقوامی نظام کی نوعیت کو مختلف انداز میں دیکھتے ہیں۔ حقیقت پسندانہ اور لبرل یہ سمجھتے ہیں کہ بین الاقوامی نظام کی نوعیت انتشاری ہے۔ یہاں انتشار کا مطلب بین الاقوامی نظام میں ریاستوں پر حکمرانی کرنے کے لیے ایک اعلیٰ اختیار کی عدم موجودگی ہے۔ مارکسی کا خیال ہے کہ عالمی نظام متضاد ہے۔ سرمائے سے مالامال بورژوازی طبقے اور سرمائے سے محروم کم ترقی یافتہ پرولتاریہ

طبقے کے متضاد مفاد کے وجہ سے عالمی نظام متضاد ہے۔ مفادات میں فرق کے پیش نظر، دونوں طبقے سرمائے، تکنیک، قدرتی وسائل اور بازار پر اقتدار کے لیے لڑتے ہیں۔ یہ مقابلہ تنازعات کا باعث بنتا ہے۔

پانچویں، بین الاقوامی سیاست کی وضاحت اور سمجھنے کے لیے مختلف نظریات مختلف طریقوں اور تکنیکوں کا استعمال کرتے ہیں۔ عقلیت پسند نظریات قدرتی سائنس پر مبنی مثبتیت (positivism) کا استعمال کرتے ہیں اور دیے گئے رجحان کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس، تنقیدی نظریات مابعد مثبتیت (post-positivism) کا استعمال کرتے ہیں اور کسی بھی تصور یا مسئلے کو سمجھنے پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، بجائے اس کے کہ ایک سببی تعلق قائم کریں۔ تعمیر پسند تشکیلاتی (constitutive) اور تشریحی (interpretive) تکنیک کو ترجیح دیتے ہیں۔ مارکسی نقطہ نظر عصری عالمی سیاست کی وضاحت اور سمجھنے کے لیے تاریخی مادیت (historical materialism) کو ترجیحی طریقہ کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کے بنیادی تصورات، جیسے ریاست اور عالمی نظام، تاریخی ترقی کا نتیجہ ہے۔ مدت کے ساتھ، بدلتے ہوئے مادی حالات نے اس عمل کو تشکیل دیا اور نئی شکل دی۔ تاہم، کچھ نو مارکسی نظریہ ساز جیسے گرامشی اور کاکس کا خیال ہے کہ نظریات اور ادارے بھی ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تفاوت کے باوجود، تاریخی مادیت مارکسی بین الاقوامی تعلقات حلقوں میں اپنی مقبولیت کو برقرار رکھتی ہے۔

8.3 مارکسزم اور سامراجیت (Marxism and Imperialism)

مارکسی دانشوروں اور نظریہ دانوں نے سامراج کا باریک بینی سے تجزیہ پیش کیا ہے۔ مرے نونان (Murray Noonan) سامراج کے مارکسی تجزیے کے ارتقا کو تین مرحلوں میں درجہ بندی کیا ہے۔ پہلا مرحلہ جسے 'سامراجیت تصور کے علمبردار' (pioneers of imperialism theory) کہا جاتا ہے جس میں جان اے ہوبسن (John A. Hobson) اور وی آئی لینن (V I Lenin) کی تحریریں شامل ہیں۔ مارکسی نہ ہونے کے باوجود، ہوبسن نے سامراج پر مارکسی سوچ کو بہت متاثر کیا۔ اپنی کتاب (Imperialism: A Study) میں ہوبسن نے سامراج کی تعریف سرمایہ داری کی خرابی کے حوالے سے کی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ سرمایہ دارانہ معاشروں کو تین باہم مربوط مسائل کا سامنا ہے: زائد پیداوار (overproduction)، کم استعمال (underconsumption) اور زائد بچت (oversaving)۔ سرمایہ دارانہ نظام میں سماج کا ایک چھوٹا سا طبقہ جسے سرمایہ دار کہا جاتا ہے پیداواری عمل کو کنٹرول کرتا ہے۔ مزدوروں کو محض روزی کی اُجرت دے کر یہ طبقہ بچت کرتا ہے۔ کم اُجرت کے نتیجے میں سرمایہ دار طبقے کی کم کھپت اور زیادہ بچت ہوتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ پیداوار اور کم کھپت کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے اگر سرمایہ دار اپنی بچت کا ایک حصہ گھریلو فلاحی اقدامات پر خرچ کریں۔ لیکن سرمایہ دار اپنی بچت کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لیے اپنی اضافی سرمایہ (زیادہ بچت) کو دوسری ریاستوں میں لگانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ بالآخر دنیا کے پسماندہ خطوں میں سرمایہ دارانہ ریاستوں کے درمیان سامراج اور سامراجی جنگوں کی صورت میں نکلتا ہے۔ صرف سرمایہ دار ہی سامراج کی

پالیسی کے واحد محرک نہیں ہیں۔ ہوبسن کا استدلال ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام سامراج کے غیر اقتصادی اجزاء جیسے سیاسی، فوجی اور مذہب کو سامراج اور سامراجی جنگوں کے لیے جوڑتا اور منظم کرتا ہے۔

لینن پہلے مارکسی مفکر تھے جنہوں نے اپنی کتاب (Imperialism: The Highest Stage of Capitalism) میں منظم طریقے سے سامراج کے مارکسی نظریہ کی وضاحت کی۔ لینن کے مطابق، سامراج معاشی عوامل سے شروع ہوتا ہے، جنگوں کے ذریعے برقرار اور پھیلایا جاتا ہے، اور پرولتاریہ انقلاب کے ذریعے سرمایہ داری کے خاتمے پر ختم ہوتا ہے۔ اس کا سامراج کا نظریہ ہوبسن کے اس تصور پر مبنی ہے کہ کس طرح زائد پیداوار، کم استعمال اور زیادہ بچت سرمایہ دار طبقے کو بازار اور اس میں موجود خام مال کے ذرائع تلاش کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ روڈولف ہلفرڈنگ (Rudolph Hilferding) کا خیال ہے کہ سرمایہ دارانہ ریاستوں کی سامراجی پالیسیاں اس ریاست میں سرمائے پر چند افراد کی اجارہ داری کی عکاسی ہے۔

لینن اس مقالے کو مسترد کرتے ہیں کہ سیاسی اور فوجی عوامل بنیادی طور پر سامراج کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اس کے برعکس، اس نے دلیل دی کہ معاشی قوتیں سامراج کو چلاتی ہیں۔ ترقی کے ساتھ، پرانی سرمایہ داری کا مقابلہ بالآخر سرمایہ داری کے ترقی یافتہ مرحلے میں چند لوگوں کی اجارہ داری (monopoly of few) میں بدل جاتا ہے۔ ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ریاستوں میں سرمایہ کاری پر منافع کی گھٹتی ہوئی شرح سرمایہ داروں کو نئی منڈی اور سستے خام مال کے ذرائع اور مزدوروں کو تلاش کرنے پر مجبور کرتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جاسکے۔ یہ تلاش بیرون ملک کالونیوں کے قیام کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔ اس نے ترقی یافتہ سرمایہ دار ریاستوں کے درمیان جنگوں کو بیرون ملک سلطنتوں اور کالونیوں کو برقرار رکھنے کے لیے ایک آلہ کے طور پر دیکھا۔ لہٰذا، لینن سامراج کو ایک ایسے مظہر کے طور پر تصور کرتا ہے جو لامحالہ اجارہ داری سرمائے کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے اور سامراج کو سرمایہ داری کا اعلیٰ ترین اور آخری مرحلہ قرار دیتا ہے۔ سامراج کے خاتمے پر، لینن کا خیال تھا کہ دوبارہ تقسیم کرنے والے اقدامات کے ذریعے سامراج کی اصلاح نہیں کی جاسکتی۔ اس کے بجائے، سامراج کا خاتمہ صرف پرولتاریہ انقلاب کے ذریعے سرمایہ داری کے خاتمے اور ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت کے قیام کے ساتھ ہی کیا جاسکتا ہے۔ اہمیت کو دیکھتے ہوئے والٹز نے لینن کے نظریہ سامراج کو خوبصورت اور طاقتور (elegant and powerful) کہا ہے۔

سامراج کے مارکسی نظریہ کا اگلا مرحلہ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے سالوں میں نومارکسی (Neo-Marxist) مکتب فکر سے شروع ہوا۔ یہ مرحلہ پال سویزی (Paul Sweezy)، پال باراں (Paul Baran)، اور انحصاری نظریہ ساز جیسے کہ آندرے گنڈر فرینک (Andre Gunder Frank)، سمیر امین (Samir Amin) اور ایمانوئل والرسٹین (Immanuel Wallerstein) کی تحریروں سے گہرا تعلق ہے۔ پال سویزی کو نومارکسی نظریہ سامراج کا بانی مانا جاتا ہے۔ سویزی کا خیال تھا کہ "سامراجیت کا مقصد متوسط طبقے کو بڑے سرمائے کے قریب باندھنا اور متوسط طبقے اور محنت کش طبقے کے درمیان خلیج کو وسیع کرنا ہے"۔ سرمائے کی مرکزیت، فوجی طاقت کی ترقی، اور سلطنت کے قیام سے، سامراج ریاست کی طاقت اور افعال میں اضافے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

اس نے سامراج کی ترقی کے پانچ مراحل کا پتہ لگایا ہے: ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ریاستوں کے درمیان مقابلہ؛اجارہ داری سرمایہ داری؛سرمائے کی برآمد؛عالمی منڈی میں وسیع دشمنی؛اور غیر مقبوضہ علاقوں کو آپس میں تقسیم کرکے، ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ریاستیں کالونیاں قائم کرتی ہیں۔

سویزی نے تین طریقوں سے سامراج کے مارکسی نظریہ میں تعاون کیا۔سب سے پہلے،اس نے فاشزم اور سامراج کے درمیان تعلق کا ایک مختلف انداز میں تجزیہ کیا۔اپنے تجزیے میں،شویزی نے فاشزم کے عروج اور نوآبادیاتی ریاستوں کے درمیان تقسیم کے جنگ کے درمیان تعلق پایا۔اس نے مشاہدہ کیا کہ فاشزم "ان قوموں کی راکھ سے پروان چڑھا ہے جو بین سامراجی جدوجہد میں تباہ یا شکست کھا گئی تھیں،جہاں سرمایہ دارانہ ڈھانچہ شدید زخمی ہوا تھا لیکن اسے ختم نہیں کیا گیا"۔فاشزم ان ریاستوں پر عروج پر تھا جہاں معاشرہ درہم برہم تھا،اور متوسط طبقہ منظم مزدور اور حکمران طبقے کے درمیان پھنس گیا۔متوسط طبقے نے حکمران طبقے سے لڑنے کے لیے فاشسٹ نظریے یعنی نسل پرستی،قوم پرستی،جنگ اور غیر ملکی فتح کا استعمال کیا۔فاشسٹوں کی سوشلسٹ بیان بازی کو دیکھتے ہوئے،شروع میں سرمایہ دار مشکوک تھے۔لیکن جیسے جیسے فاشسٹ اپنی ریاستوں میں طاقت کے مرکز کے قریب آتے گئے،سرمایہ دار نے اس نیت سے حمایت شروع کر دی کہ فاشسٹ منظم محنت کشوں اور غیر ملکی سرمایہ داروں کو دبانے میں ان کا ساتھی ہو سکتا ہے۔اس فاشسٹ ریاست کی بنیاد اجارہ داری سرمایہ داری پر ہے۔

دوم،سویزی نے دوسری جنگ عظیم کا ایک باریک تجزیہ پیش کیا ہے۔اس نے دوسری جنگ عظیم کو تین جنگوں سے تعبیر کیا جس کا اختتام ایک میں ہوا۔سب سے پہلے، قائم شدہ نوآبادیاتی طاقتوں (جیسے برطانیہ اور فرانس) اور جاپان جیسی ابھرتی ہوئی نوآبادیاتی ریاستوں کے درمیان موجودہ کالونیوں کو برقرار رکھنے اور تقسیم کرنے کی جنگ۔دوسرا،سرمایہ داری اور سوشلزم کی جنگ ایک طرف جرمنی جیسی سرمایہ دار ریاستوں اور دوسری طرف سوویت یونین جیسی سوشلسٹ ریاست کے درمیان لڑی گئی۔تیسرا،سامراج مخالف جنگ ایشیا میں بڑھتی ہوئی جاپانی استعماریت اور ایک کالونی کے طور پر چین کے درمیان ہو رہی ہے۔دیگر مارکسسٹوں کے برعکس،میٹروپولیٹن(metropolitan)نوآبادیاتی تعلقات کو بے نقاب کرکے،سویزی نے دکھایا کہ سامراج نوآبادیات میں جمود لاتا ہے،ترقی نہیں۔اس نے محسوس کیا کہ نوآبادیاتی معیشت بہت سست رفتار سے ترقی کرتی ہے۔کالونیوں میں صنعت کاری اس قدر سست ہے کہ اس کے مقامی دستکاری بنانے والے ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ریاستوں کی صنعتی پیداوار کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔چھوٹے کاروبار تباہ ہونے سے ان صنعتوں سے وابستہ افراد زراعت سے منسلک ہونے پر مجبور ہیں۔یہ مسئلہ صنعت کاری میں اضافہ اور زراعت میں پیداواری صلاحیت کو بڑھا کر حل کیا جا سکتا ہے۔لیکن نوآبادیاتی زمینداروں نے زمینی اصلاحات کی حمایت نہیں کی،اور میٹروپولیٹن کارخانہ داروں نے کالونیوں میں حفاظتی محصولات کی مخالفت کی،جس کے نتیجے میں کالونیوں میں صنعتی ترقی کو روکا گیا اور معیشتیں جمود کا شکار ہوئیں۔

سامراج پر مارکسی سوچ کا تیسرا مرحلہ سرد جنگ کے بعد کے سالوں میں ابھرا جب عالمگیریت نے زور پکڑا۔مائیکل ہارڈٹ (Michael Hardt)اور انتونیو نیگری(Antonio Negri) کی کتاب(Empire) کی اشاعت اور 2001 میں افغانستان اور 2003 میں عراق میں مغربی مداخلت نے سامراج کے مارکسی نظریے میں نشاۃ ثانیہ لایا ہے۔مارکسزم کے کلیدی تصورات پر تنقید اور ہارڈٹ اور نیگری کے طرف سے سامراج کے نظریہ سازی سے سیاسی عوامل اور ریاست کے اخراج نے عالمگیریت کے دور کے مارکسسٹوں ان تصوارات اور بھول

چوکوں پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور کر دیا۔ تین موضوعات —یعنی عالمگیریت، سلطنت/سامراجیت اور ریاست اور ریاستی نظام کا تجزیہ — عالمگیریت کے دور کے مارکسی نظریہ سازوں کو سامراج سے جوڑتے ہیں۔

ہارڈٹ اور نیگری کا خیال ہے کہ سلطنت کے ظہور کے ساتھ، رومن اور برطانوی سلطنتوں اور سامراج جیسی سلطنتوں کے سابقہ مظاہر تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں کیونکہ ان کی سلطنت ریاستی طاقت کے خاتمے کے ساتھ پروان چڑھی ہے۔ اپنی کتاب (Empire) میں، انہوں نے دلیل دی ہے کہ عالمگیریت اور ریاست کے درمیان انٹرفیس کو دیکھتے ہوئے "خود مختاری نے ایک نئی شکل اختیار کر لی ہے، جو کہ ایک ہی منطق کے تحت متحد ہو کر قومی اور غیر ملکی حیاتیات کی ایک سیریز پر مشتمل ہے"۔ 'خود مختاری کے غیر مرکزی اور غیر علاقائی نظریہ' میں طاقت کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہارڈٹ اور نیگری کا سلطنت کا اہم نظریہ ریاست سے محروم معاشرے کے مارکسی نظریہ کے قریب آتا ہے۔

8.4 نومارکسزم (Neo-Marxism)

حقیقت پسندی اور لبرل ازم کی طرح، مارکسزم بھی بین الاقوامی تعلقات کے لیے یک سنگی (monolithic) نقطہ نظر نہیں ہے۔ نو مارکسزم کی سُرخی کے تحت، اس عرصے کے دوران مارکسی بین الاقوامی تعلقات کے بہت سے حصے تیار ہوئے۔ ان میں قابل ذکر ہیں انحصاری اسکول (Dependency School)، تنقیدی نظریہ (Critical Theory) اور نو گرامشیانزم (Neo-Gramscianism)۔

8.4.1 انحصاری اسکول (Dependency School)

بین الاقوامی تعلقات کے انحصاری اسکول کے بنیادی نظریات کی جڑیں مارکسزم اور ساختیات میں ہیں۔ مارکسی مفکروں نے ترقی کے عمل میں ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ اور کم آمدنی والے پسماندہ ریاستوں کے درمیان تعلقات کا تجزیہ کرنے کے لیے انحصار کے تصور کا استعمال کیا ہے۔ نو لبرل ازم یہ مانتا ہے کہ ریاستوں کے درمیان بڑھتی ہوئی مصروفیت کے نتیجے میں، باہمی انحصار بڑھتا ہے۔ باہمی انحصار کے صورتحال میں ریاستوں کے مفادات آپس میں اس قدر جُڑے ہوئے ہیں کہ ایک ریاست دوسری ریاست کی قیمت پر ترقی نہیں کر سکتی۔ نو لبرل ازم کے برعکس، انحصاری اسکول کا استدلال ہے کہ تعاون جو ترقی یافتہ اور ترقی پُزیر ریاستوں کے درمیان باہمی طور پر فائدہ مند تعلقات استوار کرنے کی توقع کے ساتھ شروع ہوتا ہے بالآخر ترقی پُزیر ریاستوں کا ترقی یافتہ سرمائے سے مالامال ریاستوں پر انحصار قائم کرنے پر ختم ہوتا ہے۔

راؤل پریبِش (Raul Prebisch) نے انحصار کی تعریف "مرکز (centres، جدید سرمایہ دارانہ ریاستوں) اور دائرہ کار (periphery، ترقی پُزیر ریاستوں) کے درمیان تعلقات کے طور پر کی ہے جس کے تحت ایک ملک نہ صرف اقتصادی معاملات میں بلکہ سیاست کے معاملات میں اور ملکی اور حکمت عملی کے معاملات میں بھی مراکز میں کیے جانے والے فیصلوں کے تابع ہوتا ہے۔ انحصار کی تعریف کرتے ہوئے، جیمز اے کیپوراسو (James A. Caporaso) نے استدلال کیا ہے کہ انحصار میں کم ترقی یافتہ، کم یکساں معاشروں کو

محنت کی عالمی تقسیم میں شامل کرنے پر مرکوز تعلقات کا ایک پیچیدہ مجموعہ شامل ہے۔اپنے مضمون (The Structure of Dependence) میں تھیوٹونیو ڈوس سانتوس (Theotonio Dos Santos) نے انحصار کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے "ایک ایسی صورتحال جس میں بعض ممالک کی معیشت کسی دوسری معیشت کی ترقی اور توسیع سے مشروط ہوتی ہے جس کا سابقہ کو نشانہ بنایا جاتا ہے"۔ سانتوس کا خیال ہے کہ باہمی انحصار انحصار میں بدل جاتا ہے جب کچھ ممالک (غالب ممالک) توسیع کر سکتے ہیں اور خود کو برقرار رکھ سکتے ہیں، جبکہ دوسرے ممالک (انحصار والے) یہ صرف اس توسیع کی عکاسی کے طور پر کر سکتے ہیں جو ان کی فوری ترقی پر مثبت یا منفی اثر ڈال سکتا ہے۔

راؤل پریبشن ان ابتدائی ادیبوں میں سے تھے جنہوں نے اس بات کی نشاندہی کی کہ کس طرح غیر منصفانہ تجارت کی شرائط دوسروں کی پسماندگی کی قیمت پر کچھ ریاستوں کی ترقی کا باعث بن رہی ہے۔انحصار اسکول فرض کرتا ہے کہ عالمی معیشت کی ساخت بنیادی (core) اور دائرہ کار (periphery) پر مقیم ہے۔ کور میں مغربی یوروپ اور شمالی امریکہ کے اعلیٰ درجے کے سرمائے سے مالامال ریاستیں شامل ہیں جبکہ دائرہ کار میں لاطینی امریکہ ،ایشیا اور افریقہ کی پسماندہ ریاستیں شامل ہیں۔ لیبر کی بین الاقوامی تقسیم میں، کور سرمایہ اور جدید ٹیکنالوجی کو کنٹرول کرتا ہے۔ان ریاستوں میں پیداوار ایک سرمایہ دارانہ کوشش ہے اور جدید ٹیکنالوجی پر مبنی ہے۔ وہ انتہائی صنعتی ہیں اور عالمی معیشت میں سامان تیار کرتے ہیں۔اس کے برعکس، نوآبادیاتی دور کی نئی آزاد ریاستیں سرمائے سے محروم اور کم صنعتی ہیں۔ان کی معیشت بنیادی طور پر زراعت پر مبنی ہے۔ عالمی معیشت میں، پیریفیری ریاستیں سستی مزدوری اور خام مال کا ذریعہ ہیں اور بنیادی طور پر تیار کردہ اشیا کے لیے مارکیٹ فراہم کرتی ہیں۔ تجارت کی ناموافق شرائط (سستی مزدوری اور خام مال کی فراہمی اور اطراف کی ریاستوں کے ذریعے مہنگے تیار کردہ سامان کی درآمد) انحصار کی راہ ہموار کرتی ہے۔ سرمائے اور صنعت کاری کی عدم موجودگی میں، دائرہ کار ریاستیں سرمایہ، ٹیکنالوجی، خام مال کی برآمد، سستی مزدوری کی فراہمی اور تیار شدہ سامان کی درآمد کے لیے بنیادی ریاستوں پر منحصر ہو جاتا ہے۔اس طرح، ان ریاستوں کی پسماندگی ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ریاستوں کی ترقی کی پیشگی شرط بن جاتی ہے۔

ایمانوئل والرسٹین نے کور- پیریفیری ماڈل کو مزید تقویت دی ہے۔ عالمی نظام کے اپنے تجزیے میں انہوں نے عالمی معیشت کی ساخت کے تین حصے بیان کیے ہیں۔ کور اور پیریفیری کے درمیان، اس نے ایک اور ڈھانچہ شامل کیا ہے جسے نیم پیریفیری (semi-periphery) کہتے ہیں۔ نیم پیریفیری زمرہ یا تو پیریفیری کی ترقی پزیر ریاستوں یا کور کی زوال پزیر ریاستوں سے بنا ہے۔ یہ ریاستیں کور سے کم ترقی یافتہ ہیں لیکن دائرہ کار سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ عالمی نظام میں، نیم پیریفیری، کور اور پیریفیری کے درمیان ایک ربط ہے۔ نیم پیریفیری ریاستیں پیریفیری ریاستوں کا استحصال کرتی ہیں لیکن بنیادی ریاستوں کے ذریعہ استحصال کیا جاتا ہے۔

8.4.2 گرامشی اور نو گرامشیانزم (Gramsci and Neo-Gramscianism)

مارکسی نقطہ نظر میں گرامشین مکتب فکر کا نام اطالوی مفکر انٹونیو گرامشی کے نام پر رکھا گیا۔ وہ اٹلی کا ایک نامور مارکسی مفکر تھا جسے مسولینی نے قید کیا تھا۔ قید کے دوران انہوں نے جو مضامین لکھے وہ ان کی موت کے بعد (Prison Notebook) کے طور پر شائع ہوئے ہیں۔ان

مضامین میں گرامشی نے یہ بتانے کی کوشش کی کہ کیوں انقلاب روس جیسے زرعی معاشرے میں کامیاب ہوا نہ کہ ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ریاستوں میں جیسا کہ کارل مارکس نے پیشن گوئی کی تھی۔اس نے دیکھا کہ روس اور یوروپ کے حالات مختلف ہیں۔یوروپی ریاستوں میں سول سوسائٹی مضبوط تھی۔اس کے برعکس روس میں سول سوسائٹی کمزور تھی اور ریاست مضبوط تھی۔ان کے تجزیے میں مغربی یوروپ کی ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ریاستوں میں انقلاب کی ناکامی کی ذمہ دار سول سوسائٹی تھی۔ گرامشی نے ریاست کی متعلقہ خود مختاری پر زور دینے کے لیے آرتھوڈوکس مارکسزم سے علیحدگی اختیار کی۔ بورژوا طبقے کے غلبے کو بنیادی سطح کے معاشی عوامل کے ذریعے بیان کرنے کے بجائے،اس نے سُپر اسٹرکچر کی سطح پر کام کرنے والے سماجی اور ثقافتی عوامل کے ذریعے بورژوا طبقے کے تسلط کے استقامت کی وضاحت کی۔

بورژوا طبقے کے غلبے کی استقامت کی وضاحت کرنے کے لیے، گرامشی نے بالادستی/تسلط (hegemony) کا تصور تیار کیا۔اس کے تصور میں بالادستی رضامندی اور جبر کا مرکب ہے۔اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے بورژوا طبقہ ہمیشہ جبر پر انحصار نہیں کرتا۔اس کے بجائے اسے برقرار رکھنے کے لیے سول سوسائٹی کی رضامندی کافی ہے۔ریاست کے تصور کو وسیع کرتے ہوئے، گرامشی نے نشاندہی کی کہ ریاست (سُپر اسٹرکچر) سیاسی نظام اور سول سوسائٹی سے بنتی ہے۔ریاستوں کو سیاسی نظام اور سول سوسائٹی میں تقسیم کرکے، گرامشی نے ریاست کے دو ڈھانچے میں فرق کیا جنہیں بالترتیب جبر کا ڈھانچہ (structure of coercion) اور شرعی ڈھانچہ (structure of legitimation) کہا جاتا ہے۔شرعی ڈھانچہ جیسے خاندان،اسکول،ٹریڈ یونین،اور چرچ رضامندی سے تیار کرنے والے آلات ہیں۔ بورژوا طبقے کی بالادستی کا انحصار شرعی ڈھانچے کے موثر کام پر ہے۔شرعی ڈھانچہ طاقت کے استعمال کے بغیر غالب طبقے کے نظریے کو پرولتاریہ طبقے کے لیے قابل قبول بناتا ہے۔ گرامشی کے مطابق جبر کا ڈھانچہ ریاست کے انتظامی آلات، پولیس اور فوج پر مشتمل ہوتا ہے۔یہ غالب طبقے کی بالادستی کو برقرار رکھنے کے لیے طاقت کا استعمال کرتا ہے۔یہ تبھی عمل میں آتا ہے جب شرعی ڈھانچہ اپنا کردار ادا کرنے میں ناکام ہوتا ہے۔دوسرے لفظوں میں،ریاست طاقت کا استعمال صرف اسی وقت کرتی ہے جب لوگ غالب طبقے کے سماجی، ثقافتی اور سیاسی طریقوں، اصولوں اور اقدار سے بے اعتباری اور نافرمانی کرنے لگیں۔

ایک نو گرامشین نظریہ ساز، رابرٹ کاکس نے گرامشی کو عالمی سیاست سے متعارف کرایا۔ گرامشی کی تحریروں کے مطالعے کی بنیاد پر، کاکس نے عصری عالمی سیاست اور عالمی سماجی تحریکوں کے اہم مسائل کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔بالادستی کے گرامشین تصور کی بنیاد پر کاکس نے خیال ظاہر کیا کہ عالمی بالادستی نہ صرف ریاست کے درمیان ایک ترتیب ہے بلکہ عالمی معیشت میں بھی ایک ترتیب ہے۔بالادستی کو سیاسی ڈھانچہ، سماجی ڈھانچہ،اور اقتصادی ڈھانچہ کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔اس کا استدلال ہے کہ تین قوتیں—مادی صلاحیتیں، نظریات اور ادارے—بالادستی کی تشکیل، برقرار رکھنے اور زوال پزیر ہونے میں باہمی تعاون کرتے ہیں۔کاکس کے لیے، بالادستی ایک طاقتور ریاست میں سماجی قوتوں سے منسلک غلبہ یا طبقاتی حکمرانی کی ایک شکل ہے۔پیداوار کے بین الاقوامی ہونے کے ساتھ، سماجی قوتوں (طاقتور ریاست کی) کی بالادستی بین الاقوامی ہو جاتی ہے۔بالادستی اس وقت قائم ہوتا ہے جب دوسری ریاستیں تسلط پسند ریاست کے معاشی اور سماجی اداروں، ثقافت اور ٹیکنالوجی کو قبول کرتی ہے۔

بالادستی بین ریاست تنازعات کے ساتھ ساتھ عالمی سول سوسائٹی کے انتظام پر مبنی ہے۔ کاکس کے مطابق، بین الاقوامی تنظیمیں عالمی سول سوسائٹی میں ان نظریات اور ثقافت کے سماجی بنانے اور پھیلانے کا بنیادی آلہ کار ہیں۔ وہ طاقتور ریاست اور اس کے حکمراں طبقوں کے لیے بغیر کسی جبر کے اقدام کے عالمی نظام میں رضامندی اور جواز پیدا کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ کاکس کے مطابق، بالادست عالمی نظام کے لیے ایک چیلنج ریاستوں کے اندر سماجی نظام میں تبدیلی سے شروع ہونا چاہیے۔ ریاست کی سماجی، سیاسی اور اصولی بنیادوں میں ڈھانچہ جاتی تبدیلیوں اور ایک تاریخی بلاک کی بنیاد رکھ کر، ایک انسداد تسلط پسندانہ نظریہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو کاکس کا ماننا ہے کہ عالمی سول سوسائٹی کے عالمی نظام بالادستی کے ادارے بعض اوقات اپنا کردار موئثر طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ نتیجہ قانونی بحران ہے۔ اس صورتحال میں، انسدادِ تسلط پسندانہ وژن نہ صرف عالمی سول سوسائٹی میں بالادست عالمی نظام کی بنیادوں کو چیلنج کرتا ہے بلکہ بعد از بالادستی کے عالمی نظام کو برقرار رکھنے میں بھی مدد کرتا ہے۔

8.4.3 تنقیدی نظریہ (Critical Theory)

تنقیدی نظریہ کی اصطلاح میکس ہورکائمر (Max Horkheimer) نے وضع کی تھی جس نے مخصوص عملی مقصد کی بنیاد پر روایتی نظریہ سے فرق کیا تھا: "ایک نظریہ اس حد تک اہم ہے کہ یہ انسان کو غلامی سے نجات کے لیے تلاش کرتا ہے، تسلط سے آزادی کے لیے کام کرتا ہے، اور ایک ایسی دنیا بنانے کے لیے کام کرتا ہے جو انسانوں کی ضروریات اور طاقتوں کو پورا کرے"۔ تنقیدی نظریہ کوئی ایک نظریہ نہیں ہے، بلکہ نومارکسزم، فیمینزم، مابعد جدیدیت اور مابعد نوآبادیت جیسے نظریات کی ایک وسیع علاقہ اس کے وسیع دائرہ کار میں آتی ہے۔ یہ مختلف نظریات ہیگل، مارکس اور فوکو جیسے مختلف ذرائع سے متاثر ہوتے ہیں اور عالمی سیاست کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ توجہ اور مطالعہ کے موضوع میں ان کے مابین فرق کے باوجود ان نظریات میں دو وجوہں سے مشابہت پائی جاتی ہیں: (1) مابعد مثبت طریقہ کار کے لیے ان کی وابستگی، اور (2) بڑی حد تک، محکوم لوگوں اور/یا معاشرے کے طبقے کی تبدیلی اور نجات کے لیے ان کا عزم۔ تنقیدی نظریہ نگار علم حاصل کرنے کے لیے طریقہ کار کے طور پر مثبتیت پر شک کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ علم معروضی نہیں ہو سکتا۔ موضوع-شے کے اتحاد پر یقین رکھتے ہوئے، تنقیدی نظریہ یہ مانتا ہے کہ علم سماجی تناظر سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا، وہ دوبادی (binaries) میں اشیاء کو ترتیب دینے کے مثبتیت پسند کے طریقے پر تنقید کرتے ہیں جیسے حقائق بمقابلہ اقدار (Fact vs Value)، ہے بمقابلہ چاہیے (Is vs Ought) اور معروضی بمقابلہ موضوعی (Objective vs Subjective)۔ بین الاقوامی تعلقات کے عقلیت پسند نظریات کے برعکس، تنقیدی نظریہ اخراج، تشدد اور محکومیت کے ذرائع کی تفتیش کرتا ہے اور اس طرح کے تسلط کی مزاحمت کے لیے انقلابی حکمت عملی وضع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے، تنقیدی نظریہ نگار مابعد مثبتیت کے طریقوں کا استعمال کرتے ہیں جو سماجی سیاق وسباق اور سماجی زندگی کے معیاری پہلو کو مد نظر رکھتے ہیں۔

مارکسزم کے تناظر میں، تنقیدی نظریہ دو سلسلوں میں تیار ہوا: پہلا فرینکفرٹ اسکول آف مارکسزم، خاص طور پر جرجین ہیبرماس (Jurgen Habermas) کی طرف سے نمائندگی کرتا ہے جبکہ دوسرا اطالوی کارکن اور نظریہ دان انتونیو گرامشی۔ فرینکفرٹ اسکول 1932 میں

گوئٹے یونیورسٹی (Goethe University)، فرینکفرٹ، جرمنی میں انسٹی ٹیوٹ فار سوشل ریسرچ (Institute for Social Research) کے طور پر مارکسزم کا مطالعہ کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ جب جرمنی میں نازی پارٹیاں برسراقتدار آئی تو انسٹی ٹیوٹ کو مجبوراً جرمنی سے پیرس منتقل کیا گیا۔ جب جرمنی نے فرانس پر حملہ کیا تو آخر کار یہ ادارہ 1935 میں نیویارک شہر میں کولمبیا یونیورسٹی منتقل ہو گیا۔ میکس ہورکائمر کے مضمون، روایتی اور تنقیدی تھیوری، کو اسکول کا ایجنڈا ترتیب دینے والا کام سمجھا جاتا تھا۔ اس مضمون میں، اس نے استدلال کیا کہ روایتی نظریات موجودہ سماجی اداروں کو کم و بیش اس طرح بیان کرنے کے لیے مواد ہیں جیسا کہ وہ ہیں، اور اس طرح ان کے تجزیوں کا بالواسطہ طور پر جابرانہ اور غیر منصفانہ سماجی طریقوں کو فطری یا مقصد کے طور پر جائز قرار دینے کا اثر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس، بڑے تاریخی اور سماجی تناظر کے بارے میں اس کی تفصیلی تفہیم کے ذریعے جس میں یہ ادارے کام کرتے ہیں، تنقیدی نظریہ نظام کے جواز، انصاف اور سچائی کے جھوٹے دعووں کو بے نقاب کرے گا۔

جرجین ہیبرماس فرینکفرٹ اسکول کے دوسری نسل کے مفکرین میں سب سے زیادہ بااثر فلسفی رہے ہیں۔ اس کے خیالات بین الاقوامی تعلقات کے تنقیدی نظریہ کی ترقی کے دیرپا اثرات رکھتے ہیں۔ ان کا نظریہ ابلاغی عمل اور گفتگو کی اخلاقیات بین الاقوامی تنقیدی نقطہ نظر میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہیبرماس نے تنقید کی کہ مثبتیت پسندی کے ذریعے حاصل کردہ شے سماجی کنٹرول کا مقصد پورا کرتا ہے، جبکہ علم کا اصل مقصد انسانی آزادی ہونا چاہیے۔ انہوں نے کارل مارکس پر تنقید کی کہ وہ پرولتاریہ میں طبقاتی شعور کو فروغ دینے اور دوسرے طبقوں کے ساتھ اس کے تعلق کو سمجھنے میں ابلاغ کی اہمیت کو نظر انداز کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے، اس نے مواصلاتی عمل کا ایک نظریہ تیار کیا جو بین الاقوامی تعلقات کے فرینکفرٹ اسکول کی بنیاد بنا۔ مواصلات، جس کا مطلب ہے "زبان کا استعمال اور علامتوں کی ہیرا پھیری" اجتماعی سیکھنے اور بین الوجود علم کی تعمیر میں سہولت فراہم کرتا ہے۔

اینڈریو لنک لیٹر (Andrew Linklater) اور مارک ہوف مین (Mark Hoffman) دو سرکردہ شخصیات ہیں، جنہوں نے فرینکفرٹ اسکول کے نظریات اور تصورات پر مبنی بین الاقوامی تعلقات کا تنقیدی نظریہ تیار کیا ہے۔ لنک لیٹر نے دنیا کی سیاست میں مختلف نقطہ نظر کو فروغ دینے اور نئے تحقیقی ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے ہیبرماس کے نظریہ ابلاغی عمل (communicative action) اور گفتگو کی اخلاقیات (discourse ethics) کا استعمال کیا۔ ان تصورات کا استعمال کرتے ہوئے، اس نے سرحدوں کے اس پار شہریوں کے درمیان بات چیت شروع کرنے کی کوشش کی تاکہ ان حالات کو سمجھ سکیں جن کے تحت عالمی انصاف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس نے تنقیدی نظریہ کے تین بنیادی افعال کی نشاندہی کی ہے۔ سب سے پہلے، آزادی اور آفاقیت جیسے تصورات کی بنیاد پر، اسے ایک متبادل عالمی نظام بنانا چاہیے۔ دوسرا، تنقیدی نظریہ کو ایسے متبادل عالمی نظام کی ترقی کی راہ میں اہم رکاوٹوں کی نشاندہی کرنی چاہیے۔ تیسرا، ایک نیا عالمی نظام تیار کرنے کے لیے، تنقیدی نظریہ کو ایک 'آزادی کی مشق' کے نظریے کے لیے کام کرنا چاہیے۔ وہ زور دے کر کہتا ہے کہ تنقیدی نظریہ کے اس مقصد کو نہ تو حقیقت پسندی کا مثبت طریقہ کار اور نہ ہی مارکسزم کا معاشی عزم ہی پورا کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ مارکسزم اور حقیقت پسندی سے آگے بڑھنے کے حق میں دلیل دیتا ہے۔

لنک لیٹر کی تحریروں میں آزادی ایک کلیدی موضوع ہے۔ وہ تحقیق کرتا ہے کہ کس طرح اور کس حد تک ریاست اور ریاستی نظام انسانی آزادی کے امکانات کو سہولت فراہم کرتا ہے یا اس سے انکار کرتا ہے۔ ان کے مطابق، ریاست سیاسی برادری کی ایک خارجی (exclusionary) اور شمولیتی (inclusionary) شکل ہے۔ یہ شمولیتی ہے کیونکہ ہر شہری کو مساوی مالیت دے کر یہ ہر شہری کو مساوی حقوق فراہم کرتا ہے۔ وہیں، یہ خارجی بھی ہے کیونکہ یہ غیر ملکیوں اور باہری لوگوں کے لیے مساوی قدر سے انکار کرتا ہے۔ تنقیدی نظریہ سیاسی برادری کی ایک نئی شکل کے امکانات کی چھان بین کرتا ہے جس میں افراد اور گروہ، آزادی اور مساوات کی اعلیٰ سطحیں حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ ایک اچھے معاشرے کی نئی شکل میں بحث و مباحثے کے لیے متعدد عوامی شعبوں کی ضرورت پر بھی زور دیتے ہیں۔

لنک لیٹر نے بین الاقوامی تعلقات کے ایک تنقیدی نظریہ کی چار کامیابیوں کی نشاندہی کی ہے۔ سب سے پہلے، تنقیدی نظریہ ثبتیت کے طریقہ کار اور اس کے مفروضے کے بارے میں گہرا مشکوک ہے کہ علم سماجی تناظر میں واقع نہیں ہے۔ تنقیدی نظریہ نگار محققین کو علم حاصل کرنے کے لیے تشریحی، تاریخی اور بین الذہنی (intersubjective) تکنیکوں کو استعمال کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ دوسرا، بین الاقوامی تعلقات کے عقلیت پسند نظریات کے برعکس، تنقیدی نظریہ کا خیال ہے کہ ڈھانچہ قابل تغیر ہے۔ اس میں الزام لگایا گیا ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ڈھانچہ غیر تبدیل شدہ ہے وہ جمود کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور عالمی سیاست میں دولت اور طاقت کے تفاوت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ تیسرا، تنقیدی نظریہ مارکسزم میں موجود کمزوریوں سے سیکھتا ہے اور ان پر قابو پاتا ہے۔ اخراج کی بنیاد معلوم کرنے کے لیے، تنقیدی نظریہ طبقے کے مارکسی تصور سے بالاتر ہے۔ وہ ریاست کو اخراج کی بنیاد بھی مانتے ہیں۔ چوتھا، عقلیت پسند نظریات کے برعکس جو ریاست کی صلاحیت کو مادی صلاحیت (معاشی اور عسکری طاقت) کے لحاظ سے پرکھتے ہیں، تنقیدی نظریہ ایک سماجی انتظام کو دوسرے تمام لوگوں کے ساتھ کھلے مکالمے کو اپنانے کی صلاحیت کے اعتبار سے جج کرتا ہے۔ تنقیدی نظریہ کی پہلی دو کامیابیاں بین الاقوامی تعلقات کے عقلیت پسندانہ نقطہ نظر کو چیلنج کرنے کے لیے مارکسسٹ آلہ اور نظریات کے استعمال پر مبنی ہے جبکہ آخری دو مارکسزم کی تنقید پر تنقیدی نظریہ کو عالمی سیاست کے ایک مناسب نظریہ کے طور پر تیار کرنے پر مبنی ہے۔

8.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- بین الاقوامی تعلقات کے لیے مارکسی نقطہ نظر کے بنیادی مفروضوں کے بارے میں جانا۔
- مارکسی نقطہ نظر کے ارتقاء کی معلومات حاصل کیا۔
- مارکسزم اور سامراجیات سے واقف ہوئے۔
- نومارکسزم سے بھی رُوبرو ہوئے۔
- مارکسزم کے تنقیدی نظریہ کی بھی معلومات حاصل کیے۔

8.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

پیداواری تعلقات(Relations of production)

"پیداوار کے تعلقات" سے مراد سماجی تعلقات کا مجموعہ ہے جن میں لوگوں کو زندہ رہنے، پیدا کرنے اور اپنی زندگی کے ذرائع کو دوبارہ پیدا کرنے کے لیے داخل ہونا چاہیے۔

پیداوار کے ذرائع(Means of production)

معاشیات میں، پیداوار کے ذرائع ایک اصطلاح ہے جو زمین، محنت اور سرمائے کی وضاحت کرتی ہے جو مصنوعات (جیسے سامان یا خدمات) پیدا کرنے کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے۔

بورژوازی(Bourgeoisie)

بورژوازی کاروباری مالکان اور تاجروں کا ایک طبقہ ہے جو قرون وسطی کے آخر میں، اصل میں کسانوں اور اشرافیہ کے درمیان ایک "متوسط طبقے" کے طور پر ابھرا۔

پرولتاریہ(Proletariat)

پرولتاریہ اجرت کمانے والوں کا سماجی طبقہ ہے، معاشرے کے وہ افراد جن کی اہم اقتصادی قدر کا واحد قبضہ ان کی محنت کی طاقت (کام کرنے کی صلاحیت) ہے۔

تاریخی مادیت(Historical materialism)

تاریخی واقعات کی حتمی وجہ اور متحرک طاقت معاشرے کی معاشی ترقی اور پیداوار کے طریقہ کار میں تبدیلیوں سے پیدا ہونے والی سماجی اور سیاسی تبدیلیوں میں پائی جاتی ہے۔

بالادستی/تسلط(Hegemony)

تسلط ایک ریاست کی دوسری ریاستوں پر سیاسی، اقتصادی اور فوجی برتری ہے۔ تسلط علاقائی یا عالمی ہو سکتا ہے۔

بنیادی(Core)

کور میں بڑی عالمی طاقتیں اور وہ ممالک شامل ہیں جن میں کرہ ارض کی زیادہ تر دولت موجود ہے۔

دائرہ کار(Periphery)

اس دائرے میں وہ ممالک ہیں جو عالمی دولت اور عالمگیریت کے ثمرات نہیں اٹھا رہے ہیں۔

ثبتیت(Positivism)

یہ نظریہ کہ قوانین اوران کا عمل کسی بھی اخلاقی تحفظات کے بجائے اتھارٹی کے ذریعہ نافذ ہونے یا موجودہ فیصلوں سے منطقی طور پر اخذ کرنے کی حقیقت سے توثیق حاصل کرتا ہے۔

8.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

8.7.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ بین الاقوامی تعلقات میں مارکسزم کا مرکزی مرکز کیا ہے؟

(a) ریاستی خود مختاری (b) انسانی حقوق (c) طبقاتی جدوجہد (d) ثقافتی تنوع

2۔ کس مارکسی مفکر نے "سامراجیت کو سرمایہ داری کے اعلی ترین مرحلے کے طور پر" کا تصور پیش کیا؟

(a) کارل مارکس (b) ولادیمیر لینن (c) فریڈرک اینگلز (d) انتونیو گرامسکی

3۔ مارکسی نظریہ کے مطابق معاشرے میں غالب طبقہ کس چیز کو کنٹرول کرتا ہے؟

(a) نظریہ (b) نسلی تنوع (c) مذہبی ادارے (d) تکنیکی ترقی

4۔ مارکسزم کی کون سی شکل سرمایہ دارانہ بالادستی کو برقرار رکھنے میں ثقافت، نظریات اور اصولوں کے کردار پر زور دیتی ہے؟

(a) نومارکسزم (b) ساختی مارکسزم (c) آرتھوڈوکس مارکسزم (d) انارکسٹ مارکسزم

5۔ گرامشین مارکسزم اپنے تصور کے لیے جانا جاتا ہے:

(a) پرولتاری انقلاب (b) مستقل انقلاب (c) ثقافتی بالادستی (d) بے ریاست معاشرہ

6۔ انحصاری تھیوری کے مطابق، گلوبل ساؤتھ میں پسماندگی بنیادی طور پر اس کی وجہ سے ہے:

(a) قدرتی وسائل کی کمی (b) آمرانہ حکومتیں

(c) عالمی شمال کے ساتھ استحصالی معاشی تعلقات (d) ناکافی غیر ملکی امداد

7۔ کون سا مارکسی قسم یہ بتاتا ہے کہ ریاست سرمایہ دار طبقے کا آلہ کار ہے اور ان کے مفادات کو پورا کرتی ہے؟

(a) لبرل مارکسزم (b) پوسٹ مارکسزم (c) ساختی مارکسزم (d) آلہ کار مارکسزم

8۔ بین الاقوامی تعلقات میں روایتی مارکسزم کی ایک تنقید اس کی نظر اندازی ہے:

(a) اقتصادی عوامل (b) طبقاتی جدوجہد (c) غیر ریاستی اداکار (d) قوم پرستی

9۔مارکسزم سے متاثر ورلڈ سسٹمز تھیوری کس چیز پر فوکس کرتی ہے؟

(a) صرف قومی ریاستوں کے درمیان تعامل (b) عالمی اقتصادی تعلقات کا درجہ بندی کا ڈھانچہ

(c) مذہبی تنازعات (d) دوطرفہ تجارتی معاہدے

10۔کون سا مارکسی متغیر خود بخود، وکندریقرت انقلاب کے ذریعے سرمایہ داری کے خاتمے کی وکالت کرتا ہے؟

(a) انارکسٹ مارکسزم (b) ایکو مارکسزم

(c) ساختی مارکسزم (d) مابعد نو آبادیاتی مارکسزم

8.7.2۔مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات میں مارکسزم کے بنیادی اصول اور مفروضوں کی وضاحت کریں۔
2. مارکسی نظریہ نگار کے ذریعے سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کا تجزیہ پیش کریں۔
3. نو مارکسزم اور اس کے مختلف تغیرات پر بحث کریں۔
4. تنقیدی مارکسزم سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ مفصل بیان کریں۔
5. بین الاقوامی تعلقات میں مارکسی نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ لیں۔

8.7.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. گرامشی اور نو گرامشیازم پر روشنی ڈالیے۔
2. مارکسزم اور سامراجیات پر ایک نوٹ لکھئے۔
3. انحصار اسکول پر مضمون لکھئے۔

8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. Anievas, Alexander. (2010). Marxism and World Politics. London. Routledge.
2. Bieler, Andreas and Adam David Morton. (2004). A Critical Theory Route to Hegemony, World Order and Historical Change: Neo-Gramscian Perspectives in International Relations. Capital & Class. 28(1): 85-113.
3. Cox, Robert W. (1981). Social Forces, States and World Orders: Beyond International Relations Theory. Millennium. 10 (2): 126-155.
4. Cox, Robert W. and Timothy Sinclair. (1996). Approaches to World Order. Cambridge. Cambridge University Press.
5. Hardt, Michael and Antonio Negri. (2000). Empire. Cambridge. Harvard University Press.

6. Jones, Richard Wyn. (2001). Critical Theory and World Politics. London. Lynne Rienner Publishers.Rienner Publishers.
7. Kublkov, Vendulka and A. A. Cruickshank. (2016). Marxism-Leninism and Theory of International Relations. London. Routledge.
8. Linklater, Andrew. (2007). Critical Theory and World Politics: Citizenship, Sovereignty and Humanity. New York. Routledge.
9. Namkoong, Young. (1999). Dependency Theory: Concepts, Classifications, and Criticisms. International Area Studies Review. 2 (1): 121-150.
10. Noonan, Murray. (2017). Marxist Theories of Imperialism: A History. London. I.B.Tauris & Co. Ltd.
11. Stephen, Gill. (1993). Gramsci, Historical Materialism and International Relations. Cambridge. Cambridge University Press

اکائی 9۔ طاقت: معنی، عناصر اور تحدیدات

(Power: Meaning, Elements and Limitations)

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 طاقت کے معنی اور مفہوم

9.3 طاقت کی تعریف

9.4 طاقت کی قسمیں

9.5 طاقت کے اہم عناصر

9.6 قومی طاقت کی تحدیدات

9.7 اکتسابی نتائج

9.8 کلیدی الفاظ

9.9 نمونہ امتحانی سوالات

9.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

9.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

9.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

9.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء! بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کا تصور ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ مختلف دانشوروں نے بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کو اقتدار کے لئے جدوجہد کہا جاتا ہے۔ لیکن طاقت ایک بہت پیچیدہ اور کثیر جہتی عمل ہے، لہٰذا اسے کسی ایک عنصر پر مبنی سمجھنا غیر منصفانہ ہوگا۔ اسے مکمل طور پر سمجھنے کے لئے اس کے تعین کرنے والے عنصر اور افادیت کو سمجھنا زیادہ ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھنا کہ اس کے اثر انداز کرنے والے عناصر کون کون سے ہیں اور ان کا کن مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے، ان سبھی کو سمجھنے کے لئے طاقت اور اس کی تحدیدات کو سمجھنا لازمی ہے۔ آج پوری دنیا کی سیاست دراصل طاقت کی سیاست ہے۔ انسان ایک غور و فکر کرنے والی مخلوق ہے۔ لیکن تمام انسانوں کے خیالات ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں۔ رائے کا تنوع انسانی معاشرے کی خصوصیت ہے۔ ہر انسان دوسرے انسانوں کو اپنے جیسا رائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کوشش کو کامیاب بنانے کے لئے وہ طاقت کا استعمال کرتا ہے۔ اس سے متعلق بیر اسٹریٹ (Bier street) کا خیال ہے کہ طاقت معاشرے کے بنیادی نظام کا سہارا ہے۔ مارگنتھاؤ کے مطابق ''طاقت وہ صلاحیت ہے جس کی بنیاد پر ایک شخص دوسرے ملکوں کے اعمال، رویوں اور پالیسیوں پر اثر انداز ہونے اور کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک ملک کی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے ملکوں کو اس کے خواہش کے مطابق کچھ کرنے پر آمادہ کرے''

9.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ،

- طاقت کے معنی اور مفہوم کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔
- طاقت کی مختلف قسموں کو سمجھیں گے۔
- طاقت کے مختلف عناصر کو جانیں گے۔
- طاقت کی تحدیدات پر بحث کو سمجھیں گے۔

9.2 طاقت کے معنی اور مفہوم (Meaning of Power)

عام طور سے طاقت کا مطلب صلاحیت یا قابلیت سے ہے۔ اس کا مطلب اثر ورسوخ سے بھی ہے۔ رابرٹ ڈیل اور لاس ویل نے طاقت کو اثر و رسوخ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ کوٹلیا نے طاقت لفظ کا استعمال قوت کے استعمال میں کیا ہے۔ طاقت کسی انسان کی ایسی صلاحیت ہے جس کے ذریعے سے وہ کسی دیگر انسان پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کسی ملک کی وہ قوت ہے جس کے ذریعے دوسرا ملک اپنی مرضی کے مطابق دیگر ممالک کے طرز عمل یا رویہ کو کنٹرول کرتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین نے طاقت کو کسی ملک کا

مرکزی نقطہ تسلیم کیا ہے جس کے گرد اس کی خارجہ پالیسی کے مختلف پہلو گردش کرتے ہیں۔ مارگنتھاؤ کے مطابق "طاقت وہ قوت ہے جس کی بنیاد پر ایک ملک دوسرے ملک کے اعمال، رویہ اور پالیسیوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ ممالک کی وہ طاقت ہے کہ دوسرے ملکوں کو اس کی خواہش کے مطابق کچھ کرنے پر آمادہ کرے" اسی طرح تاریخی نظریہ سازوں نے طاقت کو ایک مقصد، ایک اثر و رسوخ، سلامتی اور صلاحیت کے طور پر تصور کیا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کا تصور مختلف مفہوم میں لیا جاتا ہے۔ چونکہ دوسروں کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت اکثر بعض وسائل کے قبضہ سے وابستہ ہوتی ہے۔ سیاسی رہنما عام طور پر طاقت کو بعض اہم وسائل کے قبضہ کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ ان وسائل میں فوجی قوتیں، سیاسی استحکام، معاشی حجم، آبادی، قدرتی وسائل اور دیگر شامل ہیں۔ اس تعریف کی خوبی یہ ہے کہ یہ طاقت کو اس سے کہیں زیادہ سخت، قابل پیمائش اور پیش گوئی کے قابل بناتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جہاں سیاست ہے وہاں طاقت ہے۔ اس لئے یہ کوئی کی بات تعجب نہیں ہے کہ عالمی سیاست کے مطالعہ کے لئے طاقت کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

9.3 طاقت کی تعریف (Definitions of Power)

طاقت کی تعریف مختلف دانشوروں نے مختلف طرح سے کی ہے۔ کچھ دانشور اسے قوت کے استعمال سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ بہت سے دانشور طاقت کو ایک مقصد صلاحیت، ایک اثر رسوخ، سلامتی اور صلاحیت کے طور پر تصور کرتے ہیں۔ مختلف دانشور نے مختلف طرح سے طاقت کی تعریف کی جو مندرجہ ذیل ہیں:

- رابرٹ بیئر سٹیڈ کے مطابق "طاقت زبردستی کرنے کی صلاحیت ہے نہ کہ اُس کا حقیقی استعمال ہے۔"
- رابرٹ ڈال (DAHL) کے مطابق "طاقت کو ایک اثر رسوخ کی ایک خاص شکل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس طرح طاقت حاصل کرنے والے کو نافرمانی کی وجہ سے بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔"
- مارگینتھاؤ کے مطابق "طاقت وہ قوت ہے جس کی بنیاد پر ایک ملک دوسرے ملک کے اعمال، رویہ اور پالیسیوں پر اثر انداز ہونے اور کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ملک کی وہ قوت ہے جس کی قابلیت پر وہ دوسرے ملکوں کو اس کی خواہش کے مطابق کچھ کرنے پر آمادہ کرے۔"
- آرگنسکی کے مطابق "طاقت کسی کے مفادات کے حق میں دوسرے ملکوں کے طرز عمل کو متاثر کرنے کی صلاحیت ہے۔ جب تک کوئی قوم یہ نہیں کرسکتی چاہے وہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو، کتنی خوشحال کیوں نہ ہو، اُسے طاقتور نہیں کہا جاسکتا ہے۔"
- کپلن کے مطابق "طاقت منظم عمل کے ذریعہ کسی چیز کو پورا کرنے کی صلاحیت ہے۔"
- کلازوز (Clausewitz) کے مطابق "طاقت کا اظہار جنگوں میں ہوتا ہے جس میں دشمن کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"
- کوئنسی رائٹ کے مطابق "طاقت صلاحیت حاصل کرنے اور اس میں اضافہ کرنے کا ایک طریقہ ہے تاکہ قومی ریاستیں بین الاقوامی نظام میں آزاد اداکاروں کے طور پر کام کرسکیں۔"

- میک آور کے مطابق ''طاقت 'لوگوں کے رویہ کو کنڑول 'ان کو منظم کرنے اور ان کو ہدایت دینے کی صلاحیت ہے۔''
- شوارزن برگر کے مطابق ''طاقت سے مراد اپنی مرضی کا دوسروں پر مسلط کرنے کی صلاحیت ہے۔''
- رابرٹ ڈال (DAHL) کے مطابق ''طاقت کو اثر رسوخ کی ایک خاص شکل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس شکل میں طاقت حاصل کرنے والے کو نافرمانی کی وجہ سے بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔''
- ہارٹ مین کے مطابق ''طاقت سے مراد ہے کہ کوئی بھی ملک کتنا مضبوط یا کمزور ہے یا اپنے قومی مفاد کو پورا کرنے کے حوالے سے کتنی صلاحیت رکھتا ہے۔''
- ہابز کے مطابق ''طاقت مستقبل میں کچھ مقصد حاصل کرنے کا ایک موجودہ ذریعہ ہے۔''

مندرجہ بالا تعریفوں کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی ملک کی طاقت وہ اثر ہے جو دوسرے ملک پر اثر انداز ہو سکتا ہے، لہٰذا، اپنے ارادوں کے مطابق ایک ملک جس حد تک دوسروں کو اثر انداز کرتا ہے وہی اس کی طاقت ہے۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ طاقت ایک ملک کے ذریعہ دوسرے ملک کو اثر انداز کرنے کی صلاحیت ہے لیکن اس صلاحیت کے پیچھے ایک تعزیری طاقت بھی ہوتی ہے۔اس طاقت کے متاثر ہونے کے خوف سے تعزیرات یا پابندیاں لگانے کی صلاحیت کے بغیر ایک ملک اسے دوسرے ملک پر مسلط نہیں کر سکتی ہے۔

9.4 طاقت کی قسمیں (Kinds of Power)

طاقت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

طبعی یا فوجی طاقت (Physical or Military Power)

طبعی یا فوجی طاقت کسی ملک کی ظاہری طاقت ہوتی ہے۔ فوجی طاقت کی وجہ سے ایک ملک دوسرے ملک سے مضبوط کہلاتا ہے۔ دنیا میں جو ملک جتنا فوجی لحاظ سے طاقتور ہوتا ہے اسے عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جس ملک کی فوجی طاقت زیادہ ہوتی ہے اُس سے لوگ ڈرتے ہیں اور خوف کھاتے ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ امریکہ اپنی فوجی طاقت کو بڑھانے کے لئے سب سے زیادہ پیسہ خرچ کرتا ہے۔اس کے جدید ہتھیاروں کے ساتھ کروز میزائیل، بیلسٹک میزائیل، طیارہ بردار، بحری جہاز موجود ہیں جو فضا سے ہوائی حملہ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اپنے ہتھیاروں اور مضبوط بحری بیڑے کی وجہ سے یہ دنیا کی سب سے طاقتور بحریہ ہے۔ امریکہ دنیا کا سب سے زیادہ تربیت یافتہ فوجیوں کی ایک بڑی فوج ہے جو پوری طاقت سے حملہ کرنے پر کسی بھی ملک کو تھوڑے ہی عرصہ میں تباہ کر سکتی ہے۔ دوسرے نمبر پر روس کی فوجی طاقت ہے۔ سویت یونین کے انتشار کے تقریباً دو دہائیوں بعد اس ملک نے اپنی فوجی طاقت کو ایک بار پھر مضبوط کیا ہے۔ روس نے اپنے فوجی بجٹ میں 44% سے زیادہ اضافہ کیا ہے اور اپنے کل جی ڈی پی کا 5.4 فیصد فوجی طاقت پر خرچ کرتا ہے۔ یہ دونوں ملک دنیا کے زیادہ تر ملکوں کو ہتھیار فروخت کرتے ہیں۔ ان کی فوجی طاقت کی وجہ سے دوسرے ملک ان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ چین کی فوجی

طاقت دنیا کے تیسرے نمبر پر ہے۔ چین کا فوجی بجٹ 126 بلین ڈالر کے قریب ہے۔ چین کی M13 میزائیل اور F-35 لڑاکو طیارہ دنیا میں مشہور ہے۔ چین اپنی جی ڈی پی کا 1.9 فیصد بجٹ فوجی طاقت کو مضبوط کرنے پر خرچ کرتا ہے۔ بھارت آج دنیا کی پانچ بڑی فوجی طاقتوں میں شمار ہوتا ہے۔ بھارت دنیا کا سب سے بڑا اسلحہ درآمد کرنے والا ملک ہے۔ اس میدان میں بھارت نے چین اور پاکستان کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ بھارت کے دفاعی بجٹ میں بھی کافی اضافہ ہوا ہے۔ آج بھارت اپنی فوجی طاقت پر سب سے زیادہ رقم خرچ کرتا ہے۔ آج جوہری طاقت کی دوڑ میں سبھی ممالک شامل ہونا چاہتے ہیں اور اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ عالمی سیاست میں اپنی حصہ داری بتا سکیں۔ کسی بھی ملک کی سلامتی اس ملک کے قومی مفاد کا سب سے اہم حصہ ہوتا ہے، اس لئے فوجی طاقت کا ہونا ہر ملک کا اولین فرض ہے۔

نفسیاتی طاقت (Psychological Power)

چارلس شلیچر نے لکھا ہے کہ ''نفسیاتی طاقت علامتی اشاروں پر مشتمل ہوتی ہے جو کسی بھی افراد کے ذہنوں اور جذبات کو متاثر کرتی ہے۔ یہ پروپگنڈہ میڈیا کے ذریعہ لوگوں کو کنڑول کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس طاقت کو بہت ہوشیاری سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طاقت کے ذریعہ دوسروں کو متاثر کرنا ہوتا ہے'' بین الاقوامی سیاست میں بڑی ہوشیاری سے نفسیاتی طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عرب۔ اسرائیل جنگ کے دوران اسرائیل نے بڑی ہوشیاری سے یہ اعلان کیا کہ اس کے پاس کچھ جوہری ہتھیار ہیں۔ حقیقت میں ایسی خبر پھیلانے کے پیچھے کا مقصد عرب ملکوں کے اعتماد کو کمزور کرنا تھا۔ بہت سے ممالک اپنے قومی حوصلے کو بلند کرنے اور دشمن پر اپنی نفسیاتی طاقت یا خوف ڈالنے کے لئے مختلف قومی مواقع پر اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ یوم جمہوریہ کے موقع پر بھارت مختلف ٹینکوں اور مخصوص ہتھیاروں کی نمائش کرتا ہے جس کا مقصد پڑوسی ملک کو یہ دکھانا ہوتا ہے کہ اب بھارت فوجی اعتبار سے بہت زیادہ طاقتور ہے تاکہ عوام اور دشمن ممالک ہندوستان کی فوجی تیاریوں سے باخبر رہے اور دشمن ملک یہ نہ سمجھے کہ بھارت فوجی اعتبار سے کسی بھی طرح سے کمزور ہے۔ ملک کی عوام پر اپنا مؤثر کنڑول قائم کرنے کے لئے کئی دفعہ سرکاری میڈیا کی مدد حاصل کرتی ہے۔ اپنی نفسیاتی اثر میں اضافہ کے لئے مختلف مملک ہر روز مخصوص ریڈیو نشر کرتے ہیں۔ ریڈیو پیکنگ ہر روز ہندی میں خبر نشر کرتی رہتی ہے۔ بی بی سی اور وائس آف امریکہ مختلف غیر ملکی زبانوں میں نشر کرتے ہیں۔ ان نشریات کا مقصد دشمن کو کمزور بنانا اور ان کے اعتماد کو کمزور کرنا اور دشمن یا مخالف ملک میں غیر منظم یا افراتفری پھیلا کر اپنے مقاصد کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔

معاشی طاقت (Economic Power)

طاقت کا عملی شکل معاشی ہوتا ہے۔ کسی ملک کی معاشی طاقت اس ملک کے لئے ایک بہتر سرمایہ ہوتی ہے۔ طاقت خود بخود معاشی ذرائع سے متاثر ہونے لگتی ہے۔ معاشی طاقت سے مراد ہے اپنی ضرورتوں کے اطمینان اور معاشی چیزوں اور خدمات سے مکمل ہونا۔ معاشی طاقت معاشی طور پر غریب اور کمزور ملکوں کے فرائض، رویوں کو اثر انداز کرنے کا موثر ذریعہ ہے۔ معاشی طور پر طاقتور ملک غریب ملک کو اثر انداز کرتی ہے۔ آج بہت سے ممالک معاشی طور پر دوسرے ملکوں پر منحصر ہیں۔ دوسرے ملکوں کو معاشی امداد فراہم کرنے کا مقصد ان کو یقینی بنانا ہے کہ وہ ملک

اپنے دائرے میں رہیں۔ بہت سے ممالک دوسرے ممالک کے معاشی دباؤ کی وجہ سے اپنی کرنسیوں کی قدر میں کمی کرتی ہیں۔ تجارت پر انحصار بھی معاشی دباؤ کی ایک وجہ ہے۔آج دنیا میں امریکہ کا مقام سب سے اہم ہے کیونکہ امریکہ دنیا کا سب سے طاقتور فوجی اور معاشی طاقت والا ملک ہے۔اس وجہ سے یہ دنیا پر اپنی حکمرانی کر رہا ہے۔ معاشی طاقت رکھنے والا ملک دوسرے ملک پر حکمرانی کرتا ہے۔مادی خوشحالی اور بہتر ٹکنالوجی معاشی طاقت میں اضافہ کرتی ہے۔ پامر اور پارکنس کے مطابق ''معاشی طاقت' فوجی طاقت سے علیحدہ نہیں کی جاسکتی، کیونکہ یہ اس کے اہم عناصر میں سے ایک ہے۔آج کی جنگی حالات میں یہ کہنا کہ معاشی طاقت ہی فوجی طاقت ہے کوئی مبالغہ نہیں ہے''

9.5 طاقت کے اہم عنصر (Elements of Power)

طاقت کے مختلف عناصر ہیں۔ان عناصر کو بعض اوقات طاقت کے تعین کرنے والے عوامل بھی کہا جاتا ہے۔ طاقت کے اہم عناصر مندرجہ ذیل ہیں۔

جغرافیہ (Geography)

جغرافیہ' طاقت کا ایک اہم عنصر ہے۔ یہ ملک کی طاقت میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ طاقت کے عناصر میں جغرافیہ ایک مستحکم' مضبوط' مستقل اور قدرتی عنصر ہے۔ طاقت کے عنصر کے طور پر اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سیاسی جغرافیہ کے ماہرین جیسے موڈی' اسپائیک مین' ہاس حوفر' میکینڈر وغیرہ جغرافیہ کو بین الاقوامی سیاست کو متعین کرنے والا عنصر تسلیم کرتے ہیں۔مارگنتھاؤ کے مطابق ''جغرافیہ طاقت کے تعین میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات کے تعین میں جغرافیہ کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔'' بین الاقوامی تعلقات میں جغرافیہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے نپولین نے کہا تھا کہ ''کسی ملک کی خارجہ پالیسی کا تعین اس کے جغرافیہ سے ہوتا ہے'' تاہم جغرافیہ نہ تو طاقت کا خود مختار فیصلہ کن ہے اور نہ ہی خارجہ پالیسی کا۔ یہ صرف طاقت کا ایک عنصر ہے۔ جغرافیہ سے مراد زمینی رقبہ' آب و ہوا' صورتحال' قدرتی وسائل وغیرہ اپنے آپ میں ایک طاقت کا عنصر ہیں۔اس میں زمینی رقبہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ وسیع رقبے سے قومی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ زیادہ آبادی اور زیادہ قدرتی وسائل بھی وسیع زمینی رقبہ میں موجود ہو سکتے ہیں۔ کسی بھی ملک کا بڑا رقبہ اسے طاقتور بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اکثر وسیع رقبہ کا ملک ہی بڑی طاقت بن سکتا ہے۔ چھوٹے رقبہ کا ملک کبھی بھی بڑی طاقت نہیں بن سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی وسیع ملک صحرائی' گھنے جنگلات' برف پوش ملک ہے تو یہ قومی طاقت میں اضافہ نہیں کر سکے گا، مثلاً منگولیا، کینیڈا۔ لیکن یہ وسیع رقبہ والا ملک اسی صورت میں فائدہ مند ہو سکتا ہے جب یہ علاقہ رہائش کے قابل ہو۔ وسیع رقبہ والا ملک فوجی اور غیر فوجی دونوں صورتوں میں قومی طاقت کو وسعت دیتا ہے۔ فوجی لحاظ سے وسیع رقبہ کے بہت سے فائدے ہیں۔ جنگ کے وقت فوج کو پیچھے ہٹنا پڑے تو بھی یہ ممکن ہے۔ اسی طرح یہ اسٹریجک گہرائی بھی فراہم کرتا ہے۔ اس لئے وسیع رقبہ طویل جنگیں لڑنے اور ان میں اپنے آپ کو بچانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ 1937 اور 1945 میں جاپان صرف اپنے وسیع رقبہ کی وجہ سے چین سے منتشر نہیں ہوا۔ عراق' کویت پر اس لئے آسانی سے حملہ کر سکا تھا کیونکہ کویت' عراق کے مقابلے ایک چھوٹے رقبہ والا ملک ہے۔ ایک غیر فوجی وسیع رقبہ والا ملک اپنی طاقت میں اضافہ

کر سکتا ہے۔اس کے تحت بڑی آبادی کی دیکھ بھال کے لئے مناسب انتظام کیئے جاسکتے ہیں۔ وسیع رقبہ والے ملک میں قدرتی معدنیات اور وسائل کی دستیابی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ مزید براں مملکت مختلف حصوں میں صنعتیں قائم کرکے ملک کو جنگ کے دوران مکمل تباہی سے بچایا جاسکتا ہے۔ جنگ میں ملک کا نقصان ہونے پر بھی کچھ آبادی اور صنعتیں بعد میں محفوظ رہتی ہیں۔ لہٰذا، ایک وسیع رقبہ والا ملک یقینی طور پر طاقتور بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کسی ملک کا محل وقوع اس کی قومی طاقت میں مددگار اور رکاوٹ دونوں ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف برطانیہ اور جاپان چھوٹے جزیرے ہونے کے باوجود اپنے محل وقوع کی وجہ سے ایک بحری طاقت بن گئے۔ آب وہوا کسی بھی ملک کی طاقت بننے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کسی بھی ملک کی پیداوار، آبادی، انسانی وسائل کی ترقی ممکن ہوتی ہے۔ اگر کسی ملک کی آب وہوا اس کی آبادی کے رہنے، صنعت قائم کرنے اور پھلنے پھولنے کے لئے موزوں نہ ہو تو وہ مملکت طاقتور مملکت نہیں بن سکتی۔ بڑے صحراؤں، سرد علاقوں، زیادہ درجہ حرارت نسبتاً نمی والے علاقوں میں قومی انسانی وسائل، نباتات، صنعت وغیرہ کی ترقی ممکن نہیں۔ اس کے لئے موزوں آب وہوا کا ہونا ضروری ہے۔ موجودہ تناظر میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ سائنس کی ترقی نے فطرت کے ان چیلنجوں پر کسی حد تک قابو پالیا ہے۔ سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے جغرافیہ کی اہمیت کم ہوگئی ہے۔ سرحد، قومی طاقت کا ایک جغرافیائی عنصر بھی ہے۔ منظم اور قدرتی سرحدیں ہمیشہ کسی خطے کے ممالک کے درمیان دوستانہ اور تعاون پر مبنی تعلقات کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ غیر متعینہ اور متنازعہ سرحدیں تنازعات پیدا کرتی ہیں جو قومی طاقت کو کمزور کرتی ہیں، جیسا کہ بھارت اور چین، اسرائیل اور عرب وغیرہ۔ قدرتی سرحدیں قومی طاقت کے لئے مددگار ہوتی ہیں اور اس کے برعکس مصنوعی سرحدیں کمزوری اور تصادم کا باعث ہوتی ہیں۔

قدرتی وسائل (Natural Resources)

قدرتی وسائل طاقت کا ایک اہم عنصر ہوتے ہیں۔ قدرتی وسائل قدرت کا عطیہ ہے۔ قدرتی وسائل کسی بھی ملک میں دستیاب اناج، زمین، پانی، جنگلات اور معدنیات جیسے لوہا، کوئلہ، خام تیل (پٹرولیم)، قدرتی گیس، یورینیم، تھوریم وغیرہ شامل ہیں۔ کسی ملک کے پاس جتنی زیادہ معدنیات ہوں گی وہ اتنا ہی طاقتور ملک تصور کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر 1973 سے پہلے عرب ممالک بین الاقوامی سیاست میں اہم نہیں تھے لیکن تیل کی دستیابی نے انہیں اہم بنادیا۔ کویت بہت چھوٹا ملک ہے لیکن تیل کی دستیابی کی وجہ سے یہ بین الاقوامی سیاست میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے عرب ممالک تیل کی دستیابی کی وجہ سے دنیا کے لئے بہت اہم ہیں۔ یہ ممالک امریکہ جیسی سپر پاور کے زیر اثر میں رہتے ہیں۔ موجودہ دور میں سینٹرل ایشیاء کے ممالک میں قدرتی گیس، یورینیم، تھوریم جیسے معدنیات بہت زیادہ مقدار میں دستیاب ہیں جو جوہری توانائی کی ترقی کے لئے انتہائی ضروری ہیں۔ اسی وجہ سے دنیا کی سپر پاور جیسے امریکہ، روس اور چین ان ممالک میں اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے مقابلہ کر رہے ہیں تاکہ وہ ان ممالک کے قدرتی وسائل کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرسکیں، کیونکہ یہ معدنیات اسٹریجک نقطہ نظر سے بہت اہم ہوتے ہیں۔ دوسرے اہم قدرتی وسائل میں غذائی اشیاء بھی شامل ہے۔ غذائی اجناس کی پیداوار میں بھی ملک کا خود انحصار ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ملک اپنی غذائی اشیاء کی ضروریات کو پوری کرنے کے لئے دوسروں پر انحصار کرے تو وہ بڑی طاقت نہیں بن سکتا، جیسے ''سبز انقلاب'' سے قبل ہندوستان اپنی غذائی ضروریات کے لیے دوسرے ممالک پر منحصر کرتا تھا۔ کوئی بھی ملک غذائی اشیاء کے بغیر زندہ نہیں

رہ سکتا۔ ہر ملک کو غذائی اجناس میں خود انحصار ہونا چاہیئے۔ اگر ملک غذائی اجناس کے معاملے میں خود کفیل نہ ہوا تو بین الاقوامی سیاست میں اس کی حیثیت کمزور ہو گی اور وہ آزادانہ پالیسی تشکیل نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح اس کی قوت اور اہمیت خود بخود کمزور ہو جائے گی۔ امریکہ غذائی اجناس میں خود کفیل ہے اور بہت سے ممالک اس کی غذائی اجناس پر انحصار کرتے ہیں، اسی لئے مار گنتھاؤ نے یہ کہا تھا کہ ''غذائی اجناس میں خود کفیل ملک ان ملکوں سے بہتر مقام پر ہیں جو دوسرے ممالک سے غذائی اجناس درآمد کرتی ہیں'' جیسے امریکہ، چین اور بھارت وہ ممالک ہیں جو سب سے زیادہ غذائی اجناس پیدا کرتے ہیں۔

آبادی (Population)

ملک کی آبادی، طاقت کا ایک عنصر ہے۔ قومی طاقت کے لئے بڑی آبادی کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ لیکن بعض دفعہ اس کو کمزوری بھی تصور کیا جاتا ہے۔ کسی ملک کی آبادی زیادہ ہونے پر اس کی فوج میں زیادہ فوجی اور صنعت میں زیادہ مزدور کام کریں گے۔ زیادہ آبادی ہونے سے فوج طاقتور ہوتی ہے۔ زیادہ آبادی سے بڑی فوج بنائی جاسکتی ہے جو اپنے ملک کی حفاظت بہتر طریقے سے کر سکتی ہے لیکن اگر زیادہ آبادی والا ملک اپنے شہریوں کی ضروریات کو پوری نہیں کر پاتا تو یہی آبادی مملکت کی کمزوری کا باعث بنتی ہے اور ملک کی ترقی میں رکاوٹیں کھڑی کرتی ہیں۔ زیادہ آبادی کی وجہ سے قومی یکجہتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور خوراک کا مسئلہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ موجودہ دور میں کم آبادی والا ملک بھی تکنیکی ترقی کے ذریعہ طاقتور بن سکتا ہے۔ لیکن آبادی کی عددی قوت یہی صرف ملک کی طاقت میں اضافہ کا باعث نہیں ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو چین اور بھارت کو دنیا کی پہلی اور دوسری طاقت ہونا چاہیئے تھا لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ کم آبادی والا ملک طاقتور ملک نہیں بن سکتا ہے۔

کسی بھی ملک کا طاقتور ہونا اس کی آبادی کی قسم پر زیادہ منحصر کرتی ہے۔ اگر کسی ملک کی آبادی غریب، بچے، بوڑھوں، بیمار، بے روزگار اور ناخواندہ آبادی کی تعداد زیادہ ہو تو ایسا ملک طاقتور نہیں ہو سکتا اور ایسے ملک کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس اگر کسی ملک کی آبادی میں نوجوانوں، صحت مند لوگوں، تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ لوگوں کی آبادی زیادہ ہو تو اس ملک کی ترقی بہت تیز رفتار سے ہوتی ہے۔ کاہل، ناخواندہ، نااہل، بے روزگار اور غیر ہنر مند انسانی وسائل کی آبادی والا ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ اعلیٰ شرح خواندگی، حب الوطنی اور محنت کش و جفاکشی آبادی والا ملک بہت زیادہ ترقی کرتا ہے۔ سرد جنگ کے بعد کے دور میں کسی بھی ملک کے انسانی وسائل کی ترقی کو اس کی ترقی کا پیمانہ سمجھا جاتا ہے۔ عالمگیریت کے اس دور میں خدمات کے شعبہ میں بہت زیادہ ترقی ہو رہی ہے اس لئے آج انسانی وسائل کی بیرونی ملک میں برآمد کے امکانات بھی بڑھ رہے ہیں تاہم تکنیکی اور سائنسی ترقی نے آبادی کی اہمیت کو کم کر دیا ہے۔ اگرچہ کچھ دانشوروں کا خیال ہے کہ بڑی آبادی کے بغیر کسی بڑی طاقت خاص طور پر ایک سپر پاور کا تصور کرنا مشکل ہے لیکن بہت سے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ تصور غلط ہے کہ آبادی جتنی زیادہ ہو گی، مملکت کی طاقت اتنی زیادہ ہو گی۔ بھارت اور چین جیسے ممالک کے مقابلے میں برطانیہ کی آبادی کم ہونے کے باوجود بین الاقوامی سیاست میں اس کا اثر ورسوخ طویل عرصہ سے اہم ہے۔

تکنیکی (Technology)

تکنیکی کو بھی طاقت کا ایک اہم عنصر تصور کیا جاتا ہے۔ بغیر تکنیکی کے کوئی بھی ملک طاقتور اور ترقی نہیں کر سکتا ہے۔ تکنیکی آج کے دور میں اہم ہے جو فوج، حکمت عملی، تجارت، سماجی، سیاسی، صنعت، زراعت، تعلیم، تحقیق اور ترقی کو متاثر کرتی ہے۔ جوہری اور خلائی تکنیکی نے ملک کو بہت زیادہ طاقتور بنادیا ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ، چین، جاپان، فرانس، جرمنی جیسے ملکوں کی ترقی میں تکنیکی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ٹکنالوجی سے مراد نئے اور سائنسی طریقوں کے استعمال سے ہے۔ یہ ایک طرح سے پرانے طریقوں کا نئے طریقوں کی وضع ہے۔ بین الاقوامی تعلقات سب سے زیادہ فوجی تکنیکی، صنعتی تکنیکی اور مواصلاتی تکنیکی سے متاثر ہوتی ہے۔ یہ مملکت کی طاقت میں بے پناہ اضافہ کرتی ہے۔ ملک کی سلامتی تکنیکی پر ہی منحصر کرتی ہے اور ملک کی آمدنی اور صنعتی ڈھانچہ صنعتی ٹکنالوجی پر منحصر ہے۔ مواصلاتی تکنیکی نے ملک کی ترقی کے لئے اشیاء اور خیالات کا تبادلہ ممکن بنایا ہے۔ ایک ملک تکنیکی کی وجہ سے اپنے عقائد اور مقاصد تبدیل کرتی ہے۔ اسی وجہ سے شہریوں کے رہن سہن اور طریقوں میں تبدیلی آتی ہے۔ مواصلاتی تکنیکی نے جدید دور کو بڑے پیمانے پر متاثر کیا ہے۔ اس میں وہ تمام سائنسی ایجادات اور ذرائع شامل ہیں جو ملک کی مادی خوشحالی میں معاون ہیں۔ مواصلاتی تکنیکی خصوصاً کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ پروپگنڈہ کے ذریعہ عام لوگوں کو متاثر کرتی ہے۔ مواصلاتی تکنیکی کے ذریعہ مختلف ملکوں کے درمیان تعلقات ابلاغ کے ذریعہ قائم ہوتے ہیں۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے سفارتکاری اور بین الاقوامی تعلقات پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ یہ خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس میں انقلابی تبدیلیاں لاتی ہیں اور قومی تعمیر کا ایک بڑا ذریعہ بنتی ہیں۔ تکنیکی کی ترقی مملکت کی ترقی ہے۔ آج امریکہ، چین، جاپان اور جنوبی کوریا وغیرہ اپنی تکنیکی ترقی کی وجہ سے طاقتور اور ترقی یافتہ ملک بن گئے ہیں۔ ایک بہتر تکنیکی کا علم انسانی فلاح اور ترقی کے قابل بناتی ہے۔ تکنیکی صنعتی ترقی، فوجی ترقی، نقل و حمل، مواصلات کی ترقی، اقتصادی اور سماجی ترقی کے لئے اہم ہے۔ اطلاعات، جوہری، خلائی اور میزائیل تکنیکی بین الاقوامی تعلقات میں طاقت اور اثر رسوخ کے اہم ذرائع کے طور پر ابھرے ہیں۔

معاشی ترقی (Economic Development)

معاشی ترقی قومی طاقت کا ایک اہم عنصر ہے۔ کسی ملک کے وسائل کا صحیح استعمال اس ملک کی معاشی ترقی پر منحصر ہے۔ کوئی بھی ملک اس بنیاد پر طاقتور نہیں سمجھا جاتا کہ اس کے پاس بہت زیادہ قدرتی وسائل موجود ہیں بلکہ ان کا تعلق ان قدرتی وسائل کو استعمال کرنے کی صلاحیت سے ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک کی معاشی ترقی ہموار ہوگی تو اس سے نہ صرف وہاں کی آبادی کا معیار زندگی بہتر ہوگا بلکہ اس ملک کی فوجی اور غیر فوجی صلاحیتوں میں اضافہ کے ساتھ خارجہ پالیسی کو بھی تقویت ملے گی۔ ترقی یافتہ، صحت مند اور بڑھی ہوئی معیشت والا ملک ہی عالمی سیاست میں بڑی طاقت بن سکتا ہے۔ موثر معاشی تنظیم اور منصوبہ بندی ایک طاقتور ملک کی ضروری خصوصیات ہے۔ غربت ہمیشہ طاقت کی محدودیت کا ذریعہ ہے۔ معاشی ترقی کا مطلب ہے کہ ملک میں زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو۔ معاشی ترقی کی شرح میں اضافہ ہو۔ بہتر پیداوار سے معیشت کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف اندرون ملک کا معیار بہتر ہوگا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی پیداوار سے سرمایہ میں بھی اضافہ ہوگا۔ کوئی بھی ملک اپنے سرمایہ کو اپنے داخلی اور خارجہ پالیسی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے گی۔ ایک سرمایہ دار

ملک غریب ممالک کو معاشی مدد فراہم کر سکتا ہے۔ یہ معاشی امداد دے کر اقوام اس کی حمایت میں اضافہ کرے گی۔ اس حمایت کی بنیاد پر اس کی بین الاقوامی حیثیت بہتر ہو گی اور بیشتر ممالک مختلف مسائل پر اس کی حمایت کریں گے۔ اس طرح وہ اپنے معاشی امداد کے ذریعہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو قائم کر سکے گا۔ طاقتور ممالک کے غلبے کے پیچھے معاشی امداد ایک بڑی وجہ رہی ہے۔ صرف ترقی یافتہ معیشتوں والے ممالک بین الاقوامی تعلقات میں اپنے مطلوبہ اہداف کے حصول کے لئے اقتصادی آلات یعنی امداد‘ قرض‘ انعمات‘ تجارت‘ گرانٹس اور انعامات اور سزا سے انکار کا استعمال کر سکتی ہیں۔ معاشی ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے ایک ملک اپنی قومی طاقت کو نتیجہ خیز اور مفید طریقہ سے استعمال کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ معاشی ترقی کی سطح کسی قوم کی طاقت کا تعین کرتی ہے۔

قومی کردار اور حوصلہ (National Character and Morale)

یہ قومی طاقت کا ایک ناقابل محسوس عنصر ہے۔ قومی کردار اور حوصلہ کسی ملک کی ترقی ہوتی ہے۔ قومی کردار سے مراد لوگوں کی خصوصیات‘ رویہ اور قابلیت سے ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان اپنی رواداری‘ مذہبی عقیدے اور عینیت پسندی کے لئے جانے جاتے ہیں، جبکہ جرمن اپنے نظام وضبط اور محنت اور امریکی اپنے اختراع‘ پہل اور مہم جوئی کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ قومی حوصلہ ملک کے عوام کی ان کی خواہشات کا مجموعہ کہلاتا ہے۔ یہ عوام کا حوصلہ ہوتا ہے جو قومی فلاح کو ذاتی فلاح و بہبود پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ وہ معیارِ اُصول ہے جس کے ذریعہ جنگ وامن کے زمانہ میں حکومتوں کو حاصل عوامی تائید کا اظہار ہوتا ہے۔ قدرتی طور پر اس میں لوگوں کی طرف سے قربانی کا احساس بھی شامل ہوتا ہے۔ جنگ کے دوران جب فوج کے جوان اور ملک کی عوام فوجی مقاصد کے لئے صبر و تحمل کا مظاہر کرتے ہیں تو قومی حوصلے کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ اگرچہ امن کے زمانہ میں بھی حوصلے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی بہترین مثالیں جرمنی اور برطانیہ کی عوام نے دونوں عالمی جنگوں‘ ہندوستانی عوام نے پاکستان کے ساتھ چار جنگوں 1948‘ 1965‘ 1971 اور 1999 اور 1962 میں چین کے ساتھ جنگ میں اپنے صبر و تحمل اور حوصلے کا مظاہرہ کیا تھا۔ برطانیہ اور جرمنی کی عوام اپنے ملک اور اپنے اداروں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ جمہوریت پر گہرا اعتماد رکھتے ہیں اور انقلابی تبدیلیوں سے لاتعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دو عالمی جنگوں کی ہولناکیوں کا سامنے کے بعد بھی برطانیہ اور جرمنی برقرار ہیں۔ جبکہ دیگر ممالک میں چھوٹے سے چھوٹے بحران بھی مملکیت کی نوعیت بدل دیتے ہیں۔ مارگنتھاؤ قومی حوصلے کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”عزم وہ ڈگری ہے جس کے ساتھ کوئی ملک جنگ وامن میں حکومت کے خارجہ پالیسی کی حمایت کرتی ہے۔ یہ کسی ملک کی تمام سرگرمیوں اس کی زرعی اور صنعتی تیاریوں کے ساتھ ساتھ اس کے فوجی اداروں سے بھی ظاہر ہوتا اور سفارتی خدمات کا انتظام کرتا ہے“

نظریاتی عنصر (Ideological Elements)

نظریات قومی طاقت کا ایک اہم عنصر ہے۔ یہ ملکوں کے درمیان دوستی یا دشمنی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ جرمنی میں ہٹلر کے نازی ازم اور اٹلی میں موسیلنی کے فاسزم نے ان کی قومی طاقت کو کمزور کیا اور دنیا نے ان دونوں نظریات کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ 1945 کے بعد اشتراکیت اور سرمایہ داری نظام کے درمیان نظریاتی تقسیم ہوئی۔ بھارت کی عدم صف بندی کی تحریک نے سرد جنگ کے دوران سپر پاورز کی مخالفت کرنے کے

قابل بنایا۔آج پوری دنیا بین الاقوامی سیاست میں نظریہ کے بنیاد پر جمہوری اور کمیونسٹ گروہوں میں تقسیم ہے۔ نظریہ کسی ملک کی عوام کو متحد کرنے میں سیمنٹ کا کام کرتا ہے۔ نظریہ عوام کے درمیان لگن کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ نظریات کمیونٹی کے کردار پر زور دیتا ہے اور فرد کے کردار کو ثانوی تصور کرتا ہیں۔ قومی طاقت کی نشوونما میں سیاسی نظریہ کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ ہر ملک کا اپنا سیاسی نظام ہوتا ہے۔ جس کی بنیاد ایک خاص نظریہ پر ہوتی ہے۔ ملک کے شہری اس نظریہ سے متاثر ہو کر قومی مفاد کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ نظریہ عوام، سماج، معاشی نظام، سیاسی نظام وغیرہ پر عوام کا مقررہ نقطہ نظر ہوتا ہے۔اپنی نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر ملک اپنی لیاقت / طاقت کا فروغ کرتا ہے۔ نظریہ حکومت کو اپنے شہریوں کی حمایت حاصل کرنے میں مدد کرتا ہے۔

مغربی ممالک جمہوری اصولوں پر یقین رکھتے ہیں اور کیمونسٹ نظریہ کو جارہانہ اور طاقت پر مبنی قرار دیتے ہیں۔اس کے برعکس کمیونسٹ ممالک مغربی ممالک کے سامراجیت کی مخالفت کرتے ہیں۔ان کے مطابق مغربی سرمایہ داران نظریہ سامراجیت کو فروغ دیتا ہے اور تنازعات اور جنگوں کو جنم دیتا ہے۔ کئی دفعہ نظریات کے ذریعہ طاقت کے زیادتی کی امکانات بنی رہتی ہیں جیسے دونوں عالمی جنگ نازی ازم، فاسزم، اشتراکیت وغیرہ نظریات میں تنازعات اور ٹکراؤ چلتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ تر نظریات آمریتی رجحانات کو جنم دیتے ہیں۔ اس سے معاشرے میں تنازعہ اور تقسیم کے حالات قائم رہتے ہیں لیکن پھر بھی جدید دور میں نظریات موجودہ بین الاقوامی سیاست کو بڑے پیمانے پر اثر انداز کر رہے ہیں۔

قیادت (Leadership)

قومی طاقت کا ایک اہم عنصر قیادت ہے۔ مقبول اور موثر قیادت قومی طاقت کی بنیاد ہے۔درست و بہتر قیادت سے ایک ملک کے شہریوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ قیادت کی اہمیت جنگ کے وقت اور امن دونوں میں یکساں ہوتی ہے۔ لیکن جنگ کے وقت اس کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے۔ بہتر قائد ہی کسی ملک کو ترقی دلاتا ہے۔اگر قائد بہتر ہو تو ملک ترقی کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ سیول اور فوجی منصوبہ بندی سیاسی قائد کا عمل ہے۔ خارجہ پالیسی بنانا اور نافذ کرنا بہتر قائد کی ذمہ داری ہے۔ قومی طاقت بنیادی طور پر ملک کے رہنماؤں، سیاستدانوں اور سفارت کاروں کی بین الاقوامی تعلقات میں مضبوطی سے کام کرنے کی طاقت ہے۔ قیادت کا معیار طاقت کی نوعیت اور وسعت کا تعین کرتی ہے، جسے کوئی ملک اپنے قومی مفاد کے تحفظ کے لئے استعمال کر سکتی ہے۔

موثر لگن اور پختہ قیادت اس لحاظ سے قومی طاقت کا سرچشمہ ہو سکتی ہے۔ طاقت کا منصفانہ استعمال یقیناً قومی طاقت اور اس کی عملی تاثیر میں اضافہ کر سکتا ہے۔ پامر اور پرکنز کا خیال ہے کہ "قیادت کے بغیر ریاست کی تعمیر نہیں کی جاسکتی۔اس کے بغیر کوئی اچھی طرح سے ترقی یافتہ یا مربوط ٹکنالوجی نہیں ہو سکتی۔اس کے بغیر حوصلہ بالکل بیکار ہے۔ اگر یہ حقیقت میں موجود ہے تو ہر ملک اپنی خارجہ پالیسی ایک قائد کی رہنمائی میں تیار اور تشکیل کرتی ہے۔ قائد پورے ملک کو متاثر کرتے ہیں۔ قیادت خارجہ پالیسی بناتی ہے، منتخب کرتی ہے اور ہدایت کرتی ہے۔"

فوجی طاقت (Military Power)

فوجی طاقت یا فوجی تیاری خارجہ پالیسی کی کامیابی اور قومی مفاد کے فروغ میں ایک اہم عنصر ہے۔ایک طاقتور ملک کے لئے اس کے وسائل اور صلاحیت کے مطابق فوجی طاقت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ فوجی طاقت ملک کی خارجہ پالیسی کے وعدوں کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہونی چاہیئے۔ ملک کی فوج کو پوری تربیت دینی چاہیئے اور وہ مناسب ہم آہنگی کی بنیاد پر کام کرنے والی ہونی چاہیئے۔اس تناظر میں کسی بھی ملک کی فوجی صلاحیت کا انحصار تین بڑے عناصر پر ہوتا ہے۔ فوجی قیادت' خفیہ نظام اور ہتھیاروں کی دستیابی۔ کسی ملک کی فوج کتنی ہی طاقتور ہو تعداد میں کتنی ہی بڑی ہو،اس کے پاس بہتر سے بہتر ہتھیار ہوں لیکن اگر اس کی قیادت قابل ہاتھوں میں نہ ہو تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوگی۔ صرف موثر حکمت عملی اور حالات کے مطابق کسی بھی ملک کی فوج کسی بھی چیلنج کا صحیح معنوں میں مقابلہ کرسکتی ہے۔اگر کسی ملک کی فوج اور اس کی فوجی طاقت بہت زیادہ ہے تو وہ اپنے دشمن ملک کی فوج سے ڈٹ کر مقابلہ کرسکتی ہے جیسے ہندوستان کی فوج نے پاکستان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ 1991 کی خلیجی جنگ میں عراق کی فوج نے اتحادی فوجوں کا ایک مہینے ڈٹ کر جواب دیا۔ سائنسی اور سائنسی ترقی مسلح افواج کے لئے پائیدار عنصر ہے۔ جس کے بغیر فوجی طاقت قابل بھروسہ اور خود انحصار نہیں ہوسکتی۔ مختلف قسم کے جدید اور جدید ترین ہتھیار تیار کرنے کی مقامی صلاحیت ضروری ہے۔ بصورت دیگر ملک طویل جنگ برداشت نہیں کرسکتا۔آج مضبوط جدید تکنیکی والی فوج کے بغیر کوئی جنگ نہیں جیت سکتا۔ یوروپ 15 ویں صدی سے 19 ویں صدی تک مضبوط تکنیکی والی فوج کی وجہ سے برتر اور طاقتور تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں فوجی ترقی بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر جرمنی پہلی جنگ عظیم کے پہلے مرحلے میں جدید تکنیکی ہتھیار کے استعمال کی وجہ سے برطانیوں پر برتری حاصل کی۔

سفارت کاری (Diplomacy)

کسی ملک کی قومی طاقت کا تعین اس کے سفارت کاروں کی معیاری سفارت کاری کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ مارگنتھاؤ کے مطابق ''مملکت کی سفارت کاری کا معیار طاقت کے دوسرے عنصر کو سمت اور وزن دیتا ہے'' سفارت کاری بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنے کا ایک مکمل طریقہ ہے۔ بین الاقوامی تعلقات خارجہ پالیسی کے تحت چلتی ہے،اس لئے ایک اچھی طرح سے مربوط اور معقول خارجہ پالیسی کا ہونا ضروری ہے۔ خارجہ پالیسی کو درست طریقہ سے نافذ کرنے کا کام سفارت کاری کے ذریعہ کیا جاتا ہے،اس لئے سفارتی مہارت بھی طاقت کا لازمی حصہ ہے۔ یہ وہ فن ہے جس کے ذریعہ قومی طاقت کے عناصر کو صحیح طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ایک اعلیٰ معیار کی سفارت کاری دستیاب وسائل کو قومی طاقت میں بدل دیتی ہے۔ برطانیہ 1945 کے بعد اپنی سامراجی حیثیت کھونے کے باوجود خود کو ایک قومی طاقت کے طور پر پیش کرنے میں کامیاب رہا۔ امریکہ کی کامیاب سفارت کاری اسے خود کو واحد سپر پاور کے طور پر پیش کرنے میں مدد کرتی ہے۔ کناڈا کی لبرل سفارت کاری نے ایک بہتر اور قابل اعتماد بین الاقوامی شہری کے طور پر ایک امیج بنانے میں مدد کی ہے۔

9.6 قومی طاقت کی تحدیدات (Limitations of Power)

قومی طاقت کی تحدیدات مندرجہ ذیل ہیں۔

بین الاقوامی قانون (International Law)

بین الاقوامی سیاست میں بین الاقوامی قانون کو ایک اہم عامل کی حیثیت حاصل ہے۔ بین الاقوامی قانون قومی طاقت کو محدود کرنے کا کام کرتا ہے۔ یہ قوانین کا ایک نظام جو قومی مملکت پر عائد ہوتا ہے۔ اس وقت بین الاقوامی قانون کا دائرہ اور اثر بڑھ گیا ہے۔ تاہم کسی ملک کی طاقت کو محدود کرنے کے لئے بین الاقوامی قانون کے نظام کو ایک لچکدار نظام سمجھا جاتا ہے کیونکہ قومی ریاستی خود مختار ادارے ہیں۔ کوئی بھی ملک بین الاقوامی قانون کو مکمل طور سے رد نہیں کر سکتے۔ بین الاقوامی قانون کسی ملک کی طاقت پر ایک اہم حد ہے۔ یہ بین الاقوامی تعلقات میں مصروف ممالک کے رویہ کو ہدایت اور کنٹرول کرتا ہے۔ بین الاقوامی قانون جنگ اور امن دونوں حالات میں بین الاقوامی تعلقات کے منظم طرز عمل کے لئے ایک قانونی ڈھانچہ تشکیل دیتا ہے۔ یہ جنگ کو مفادات کے فروغ کے لئے ایک غیر قانونی ذریعہ قرار دیتا ہے۔ یہ سفارتی تعلقات کے قیام اور ان کے انعقاد کے لئے قانون وضع کرتا ہے۔ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرنے والے مملکت کے خلاف پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں۔ بین الاقوامی قانون دنیا میں تنازعات کو کنٹرول کرتا ہے۔

توازن طاقت (Balance of Power)

یہ ملک کی طاقت کی ایک اور حد ہے۔ بڑے ممالک دنیا میں اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے طاقت کا توازن برقرار رکھنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ یہ ملکوں کے اختیارات پر معقول پابندیاں ہیں۔ توازن طاقت ' طاقت کے انتظام اور طاقت کے حد دونوں کا ایک آلہ ہے۔ کوئی بھی ملک اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا ہے۔ توازن طاقت سے مراد یہ ہے کہ ملکوں کے درمیان طاقت کا توازن ایسا ہو کہ کوئی بھی ملک اتنا طاقتور نہیں ہو کہ وہ من مانی کر سکے اور اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کر سکے۔ بڑے ملکوں کو اپنی طاقت کی حیثیت میں ایک طرح کا توازن برقرار رکھنا چاہیئے۔ کسی بھی ملک کو غیر ضروری طور پر طاقتور بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے جو دنیا میں طاقت کے توازن کو خطرے میں ڈال دے۔ اگر کوئی ریاست غیر ضروری طور پر طاقتور بنتی ہے یا بننے کی کوشش کرتی ہے تو دوسری ریاست یا ریاستوں کو اجتماعی طور پر اپنے اختیارات کو کنٹرول کرنا چاہیئے اور حملہ آور ریاست کے خلاف طاقت کی پیشرفت پیدا کرنی چاہیئے۔ طاقت یا جبر یا دیگر آلات کے استعمال کے ذریعہ ان ریاستوں کو دھمکی دینے والی ریاست کی طاقت کو کم کرنے اور توازن بحال کرنے کے لئے کام کرنا چاہیے۔ کسی بھی ریاست کو طاقت کے زور پر مکمل طور پر ختم نہیں کرنا چاہیئے بلکہ توازن کے نام پر ریاست کی طاقت کو کنٹرول میں رکھنا چاہیے۔ توازن طاقت نظام کے کسی بھی رکن کی طرف سے طاقت کے بلاجواز اضافے کی تمام کوششوں کو روک کر ریاستوں پر پابندی عائد کرنا چاہیئے۔ دنیا کے طاقتور ممالک بھی توازن طاقت کی وکالت کرتے ہیں۔ طاقت کا یہ توازن تبدیل ہونے والا ہوتا ہے۔ عالمی امن کے لئے توازن طاقت کے لئے اقدام پر دباؤ ڈالنا چاہیے۔ جبر کی وجہ سے کوئی ملک کتنا بھی طاقتور کیوں نہ ہو وہ اپنی طاقت کا من مانی استعمال نہیں کر سکتا، اسے توازن طاقت کا احترام کرنا پڑتا ہے۔

بین الاقوامی تنظیم (International Organization)

ہر رکن ممالک کے درمیان تنازعات کے حل کے لئے مخصوص ذرائع کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ جنگ اور جارحیت کے وقت امن کی اجتماعی حفاظت فراہم کرتا ہے۔ اقوام مجلس پہلی عالمی جنگ کے بعد قائم ہوئی اور دوسری جنگ عظیم شروع ہونے پر ناکام ہوگئی۔ 1945 میں اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا جو ابھی تک اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ تقریباً 193 ممالک اس کے رکن ہیں۔ اس کے چارٹر میں بعض مقاصد پر بحث کی گئی ہے۔ جن کے حصول کے لئے رکن ممالک پر عزم ہیں۔ اقوام سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اختیارات کا استعمال اقوام متحدہ کے چارٹر میں دیئے گئے حکم کے مطابق کریں۔ کثیر المقاصد اقوام متحدہ کے ساتھ یونیسکو جیسی کئی منظم بین الاقوامی اور علاقائی تنظیمیں جیسے WHO‘ ILO‘ UNICEF وابستہ ہیں جو مختلف شعبوں میں اپنے رکن ممالک کے اقدامات کی رہنمائی‘ ہدایت اور کنٹرول کرتی ہیں۔ ان عالمی تنظیموں کی وجہ سے دنیا کے ممالک اپنی طاقت کا کھل کر مظاہرہ نہیں کر سکتے۔

بین الاقوامی اخلاقیات (International Morality)

بین الاقوامی اخلاقیات ایک اخلاقی ضابطہ اخلاق ہے جس کی پیروی تقریباً تمام ممالک اپنے بین الاقوامی تعلقات میں کرتے ہیں۔ یہ اخلاقی جذبہ ایک ایسا عنصر بن جاتا ہے جو ہر ملک کی قومی طاقت کو محدود کر دیتا ہے۔ جس طرح کسی معاشرے میں انسانی رویہ اخلاقی اصولوں یا قواعد کے ایک مجموعہ سے چلتا ہے اسی طرح بین الاقوامی ماحول میں ریاستوں کا رویہ بین الاقوامی اخلاقیات کے ذریعہ محدود ہوتا ہے۔ بین الاقوامی برادری بعض اقدار کو قبول کرتی ہے جیسے امن‘ نظم وضبط‘ مساوات‘ اچھائی‘ باہمی تعاون‘ زندگی کا احترام اور سب کی آزادی۔ اور انسانی حقوق کا احترام کو صحیح اور اچھی اقدار کے طور پر قبول کرنا چاہیئے۔ تمام ریاستوں کی طرف سے پیروی کرنا چاہیئے۔ بین الاقوامی اخلاقیات بھی طاقت پر کچھ حدیں لگاتی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بین الاقوامی اخلاقیات کا مطلب صرف وہی کام انجام دینا جو قوم کی مخصوص اقدار پر عمل کرنے کے قابل ہوں۔ بین الاقوامی اخلاقیات ”اخلاقی طرز عمل کا ایک عام طور پر قبول شدہ ضابطہ ہے جس کو ملک عام طور پر بین الاقوامی تعلقات میں پیروی کرتی ہیں“ یہ ہر ملک کی قومی طاقت پر ایک حد کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس نے جنگ کے خلاف یعنی قومی طاقت کے غلط استعمال کے خلاف انسانی شعور کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

عالمی رائے عامہ (World Public Opinion)

عالمی رائے عامہ تیزی سے قومی طاقت پر ایک بڑی حد کے طور پر اُبھر رہا ہے۔ یہ بین الاقوامی تعلقات کا اہم عنصر بن کر اُبھرا ہے۔ خارجہ پالیسی پر رائے عامہ کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دنیا میں امن کی تحریکیں‘ جوہری ہتھیاروں کے کنٹرول کی تحریکیں‘ زمین کے ماحولیاتی توازن کو بچانے کے لئے طاقتور اور صحت مند ماحول کی تحریکیں اور اس طرح کی بہت سی تحریکیں ہیں جو عالمی رائے عامہ کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہ قومی طاقت کو محدود کرنے والی تیزی سی ابھرتی ہوئی طاقت ہیں۔ منفی رائے عامہ کے خوف سے کئی بار کسی ملک کو کسی خاص پالیسی پر عمل کرنا چھوڑنا پڑتا ہے۔ اگرچہ عالمی رائے عامہ کی اپنی حدود ہیں۔ لیکن یہ اکثر طاقتور اور جارحانہ قوم پرستی کے جذبہ کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو جاتی

ہے۔مزید برآں عصرِ حاضر میں تمام اقوام کی طرف سے انسانی حقوق اور آزادیوں کے تحفظ کے لئے عالمی رائے عامہ کی وسیع حمایت بین الاقوامی تعلقات میں قومی طاقت کے کردار پر رائے عامہ کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔تاہم عالمی رائے عامہ اپنے آپ میں ایک محدود عنصر ہے۔ یہ اکثر مضبوط اور جارحانہ قوم پرستی کو بے اثر کرنے یا زبردستی کنٹرول کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ لیکن یہ عراق کے خلاف امریکی جنگ کو روکنے میں ناکام رہا۔

ترک اسلحہ اور اسلحہ کا کنٹرول (Disarmament and Arms Control)

ترکِ اسلحہ اور اسلحے کے کنٹرول کرنے کا استعمال کسی ملک کی قومی طاقت کو محدود کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ترک اسلحہ سے مراد ہے بتدریج یا ایک ہی وقت میں اسلحہ اور گولہ بارود کے ان بڑے ذخیروں کو ختم کرنا جو آج تک قومی ریاستوں کے پاس ہیں۔فوجی طاقت قومی طاقت کی ایک بڑی جیت ہے،اس لئے اسلحہ سازی اس کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ترک اسلحہ اور اسلحے کے کنٹرول کو قومی طاقت کو محدود کرنے کا طریقہ سمجھا جاتا ہے۔اسلحے کے کنٹرول کا مطلب اسلحے کے پھیلاؤ کو روکنا،خاص طور پر بین الاقوامی فیصلوں' پالیسیوں اور منصوبہ کے ذریعہ جوہری اسلحے کے پھیلاؤ کو روکنے کی کوشش کرنا۔اسلحہ کے کنٹرول کی سمت میں جتنی زیادہ کامیابی حاصل کریں گے قومی طاقت کی حدبندی اتنی زیادہ ہوگی۔

9.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا،اس اکائی میں آپ نے:

- طاقت کے معنی اور مفہوم کا مطالعہ کیا۔
- طاقت کی مختلف قسمیں کو سمجھا۔
- طاقت کے اہم عناصر کو گہرائی سے جانا۔
- طاقت کی تحدیدات کا مطالعہ کیا۔

9.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

ٹھوس نظریہ کا عنصر

وہ عنصر ہوتے ہیں جس کو دیکھا اور محسوس کیا جاسکے، جیسے جغرافیہ 'خام مال اور قدرتی وسائل وغیرہ۔

تقابل تصور نظریہ کا عنصر

وہ عنصر ہوتے ہیں جسے دیکھا جاسکتا ہے لیکن محسوس نہیں کیا جاسکتا ہے، جیسے اخلاقیات اور قیادت

9.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

9.9.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ بین الا قوامی تعلقات کس مضمون کی شاخ ہے؟

(a) سماجیات
(b) معاشیات
(c) سیاسیات
(d) بین الا قوامی قانون

2۔ بین الا قوامی تعلقات کس کا مطالعہ ہے؟

(a) مملکتوں کے درمیان تعلقات
(b) افراد کے درمیان تعلقات
(c) مملکت کے شہریوں کے درمیان تعلقات
(d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ دوسری عالمی جنگ عظیم کب شروع ہوئی؟

(a) 1914
(b) 1929
(c) 1939
(d) 1949

4۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانیہ کا وزیر اعظم کون تھا؟

(a) جان میجر
(b) ٹونی بلیر
(c) ونسٹن چرچل
(d) گورڈن براؤن

5۔ سفارت کاری سے کیا مراد ہے؟

(a) بین الا قوامی کاروبار شروع کرنے کے طریقے
(b) بین الا قوامی تعلقات کا طریقہ
(c) جنگ شروع کرنے کا طریقہ
(d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ قومی طاقت کے اہم عنصر ہیں؟

(a) جغرافیہ
(b) آبادی
(c) قدرتی وسائل
(d) یہ تمام سبھ

7۔ مندرجہ ذیل میں قومی طاقت کی تحدیدات نہیں ہے؟

(a) بین الاقوامی قانون (b) توازن طاقت

(c) ترک اسلحہ (d) امن

8۔ سویت یونین کب منتشر ہوا؟

(a) 1989 (b) 1991

(c) 1993 (d) 1996

9۔ ''انقلابِ فرانس'' کب واقع ہوا؟

(a) 1779 (b) 1789

(c) 1799 (d) 1809

10۔ مندرجہ ذیل میں کون سی اقوام متحدہ کی خصوصی ایجنسی نہیں ہے؟

(a) آئی ایم ایف (b) ڈبلیو ایچ او

(c) اوپیک (d) ایف اے او

9.9.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. طاقت کے معنی اور مفہوم بیان کیجیے۔
2. طاقت کی تعریف کیجیے۔
3. طاقت کے اہم عنصر سفارتکاری کو واضح کیجیے۔
4. نفسیاتی طاقت سے کیا مراد ہے؟
5. توازن طاقت سے کیا مراد ہے؟

9.9.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. طاقت سے کیا مراد ہے؟ طاقت کی اہم قسمیں بیان کیجیے۔
2. طاقت کے اہم عناصر بیان کیجیے۔
3. طاقت کی تحدیدات پر بحث کیجیے۔

9.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. Smith J. B. (2004) “Globalisation of World Politics: An Introduction to International Relations”, Oxford University Press, U.K.
2. Heywood A (2011) “Global Politics”, Palgrave Foundation, U.K.
3. Kenneth N Waltz (1979) “Theory of International Politics”, University of California, Berkeley, USA.
4. Chvis Brown and Kirsten Ainley (2009) “Understanding International Relations”, Palgrave, U.K.
5. George Sorenson and Robert Jackson, “Introduction to International Relations: Theories and Approaches”, Oxford University Press, India.
6. Ghosh Peu, “International Relations” (2010), Prentice Hall India Learning Private Limited, India, New Delhi.
7. Vinay Kumar Malhotra (2008), “International Relations”, Anmol Publications, New Delhi.
8. Palmer and Parkins (2001), “International Relations” CBS Publisher and Distributers, United Kingdom.
9. Morganthau, (1978), “Politics Among Nations”, Alfred A. Knobt, New York.
10. Rumki Basu (2012), “International Politics: Concept, Theories and Issues”, Sage Publication, New Delhi.
11. Abdul Qayum (2002), “Bainul Aqwami Tauluqat”, Nisab Publishers, Hyderabad.
12. Prakash Chandra (2009), “International Relations”, Vikas Publishing House, New Delhi.

اکائی 10۔ توازنِ طاقت

(Balance of Power)

اکائی کے اجزا:

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 توازنِ طاقت کا ارتقاء

10.3 توازنِ طاقت کے معنی اور تعریفیں

10.4 توازنِ طاقت کی نوعیت

10.5 توازنِ طاقت کے طریقے

10.6 توازنِ طاقت کا تنقیدی جائزہ

10.7 اکتسابی نتائج

10.8 کلیدی الفاظ

10.9 نمونہ امتحانی سوالات

10.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

10.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

10.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

10.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء! بین الاقوامی تعلقات طاقت کا توازن جو ایک قوم کی حوصلہ شکنی یا پیش کرنے کے لیے کافی ہے یا ایک قوم کو دوسرے کے مفادات پر اپنی مرضی مسلط کرنے یا مداخلت کرنے سے روکتا ہے۔ طاقت کا توازن، بین الاقوامی تعلقات کا نظریہ اور پالیسی جو اس بات پر زور دیتی ہے کہ ریاست کی طاقت پر سب سے زیادہ مؤثر جانچ دوسری ریاستوں کی طاقت ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں، ریاست کی اصطلاح سے مراد حکومت اور آبادی والا ملک ہے۔ طاقت کے توازن کی اصطلاح سے مراد حریف ریاستوں یا اتحاد کی طاقت کی صلاحیتوں کی تقسیم ہے۔ طاقت کا

توازن اس صورتحال کو برقرار رکھتا ہے کہ جب ایک ریاست یا اتحاد اپنی طاقت بڑھاتا ہے یا اسے زیادہ جارحانہ انداز میں نافذ کرتا ہے۔ دھمکی آمیز ریاستیں اکثر ایک انسداد توازن اتحاد تشکیل دے کر جواب میں اپنی طاقت میں اضافہ کریں گی۔ نظریہٗ حقیقت پسندی میں طاقت کا توازن ایک مرکزی تصور ہے۔ طاقت کے توازن کی صحیح تعریف کرنا مشکل ہے کیونکہ جیسا کہ مارٹن رائٹ نے کہا ہے کہ یہ تصور بہت زیادہ الجھنوں سے بھرا ہوا ہے۔ Inis.L.Claude یہ بھی کہتا ہے: توازن طاقت کے ساتھ مصیبت یہ نہیں ہے کہ اس کا کوئی معنی نہیں ہے بلکہ یہ کہ اس کے بہت سارے معنی ہیں لیکن ضروری خیال بہت آسان ہے لیکن جب اصول کو بین الاقوامی تعلقات پر نافذ کیا جائے تو طاقت کے تصور کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بدلتے ہوئے اتحادوں اور جوابی دباؤ کے ذریعے، کسی ایک طاقت یا طاقتوں کے مجموعے کو اتنا مضبوط نہیں ہونے دیا جائے گا کہ پامر اور پرکنز کے مطابق باقیوں کی سلامتی کے لیے خطرہ ہو۔

اور آخر میں ہارٹ مین بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کے توازن کے تصور کی وضاحت ایک نظام کے طور پر کرتا ہے کہ ایک پاور بلاک دوسرے کے ظہور کا باعث بنتا ہے اور یہ بالآخر اتحادوں کے نیٹ ورک کی طرف لے جاتا ہے۔ طاقت کے توازن کا تصور اس مفروضے پر بھی منحصر ہے کہ نظام میں کہیں بھی ضرورت سے زیادہ طاقت دیگر اکائیوں کے وجود کے لیے خطرہ ہے اور طاقت کا سب سے مؤثر تریاق طاقت ہے۔

10.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ،

- طاقت کے توازن کی ارتقا کو سمجھیں گے۔
- طاقت کے توازن کے معنی و تعریفیں کی معلومات حاصل کریں گے۔
- سرد جنگ کی وجوہات اور مختلف مراحل کو سمجھیں گے۔
- توازنِ طاقت کی نوعیت کو جانیں گے۔
- طاقت کے توازن سے رُوبرو ہوں گے۔
- طاقت کے توازن کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔

10.2 توازنِ طاقت کا ارتقاء (Evolution of Balance of Power)

طاقت کا توازن بین الاقوامی تعلقات کے قدیم ترین تصورات میں سے ایک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی ملک اس تصور کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ طاقت کا توازن عالمی معاملات میں امن برقرار رکھنے کے لیے عمومی حکمت عملیوں پر محیط ہے۔ کوئی بھی ریاست عالمی معاملات

میں زیادہ مضبوط نہیں ہو سکتی۔ ماضی میں، جب ریاستوں نے ہر ایک پر تسلط قائم کرنے کی کوشش کی، تو دوسری قومیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اتحاد کرتی تھیں۔ یہ نمونہ 'نپولین' جنگوں کے اختتام سے لے کر آج تک دہرایا گیا ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں، کوئی ایک ریاست اس قابل نہیں رہی کہ تمام پر غلبہ حاصل کر سکے اور اپنی شرائط پر حکومت کرے۔ طاقت کے توازن کے نظریے کی بنیاد 1648 میں ویسٹ فیلیا کے معاہدے کے ذریعے رکھی گئی تھی۔ استحکام، ایک فطری واقعہ ہونے کے ناطے، اس بات کا مطلب ہے کہ ریاستوں کے درمیان توازن کی پالیسی کا مقصد ان کی خود مختاری اور علاقائی سالمیت کو برقرار رکھنا ہے۔ عالمی سطح پر 1919 میں لیگ آف نیشنز(League of Nations)یا1945 میں اقوام متحدہ کی طرح منظم۔ قوموں کو اخلاقیات پر بھروسہ کرنا چاہیے اور حصول اقتدار کے راستے پر نہیں چلنا چاہیے۔ مقصد کسی بھی ریاست کو غیر متناسب طاقت حاصل کرنے سے روکنا ہے۔ بین الاقوامی سیاست سیال اتحادوں کی خصوصیت ہے، اور امن غالب نظریہ ہے۔ قدیم زمانے میں ایتھنز نے اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرنا شروع کیا جس کے نتیجے میں سپارٹا نے کئی شہروں کی ریاستوں کا اتحاد بنایا اور ایتھنز کی اجارہ داری سے بچنے کے لیے ایتھنز کے خلاف جنگ کی۔ ایسا ہی کچھ اس وقت ہوا جب 1815 میں برطانیہ، پرشیا اور آسٹریا نے فرانس کے نپولین بوناپارٹ کو واٹرلو کی جنگ میں شکست دی۔ روشن خیالی(Age of Enlightment) کے دور میں (نشاۃ ثانیہ)، یورپ تاریک دور سے نکلا اور بین الاقوامی قانون، سفارت کاری اور طاقت کے توازن کی بنیاد رکھی۔ نتیجے کے طور پر، انگلش سکول بین الاقوامی نظریہ میں ایک بہترین مفید ٹول بن گیا۔ 1815 میں ویانا کانگریس میں، یورپی اقوام نے قومی خود مختاری اور طاقت کے توازن کو بنیادی اصولوں کے طور پر قائم کرنے کی ٹھوس کوشش کی۔ یورپی ماڈل کا کنسرٹ آسٹریا کے پرنس میٹرنچ نے متعارف کرایا تھا جس کا مطلب یورپ میں طاقت کے توازن کو تسلیم کرنا تھا۔ یہ طے پایا کہ 4-5 بڑے ممالک یورپ میں طاقت کا توازن برقرار رکھیں گے۔ طاقت کے توازن کو بگاڑنے کی کوشش کا مقابلہ دیگر اقوام کی طرف سے مجموعی طور پر مزاحمت سے کیا جائے گا۔ اس نے معمولی طاقتوں کے درمیان امن قائم کرنے اور ان کی خود مختاری کے تحفظ کے ایک ذریعہ کے طور پر کام کیا۔ یورپ میں تقریباً 100 سال کا امن اسی خیال سے ممکن ہوا۔ تاہم، یہ امن برقرار رکھنے میں ناکام رہا، اور یورپ نے پہلی جنگ عظیم کا مشاہدہ کیا۔ ووڈرو ولسن (سابق امریکی صدر) نے پہلی جنگ عظیم کے بعد لیگ آف نیشنز بنا کر ادارہ جاتی بنانے کی کوشش کی۔ اگر کوئی بین الاقوامی اداکار یا ادارہ نہ ہوتا تو امن و امان کے اصولوں کا تقدس برقرار رکھنا مشکل تھا۔ کئی عوامل کی وجہ سے لیگ آف نیشنز اجتماعی تحفظ فراہم کرنے کے قابل نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ دوسری جنگ عظیم کا واقعہ ہوا، جس نے یورپ کو تباہ کر دیا اور دنیا کو US اور USSR کے درمیان دو قطبی بنا دیا۔ طاقت کا تعین کسی زمانے میں سمندر پر غلبہ سے سمجھا جاتا تھا۔ ٹیکنالوجی آج کل دنیا بھر میں ہے، اور سائبر اسپیس نیا سونا بن گیا ہے کیونکہ جدید معاشرے میں ڈیٹا کو سب سے قیمتی شے سمجھا جاتا ہے۔ تجارت میں اجارہ داری ایک اور اہم عنصر ہے۔ ہنری کسنجر (امریکہ کے سابق وزیر خارجہ) کے الفاظ میں کہ "امریکہ کا کوئی مستقل دشمن یا دوست نہیں ہے، صرف مفادات ہیں" تقریباً ہر ملک کے لیے یہی ہے۔ یہ حقیقت پسندی کے تصور سے ماخوذ ہے۔ چانکیہ کے 'منڈل نظریہ' میں بھی اسی طرح کے خیالات ہیں کہ ریاست کو بین الاقوامی فورم میں کیسے کام کرنا چاہیے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم نے امریکہ اور سوویت یونین کو اتحادی طاقتوں کے شانہ بشانہ نازی جرمنی اور دیگر محوری طاقتوں کے خلاف لڑتے دیکھا۔ 1991 میں سوویت یونین کی تحلیل دیکھی گئی۔ تیرہ ملک بنے اور سوویت یونین روس کے نام سے صرف ایک ملک باقی رہ گیا۔ 2014 میں روس اور امریکہ نے داعش (اسلامک اسٹیٹ

آف عراق اینڈ لیونٹ) کا مقابلہ کرنے کے لیے دوبارہ شراکت داری کی۔ایک قوم کا جوہری ہتھیاروں کا حصول طاقت کے توازن کے نظریہ کو چیلنج کرتا ہے کیونکہ ایک بار جب وہ جوہری ہتھیار حاصل کر لیتے ہیں، تو انہیں طاقت کے توازن پر انحصار کرنا چاہیے۔مزید برآں، یہ بدنیت حکومتوں کے تحت پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔اس وقت ہند-بحرالکاہل علاقہ یعنی QUAD کی تشکیل طاقت کے توازن کے نظریہ کی بہترین مثال ہے۔'چار فریقی سیکورٹی ڈائیلاگ' چار ممالک کا ایک گروپ ہے جس کی تشکیل امریکہ، آسٹریلیا، ہندوستان اور جاپان سے ہوئی ہے جو چین کو دور رکھنے کے لیے ان کے درمیان سمندری تعاون کو فروغ دیتا ہے۔مزید برآں، چین کی 9 ڈیش لائن تھیوری ASEAN ممالک کی سمندری علاقائی سالمیت کو مجروح کرتی ہے۔چونکہ چین نے قرضوں کے جال کی حکمت عملی کے ساتھ غیر منصفانہ اور تسلط پسند تجارتی طریقوں کا استعمال کیا ہے، یہ عالمی تجارتی تنظیم (WTO) اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) کی حمایت یافتہ ترقی کے نولبرل ماڈل کے ساتھ براہ راست متصادم ہے۔اب ہم کئی مثالوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں، جیسے سری لنکا میں ہمبنٹوٹا پورٹ اور پاکستان میں CPEC۔ افریقہ میں بھی انفراسٹرکچر کے متعدد منصوبے سے قرضوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے دور میں تجارتی عدم توازن اور تحفظ پسندی کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔مزید برآں، تجارت کو فوج کے مقابلے میں جارحانہ سفارت کاری کے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا گیا۔پابندیوں کے جوابی پابندیوں کے ساتھ ساتھ مارکیٹنگ تک رسائی پر محصول اور پابندیاں بڑھانا نیا معمول بن گیا۔ہندوستانی منڈیوں میں چین کی ترقی کا مقابلہ کرنے کے لیے، ہندوستان نے اسی تحفظ پسندی کی پالیسیوں پر عمل کرتے ہوئے RCEP میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ملک کے قومی مفاد میں تعاون، جنگ، دشمنی اور میل جول سب کچھ ہوتا ہے۔کسی ملک کی خارجہ پالیسی کی تشکیل تین عوامل سے متاثر ہوتی ہے: اندرونی عوامل، بیرونی عوامل اور پالیسی سازی کے عوامل۔

ہم ایک کثیر قطبی دنیا میں رہتے ہیں جس میں طاقت کے مراکز جیسے کہ امریکہ، روس، چین، ہندوستان، برطانیہ، فرانس، جرمنی وغیرہ۔امریکہ اور چین کے درمیان طاقت کی کشمکش ہمیں تھوسیڈائڈز کے نظریہ تک لے آتی ہے۔حتمی سوچ کے طور پر، ہر چیز کا تعلق تھوسیڈائڈز کے نظریہ سے ہے۔تھوسیڈائڈز کا نظریہ اس تنازعہ کے حوالے سے ہے جو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک بڑھتی ہوئی طاقت کسی موجودہ کو بے گھر کرنے کا خطرہ پیدا کرتی ہے۔ابھرتی ہوئی طاقت جو حکمران طاقت کو تبدیل کرنے کی دھمکی دیتی ہے، ساختی کشیدگی کا سبب بنتی ہے، اور پر تشدد جھڑپیں اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، بلکہ اصول ہیں۔

10.3 توازنِ طاقت کی معنی اور تعریفیں (Meaning and definitions of Balance of Power)

بین الاقوامی تعلقات میں، توازنِ طاقت کی تعریف اقوام کے درمیان مساوی طاقت کی تقسیم کے طور پر کی جاتی ہے۔جب طاقت کم و بیش مساوی طور پر تقسیم ہو جائے تو کوئی ایک ریاست دوسروں پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی ریاست خطرہ محسوس کرتی ہے۔اسے 'بیلنس آف پاور تھیوری' کہتی ہے کہ اگر ایک ریاست طاقتور بنتی ہے، تو وہ کمزور ریاست پر حملہ کرے گی اور اس طرح خطرے سے دوچار ریاستوں کو دفاعی اتحاد بنانے کا موقع فراہم کرے گی۔

سڈنی فے اسے صرف توازن کے طور پر بیان کرتا ہے تاکہ کوئی بھی قوم کسی دوسری ریاست پر اپنی مرضی یا طاقت کا استعمال کرنے کے لیے مضبوط نہ ہو۔ انیس کلاڈ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ایک ایسا نظام جس میں کچھ قومیں کسی بڑی طاقت کی مداخلت کے بغیر اپنے طاقت کے تعلقات کو منظم کرتی ہیں"۔ بیلنس آف پاور تھیوری کے پیچھے منطق یہ ہے کہ دنیا کی کوئی حکومت نہیں ہے۔ اور ہر مملکت کو دوسرے کے حملے کو روکنے کے لیے اپنے وسائل اور حکمت عملی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب کسی ملک کو کسی طاقتور ملک سے خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ یا تو اپنے وسائل کو متحرک کرتا ہے یا دوسری مملکت کے ساتھ اتحاد کر لیتا ہے تاکہ مخالف کو متوازن رکھا جاسکے طاقت کے توازن کی وضاحت کرنا واقعی بہت ہی مشکل ہے۔ اس کی تعریف مختلف مفکر نے مختلف انداز میں کی ہے۔

"طاقت کے توازن کے ساتھ مشکل یہ نہیں ہے کہ اس کا کوئی مطلب نہیں ہے، لیکن اس کے بہت سے معنی ہیں۔" انیس ایل کلاڈ جونیئر

کچھ مصنفین اس کی وضاحت توازن کے لحاظ سے کرتے ہیں جب کہ دوسرے "برتری" یا "عدم توازن" کے لحاظ سے۔ کچھ اسے عمل کے اصول کے طور پر بیان کرتے ہیں جبکہ دوسرے اسے پالیسی یا نظام کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

توازنِ طاقت کی کچھ اہم تعریفیں:(Some important definitions of Balance of Power)

- "طاقت کا توازن قوموں کے خاندان کے افراد کے درمیان طاقت میں ایسا 'صرف توازن' ہے جو ان میں سے کسی کو بھی اتنا مضبوط بننے سے روکتا ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی مرضی نافذ کر سکے۔" -سڈنی بی فے
- "طاقت کا توازن طاقت کے تعلقات میں ایک توازن یا استحکام کی ایک خاص مقدار ہے جو سازگار حالات میں ریاستوں کے اتحاد یا دیگر آلات کے ذریعہ تیار کیا جاتا ہے۔" -جارج شوارزنبرگر
- طاقت کا توازن ایک ایسا نظام ہے جس میں کچھ قومیں کسی بڑی طاقت کی مداخلت کے بغیر اپنے طاقت کے تعلقات کو منظم کرتی ہیں۔ اس طرح یہ ایک غیر مرکزی نظام ہے جس میں طاقت، پالیسیاں تشکیل دینے والی اکائیوں کے ہاتھ میں رہتی ہیں۔ -انیس کلاڈ
- طاقت کے توازن کا مطلب ہے کہ "قوموں کے خاندان کے افراد کے درمیان ایسے عادلانہ توازن کو برقرار رکھنا جو ان میں سے کسی کو بھی اپنی مرضی کو باقیوں پر مسلط کرنے کے لیے کافی مضبوط ہونے سے روکے"۔ -لارڈ کیسلریگ
- "جب بھی طاقت کے توازن کی اصطلاح قابلیت کے بغیر استعمال کی جاتی ہے، تو اس سے مراد ایک حقیقی حالت ہے جس میں طاقت تقریباً برابری کے ساتھ قوموں میں تقسیم ہوتی ہے۔" -ہنس۔ جے مورگنتھاؤ

یہ تمام تعریفیں واضح طور پر اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ طاقت کے توازن کو مختلف مفکر نے مختلف طریقے سے بیان کیا ہے۔ یکساں طور پر قابل قبول تعریف دینا یا منتخب کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ مشکل سے ہمارے لیے طاقت کے توازن کی خصوصیات کا مطالعہ کو ضروری بناتا ہے۔

10.4 توازنِ طاقت کی نوعیت (Nature of Balance of Power)

پامر اور پرکنز بیلنس آف پاور (BOP) کی کئی بڑی خصوصیات بیان کرتے ہیں:

1۔ طاقت کے تعلقات میں کچھ قسم کا توازن

بیلنس آف پاور کی اصطلاح 'توازن' کی تجویز کرتی ہے جو مستقل، لا متناہی تبدیلی کے تابع ہے۔ مختصراً، اگرچہ اس کا مطلب توازن ہے، اس میں کچھ عدم توازن بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفکر اسے طاقت کے تعلقات میں ایک منصفانہ توازن یا کسی قسم کے توازن کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

2۔ عارضی اور غیر مستحکم

عملی طور پر طاقت کا توازن ہمیشہ عارضی اور غیر مستحکم ثابت ہوتا ہے۔ طاقت کا ایک خاص توازن تھوڑے وقت کے لیے ہی زندہ رہتا ہے۔

3۔ فعال طور پر حاصل کیا جائے

طاقت کا توازن انسانوں کی فعال مداخلت سے حاصل کرنا ہوگا۔ یہ خدا کا تحفہ نہیں ہے۔ مملکتیں اس کے "ہونے" تک انتظار کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ انہیں اپنی کوششوں سے اسے محفوظ بنانا ہوگا۔

4۔ جمود کے حق میں

طاقت کا توازن بڑی طاقتوں کے اقتداری عہدوں پر جمود کا حامی ہے۔ یہ ان کے طاقت کے تعلقات میں توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاہم، موثر ہونے کے لیے طاقت کے توازن کی خارجہ پالیسی کو تبدیل اور متحرک ہونا چاہیے۔

5۔ توازنِ طاقت کا امتحان جنگ ہے

آج طاقت کا حقیقی توازن شاذ و نادر ہی موجود ہے۔ توازن کا واحد امتحان جنگ ہے اور جب جنگ چھڑتی ہے تو توازن ختم ہو جاتا ہے۔ جنگ ایک ایسی صورت حال ہے جسے طاقت کا توازن روکنا چاہتا ہے اور جب یہ پھوٹ پڑتی ہے تو توازن طاقت ختم ہو جاتا ہے۔

6۔ امن کا آلہ نہیں

طاقت کا توازن امن کا بنیادی آلہ نہیں ہے کیونکہ یہ جنگ کو توازن برقرار رکھنے کا ذریعہ تسلیم کرتا ہے۔

7۔ توازنِ طاقت کے اداکاروں کے طور پر بڑی طاقتیں

طاقت کے نظام کے توازن میں بڑی ریاستیں یا طاقتور ریاستیں کھلاڑی ہوتی ہیں۔ چھوٹی ریاستیں یا کم طاقتور ریاستیں یا تو تماشائی ہیں یا کھیل کا شکار۔

8۔ ایک لازمی شرط کے طور پر ریاستوں کی کثرت

طاقت کا توازن اس وقت چلتا ہے جب متعدد بڑی طاقتیں موجود ہوں، جن میں سے ہر ایک اپنے طاقت کے تعلقات میں ایک خاص توازن یا توازن برقرار رکھنے کے لیے پر عزم ہے۔

9۔ قومی مفاد اس کی بنیاد ہے

طاقت کا توازن ایک ایسی پالیسی ہے جسے کوئی بھی ریاست اپنا سکتی ہے۔ اس پالیسی کی اصل بنیاد ایک مخصوص ماحول میں قومی مفاد ہے۔

10.5 توازنِ طاقت کے طریقے (Methods of Balance of Power)

طاقت کے توازن کی نوعیت پر بحث کرنے کے بعد، اب ہم طاقت کے توازن کو دوبارہ حاصل کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے طریقوں پر بحث کر سکتے ہیں۔ ہم عصر مصنفین نے کم از کم چھ الگ الگ طریقے تجویز کیے ہیں: اسلحہ اور تخفیف اسلحہ، معاوضہ، اتحاد، بفر زون، مداخلت، اور تقسیم کرو اور حکومت کرو۔ آیئے ہم باری باری ان طریقوں میں سے ہر ایک کا جائزہ لیں۔

اسلحہ سازی اور تخفیف اسلحہ

توازن برقرار رکھنے کا بنیادی طریقہ اسلحہ ہے۔ جب بھی ایک قوم اپنی طاقت میں اضافہ کرتی ہے تو اس کے حریف کے پاس ہتھیاروں کی دوڑ میں شامل ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اگر پہلی قوم اپنی طاقت کو برقرار رکھ سکے تو طاقت کا توازن بگڑ جائے گا لیکن اگر اس کے حریف بھی مسلح ہو کر اپنی طاقت میں اضافہ کر لیں تو طاقت کا توازن قائم رہتا ہے۔ امریکہ اور روس کے درمیان آج کی اسلحہ سازی کی دوڑ شاید تمام ہتھیاروں کی دوڑ میں سب سے بڑی ہے۔ تخفیف اسلحہ کو بھی طاقت کے مستحکم توازن کو بحال کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عملی طور پر توازن برقرار رکھنے کے لیے تخفیف اسلحہ کی کوششیں مایوس کن رہی ہیں۔ ممکنہ طور پر تخفیف اسلحہ کی کوششوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ اس میں مضمر ہے جس کا مشاہدہ سلواڈور ڈی مادریاگا نے کیا: "تخفیف اسلحہ کا مسئلہ تخفیف اسلحہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ واقعی عالمی برادری کی تنظیم کا مسئلہ ہے۔

معاوضہ

توازن کو محفوظ رکھنے کے لیے دوسرا اہم آلہ / طریقہ کار علاقائی معاوضہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی قوم کو اس کے مساوی رقم دے کر جس سے وہ محروم ہے یا اس کے برابر دوسری ریاستوں کو دے کر معاوضہ دینا۔ پولینڈ کے تین حصے (1772، 1792، 1795) اور 1713 کا

یوٹریکٹ کا معاہدہ معاوضے کی چند بہترین مثالیں ہیں۔ دنیا کی کالونیوں/نوآبادیات اور اثر ورسوخ کے دائروں میں تقسیم کو اکثر ان بنیادوں پر جائز قرار دیا جاتا ہے۔ کالونیاں/نوآبادیات بہر حال اپنی تمام طاقت کھو دیتی ہیں لیکن جو قومیں ان پر قبضہ کرتی ہیں وہ اس بنیاد پر اپنے اعمال کا جواز پیش کر سکتی ہیں کہ اگر انہوں نے ان کالونیوں پر قبضہ نہ کیا تو مخالف ہو سکتا ہے اور پھر طاقت کا توازن بگڑ جائے گا۔

اتحاد

معاوضے کی طرح، اتحاد بھی طاقت کے نظام کے توازن کا عام استعمال شدہ طریقہ ہے۔ سر رابرٹ والپول نے 1741 میں لکھا، "..... یہ لیگز کے ذریعے اچھی طرح سے مل کر، اور سختی سے مشاہدہ کیا جاتا ہے جس سے کہ کمزوروں کا مضبوط کے خلاف دفاع کیا جاتا ہے، کہ خواہشات کے ہنگامے کی حدیں طے ہوتی ہیں، کہ طاقت کا زور روک دیا جاتا ہے، اور سلطنتوں کو جنگ کے ان سیلابوں سے محفوظ کیا گیا، جس نے سابقہ وقت میں دنیا کو کھنڈرات میں ڈال دیا۔ اتحاد کے ذریعہ، طاقت کا توازن برقرار رہتا ہے، اور ان خطرے اور خدشات سے گریز کیا جاتا ہے، جو سلطنت کے اتار چڑھاؤ اور دائمی مقابلے کے اتار چڑھاو سے پیدا ہوتے ہیں۔" نظریہ واقعی آسان ہے۔ اگر قوم A اتنی طاقت ور ہو رہی ہے کہ وہ قوم B کو فتح کر سکے اور توازن کو خطرے میں ڈالے، تو قوم B، جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کافی طاقت نہیں ہے، خود کو قوم C کے ساتھ اتحاد کر لے گی جو اسی طرح کا خوف رکھتی ہے۔ اس طرح قومیں B اور C اپنی مشترکہ طاقت سے قوم A کی طاقت کو روکیں گی اور اس طرح دوبارہ توازن قائم کریں گی۔ 1894 کا 'فرانکو-روسی اتحاد'، یورپ کے حوالے سے اینگلو-امریکن اتحاد، اور 1945 کا عرب لیگ کا بحر اوقیانوس کا چارٹر اس اتحاد کی چند اہم مثالیں ہیں۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر بہت سی قومیں اتحاد میں شامل ہوں تو زیادہ تسلی بخش انداز میں توازن برقرار رکھنا آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ، اگر اس میں شامل قوموں کی تعداد زیادہ ہے تو ان امتزاج کے امکانات زیادہ ہوں گے جن کے ذریعے توازن حاصل کیا جا سکتا ہے اور توازن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ایڈجسٹمنٹ کرنا آسان ہو جائے گا۔ لیکن اگر قوموں کی تعداد کم ہو تو ایک قوم کا ایک طرف سے دوسری طرف جانے سے بہت بڑی تبدیلی نئے اتحادوں اور جوابی اتحادوں کے ذریعے آسانی سے ہو سکتی ہے اور طاقت کی مساوی تقسیم تباہ ہو سکتی ہے۔

مداخلت

مداخلت توازن کو محفوظ رکھنے کا ایک اور عام استعمال شدہ آلہ ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ اتحادی اپنی وفاداریاں ایک طرف سے دوسری طرف منتقل کر دیں۔ ایسے حالات میں، ایک بڑی قوم کے لیے اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت کر کے اور وہاں ایک دوستانہ حکومت قائم کر کے کھوئے ہوئے اتحادی کو دوبارہ حاصل کرنا معمول کی بات ہے۔ یہ طریقہ ان قوموں کے ذریعہ کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے جو توازن رکھنے والے کی حیثیت میں ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے سے پہلے، برطانیہ نے یونان میں مداخلت کی تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ مقامی کمیونسٹوں کے ہاتھ میں نہ آئے۔ سوویت روس نے دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر کمیونسٹ حکومتیں قائم کرنے کے لیے اپنے زیر اثر تمام

مشرقی یوروپی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد، امریکہ نے گوئٹے مالا، کیوبا، لبنان اور لاؤس میں مداخلت کی اور سوویت یونین نے شمالی کوریا، ہنگری اور مشرقی یورپ میں مداخلت کی۔

فاصلی علاقے (Buffer Zones)

توازن برقرار رکھنے اور محفوظ رکھنے کا ایک اور اہم طریقہ بفر زونز ہے۔ ایک بفر ایک کمزور قوم ہے جو دو طاقتور حریفوں کے درمیان واقع ہے۔ اس کا بڑا کام دو طاقتور ممالک کو الگ رکھنا ہے اور اس طرح ان کے درمیان رگڑ کے امکانات کو کم کرنا ہے۔ مثال کے طور پر پولینڈ روس اور جرمنی کے درمیان بفر رہا ہے۔

10.6 توازنِ طاقت کا تنقیدی جائزہ (Critical analysis of Balance of Power)

طاقت کے توازن کا تنقیدی جائزہ: طاقت کا توازن: حق میں دلائل:

- بین الاقوامی تعلقات میں استحکام کا ذریعہ: طاقت کا توازن بین الاقوامی تعلقات کو استحکام فراہم کرتا ہے۔ یہ طاقت کے موثر انتظام اور امن کا ایک آلہ ہے۔ گذشتہ 400 سالوں کے دوران یہ زیادہ تر اوقات امن کے تحفظ میں کامیاب رہا۔ "طاقت کے توازن نے کئی بار جنگ کو روکا ہے۔ جنگ تب شروع ہوتی ہے جب کوئی بھی ریاست ضرورت سے زیادہ طاقت حاصل کر لیتی ہے۔
- یہ بین الاقوامی تعلقات کی اصل نوعیت کے مطابق ہے: طاقت کا توازن بین الاقوامی تعلقات کی متحرک نوعیت کے مطابق ہے۔ یہ ریاستوں کے درمیان جنگ کے کسی سنگین خطرے کے بغیر تعلقات میں مسلسل ہم آہنگی اور دوبارہ ہم آہنگی میں مدد کرتا ہے۔ (3) ریاستوں کی کثرت کو یقینی بناتا ہے: چونکہ طاقت کا توازن بہت سے بڑے بین الاقوامی اداکاروں کی موجودگی کو ظاہر کرتا ہے (7 یا 8 اس سے بھی زیادہ)، یہ اقوام کی کثیر تعداد اور بین الاقوامی تعلقات میں توازن کو برقرار رکھنے میں ان کی فعال شرکت کو یقینی بناتا ہے۔
- چھوٹی ریاستوں کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے: طاقت کا توازن چھوٹی اور کمزور ریاستوں کے تحفظ کو یقینی بناتا ہے۔ اس کا اصول کہ کسی بھی قوم کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا جانا ہے، تمام ریاستوں کے مستقل وجود کے حامی ہے۔ ہر ریاست طاقت کے توازن میں اپنی سلامتی کے بارے میں محفوظ محسوس کرتی ہے۔
- طاقت کا توازن جنگ کی حوصلہ شکنی کرتا ہے: طاقت کا توازن جنگ کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کیونکہ ہر ریاست جانتی ہے کہ کوئی بھی غیر ضروری طور پر طاقتور بننے کی کوشش دیگر تمام ریاستوں کی طرف سے ایک کارروائی، یہاں تک کہ جنگ کی دعوت دے گی اور اس لیے وہ اپنے عزائم کو قابو میں رکھتی ہے۔

- بین الاقوامی تعلقات میں امن کا ذریعہ: آخر میں، طاقت کا توازن ہمیشہ امن و امان کا ذریعہ ہوتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات. یہ تعلقات میں جمود کی حمایت کرتا ہے۔۔18151914-کے درمیان اس نے کامیابی سے جنگ کو روکا۔

توازنِ طاقت: دلائل کے خلاف

- طاقت کا توازن امن کو یقینی نہیں بنا سکتا: طاقت کا توازن ضروری نہیں کہ بڑی ریاستوں کے ذریعے چھوٹی ریاستوں کے تسلط کو روکنے میں ناکامی کی وجہ سے امن قائم ہو۔ یہ چھوٹی ریاستوں کی سلامتی کو برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ درحقیقت ماضی میں طاقت کے توازن کے تحفظ کے نام پر جنگیں لڑی جاتی رہی ہیں۔ استحکام کے تین ادوار-ایک 1648 سے شروع ہوا، دوسرا 1815 سے اور تیسرا معاہدہ ورسائی (1918) سے، اس سے پہلے مسلسل جنگ اور پولینڈ کی تباہی سے شروع ہونے والی چھوٹی ریاستوں کے بڑے پیمانے کے خاتمے کے ذریعے، اور اس کے بعد ایک ایک جیسی نوعیت کی الگ تھلگ کارروائیوں کی بڑی تعداد۔
- ریاستیں جامد اکائیاں نہیں ہیں: ہر ریاست ہمیشہ زیادہ سے زیادہ قومی طاقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ فوجی جارحیت، علاقے پر قبضے اور اتحاد کے ذریعے اپنی طاقت میں اضافہ کرتے ہیں۔ وہ سماجی تنظیم کو بہتر بنا کر، صنعت کاری کے ذریعے اور اندرونی وسائل کو متحرک کر کے اپنی طاقت کو اندر سے بدل سکتے ہیں۔ لہذا طاقت کے توازن کا روایتی طریقہ کار ہی طاقت کے اضافے کا ذمہ دار نہیں ہے۔
- دنیا میں ایک ریاست کی برتری بھی امن کو محفوظ بنا سکتی ہے: کسی ایک ریاست یا ریاستوں کے گروہ کے ہاتھوں میں طاقت کا غلبہ ضروری نہیں کہ عالمی امن یا کسی بھی قوم کی آزادی کو خطرہ ہو۔ ایک عظیم طاقت (USSR) کے زوال اور دوسری عظیم طاقت (USA) کی مسلسل موجودگی کے نتیجے میں ہونے والی ایک قطبیت نے کسی بھی طرح سے بین الاقوامی امن و سلامتی یا طاقت کے توازن کو متاثر نہیں کیا۔ عصر حاضر میں ایک ریاست کی برتری ایک حقیقت ہے اور اس کے باوجود امن اور پرامن بقائے باہمی ہے۔
- تنگ بنیاد: طاقت کے توازن کا تصور بین الاقوامی تعلقات کے ایک تنگ نظری پر مبنی ہے۔ یہ طاقت کے تعلقات کو وسیع تر بین الاقوامی تعلقات کے طور پر دیکھتا ہے۔ یہ تمام ریاستی اقدامات کے محرکات کے طور پر اپنے اور قومی مفاد کے تحفظ کو پوری اہمیت دیتا ہے۔ یہ دوسرے مقاصد یعنی سماجی، اقتصادی، ثقافتی اور اخلاقی، جو بین الاقوامی تعلقات کو مضبوط محرکات فراہم کرتے ہیں، کو مناسب وزن دینے میں ناکام رہتا ہے۔
- متعدد ریاستوں کی مساوات ایک افسانہ ہے: طاقت کا توازن متعدد یکساں طاقتور ریاستوں کے تصور کو پیش کرتا ہے۔ عملی طور پر کسی بھی دو ریاستوں کے پاس مساوی طاقت نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ اس میں توازن کا تصور شامل ہے جو حقیقت میں عدم توازن ہے اور مسلسل تبدیلی کے تابع ہے۔
- قومیں اتحاد توڑنے کے لیے آزاد نہیں ہیں: طاقت کے توازن کے نظریہ کو اس بنیاد پر بھی تنقید کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے کہ یہ غلط طور پر یہ فرض کر لیتا ہے کہ قومیں جب اور جب بھی طاقت کے توازن پر بنیادی غور کرنا چاہیں اتحاد بنانے یا توڑنے کے لیے آزاد ہیں۔

- طاقت کے توازن کی غیر یقینی صورتحال: مورگینتھاؤ طاقت کے توازن پر اس کی غیر یقینی صورتحال پر تنقید کرتا ہے۔ طاقت کا توازن غیر یقینی ہے کیونکہ اس کا عمل مختلف اقوام کی طاقت کی تشخیص پر منحصر ہے۔ عملی طور پر کسی ریاست کی طاقت کا بالکل درست اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔
- طاقت کا توازن غیر حقیقی ہے: چونکہ کسی قوم کی قومی طاقت کا اندازہ ہمیشہ غیر یقینی ہوتا ہے، اس لیے کوئی بھی قوم طاقت کے توازن پر انحصار کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ہر قوم اپنی طاقت کے بارے میں ہمیشہ راز رکھتی ہے۔ چونکہ تمام قومیں محفوظ رکھتی ہیں، اس لیے کسی خاص وقت میں طاقت کا توازن ہمیشہ غیر حقیقی ہوتا ہے۔
- طاقت کے توازن کی ناکافی: طاقت کا توازن بذات خود بین الاقوامی امن اور سلامتی کا ایک غیر مؤثر/غیر اطمینان بخش آلہ ہے۔ یہاں تک کہ یہ جنگ کو توازن برقرار رکھنے کے ایک ذریعہ کے طور پر قبول کرتا ہے۔ خوف کبھی بھی بین الاقوامی تعلقات کی حقیقی بنیاد نہیں ہو سکتا۔

10.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ نے:

- طاقت کے توازن کی ارتقا کو سمجھا۔
- طاقت کے توازن کے معنی و تعریفوں کے بارے میں معلومات حاصل کی۔
- توازنِ طاقت کی نوعیت کو جانا۔
- طاقت کے توازن سے رُوبرو ہوئے۔
- طاقت کے توازن کا تنقیدی جائزہ بھی لیا۔

10.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

عظیم طاقت

عظیم طاقت ایک ایسی مملکت ہوتی ہے جس کی ایک مضبوط اور غالب حیثیت ہوتی ہے جس کی خصوصیت عالمی سطح پر اثر و رسوخ یا پروجیکٹ پاور بنانے کی وسیع صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ اقتصادی، فوجی، تکنیکی، سیاسی اور ثقافتی طاقت کے ساتھ ساتھ سفارتی اور نرم طاقت کے اثر و رسوخ کے مشترکہ ذرائع سے کیا جاتا ہے۔

پراکسی جنگ

دو ریاستوں یا غیر ریاستی اداکاروں کے درمیان مسلح تصادم ہے، جن میں سے ایک یا دونوں اکسانے پر یا دوسرے فریقوں کی جانب سے کام کرتے ہیں جو براہ راست دشمنی میں ملوث نہیں ہیں

اتحادی طاقت

دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ کے قیادت میں یکجا ہوئے مملکت کا ایک گروہ

''ڈالر سماجیت''

یہ وہ اصطلاح ہے جو معاشی امداد کے ذریعے دور دراز ممالک پر غلبہ حاصل کرنے اور برقرار رکھنے میں امریکہ کی پالیسی کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے

دوسری عالمی جنگ

دوسری جنگ عظیم کو دوسری عالمی جنگ بھی کہا جاتا ہے یہ ایک عالمی جنگ تھی جو 1939 سے 1945 تک جاری رہی۔ اس میں دنیا کے ممالک کی اکثریت کے ساتھ دو بڑی طاقتیں اتحادی اور محور بھی شامل تھی۔

10.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

10.9.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ طاقت توازن کی نظریہ میں کون سا نظریہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے؟

(a) ریالسٹ　　(b) نیو ریالسٹ　　(c) لبرلزم　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ طاقت کے توازن کے نظریے کی بنیاد کس سال رکھی گئی تھی؟

(a)1945　　(b)1947　　(c)1946　　(d)1948

3۔ 'لیگ آف نیشنز' کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a)1919　　(b)1920　　(c)1921　　(d) 1922

4۔ مورخین سرد جنگ کے کس مرحلہ کو 'نئی سرد جنگ' کہتے ہیں؟

(a)پہلا (b)دوسرا (c)تیسرا (d)آخری

5۔ سویت یونین کس سال میں منتشر ہوا تھا؟

1989 (a) 1990 (b) 1991(c) 1992 (d)

6۔ کس نے کہا ہے کہ توازنِ طاقت کا تصور بہت زیادہ الجھنوں سے بھرا ہوا ہے؟

(a)مارٹن رائٹ (b)ہارٹمین (c)کلاوڈے (d)ان میں سے کوئی نہیں

7۔ کس سابق امریکہ صدر نے 'لیگ آف نیشنز قائم کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا؟

(a)ابراہم لنکن (b)ووڈرو ولسن (c)جیفرسن (d)جارج بُوش

8۔ 'وارسا معاہدہ' پر کس ملک نے دستخط کیے تھے؟

(a)فرانس (b)امریکہ (c)جاپان (d)سویت روس

9۔ان میں سے کس کی تشکیل طاقت کے توازن کے نظریہ کی بہترین مثال ہے؟

QUAD(a) NATO(b) SAARC(c) (d)ان میں سے کوئی نہیں

10۔ Nine dash line کس ملک سے جڑا ہے؟

(a)امریکہ (b)چین (c)جرمنی (d)سویت روس

10.9.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ''طاقت کا توازن کیا ہے؟'' واضح کیجیے۔
2. طاقت کے توازن کے معنی اور مفہوم بتایئے؟
3. طاقت کے توزن کی تعریف بیان کیجئے؟
4. طاقت کے توازن کی نوعیت سمجھایئے
5. طاقت کے توازن پر مختصر نوٹ لکھئے۔

10.9.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. طاقت کے توازن کی ارتقاء پر روشنی ڈالیئے۔
2. طاقت کے توازن کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔
3. طاقت کے توازن کے طریقے پر غور وفکر کیجئے۔

10.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, The Globalisation of World Politics (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, International Relations, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, International Relations, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, Understanding International Conflicts, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, Introduction to Global Politics, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, Bainul-Aqwaami Taaluqaat (Nisaab Publishers, 2005

اکائی 11۔ اجتماعی سلامتی

(Collective Security)

اکائی کے اجزا:

11.0	تمہید
11.1	مقاصد
11.2	اجتماعی سلامتی پر ایک طائرانہ نظر
11.3	اجتماعی سلامتی کا ارتقا
11.4	لیگ آف نیشنز کے تحت اجتماعی سلامتی کا نظام
11.5	لیگ کے تحت اجتماعی سلامتی کے نظام کے کام
11.6	اقوام متحدہ کے اجتماعی سلامتی کا تصور
11.7	اجتماعی سلامتی کی اہم خصوصیات
11.8	اجتماعی سلامتی کا تصور
11.9	اجتماعی سلامتی کے نقصانات
11.10	اکتسابی نتائج
11.11	کلیدی الفاظ
11.12	نمونہ امتحانی سوالات
11.12.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
11.12.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
11.12.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
11.13	تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء مان لیجیے کہ آپ کے گاؤں میں ایک بدمعاش انسان ہے جو گاؤں کے چھوٹے، کمزور لوگوں کو ڈراتا دھمکاتا یا ان سے ہفتہ وصولی کرتا پھرتا ہے۔ وہ یقینی طور پر ہر ایک گاؤں کے آدمی سے زیادہ طاقت ور ہے جنہیں وہ دھونس دے رہا ہے، ٹھیک ہے؟ لیکن کیا ہوگا اگر وہ تمام لوگ اس غنڈہ کے خلاف اکٹھے ہو جائیں اور ایک متحد گروپ کے طور پر اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں اور اس سے کہیں: 'اگر تم ہم میں سے کسی کے ساتھ گڑ بڑ کرتے ہو تو تم ہم سب کے ساتھ گڑ بڑ کرتے ہو، بس اجتماعی سلامتی کے پیچھے یہی نظریہ ہے۔ اجتماعی سلامتی ایک ایسا انتظام ہے جس میں متعدد ریاستیں اجتماعی ردعمل کے ساتھ کسی ایک رکن ریاست کا دفاع کرنے کا عہد کرتی ہیں جو اس نظریہ کو ظاہر کرتا ہے کہ اتحاد اور تعداد میں طاقت ہے۔۔ اس اکائی میں ہم تفصیل کے ساتھ اجتماعی سلامتی اور اس کے متعلق امور کا مطالعہ کریں گے۔

11.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ

- اجتماعی سلامتی کو جانیں گے۔
- اجتماعی سلامتی کے ارتقا کو سمجھیں گے۔
- اقوام متحدہ کے اجتماعی سلامتی کے تصور سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- اجتماعی سلامتی کی اہم خصوصیات کی جانکاری حاصل کریں گے۔
- اجتماعی سلامتی کے نقصانات سے بھی رُوبرو ہوں گے۔

11.2 اجتماعی سلامتی پر ایک طائرانہ نظر (A brief view on Collective Security)

اجتماعی سلامتی پر بہت سے سیاسی مفکرین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں اجتماعی سلامتی کا بنیادی اصول یہ ہے۔ "ایک سب کے لیے اور سب ایک کے لیے۔" One for all and all for one.

جارج شوارزنبرگر کے مطابق۔ "اجتماعی سلامتی بین الاقوامی نظام کے خلاف حملوں کو روکنے اور ان کا جواب دینے کے لیے کی جانے والی مشترکہ کارروائی کا آلہ ہے۔"

پامر اور پرکنز کے مطابق۔ "اجتماعی سلامتی کا مطلب واضح طور پر امن ہے۔ اس کا مطلب خطرات سے نمٹنے کے لیے اجتماعی اقدامات کرنا ہے۔"

جیکب اور ایتھرٹن کے مطابق -"اجتماعی سیکورٹی ریاستوں کے درمیان ایک باہمی یقین دہانی کا معاہدہ ہے۔ ہر قوم ایک دوسرے اور تمام اقوام کی سلامتی کی ضمانت دیتی ہے اور اس ضمانت کی وجہ سے اسے اپنی سلامتی کی ضمانت بھی ملتی ہے۔

اجتماعی سلامتی سیاسی، علاقائی یا عالمی میدان میں ایک حفاظتی انتظام ہے جس میں ریاست قبول کرتی ہے کہ ایک کی سلامتی سب کی سلامتی ہے۔ لہذا، ایک گروپ میں شامل ریاستیں کسی بھی خطرے یا امن کی خلاف ورزی کی صورت میں سب کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اجتماعی طور پر تعاون کرتی ہیں۔ اجتماعی سلامتی جارحیت کے خلاف ایک رکاوٹ کے طور پر کام کرتی ہے کیونکہ تمام اقوام کی اجتماعی طاقت کسی بھی ریاست کے خلاف جارحیت یا جنگ کو پسپا کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ ایک کے خلاف جارحیت سب کے خلاف جارحیت ہے۔ بین الاقوامی امن اور برادری کے لیے ریاستوں کے ایک گروپ کی طرف سے اجتماعی کارروائی سے جارحیت کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ Schleicher کے مطابق اجتماعی سلامتی کے دو اہم عناصر 'سیکورٹی' اور 'اجتماعی' ہیں۔ ایک قوم کی سلامتی تمام اقوام کی سلامتی سے جڑی ہوئی ہے۔ قومی سلامتی بین الاقوامی سلامتی ہے۔ ایک قوم کی سلامتی کی خلاف ورزی تمام قوموں کی سلامتی کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔ یہاں 'اجتماعی' کا مطلب ہے کہ ریاستوں کے گروپ کو اجتماعی طور پر حملہ آور سے نمٹنا ہے۔ یہ سب کے لیے ایک اور سب کے لیے ایک کے جذبے کو اجاگر کرتا ہے۔"

آرگنسکی نے پنی کتاب ورلڈ پولیٹکس میں اجتماعی سلامتی کے پانچ بنیادی مفروضوں کی فہرست دی ہے:

- مسلح تصادم میں، رکن ممالک اس بات پر متفق ہوں گے کہ حملہ آور کون ہے۔
- تمام رکن ممالک جارحیت کو روکنے کے لیے یکساں طور پر پرعزم ہیں۔
- تمام رکن قومی ریاستوں کو کارروائی کی یکساں آزادی اور جارحیت میں شامل ہونے کی صلاحیت ہے۔
- رکن ممالک کی اجتماعی طاقت جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہوگی۔
- اجتماعی سلامتی کے تناظر میں، جارح ملک اپنے عمل میں ترمیم کرے گا یا اسے شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مورگینتھاؤ اجتماعی سلامتی کی کامیابی کے لیے تین شرائط پیش کرتا ہے:

- اجتماعی فوجی طاقت جارح کو شکست دینے کے لیے اس سے زیادہ ہونی چاہیے۔
- رکن ممالک کو عالمی نظام کی سلامتی کے بارے میں یکساں عقائد رکھنے چاہئیں۔
- رکن ممالک کے درمیان متصادم مفادات کو مشترکہ بھلائی کے تابع کیا جانا چاہیے جو کہ تمام رکن ممالک کا مشترکہ دفاع ہے۔

11.3 اجتماعی سلامتی کا ارتقا (Historical Evolution of Collective Security)

اجتماعی سلامتی کا تصور تاریخ کے ایک لمبے دور سے گزرا ہے، قوموں کے درمیان امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے میکانزم قائم کرنے کی مختلف کوششوں کے ساتھ۔ مندرجہ ذیل میں اجتماعی سلامتی کے تاریخی ارتقاء کا تفصیلی جائزہ ہے:

1۔ ما قبل جدید دور (Pre-Modern Era): قدیم زمانے میں، شہروں کی ریاستوں اور سلطنتوں نے مشترکہ خطرات کے خلاف باہمی دفاع کے لیے اتحاد اور معاہدے کیے تھے۔ تاہم، یہ اتحاد اکثر ایڈہاک تھے اور ان میں اجتماعی سلامتی کے لیے منظم انداز کا فقدان تھا۔

2۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد: Post-World War I:

- لیگ آف نیشنز کا قیام 1920 میں پہلی جنگ عظیم کے بعد مستقبل کے تنازعات کو روکنے کے مقصد سے کیا گیا تھا۔ یہ بین الاقوامی سطح پر اجتماعی سلامتی کی پہلی اہم کوشش تھی۔
- اجتماعی سلامتی کے لیے لیگ کا بنیادی طریقہ کار یہ تھا کہ رکن ممالک اجتماعی طور پر جارح کے خلاف اقتصادی پابندیاں یا فوجی طاقت لگا کر جارحیت کی کارروائیوں کا جواب دیں گے۔
- تاہم لیگ، امریکہ جیسی بڑی طاقتوں کی عدم موجودگی اور اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے میں ناکامی کی وجہ سے دوسری جنگ عظیم کو روکنے میں ناکام رہی۔

3۔ اقوام متحدہ (UN):

- دوسری جنگ عظیم کے بعد، اقوام متحدہ کی (1945) نے لیگ آف نیشنز کی جگہ لی۔ اقوام متحدہ کے چارٹر نے اجتماعی سلامتی کے اصولوں کا خاکہ پیش کیا، تنازعات کو روکنے اور حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔
- سلامتی کونسل، جس کے پانچ مستقل ارکان (P5) کے پاس ویٹو پاور ہے، بین الاقوامی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ P5 تنازعات کو روکنے اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی اجتماعی طاقت کا استعمال کرنے کے لیے پرعزم ہے۔

4۔ سرد جنگ کا دور: (Cold War Era) سرد جنگ کے دوران، ریاستہائے متحدہ اور سوویت یونین کے درمیان تنازعہ کی دو قطبی نوعیت کی وجہ سے سلامتی کونسل منقسم ہوئی اور جارحیت کے خلاف اجتماعی تحفظ کا فقدان تھا، کیونکہ ہر سپر پاور نے اپنے اتحادیوں کی حفاظت کے لیے اپنے ویٹو پاور کا استعمال کیا۔

5۔ سرد جنگ کے بعد کا دور (Post-Cold War Era): سرد جنگ کے خاتمے کے بعد، ایسی کئی مثالیں موجود تھیں جہاں اقوام متحدہ اور علاقائی تنظیمیں جیسے نیٹو اور یورپی یونین نے اجتماعی سلامتی کی کوششوں میں مصروف تھے، جیسے کہ خلیجی جنگ (1990-1991) اور بلقان کے تنازعات (1990 کی دہائی)۔

6۔چیلنجز اور تنقید(Challenges and Criticisms)

- طاقت کی سیاست، ویٹو اختیارات، اور تمام تنازعات کو روکنے میں ناکامی کی وجہ سے اجتماعی حفاظتی طریقہ کار کی تاثیر کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔
- 1990 کی دہائی میں روانڈا اور بوسنیا جیسی جگہوں پر انسانی بحرانوں نے بڑے پیمانے پر مظالم کو روکنے کے لیے اقوام متحدہ کی صلاحیت پر سوالات اٹھائے۔

7۔اکیسویں صدی(21st Century):

- افریقی یونین اور عرب لیگ جیسی علاقائی تنظیموں کے زیادہ فعال کردار ادا کرنے کے ساتھ اجتماعی سلامتی کی کوششیں جاری ہیں۔
- ریسپانسیبلٹی ٹو پروٹیکٹ (R2P) کے تصور کو اہمیت حاصل ہوئی، جس نے بین الاقوامی برادری کی ذمہ داری پر زور دیا کہ وہ شہریوں کو بڑے پیمانے پر مظالم سے بچائے جب ان کی اپنی حکومتیں ایسا کرنے میں ناکام رہیں۔

8۔ عصری چیلنجز(Contemporary Challenges): اجتماعی سلامتی کو درپیش عصری چیلنجوں میں بڑھتی ہوئی قوم پرستی، دہشت گردی، سائبر خطرات، اور پیچیدہ، غیر ریاستی اداکاروں کے زیر تسلط ماحول میں تنازعات سے نمٹنے میں دشواری شامل ہیں۔

11.4 لیگ آف نیشنز کے تحت اجتماعی سلامتی کا نظام
(Collective Security System under the League of Nations)

اجتماعی سلامتی کا نظام، جیسا کہ لیگ نے وضع کیا ہے، اس کی تعریف میثاق کے آرٹیکل 10، 11 اور 16 میں کی گئی ہے۔

آرٹیکل 10 -لیگ کے تمام اراکین کی علاقائی سالمیت کا احترام اور تحفظ۔

آرٹیکل 11 (1)- کسی بھی جنگ یا جنگ کے خطرے کو پوری لیگ کا مسئلہ قرار دیا گیا ہے اور لیگ کوئی بھی ایسا اقدام کرے گی جو اقوام کے امن کے تحفظ کے لیے مؤثر سمجھا جائے۔

آرٹیکل 11 (2) میں یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ وہ لیگ کے ہر رکن کا یہ حق ہے کہ وہ بین الاقوامی امن کو متاثر کرنے والے امور کی طرف اسمبلی یا کونسل کی توجہ دلائے۔

میثاق کے آرٹیکل 12، 13، اور 15 میں ان پرامن ذرائع کی فہرست دی گئی ہے جنہیں اراکین اپنے تنازعات کے حل کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

آرٹیکل 16 -یہ لیگ کے اجتماعی حفاظتی نظام کی بنیاد ہے۔

آرٹیکل 16(1) اگر لیگ کا کوئی رکن جنگ کا سہارا لیتا ہے، تو اسے لیگ کے خلاف جنگ کا ارتکاب سمجھا جائے گا جو اسے فوری طور پر تجارتی اور مالیاتی تعلقات منقطع کرنے کا عہد کرتا ہے۔

آرٹیکل 16(2) یہ کونسل کا فرض ہے کہ وہ متعدد حکومتوں کو تجویز کرے کہ کون سی موثر فوجی، بحری یا فضائیہ ضروری ہے اور لیگ کے ارکان مسلح افواج میں متعدد طور پر حصہ ڈالیں گے۔

آرٹیکل 16(3) لیگ کے اراکین مزید اس بات پر متفق ہیں کہ وہ جارحیت کے خلاف اٹھائے جانے والے مالی اور اقتصادی اقدامات میں ایک دوسرے کی حمایت کریں گے اور معاہدہ توڑنے والی ریاست کی طرف سے اس کے کسی رکن کے خلاف کسی بھی اقدام کی مخالفت کریں گے اور خصوصی اقدام کی اجازت دیں گے۔

آرٹیکل 16(4) لیگ کا کوئی بھی ممبر جس نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو اسے مزید لیگ کا رکن قرار دیا جاسکتا ہے۔

آرٹیکل 17- غیر ممبران کا بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی۔

11.5 لیگ کے تحت اجتماعی سلامتی کے نظام کے کام

(Working of the Collective Security System under the League)

اجتماعی سلامتی کے لیگ کے تحت کام مندرجہ ذیل ہیں:

- 1932-1931 کے منچورین بحران میں لیگ نے جاپان کو جارحیت کرنے والا قرار دیا لیکن یہ فیصلہ اب تک کے برعکس نتیجہ خیز ثابت ہوا کیونکہ اس کی وجہ سے جاپان لیگ سے نکل گیا۔
- 1936-1935 میں ایتھوپیا کے بحران میں اجتماعی سلامتی کے نظام کو فعال کرنے کی ایک اور جرات مندانہ کوشش کی گئی جس میں اٹلی کو حملہ آور قرار دیا گیا۔ لیکن لیگ کے ارکان نے پابندیاں خود بخود، بیک وقت اور جامع طور پر لاگو نہیں کیں بلکہ روک ٹوک، بتدریج اور ٹکڑوں میں لگائیں جس سے پابندیوں کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے۔
- آسٹریا پر نازیوں کی فتح کے بعد چیکوسلواکیہ کا خاتمہ ہوا اور آخر کار پولینڈ پر حملہ جس کی وجہ سے جنگ شروع ہوئی اور اس وجہ سے اجتماعی سلامتی کے نظام اور لیگ کا خاتمہ ہوا۔
- امریکہ کی شمولیت میں ناکامی، سوویت یونین کا لیگ سے باہر نکلنا، بین الاقوامی ذمہ داریاں سنبھالنے میں برطانیہ کی ہچکچاہٹ، اپنی سلامتی کے لیے فرانسیسی جدوجہد اور جاپان، اٹلی اور جرمنی کی طرف سے نظام کی کھلی خلاف ورزی، ان تمام امور نے مل کر لیگ کے تحت اجتماعی سلامتی کو تباہ و برباد کر دیا۔

11.6 اقوام متحدہ کے اجتماعی سلامتی کا تصور (UN Collective Security Concept)

اقوام متحدہ کے چارٹر میں کہا گیا ہے کہ اجتماعی سلامتی کے نظام کو بین الاقوامی امن اور سلامتی کے تحفظ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کا باب VII اجتماعی سلامتی کے نظام کے بارے میں بات کرتا ہے اور اس کا عنوان ہے: امن کے لیے خطرات کے احترام کے ساتھ کارروائی، اور جارحیت کے اعمال۔ باب VII میں 13 مضامین ہیں، آرٹیکل 39-51، جو بین الاقوامی امن اور سلامتی کو محفوظ بنانے کے لیے ایک اجتماعی نظام فراہم کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو جارحیت کے خلاف اجتماعی حفاظتی کارروائی شروع کرنے کا کام سونپا گیا ہے۔ 13 مضامین درج ذیل ہیں:

- آرٹیکل 39: سلامتی کونسل کی ذمہ داری اس بات کا تعین کرنا کہ آیا کوئی کارروائی جارحیت ہے یا نہیں اور بین الاقوامی امن کو محفوظ بنانے کے اقدامات کا فیصلہ کرنا۔
- آرٹیکل 40: یہ کہتا ہے کہ جنگ/جارحیت کی روک تھام کی طرف پہلا قدم جنگ بندی جیسے عارضی اقدامات ہو سکتے ہیں۔
- آرٹیکل 41: اجتماعی فوجی کارروائیوں کے علاوہ نافذ کرنے والے اقدامات سے مراد ہے۔ یہ حملہ آور کے خلاف پابندیوں کی سفارش کر سکتا ہے۔
- آرٹیکل 42: سلامتی کونسل بین الاقوامی امن اور سلامتی کے تحفظ کے لیے فوجی کارروائی کر سکتی ہے۔
- آرٹیکل 43: سلامتی کونسل کے ممبران پر لازم ہے کہ وہ اجتماعی سیکورٹی فورس کو بڑھانے کے لیے وسائل، کوششوں اور قوتوں میں حصہ ڈالیں جنہیں آرٹیکل 42 کے تحت کارروائی کرنا پڑ سکتی ہے۔
- آرٹیکلز 44-47: اجتماعی حفاظتی کارروائی کے لیے اقوام متحدہ کی امن کیپنگ فورس کو بڑھانے، برقرار رکھنے اور استعمال کرنے کے طریقہ کار۔
- آرٹیکل 48: سلامتی کونسل کے فیصلے پر کارروائی تمام ممبران یا ان میں سے کچھ کو کرنا ہے جیسا کہ سلامتی کونسل طے کر سکتی ہے۔
- آرٹیکل 49: اقوام متحدہ کے ارکان کو سلامتی کونسل کے فیصلوں پر عمل درآمد میں باہمی تعاون کرنا ہوگا۔
- آرٹیکل 50: وہ طریقے بتاتا ہے جس میں غیر رکن ممالک اپنی پالیسیوں اور اقدامات کو اس فیصلے کے لیے ایڈجسٹ کر سکتے ہیں جو آرٹیکل 41-42 کے تحت سلامتی کونسل کے ذریعے لیا جا سکتا ہے۔
- آرٹیکل 51: کسی ریاست کے خلاف مسلح حملے کی صورت میں، اقوام متحدہ ریاست کے اس حق کو قبول کرتا ہے کہ وہ انفرادی یا اجتماعی طور پر اپنے دفاع کے لیے اقدامات کرے جب تک کہ سلامتی کونسل بین الاقوامی امن اور سلامتی کے تحفظ کے لیے اقدامات نہ کرے۔

کورین بحران کو حل کرنے کے لیے پہلی بار 1950 میں اجتماعی سلامتی کا استعمال کیا گیا۔ 1956 میں اسے نہر سویز کے بحران میں دوبارہ استعمال کیا گیا۔ یہ کانگو، ہنگری، لبنان، ایران عراق جنگ، 2001 میں افغانستان میں القاعدہ کے خلاف جنگ کے بحرانوں کے دوران بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ تاہم جب 2003 میں امریکہ نے اقوام متحدہ کی اجازت کے بغیر عراق پر حملہ کیا تو اجتماعی سلامتی کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

11.7 اجتماعی سلامتی کی اہم خصوصیات (Key Characteristics of Collective Security)

اجتماعی سلامتی کی اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

- طاقت کے انتظام کا ایک آلہ: بین الاقوامی امن کو برقرار رکھنے کے لیے، جنگ یا حملے کے وقت بحران سے نمٹنے کے لیے اجتماعی سلامتی کا استعمال کیا جاتا ہے۔
- جارحیت کی عالمگیریت کو تسلیم کرنا: یہ تسلیم کرتا ہے کہ جارحیت ہو گی اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ریاستوں کا ایک گروپ تشکیل دینا ہو گا۔
- قوموں کا جارحیت کو ختم کرنے کا عزم: تمام قومیں جارحیت کو روکنے کے لیے اپنے وسائل جمع کرتی ہیں۔
- جنگ کا اختتام: ایک جارح قوم جنگ سے گریز کرے گی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس کا عمل اجتماعی دفاع سے پورا کیا جائے گا۔

جنگ دشمن ہے ریاست نہیں: اجتماعی سلامتی جنگ کو ختم کرنے کی طرف کام کرتی ہے جارحانہ ریاست نہیں۔

11.8 اجتماعی سلامتی کا تصور (Concept of Collective Security)

اجتماعی سلامتی کا تصور اجتماعی سلامتی ایک کثیر جہتی ادارہ ہے جو ریاستوں کی طرف سے بین الاقوامی نظام میں امن کے قیام اور تحفظ کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ طاقت کے استعمال کو منظم کرنے کے لیے یہ ایک عالمی معاہدہ ہے جو اس کے دائرہ کار میں تمام ریاستوں پر لاگو ہوتا ہے اور اس کا مقصد کسی حتمی جارحیت کے خلاف برتری قائم کرنا ہے۔ یہ امن کی ناقابل تقسیم ہونے کے عمومی اصولوں پر مبنی ہے۔ بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ جنگ ناگزیر نہیں ہے یا تو ریاستوں کے درمیان مفادات کی بنیادی ہم آہنگی ہے یا اس وجہ سے کہ مفادات کے حتمی تنازعات کو حل کرنے کے لئے وجہ کافی ہے۔ اجتماعی سلامتی جنگ کے مسئلے کو براہ راست انداز میں حل کرتی ہے: طاقت کا یکطرفہ استعمال حرام ہے (یا یہاں تک کہ غیر قانونی) اور اجتماعی پابندیاں حتمی حد سے تجاوز کرنے والوں کے خلاف لگائی جاتی ہیں۔ مقصد پوری بین الاقوامی برادری کے لیے ایک زیادہ مستحکم دنیا ہے۔

11.9 اجتماعی سلامتی کے نقصانات (Disadvantages of collective security)

اجتماعی سلامتی بین الاقوامی تعلقات کا ایک تصور ہے جس میں جارحیت کو روکنے اور امن برقرار رکھنے کے لیے متعدد ممالک مل کر کام کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کے فوائد ہیں، اس کے کئی نقصانات بھی ہیں:

- مفت سواری (Free Riding): کچھ قومیں امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے اپنا منصفانہ حصہ نہ دے کر اجتماعی حفاظتی نظام کا فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ وہ اجتماعی سلامتی کا بوجھ اٹھانے کے لیے دوسروں پر انحصار کر سکتے ہیں، جس سے نظام میں عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے۔
- پیچیدہ فیصلہ سازی (Complex Decision-Making): اجتماعی حفاظتی فریم ورک میں فیصلوں کے لیے اکثر متعدد ممالک کے درمیان اتفاق رائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بحران کے وقت سست اور غیر فیصلہ کن رد عمل کا باعث بن سکتا ہے، جس سے فوری خطرات سے مؤثر طریقے سے نمٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔
- متنوع مفادات (Diverse Interests): ایک اجتماعی سلامتی تنظیم کے رکن ممالک کے مختلف قومی مفادات ہو سکتے ہیں۔ یہ اختلافات موثر تعاون میں رکاوٹ بن سکتے ہیں اور عالمی چیلنجوں سے نمٹنے کے دوران متضاد ترجیحات کا نتیجہ بن سکتے ہیں۔
- نفاذ کے چیلنجز (Enforcement Challenges): اجتماعی حفاظتی اقدامات کو نافذ کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی قوم بین الاقوامی اصولوں کی خلاف ورزی کرتی ہے، تو اس کے لیے تمام اراکین کا متفق ہونا اور کارروائی کرنے کا عزم کرنا مشکل ہو سکتا ہے، جس سے نظام کی ساکھ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔
- وسائل اور عزم کے متغیرات (Resource and Commitment Variability): عزم اور وسائل کی سطح جو رکن ممالک اجتماعی سلامتی کی کوششوں کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار ہیں نمایاں طور پر مختلف ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ قومیں دوسروں کی طرح حصہ ڈالنے کے لیے تیار یا قابل نہ ہوں، جس سے نظام کی مجموعی تاثیر متاثر ہوتی ہے۔
- طاقت کا عدم توازن (Imbalance of Power): اجتماعی سلامتی کے نظام پر چند طاقتور ممالک کا غلبہ ہو سکتا ہے، جس سے طاقت کا عدم توازن اور فیصلہ سازی میں غیر مساوی اثر و رسوخ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں چھوٹے یا کم بااثر ممالک احساس محرومی کا شکار ہو سکتے ہیں۔
- خود مختاری کا انحطاط (Erosion of Sovereignty): بعض صورتوں میں، اجتماعی حفاظتی انتظامات میں حصہ لینے کے لیے قوموں کو اپنی خود مختاری کو ایک حد تک چھوڑنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اسے ایک نقصان کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے، خاص طور پر ان ممالک کے لیے جو اپنی آزادی اور خود مختاری کو اہمیت دیتے ہیں۔
- محدود تاثیر (Limited Effectiveness): اجتماعی سلامتی ہمیشہ تنازعات کو روکنے یا امن برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ دوسری عالمی جنگ کو روکنے میں لیگ آف نیشنز کی ناکامی جیسی تاریخی مثالیں اس کی حدود کو نمایاں کرتی ہیں۔

- لاگت اور بوجھ(Costs and Burden): سیکورٹی کی اجتماعی کوششوں میں حصہ لینا مہنگا اور وسائل کا حامل ہو سکتا ہے، مالی تعاون اور ممکنہ فوجی شمولیت دونوں لحاظ سے۔ یہ محدود وسائل رکھنے والی قوموں کے لیے نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔
- عالمگیر شرکت کا فقدان(Lack of Universal Participation): : تمام قومیں اجتماعی سلامتی کی تنظیموں میں شامل ہونے کے لیے تیار یا قابل نہیں ہیں۔ یہ نظام میں کچھ خلاء کو چھوڑ سکتا ہے، جس سے ممکنہ حملہ آور اس کی رکاوٹوں سے باہر کام کر سکتے ہیں۔

11.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے

- اجتماعی سلامتی کو جانا۔
- اجتماعی سلامتی کے ارتقاء کو سمجھا۔
- اقوام متحدہ کے اجتماعی سلامتی کے تصور سے واقفیت حاصل کیا۔
- اجتماعی سلامتی کی اہم خصوصیات کی جانکاری حاصل کیا۔
- اجتماعی سلامتی کے نقصانات سے بھی واقفیت حاصل کی۔

11.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

خود مختاری

ریاست کا اعلیٰ اختیار ہے کہ وہ خود پر حکومت کرے اور بیرونی مداخلت یا اثر ورسوخ کے بغیر اپنے علاقے میں فیصلے کرے۔

پابندیاں

ایک یا ایک سے زیادہ ممالک یا بین الاقوامی تنظیموں کی طرف سے عائد کردہ زبردستی اقدامات دوسرے ملک کو اپنا رویہ تبدیل کرنے کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے، اکثر اقتصادی پابندیاں شامل ہوتی ہیں۔

اجتماعی دفاع

اجتماعی سلامتی کا ایک اصول جس میں اتحاد کے رکن ممالک کسی ایسے رکن کی مدد کے لیے آنے کا عہد کرتے ہیں جو مسلح حملے یا جارحیت کا شکار ہو۔

امن قائم کرنا

تنازعات کو منظم کرنے اور حل کرنے، امن کو برقرار رکھنے، اور تنازعات کے بعد کی تعمیر نو میں مدد کے لیے بین الاقوامی فوجی اور سویلین اہلکاروں کی تعیناتی۔

غیر ریاستی اداکار

ایک ایسا ادارہ جو تسلیم شدہ ریاست نہیں ہے لیکن بین الاقوامی معاملات میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جیسے کہ دہشت گرد تنظیمیں یا غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز)۔

11.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

11.12.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ مندرجہ ذیل میں اجتماعی سلامتی کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

(a) انفرادی قومی مفادات کو فروغ دینا (b) عالمی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنا

(c) یکطرفہ فوجی کارروائیوں کی حوصلہ افزائی کرن (d) معاشی مسابقت کو بڑھانا

2۔ کون سی بین الاقوامی تنظیم اجتماعی سلامتی کے فروغ میں اپنے کردار کے لیے مشہور ہے؟

(a) ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (b) نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن

(c) بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (d) گرین پیس

3۔ اجتماعی سلامتی کا کلیدی اصول کیا ہے؟ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک کا انتخاب کیجئے

(a) قومی خود مختاری سب سے بڑھ کر (b) خود مختار ریاستوں کے معاملات میں عدم مداخلت

(c) امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے مشترکہ ذمہ داری (d) یکطرفہ فوجی حکمت عملیوں کا تعاقب

4۔ مندرجہ ذیل میں سے کون سی عملی طور پر اجتماعی سلامتی کی مثال ہے؟

(a) بین الاقوامی منظوری کے بغیر ایک خود مختار ملک پر حملہ (b) اقتصادی تجارتی معاہدوں کا قیام

(c) تنازعات کو حل کرنے کے لیے سفارت کاری کا استعمال (d) جارحیت کو روکنے کے لیے بین الاقوامی فوجی اتحاد کی تشکیل

5۔"ایک پر حملہ سب پر حملہ ہے"کا تصور کس چیز سے زیادہ قریب سے وابستہ ہے؟

(a) اقتصادی تعاون (b) دوطرفہ معاہدے

(c) اجتماعی سیکورٹی اتحاد (d) تنہائی پسندی

6۔کون سا تاریخی واقعہ اقوام متحدہ کی تشکیل اور اجتماعی سلامتی کے اصولوں کی ترقی کا باعث بنا؟

(a) کیوبا میزائل بحران (b) لیگ آف نیشنز کی ناکامی

(c) سرد جنگ (d) یورپی یونین کی تشکیل

7۔جتماعی سلامتی کے لحاظ سے بنیادی طور پر کون ساخطہ آرگنائزیشن آف امریکن سٹیٹس(OAS)کااحاطہ کرتا ہے؟

(a) یورپ (b) ایشیا

(c) افریقہ (d) امریکا

8۔اجتماعی سلامتی میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا کیا کردار ہے؟

(a) بین الاقوامی تجارتی معاہدوں کو نافذ کرنا

(b) انسانی امداد کو فروغ دینا

(c) بین الاقوامی امن اور سلامتی کو لاحق خطرات کے جواب میں فوجی کارروائی کی اجازت دینا

(d) سفارتی مذاکرات میں ثالثی کرنا

9۔اجتماعی سلامتی کا کون سا اصول ریاستوں کے درمیان تنازعات کو حل کرنے کے لیے طاقت کے استعمال کی ممانعت کا حامی ہے؟

(a) عدم مداخلت (b) خود کا دفاع

(c) خودمختاری (d) امن پسندی

10۔کون سا ملک نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن(NATO)کا رکن ہے؟

(a) روس (b) امریکا

(c) برازیل (d) چین

11.12.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تعلقات میں اجتماعی سلامتی کا بنیادی مقصد کیا ہے؟۔وضاحت کیجئے۔
2. اقوام متحدہ یا نیٹو کے علاوہ کسی اجتماعی سلامتی تنظیم یا اتحاد کی مثال دیجیے۔
3. اجتماعی سلامتی کا اصول بین الاقوامی تعلقات میں "طاقت کے توازن" کے تصور سے کیسے مختلف ہے؟
4. جتماعی سلامتی کے عملی نفاذ سے وابستہ ایک اہم چیلنج یا تنقید بتایئے۔
5. کون سا بین الاقوامی معاہدہ اقوام متحدہ اور اس کے اجتماعی سلامتی کے اصولوں کے لیے بنیادی دستاویز کے طور پر کام کرتا ہے؟

11.12.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. اجتماعی سلامتی کے تصور اور اس کے کلیدی اصولوں کی وضاحت کیجیے۔
2. اجتماعی سلامتی کے تناظر میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا کردار بیان کیجیے۔
3. عالمی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے ایک ذریعہ کے طور پر اجتماعی سلامتی کے چیلنجوں اور خامیوں پر تبادلہ خیال کیجیے۔

11.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

---

1. Raghavan, V. R. (2010). New Perspectives on Collective Security in the United Nations. Oxford University Press.
2. Puri, L. (2012). Collective Security in the Commonwealth. SAGE Publications India.
3. Rajan, R. S. (2005). Collective Security and International Law. Cambridge University Press India.
4. Mukherjee, M. (2008). United Nations and Collective Security. Manak Publications.
5. Reddy, B. R. (2016). Regional Approaches to Collective Security in South Asia. Vij Books India.
6. Singh, J. P. (2013). Collective Security and the United Nations: An Indian Perspective. Vij Books India.
7. Pillai, K. M. M. (2009). International Law and Collective Security. Academic Foundation.
8. Bhasin, S. (2018). Collective Security in South Asia: Concept, Application, and Recent Trends. Pentagon Press.
9. Goyal, S. K. (2011). India and Collective Security. Gyan Publishing House.
10. Joshi, R. (2006). Challenges of Collective Security in South Asia. Gyan Publishing House.

اکائی 12۔ توازنِ طاقت اور اجتماعی سلامتی کا موازنہ

(Comparison of Balance of Power and Collective Security)

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 توازنِ طاقت کا ارتقا

12.3 توازنِ طاقت کے معنی اور تعریفیں

12.4 توازنِ طاقت کی نوعیت

12.5 اجتماعی سلامتی اور اس کی تعریفیں

12.6 اجتماعی سلامتی کی خصوصیات

12.7 اقوام متحدہ کے تحت اجتماعی سلامتی

12.8 اکتسابی نتائج

12.9 کلیدی الفاظ

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

12.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

12.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

12.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

12.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء اجتماعی سلامتی بحران کے انتظام کا ایک آلہ ہے جو تمام اقوام کی جانب سے اجتماعی طور پر کسی ایسی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے عزم کا اظہار کرتا ہے جس کا ارتکاب کسی بھی ریاست کے ذریعے کسی دوسرے کے خلاف کیا جا سکتا ہے۔ جنگ یا جارحیت کو بین الاقوامی امن اور

سلامتی کی خلاف ورزی کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور اجتماعی سلامتی کا مطلب امن کے دفاع میں تمام ملکوں کی طرف سے اجتماعی کارروائی ہے۔ اجتماعی سلامتی کا مطلب ہے کسی بھی جنگ یا جارحیت کا مقابلہ جارحیت کے خلاف تمام ملکوں کی عالمی طاقت کی تشکیل کے ذریعے۔

طاقت کا توازن، بین الاقوامی تعلقات میں، کسی ملک یا ملکوں کے گروہ کی کرنسی اور پالیسی دوسری ملک یا قوموں کے گروہ کے خلاف اپنی طاقت کو دوسری طرف کی طاقت سے ملا کر خود کو بچاتی ہے۔ ریاستیں دو طریقوں سے طاقت کے توازن کی پالیسی پر عمل پیرا ہو سکتی ہیں: اپنی طاقت میں اضافہ کر کے، جیسے کہ ہتھیاروں کی دوڑ میں شامل ہو یا علاقے کے مسابقتی حصول میں۔ یا دوسری ریاستوں کی اپنی طاقت میں اضافہ کر کے، جیسا کہ اتحاد کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتے وقت

12.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ،

- طاقت کے توازن کی ارتقا کو سمجھیں گے
- طاقت کے توازن کے معنی و تعریفوں کی معلومات حاصل کریں گے۔
- سرد جنگ کی وجوہات اور مختلف مراحل کو سمجھیں گے۔
- طاقت توازن کی نوعیت کو جانیں گے۔
- اجتماعی سلامتی اور اس کی تعریف کا مطالعہ کریں گے۔
- اجتماعی سلامتی کی خصوصیات کو سمجھیں گے۔
- اقوام متحدہ کے تحت اجتماعی سلامتی سے واقف ہوں گے۔

12.2 طاقت توازن کا ارتقاء (Evolution of Balance of Power)

طاقت کا توازن' بین الاقوامی تعلقات کے قدیم ترین تصورات میں سے ایک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی ملک اس تصور کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ طاقت کا توازن عالمی معاملات میں امن برقرار رکھنے کے لیے عمومی حکمت عملیوں پر محیط ہے۔ کوئی بھی ریاست عالمی معاملات میں زیادہ مضبوط نہیں ہو سکتی۔ ماضی میں، جب ریاستوں نے ہر ایک پر تسلط قائم کرنے کی کوشش کی، تو دوسری قومیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اتحاد تشکیل کرتی تھیں۔ یہ نمونہ نپولین جنگوں کے اختتام سے لے کر آج تک دہرایا گیا ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں، کوئی ایک ریاست اس قابل نہیں رہی کہ تمام پر غلبہ حاصل کر سکے اور اپنی شرائط پر حکومت کرے۔ طاقت کے توازن کے نظریے کی بنیاد 1648 میں ویسٹ فیلیا کے معاہدے کے ذریعے رکھی گئی تھی۔ استحکام، ایک فطری واقعہ ہونے کے ناطے، اس بات کا مطلب ہے کہ ریاستوں کے درمیان توازن کی

پالیسی کا مقصد ان کی خود مختاری اور علاقائی سالمیت کو برقرار رکھنا ہے۔ عالمی سطح پر 1919 میں لیگ آف نیشنز یا 1945 میں اقوام متحدہ کی طرح منظم۔ قوموں کو اخلاقیات پر بھروسہ کرنا چاہیے اور حصول اقتدار کے راستے پر نہیں چلنا چاہیے۔ مقصد کسی بھی ریاست کو غیر متناسب طاقت حاصل کرنے سے روکنا ہے۔ بین الاقوامی سیاست سیال اتحادوں کی خصوصیت ہے، اور امن غالب نظریہ ہے۔ قدیم زمانے میں ایتھنز نے اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرنا شروع کیا جس کے نتیجے میں سپارٹا نے کئی شہروں کی ریاستوں کا اتحاد بنایا اور ایتھنز کی اجارہ داری سے بچنے کے لیے ایتھنز کے خلاف جنگ کی۔ ایسا ہی کچھ اُس وقت ہوا جب 1815 میں برطانیہ، پروشیا(Prussia) اور آسٹریا نے فرانس کے نپولین بوناپارٹ کو واٹرلو میں شکست دی۔ روشن خیالی(Age of Enlightment) کے دور میں (نشاۃ ثانیہ)، یورپ تاریک دور سے نکلا اور بین الاقوامی قانون، سفارت کاری اور طاقت کے توازن کی بنیاد رکھی۔ نتیجے کے طور پر، انگلش سکول بین الاقوامی تھیوری میں ایک بہترین مفید آلہ کار بن گیا۔ 1815 میں ویانا کانگریس میں، یورپی ملکوں نے قومی خود مختاری اور طاقت کے توازن کو بنیادی اصولوں کے طور پر قائم کرنے کی ٹھوس کوشش کی۔ یورپی ماڈل کا تصور آسٹریا کے پرنس میٹرنیچ نے متعارف کرایا تھا جس کا مطلب یورپ میں طاقت کے توازن کو تسلیم کرنا تھا۔ یہ طے پایا کہ 5-4 بڑے ممالک یورپ میں طاقت کا توازن برقرار رکھیں گے۔ طاقت کے توازن کو بگاڑنے کی کوشش کا مقابلہ دیگر ملکوں کی طرف سے مجموعی طور پر مزاحمت سے کیا جائے گا۔ اس نے معمولی طاقتوں کے درمیان امن قائم کرنے اور ان کی خود مختاری کے تحفظ کے ایک ذریعہ کے طور پر کام کیا۔ یورپ میں تقریباً 100 سال کا امن اسی خیال سے ممکن ہوا۔ تاہم، یہ امن برقرار رکھنے میں ناکام رہا، اور یورپ نے جنگ عظیم اول کا مشاہدہ کیا۔ ووڈرو ولسن (سابق امریکی صدر) نے جنگ عظیم اول کے بعد لیگ آف نیشنز بنا کر ادارہ جاتی بنانے کی کوشش کی۔ اگر کوئی بین الاقوامی اداکار یا ادارہ نہ ہوتا تو امن وامان کے اصولوں کا تقدس برقرار رکھنا مشکل تھا۔ کئی عوامل کی وجہ سے لیگ آف نیشنز اجتماعی تحفظ فراہم کرنے کے قابل نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ جنگ عظیم دوم شکل میں ہوا، جس نے یورپ کو تباہ کر دیا اور دنیا کو US اور USSR کے درمیان دو قطبی بنا دیا۔ طاقت کا تعین کسی زمانے میں سمندر پر غلبہ سے ہوتا تھا۔ ٹیکنالوجی آج کل دنیا بھر میں ہے، اور سائبر اسپیس نیا سونا بن گیا ہے کیونکہ جدید معاشرے میں ڈیٹا کو سب سے قیمتی شے سمجھا جاتا ہے۔ تجارت میں اجارہ داری ایک اور اہم عنصر ہے۔ ہنری کسنجر (امریکہ کے سابق وزیر خارجہ) کے الفاظ میں کہ ''امریکہ کا کوئی مستقل دشمن یا دوست نہیں ہے، صرف مفادات ہیں'' تقریباً ہر ملک کے لیے ہے۔ یہ حقیقت پسندی کے تصور سے ماخوذ ہے۔ منڈل تھیوری آف چانکیہ میں بھی اسی طرح کے خیالات ہیں کہ ریاست کو بین الاقوامی فورم میں کیسے کام کرنا چاہیے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم نے امریکہ اور سوویت یونین کو اتحادی طاقتوں کے شانہ بشانہ نازی جرمنی اور دیگر محوری طاقتوں کے خلاف لڑتے دیکھا۔ 1991 میں سوویت یونین کی تحلیل دیکھی گئی۔ تیرہ ملک بنے اور ایک باقی رہ گیا جسے اب روس کہا جاتا ہے۔ 2014 میں روس اور امریکہ نے داعش (اسلامک اسٹیٹ آف عراق اینڈ لیونٹ) کا مقابلہ کرنے کے لیے دوبارہ شراکت داری کی۔ ایک ملک کا جوہری ہتھیاروں کا حصول طاقت کے توازن کے نظریہ کو چیلنج کرتا ہے کیونکہ ایک بار جب وہ جوہری ہتھیار حاصل کر لیتے ہیں، تو انہیں طاقت کے توازن پر انحصار کرنا چاہیے۔ مزید برآں، یہ بدمعاش حکومتوں کے تحت پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔ اس وقت ہند-بحرالکاہل علاقہ یعنی QUAD کی تشکیل طاقت کے توازن کے نظریہ کی بہترین مثال ہے۔ چار فریقی سیکورٹی ڈائیلاگ چار ممالک کا ایک گروپ ہے: امریکہ، آسٹریلیا، ہندوستان اور جاپان جو چین کو دور رکھنے کے لیے ان کے درمیان سمندری تعاون کو فروغ دیتا ہے۔ مزید برآں، چین کی ''9

ڈیش لائن تھیوری''آسیان ممالک کی سمندری علاقائی سالمیت کو مجروح کرتی ہے۔ چونکہ چین نے قرضوں کے جال کی حکمت عملی کے ساتھ غیر منصفانہ اور تسلط پسند تجارتی طریقوں کا استعمال کیا ہے، یہ عالمی تجارتی تنظیم (WTO) اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) کی حمایت یافتہ ترقی کے نو لبرل ماڈل کے ساتھ براہ راست متصادم ہے۔ اب ہم کئی مثالوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں، جیسے سری لنکا میں ہمبنٹوٹا بندرگاہ اور پاکستان میں CPEC۔ افریقہ میں بھی تعمیرات/ڈھانچہ جاتی کے متعدد منصوبے قرضوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

ڈونلڈ ٹرمپ کے امریکی صدر کے دور میں تجارتی عدم توازن اور تحفظ پسندی کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ مزید برآں، تجارت کو فوج کے مقابلے میں جارحانہ سفارت کاری کے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ پابندیوں کے مدمقابل جوابی پابندیوں کے ساتھ ساتھ مارکیٹنگ تک رسائی پر محصولات اور پابندیاں بڑھانا نیا معمول بن گیا۔ ہندوستانی منڈیوں میں چین کی ترقی کا مقابلہ کرنے کے لیے، ہندوستان نے اسی تحفظ پسندی کی پالیسیوں پر عمل کرتے ہوئے RCEP میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ ملک کے قومی مفاد میں تعاون، جنگ، دشمنی اور میل جول سب کچھ ممکن ہوتا ہے۔ کسی ملک کی خارجہ پالیسی کی تشکیل تین عوامل سے متاثر ہوتی ہے: اندرونی عوامل، بیرونی عوامل اور پالیسی سازی کے عوامل۔

ہم ایک کثیر قطبی دنیا میں رہتے ہیں جس میں طاقت کے مراکز جیسے کہ امریکہ، روس، چین، ہندوستان، برطانیہ، فرانس، جرمنی وغیرہ ہیں۔ امریکہ اور چین کے درمیان طاقت کی کشمکش ہمیں تھوسیڈائڈز کے نظریہ تک لے آتی ہے۔ حتمی سوچ کے طور پر، ہر چیز کا تعلق تھوسیڈائڈز کے نظریہ سے ہے۔ تھوسیڈائڈز کا نظریہ اس تنازعہ کے حوالے سے ہے جو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک بڑھتی ہوئی طاقت کسی موجودہ طاقت کو بے گھر کرنے کا خطرہ پیدا کرتی ہے۔ ابھرتی ہوئی طاقت جو حکمران طاقت کو تبدیل کرنے کی دھمکی دیتی ہے، ساختی تناؤ کا سبب بنتی ہے، اور پرتشدد جھڑپیں اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، بلکہ اصول ہیں۔

12.3 توازنِ طاقت کے معنی اور تعریفیں (Balance of Power: Meaning and Definitions)

بین الاقوامی تعلقات میں کی تعریف ملکوں کے درمیان مساوی طاقت کی تقسیم کے طور پر کی جاتی ہے۔ جب طاقت کم و بیش مساوی طور پر تقسیم ہو جائے تو کوئی ایک ریاست دوسروں پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی ریاست کسی دوسری ریاست سے خطرہ محسوس کرتی ہے۔ توازنِ طاقت نظریہ کے مطابق اگر ایک ریاست طاقتور بنتی ہے، تو وہ کمزور ریاست پر حملہ کرے گی اور اس طرح خطرے سے دوچار ریاستوں کو دفاعی اتحاد بنانے کا موقع فراہم کرے گی۔ سڈنی فے۔: اسے صرف توازن کے طور پر بیان کرتا ہے تاکہ کوئی بھی ملک کسی دوسری ریاست پر اپنی مرضی یا طاقت کا استعمال کرنے کے لیے مضبوط نہ ہو۔

انیس کلاڈ: اس کی وضاحت کرتے ہیں "ایک ایسا نظام جس میں کچھ قومیں کسی بڑی طاقت کی مداخلت کے بغیر اپنے طاقت کے تعلقات کو منظم کرتی ہیں"۔ اس نظریہ کے پس پردہ منطق یہ ہے کہ دنیا کی کوئی واحد حکومت نہیں ہے۔ اور ہر ریاست کو دوسرے کے حملے کو روکنے کے لیے اپنے وسائل اور حکمت عملی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب کسی ملک کو کسی طاقتور ملک سے خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ یا تو اپنے وسائل کو متحرک

کرتا ہے یا دوسری ریاستوں کے ساتھ اتحاد کر لیتا ہے تا کہ مخالف کو متوازن رکھا جا سکے۔ توازنِ طاقت کی وضاحت کرنا واقعی بہت مشکل ہے۔ اس کی تعریف مختلف مفکرین نے مختلف انداز میں کی ہے۔

طاقت کے توازن کی کچھ مشہور تعریفیں:(Some important definitions of balance of Power)

- "توازنِ طاقت قوموں کے خاندان کے افراد کے درمیان طاقت میں ایسا 'صرف توازن' ہے جو ان میں سے کسی کو بھی اتنا مضبوط بننے سے روکتا ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی مرضی نافذ کر سکے۔"-سڈنی بی فے
- "طاقت کا توازن طاقت کے تعلقات میں ایک توازن یا استحکام کی ایک خاص مقدار ہے جو سازگار حالات میں ریاستوں کے اتحاد یا دیگر آلات کے ذریعہ تیار کیا جاتا ہے۔"-جارج شوارزنبرگر
- طاقت کا توازن ایک ایسا نظام ہے جس میں کچھ قومیں کسی بڑی طاقت کی مداخلت کے بغیر اپنے طاقت کے تعلقات کو منظم کرتی ہیں۔ اس طرح یہ ایک غیر مرکزی نظام ہے جس میں طاقت اور پالیسیاں تشکیل دینے والی اکائیوں کے ہاتھ میں رہتی ہیں۔-انیس کلاڈ
- طاقت کے توازن کا مطلب ہے کہ "قوموں کے خاندان کے افراد کے درمیان ایسے عادلانہ توازن کو برقرار رکھنا جو ان میں سے کسی کو بھی اپنی مرضی کو باقیوں پر مسلط کرنے کے لیے کافی مضبوط ہونے سے روکے"۔-لارڈ کیسلریگ
- "جب بھی طاقت کے توازن کی اصطلاح قابلیت کے بغیر استعمال کی جاتی ہے، تو اس سے مراد ایک حقیقی حالت ہے جس میں طاقت تقریباً برابری کے ساتھ قوموں میں تقسیم ہوتی ہے۔"-ہنس۔ جے مورگنتھاؤ

یہ تمام تعریفیں واضح طور پر اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ طاقت کے توازن کو مختلف مفکرین نے مختلف طریقے سے بیان کیا ہے۔ یکساں طور پر قابل قبول تعریف دینا یا منتخب کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ مشکل سے ہمارے لیے طاقت کے توازن کی خصوصیات کا مطالعہ ضروری بناتا ہے۔

12.4 توازنِ طاقت کی نوعیت (Nature of Balance of Power)

پامر اور پرکنز بیلنس آف پاور (BOP) کی کئی بڑی خصوصیات بیان کرتے ہیں:

1۔طاقت کے تعلقات میں بعض قسم کا توازن

توازنِ طاقت کی اصطلاح 'توازن' کی تجویز کرتی ہے جو مستقل، لامتناہی تبدیلی کے تابع ہے۔ مختصراً، اگرچہ اس کا مطلب توازن ہے، اس میں کچھ عدم توازن بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفکرین اسے طاقت کے تعلقات میں ایک منصفانہ توازن یا کسی قسم کے توازن کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

2۔ عارضی اور غیر مستحکم

عملی طور پر طاقت کا توازن ہمیشہ عارضی اور غیر مستحکم ثابت ہوتا ہے۔ طاقت کا ایک خاص توازن تھوڑے وقت کے لیے ہی باقی رہتا ہے۔

3۔ فعال طور پر حاصل کیا جائے

طاقت کا توازن انسان کی فعال مداخلت سے حاصل کرنا ہو گا۔ یہ خدا کا تحفہ نہیں ہے۔ ریاستیں اس کے "ہونے" تک انتظار کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ انہیں اپنی کوششوں سے اسے محفوظ بنانا ہو گا۔

4۔ جمود کے حق میں

طاقت کا توازن بڑی طاقتوں کے اقتداری عہدوں پر جمود کا حامی ہے۔ یہ ان کے طاقت کے تعلقات میں توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاہم، موثر ہونے کے لیے توازنِ طاقت کی خارجہ پالیسی کو تبدیل اور متحرک ہونا چاہیے۔

5۔ توازنِ طاقت کا امتحان جنگ ہے

طاقت کا حقیقی توازن شاذ و نادر ہی موجود ہوتا ہے۔ توازن کا واحد امتحان جنگ ہے اور جب جنگ چھڑتی ہے تو توازن ختم ہو جاتا ہے۔ جنگ ایک ایسی صورت حال ہے جسے توازنِ طاقت روکنا چاہتا ہے اور جب یہ پھوٹ پڑتی ہے تو توازن طاقت ختم ہو جاتا ہے۔

6۔ امن کا آلہ کار نہیں

توازنِ طاقت امن کا بنیادی آلہ کار نہیں ہے کیونکہ یہ جنگ کو توازن برقرار رکھنے کا ذریعہ تسلیم کرتا ہے۔

7۔ طاقت کا توازن کے اداکاروں کے طور پر بڑی طاقتیں

طاقت کے نظام کے توازن میں بڑی ریاستیں یا طاقتور ریاستیں ماہر کھلاڑی ہوتی ہیں۔ چھوٹی ریاستیں یا کم طاقتور ریاستیں یا تو تماشائی ہوتی ہیں یا کھیل کا شکار۔

8۔ ایک لازمی شرط کے طور پر ریاستوں کی کثرت

طاقت کا توازن اس وقت چلتا ہے جب متعدد بڑی طاقتیں موجود ہوں، جن میں سے ہر ایک اپنے طاقت کے تعلقات میں ایک خاص توازن یا توازن برقرار رکھنے کے لیے پُر عزم ہے۔

9۔ قومی مفاد اس کی بنیاد ہے

طاقت کا توازن ایک ایسی پالیسی ہے جسے کوئی بھی ریاست اپنا سکتی ہے۔ اس پالیسی کی اصل بنیاد ایک مخصوص ماحول میں قومی مفاد ہے۔

12.5 توازنِ طاقت کے طریقے (Methods of Balance of Power)

توازنِ طاقت کی نوعیت پر بحث کرنے کے بعد، اب ہم توازنِ طاقت کو دوبارہ حاصل کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے طریقوں پر بحث کر سکتے ہیں۔ ہم عصر مصنفین نے کم از کم چھ الگ الگ طریقے تجویز کیے ہیں: اسلحہ اور تخفیف اسلحہ، معاوضہ، اتحاد، بفر زون، مداخلت، اور تقسیم کرو اور حکومت کرو۔ آیئے ہم باری باری ان طریقوں میں سے ہر ایک کا جائزہ لیں۔

- اسلحہ سازی اور تخفیف اسلحہ (Arm race and Disarmament) توازن برقرار رکھنے کا بنیادی طریقہ اسلحہ ہے۔ جب بھی ایک ملک اپنی طاقت میں اضافہ کرتی ہے تو اس کے حریف کے پاس ہتھیاروں کی دوڑ میں شامل ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اگر پہلی ملک اپنی طاقت کو برقرار رکھ سکے تو طاقت کا توازن بگڑ جائے گا لیکن اگر اس کے حریف بھی مسلح ہو کر اپنی طاقت میں اضافہ کر لیں تو طاقت کا توازن محفوظ رہتا ہے۔ امریکہ اور روس کے درمیان آج کی اسلحہ سازی کی دوڑ شاید تمام ہتھیاروں کی دوڑ میں سب سے بڑی ہے۔ تخفیف اسلحہ کو بھی طاقت کے مستحکم توازن کو بحال کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن عملی طور پر توازن برقرار رکھنے کے لیے تخفیف اسلحہ کی کوششیں مایوس کن رہی ہیں۔ ممکنہ طور پر تخفیف اسلحہ کی کوششوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ اس میں مضمر ہے جس کا مشاہدہ سلواڈور ڈی مادریاگا نے کیا: "تخفیف اسلحہ کا مسئلہ تخفیف اسلحہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ واقعی عالمی برادری کی تنظیم کا مسئلہ ہے۔
- معاوضہ (Compensation) توازن کو محفوظ رکھنے کے لیے دوسرا اہم آلہ علاقائی معاوضہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی ملک کو اس کے مساوی رقم دے کر جس سے وہ محروم ہے یا اس کے برابر دوسری ریاستوں کو دے کر معاوضہ دینا۔ پولینڈ کے تین حصے (1772، 1792، 1795) اور 1713 کا یوٹریکٹ کا معاہدہ معاوضے کی چند بہترین مثالیں ہیں۔ دنیا کی کالونیوں اور اثر و رسوخ کے دائروں میں تقسیم کو اکثر ان بنیادوں پر جائز قرار دیا جاتا ہے۔ کالونیاں بہر حال اپنی تمام طاقت کھو دیتی ہیں لیکن جو قومیں ان پر قبضہ کرتی ہیں وہ اس بنیاد پر اپنے اعمال کا جواز پیش کر سکتی ہیں کہ اگر انہوں نے ان کالونیوں پر قبضہ نہ کیا تو مخالف ہو سکتا ہے اور پھر طاقت کا توازن بگڑ جائے گا۔
- اتحاد (Unity) معاوضے کی طرح، اتحاد بھی طاقت کے نظام کے توازن کا عام استعمال شدہ طریقہ ہے۔ سر رابرٹ والپول نے 1741 میں لکھا، "..... کہ اس میں لیگز کے ذریعے اچھی طرح سے مل کر، اور سختی سے مشاہدہ کیا جاتا ہے جس سے کہ کمزوروں کا مضبوط کے خلاف دفاع کیا جاتا ہے، کہ خواہشات کے ہنگامے کی حدیں طے ہوتی ہیں، کہ طاقت کا دھار روک دیا جاتا ہے، اور سلطنتیں جنگ کے ان سیلابوں سے محفوظ کیا گیا، جس نے سابقہ وقت میں دنیا کو کھنڈرات میں ڈال دیا۔ اتحاد کے ذریعہ، طاقت کا توازن برقرار رہتا ہے، اور ان خطرے اور خدشات سے گریز کیا جاتا ہے جو سلطنت کے اتار چڑھاؤ اور دائمی مقابلے کے اتار چڑھاو سے پیدا ہوتے ہیں۔" نظریہ واقعی آسان ہے۔ اگر ملک A اتنی طاقت ور ہو رہی ہے کہ وہ ملک B کو فتح کر سکے اور توازن کو خطرے میں ڈالے، تو ملک B، جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کافی طاقت نہیں ہے، خود کو ملک C کے ساتھ اتحاد کر لے گی جو اسی طرح کا

خوف رکھتی ہے۔ اس طرح قومیں B اور C اپنی مشترکہ طاقت سے ملک A کی طاقت کو روکیں گی اور اس طرح دوبارہ توازن برقرار رکھیں گی۔ 1894 کا فرانکو-روسی اتحاد، یورپ کے حوالے سے اینگلو-امریکن اتحاد، اور 1945 کا عرب لیگ کا بحر اوقیانوس کا چارٹر اس اتحاد کی چند اہم مثالیں ہیں۔

یہ برقرار رکھا جاتا ہے کہ اگر بہت سی قومیں اتحاد میں شامل ہوں تو زیادہ تسلی بخش انداز میں توازن برقرار رکھنا آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ، اگر اس میں شامل قوموں کی تعداد زیادہ ہے تو ان امتزاج کے امکانات زیادہ ہوں گے جن کے ذریعے توازن حاصل کیا جا سکتا ہے اور توازن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ایڈجسٹمنٹ کرنا آسان ہو جائے گا۔ لیکن اگر قوموں کی تعداد کم ہو تو ایک ملک کا ایک طرف سے دوسری طرف جانے سے بہت بڑی تبدیلی نئے اتحادوں اور جوابی اتحادوں کے ذریعے آسانی سے ہو سکتی ہے اور طاقت کی مساوی تقسیم تباہ ہو سکتی ہے۔

- مداخلت (Intervention): مداخلت توازن کو محفوظ رکھنے کا ایک اور عام استعمال شدہ آلہ ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ اتحادی اپنی وفاداریاں ایک طرف سے دوسری طرف منتقل کر دیں۔ ایسے حالات میں، ایک بڑی ملک کے لیے اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت کر کے اور وہاں ایک دوستانہ حکومت قائم کر کے کھوئے ہوئے اتحادی کو دوبارہ حاصل کرنا معمول کی بات ہے۔ یہ طریقہ ان قوموں کے ذریعہ کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے جو توازن رکھنے والے کی حیثیت میں ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے سے پہلے، برطانیہ نے یونان میں مداخلت کی تاکہ یہ یقین دہانی کیا جا سکے کہ یہ مقامی کمیونسٹوں کے ہاتھ میں نہ آئے۔ سوویت روس نے دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر کمیونسٹ حکومتیں قائم کرنے کے لیے اپنے تمام یورپی سیٹلائٹس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد، امریکہ نے گوئٹے مالا، کیوبا، لبنان اور لاؤس میں مداخلت کی اور سوویت یونین نے شمالی کوریا، ہنگری اور مشرقی یورپ میں مداخلت کی۔
- فاصل علاقہ (Buffer Zone): توازن کو برقرار رکھنے اور محفوظ رکھنے کا ایک اور اہم طریقہ بفر زونز ہے۔ ایک بفر ایک کمزور ملک ہے جو دو طاقتور حریفوں کے درمیان واقع ہے۔ اس کا بڑا کام دو طاقتور ممالک کو الگ رکھنا ہے اور اس طرح ان کے درمیان رگڑ کے امکانات کو کم کرنا ہے۔ مثال کے طور پر پولینڈ روس اور جرمنی کے درمیان بفر رہا ہے۔

12.6 اجتماعی سلامتی (Collective Security)

اجتماعی سلامتی بحران کے انتظام کا ایک آلہ ہے جو تمام ملکوں کی جانب سے اجتماعی طور پر کسی ایسی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے عزم کا اظہار کرتا ہے جس کا ارتکاب کسی بھی ریاست کے ذریعے کسی دوسرے کے خلاف کیا جا سکتا ہے۔ جنگ یا جارحیت کو بین الاقوامی امن اور سلامتی کی خلاف ورزی کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور اجتماعی سلامتی کا مطلب امن کے دفاع میں تمام ملکوں کی طرف سے اجتماعی کارروائی ہے۔ اجتماعی سلامتی کا مطلب ہے کسی بھی جنگ یا جارحیت کا مقابلہ جارحیت کے خلاف تمام ملکوں کی عالمی طاقت کی تشکیل کے ذریعے۔

اجتماعی سلامتی کو بھی جارحیت کے خلاف ایک روک ٹوک سمجھا جاتا ہے جہاں تک یہ بیان کرتا ہے کہ تمام ملکوں کی اجتماعی طاقت کسی بھی ریاست کے خلاف جارحیت یا جنگ کو پسپا کرنے کے لیے استعمال کی جائے گی۔ یہ اصول پر مبنی ہے، 'بین الاقوامی برادری کے کسی ایک رکن کے خلاف جارحیت بین الاقوامی امن اور سلامتی کے خلاف جارحیت ہے۔ اس لیے اسے تمام ملکوں کی اجتماعی کوششوں سے پورا کرنا ہوگا۔

اجتماعی سلامتی کی تعریف (Definition of Collective Security)

- "اجتماعی سلامتی ایک قائم بین الاقوامی نظام کے خلاف کسی بھی حملے کو روکنے یا اس کا مقابلہ کرنے کے لیے مشترکہ کارروائی کی مشینری ہے۔" - جارج شوارزنبرگر
- "اجتماعی سلامتی واضح طور پر امن کو لاحق خطرات سے نمٹنے کے لیے اجتماعی اقدامات کا مطلب ہے۔" - پامر اور پرکنز
- "اصل میں، اجتماعی سلامتی ریاستوں کے درمیان ایک ایسا انتظام ہے جس میں تمام وعدہ کیا جاتا ہے، اس صورت میں کہ نظام کا کوئی رکن دوسرے رکن کے خلاف بعض ممنوعہ کارروائیوں (جنگ اور جارحیت) میں ملوث ہو، بعد میں آنے والے کی مدد کے لیے آئے۔" - شلیچر

سادہ الفاظ میں، اجتماعی سلامتی کا نظام دنیا کی ہر ریاست کی کسی بھی جنگ یا جارحیت کے خلاف تحفظ کی ضمانت دیتا ہے جو کسی بھی ریاست کی طرف سے کسی دوسری ریاست کے خلاف ہو سکتی ہے۔ یہ ایک انشورنس سسٹم کی طرح ہے جس میں تمام قومیں جارحیت یا جنگ کے شکار کے خلاف جارحیت یا جنگ کو بے اثر کر کے اس کی حفاظت کرنے کی پابند ہیں۔

12.7 اجتماعی سلامتی کے اہم خصوصیات (Characteristics of Collective Security)

(1) پاور مینجمنٹ کا ایک آلہ:

اجتماعی سلامتی پاور مینجمنٹ یا بحران کے انتظام کا ایک آلہ ہے۔ یہ دنیا میں کسی بھی جنگ یا جارحیت کی صورت میں بحران کے انتظام کے ذریعے بین الاقوامی امن کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

(2) یہ جارحیت کی عالمگیریت کو قبول کرتا ہے:

اجتماعی سلامتی قبول کرتی ہے کہ کسی ملک کی سلامتی کی خلاف ورزیاں ضرور ہوتی ہیں اور بین الاقوامی تعلقات سے جنگوں اور جارحیت کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا۔

(3) تمام ملکوں جارحیت کے خاتمے کے لیے اپنی طاقت جمع کرنے کے لیے پُرعزم ہیں:

اجتماعی سلامتی کا خیال ہے کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی بھی جارحیت کے ذریعے بین الاقوامی امن کی خلاف ورزی کی صورت میں تمام ملکوں بین المملکوں ہی امن کی بحالی کے لیے ہر جارحیت کے خلاف موثر اقدامات کرنے کے لیے اپنی طاقت اور وسائل بروئے کار لانے کے لیے پرُعزم ہیں۔

(4)طاقت کی عالمی برتری:

اجتماعی سلامتی کا مطلب عالمی امن اور سلامتی کی بحالی کے لیے تمام ملکوں کو شامل کرنے والی طاقت کی ایک عالمگیر یا عالمی برتری کی تخلیق ہے۔ اس کے تحت تمام اقوام جارحیت کے خلاف اجتماعی فوجی کارروائی کے ذریعے بین الاقوامی امن و سلامتی کے دفاع کے لیے تیار ہیں۔

(5)بین الاقوامی تنظیم کی موجودگی کو تسلیم کرتا ہے:

اجتماعی سلامتی ایک بین الاقوامی تنظیم کے وجود کو پیش کرتی ہے جس کے جھنڈے تلے جارحیت کے خاتمے کے لیے طاقت کی عالمی سطح پر برتری پیدا کی جاتی ہے۔

(6)اجتماعی سلامتی کا نظام جنگ کے خلاف ایک رکاوٹ ہے:

اجتماعی سلامتی جارحانہ ڈیزائن والی ریاست کے خلاف ایک مؤثر رکاوٹ ثابت ہوسکتی ہے۔اس نظام کے تحت ہر ملک جانتی ہے کہ کسی دوسری ملک کے خلاف کسی بھی جارحیت کا مقابلہ تمام ملکوں کی اجتماعی طاقت سے کیا جائے گا۔اس طرح کوئی بھی ملک جارحیت اور جنگ کا ارتکاب کرنے کی کوشش نہیں کرتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ایسی کارروائی اس کے خلاف اجتماعی حفاظتی کارروائی کو دعوت دے گی۔ یہ احساس کسی بھی جنگ یا جارحیت کے خلاف ایک رکاوٹ کا کام کرتا ہے۔

(7)جارحیت/جنگ دشمن ہے نہ کہ ریاست جو اس کا ارتکاب کرتی ہے۔

آخر میں، اجتماعی سلامتی 'جارحیت' یا 'جنگ' کو دشمن سمجھتی ہے نہ کہ ریاست جو کہ جنگ یا جارحیت کا سہارا لے سکتی ہے۔ایک اجتماعی حفاظتی کارروائی جنگ، جارحیت یا جنگ یا جارحیت کے خطرے کے خاتمے تک محدود ہے۔یہ ریاست کے خاتمے کے لیے کھڑا نہیں ہے جو جارحیت کا ارتکاب کرتی ہے۔اس کی واحد فکر جارحیت کو ختم کرنا، جارح کو اس کی جارحیت سے فائدہ اٹھانے سے روکنا، جارحیت کے شکار کی صحت کو بحال کرنا اور بین الاقوامی امن و سلامتی کو بحال کرنا ہے۔

اس طرح اجتماعی سلامتی کا مطلب تمام ملکوں کی اجتماعی کوششوں کے ذریعے بین الاقوامی امن اور سلامتی کو حاصل کرنا ہے۔ سلامتی تمام ملکوں کا مشترکہ مقصد ہے اور اسے سب کی اجتماعی کوششوں سے حاصل کرنا ہوگا۔

12.8 اقوام متحدہ کے تحت اجتماعی سلامتی (Collective Security under UN)

- اقوامِ متحدہ کا منشور اجتماعی تحفظ کے طریقہ کار میں کچھ بہتری لاتا ہے۔اقوام متحدہ کی صرف 5 ریاستوں کی رضامندی کے تحت P5 کی ضرورت ہے۔تاہم عملی تجربہ بتاتا ہے کہ ایسا بھی ممکن نہیں ہے۔
- اقوام متحدہ کے تحت اجتماعی سلامتی 'مشرقی مغربی تنازع' کی وجہ سے مفلوج رہی ہے۔
- ملک انصاف،امن یا نظم ونسق پر ملکی مفاد کو فوقیت دیتے رہتے ہیں۔

صرف دو مواقع ایسے ہوئے ہیں جب اقوام متحدہ کے تحت اجتماعی سلامتی کام کر سکتی ہے۔پہلا 1950 کوریائی بحران۔کوریا کے بحران میں بھی اسے مثالی معنوں میں نہیں چلایا گیا۔کیسے؟ کوریا کا بحران خود سرد جنگ کا عکس تھا۔شمالی کوریا جارح تھا۔شمالی کوریا کو چین اور روس کی حمایت حاصل تھی۔جنوبی کوریا امریکہ کے زیر اثر تھا۔شمالی کوریا کی جارحیت کی سزا امریکہ کو دینی تھی۔امریکہ اقوام متحدہ سے اجتماعی حفاظتی کارروائی کی اجازت صرف اس لیے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا کہ روسی نمائندہ غیر حاضر تھا۔روس کمیونسٹ چین کی مستقل نشست کے معاملے پر یو این ایس سی (United Nation Security Council) کا بائیکاٹ کر رہا تھا۔جس لمحے روسی نمائندوں کو قرارداد کے بارے میں معلوم ہوا، وہ حاضر ہوگئے اور ویٹو کا استعمال کیا۔اس نے اجتماعی حفاظت کو روک دیا۔تاہم امریکہ نے ایک نیا تصور ایجاد کیا۔ Acheson Plan یعنی امن کے حل کے لیے متحد ہونا۔(UPR) یہ کیا ہے؟ یونیورسل پیریڈک ریویو (UPR) ایک منفرد عمل ہے جس میں اقوام متحدہ کے تمام 193 رکن ممالک کے انسانی حقوق کے ریکارڈ کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیا جاتا ہے۔UNSC میں تعطل کی صورت میں جنرل اسمبلی 3/2 اکثریت سے اجتماعی سلامتی کو اختیار دے سکتی ہے۔روس نے کبھی بھی UPR کی قانونی حیثیت کو قبول نہیں کیا کیونکہ یہ اقوام متحدہ کے چارٹر کا حصہ نہیں رہا ہے۔بعد میں امریکہ کو بیشتر قراردادوں کی حمایت حاصل نہ ہو سکی اور اس لیے یہ راستہ بھی کام نہ کر سکا۔دوسری خلیجی جنگ 1989، جب عراق نے کویت پر حملہ کیا۔تب امریکہ کی قیادت میں اقوام متحدہ کی فوجی مداخلت میں 30 سے زائد ممالک نے حصہ لیا۔یہ اجتماعی سلامتی کی ناکامی تھی کہ اس وقت کے سیکرٹری جنرل ڈیگ ہمار سکجولڈ نے اقوام متحدہ کے کردار کو اس کے بنیادی مقصد میں متعلقہ رکھنے کے لیے امن قائم کرنے کا تصور پیش کیا۔واضح رہے کہ امن قائم کرنا اقوام متحدہ کے چارٹر کا حصہ نہیں ہے۔یہ ایک ماورائے آئین ترقی ہے۔

12.9 اجتماعی سلامتی اور توازنِ طاقت کا موازنہ

(Comparison of Collective Security and Balance of Power)

اجتماعی سیکورٹی توازنِ طاقت کا متبادل ہے۔یہ ایک لبرل نظریہ ہے۔اگرچہ یہ طاقت توزن کا متبادل ہے، لیکن یہ طاقت توازن کے خیال پر مبنی ہے۔توازنِ طاقت اور اجتماعی سلامتی دونوں ہی طاقت کے انتظام کے طریقے ہیں۔دونوں تصورات اس نظریہ پر مبنی ہیں کہ عظیم طاقت '

طاقت کا تریاق ہے۔ دونوں تصورات میں، ریاستوں کی خود مختاری کو مقدس سمجھا جاتا ہے اور جنگ کو خود مختاری کو یقینی بنانے کے ایک ذریعہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں، اجتماعی سلامتی کو 'توازنِ طاقت' کی ادارہ جاتی شکل کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ طاقت کا توازن بد نظمی (Anarchy) کی حالت میں کام کرتا ہے جب کہ اجتماعی سلامتی اسی وقت وجود میں آسکتی ہے جب کوئی بین الاقوامی تنظیم موجود ہو۔ یہ بین الاقوامی تنظیم جیسے لیگ آف نیشنز یا اقوام متحدہ کے ذریعے چلایا جاتا ہے۔ طاقت کا توازن ایک وقتی تصور ہے جبکہ اجتماعی سلامتی ایک ادارہ جاتی تصور ہے۔ طاقت کے توازن میں ایک غیر یقینی صورتحال ہے لیکن اجتماعی سلامتی میں ایک نظریاتی یقین ہے۔ جیسے جب نپولین ویسٹ فیلئین عالمی نظام کو تباہ کر رہا تھا، طاقت کا توازن ایک اصول کے طور پر خود بخود نہیں ابھرتا تھا، نپولین کے عروج کو روکنے میں ممالک کو کافی وقت لگا۔ اس لیے اس بارے میں غیر یقینی صورتحال ہے کہ طاقت کا توازن ابھرے گا یا نہیں ابھرے گا۔ توازنِ طاقت بڑی طاقتوں کے لیے زیادہ متعلقہ ہو سکتا ہے لیکن اجتماعی تحفظ چھوٹے اور غریب ممالک کے لیے انتہائی مفید ہے۔ وہ ہتھیاروں کی دوڑ یا اتحاد بنانے کی ضرورت سے بچ سکتے ہیں۔ اجتماعی سلامتی امن کے لیے ساز گار ہے کیونکہ اس سے ہتھیاروں کی دوڑ میں کمی آتی ہے۔ ایک تصور کے طور پر اجتماعی سلامتی کو بہت زیادہ مثالی مانا جاتا ہے۔ نہ تو لیگ آف نیشنز کے تحت اور نہ ہی اقوام متحدہ کے تحت اسے کامیابی سے چلایا جا سکا۔ اسلحے کی دوڑ کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اجتماعی سلامتی پر اعتماد کی کمی نے جوہری ہتھیار حاصل کرنے والے ممالک کی طرف جانا شروع کیا۔

12.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- طاقت کے توازن کی ارتقا کو سمجھا۔
- طاقت کے توازن کے معنی و تعریفیں کی معلومات حاصل کی۔
- طاقت توازن کی نوعیت کو جانا۔
- اجتماعی سلامتی اور اس کی تعریف مطالعہ کیا۔
- اجتماعی سلامتی کی خصوصیات کو سمجھا۔
- اقوام متحدہ کے تحت اجتماعی سلامتی سے رُوبرو ہوئے۔
- اجتماعی سلامتی اور طاقت توازن کے موازنہ کو سمجھا۔

12.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

عظیم طاقت

عظیم طاقت ایک ایسی مملکت ہوتی ہے جس کی ایک غالب حیثیت ہوتی ہے جس کی خصوصیت عالمی سطح پر اثر ورسوخ یا منصوبہ طاقت بنانے کی وسیع صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ اقتصادی، فوجی، تکنیکی، سیاسی اور ثقافتی طاقت کے ساتھ ساتھ سفارتی اور نرم طاقت کے اثر ورسوخ کے مشترکہ ذرائع سے کیا جاتا ہے۔

پراکسی جنگ

دو ریاستوں یا غیر ریاستی اداکاروں کے درمیان مسلح تصادم ہے، جن میں سے ایک یا دونوں اکسانے پر یا دوسرے فریقوں کی جانب سے کام کرتے ہیں جو براہ راست دشمنی میں ملوث نہیں ہیں

اتحادی طاقت

دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ کی قیادت میں یکجا ہوئی مملکتوں کا ایک گروہ

"ڈالر سامراجیت"

یہ وہ اصطلاح ہے جو معاشی امداد کے ذریعے دور دراز ممالک پر غلبہ حاصل کرنے اور برقرار رکھنے میں امریکہ کی پالیسی کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے

دوسری عالمی جنگ

دوسری جنگ عظیم کو دوسری عالمی جنگ بھی کہا جاتا ہے یہ ایک عالمی جنگ تھی جو 1939 سے 1945 تک جاری رہی۔ اس میں دنیا کے ممالک کی اکثریت کے ساتھ دو بڑی طاقتیں اتحادی اور محور بھی شامل تھی

12.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

12.12.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ طاقت توازن کی نظریہ میں کون سی نظریہ مرکزی حیثیت رکھتی ہے؟

(a) حقیقت پسند (b) نو حقیقت پسند (c) حریت پسندی (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ طاقت کے توازن کے نظریے کی بنیاد کس سال رکھی گئی تھی؟

(a)1945 (b)1947 (c)1947 (d)1948

3۔ 'لیگ آف نیشنز' کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a)1919 (b)1920 (c)1921 (d)1922

4۔ مورخین سرد جنگ کے کس مرحلہ کو 'نئی سرد جنگ' کہتے ہیں؟

(a)پہلا (b)دوسرا (c)تیسرا (d)آخری

5۔ سویت یونین کس سال میں منتشر ہوا تھا؟

(a)1989 (b)1990 (c)1991 (d)1992

6۔ کس نے کہا ہے کہ توازنِ طاقت کا تصور بہت زیادہ الجھنوں سے بھرا ہوا ہے؟

(a)مارٹن رائٹ (b)ہارٹمین (c)کلاوڈے (d)ان میں سے کوئی نہیں

7۔ کس سابق امریکہ صدر نے 'لیگ آف نیشنز قائم کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا؟

(a)ابراہم لنکن (b)ووڈرو ولسن (c)جیفرسن (d)جارج بُوش

8۔ 'وارسا معاہدہ' پر کس ملک نے دستخط کیے تھے؟

(a)فرانس (b)امریکہ (c)جاپان (d)سویت روس

9۔ موجودہ وقت میں اقوام متحدہ کے کتنے ممبران ممالک ہیں، جن کے پاس 'ویٹو' کا اختیار ہے؟

(a)تین (b)چار (c)پانچ (d)چھ

10۔ ویتنام کی جنگ میں کس عظیم ملک کو شکست ملی؟۔

(a)امریکہ (b)انگلینڈ (c)جرمنی (d)سویت روس

12.12.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. توازنِ طاقت کیا ہے لکھیے؟
2. توازنِ طاقت کے معنی اور مفہوم بتایئے؟

3. توازنِ طاقت کی تعریف بیان کیجئے؟

4. توازنِ طاقت کی نوعیت سمجھائیے

5. توازنِ طاقت پر مختصر نوٹ لکھئے۔

12.12.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. توازنِ طاقت کی ارتقاء پر روشنی ڈالیئے۔

2. توازنِ طاقت کا تنقیدی جائیزہ لیجئے۔

3. توازنِ طاقت کے طریقے پر غور وفکر کیجئے۔

12.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, The Globalisation of World Politics (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, International Relations, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, International Relations, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, Understanding International Conflicts, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, Introduction to Global Politics, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, Bainul-Aqwaami Taaluqaat (Nisaab Publishers, 2005

اکائی 13۔ جنگ اور بین الاقوامی تعلقات: تعارف

(War and International Relations: Introduction)

اکائی کے اجزا:

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 جنگ قومی پالیسی کا ایک آلہ کار

13.3 جنگ کیا ہے

13.4 جنگ کے اسباب

13.5 جنگ کے اقسام

13.6 جنگ کے افعال

13.7 کیا جنگ کبھی کبھی ادا کرتی ہے

13.8 جنگ کے متبادل امن کی شرائط

13.9 قومی پالیسی کے آلے کے طور پر جنگ کا مستقبل

13.10 بین الاقوامی سیاست میں جنگ کا کردار

13.11 اکتسابی نتائج

13.12 کلیدی الفاظ

13.13 نمونہ امتحانی سوالات

13.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

13.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

13.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

13.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا! اس اکائی میں ہم " جنگ اور بین الاقوامی تعلقات: تعارف " کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ سب سے پہلے جنگ کیا ہے، جنگ قومی پالیسی کے ایک آلے کار کے طور پر، جنیوا کنونشن کسے کہتے ہیں، اس اکائی میں ہم " جنگ اور بین الاقوامی تعلقات: تعارف " کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے اور اس کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں جان لینا ضروری ہے تاکہ طالب علم اس کا اچھی طرح سے مطالعہ کرے تاکہ بعد کے سارے مختلف سوالوں کا جواب دینے کے لائق بن جائے۔ اس باب میں ہم جنگ کے اسباب، جنگ کی ایک وجہ، خاص جنگیں، جنگ کے اقسام، جیسے مکمل جنگ، محدود جنگ، گوریلا جنگ، خانہ جنگی، پراکسی جنگ، جنگوں کی درجہ بندی کرنا وغیرہ، جنگ کے افعال، جس میں جنگ کے اہم افعال، جنگ کے معمولی افعال، دیگر افعال وغیرہ، جنگ کے متبادل امن کے شرائط، قومی پالیسی کے آلے کے طور پر جنگ کا مستقبل اور آخر میں بین الاقوامی سیاست میں جنگ کا کردار جیسے اسکے افعال، حدود اور مطلب کے بارے میں تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔ تاکہ طالب علم اسے مطالعہ کرنے کے بعد اچھے کسی بھی سوال کا جواب دینے کے قابل بن جائے۔

13.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبا اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ

- جنگ قومی پالیسی کے ایک آلے کے طور پر جانیں گے۔
- جنگ کیا ہے اور اُس کے اسباب کیا ہیں، کو جان پائیں گے۔
- جنگ کے اقسام اور اُس کے افعال سے بھی واقف ہوں گے۔
- قومی پالیسی کے ایک آلے کے طور پر جنگ کا مستقبل کو جانیں گے۔
- بین الاقوامی سیاست میں جنگ کا کردار کی معلومات حاصل کریں گے۔

13.2 جنگ قومی پالیسی کے ایک آلے کے طور پر (War as an Instrument of National Policy)

اگرچہ دیر سے، جنگ اپنا تقدس کھو رہی ہے، لیکن اسے طویل عرصے سے قومی پالیسی کا ایک آلہ تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ جنگ کا مسئلہ سیاست میں "سب سے بڑی حل طلب پہیلی" ہے۔ یہ بین الاقوامی معاشرے کی بڑی لعنت ہے، قومی ریاستی نظام کی وبائی بیماری ہے۔ طاقت کے الٹیما تناسب کے طور پر، یہ ہمیشہ بین الاقوامی سیاست کے پس منظر میں چھپا رہتا ہے۔ انسانی تاریخ جنگ کے تاریک ریکارڈوں سے بھری پڑی ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جنگ، امن نہیں، 'مہذب' انسانی معاشرے کی عام حالت ہے۔ شاید تاریخ کا کوئی دور اس سے خالی نہیں۔ "انسانی تاریخ کا بیشتر

حصہ جنگوں، جنگوں کی تیاریوں اور جنگوں کے نتائج کے حوالے سے لکھا جا سکتا ہے۔" "گزشتہ 50 سالوں میں 116 جنگیں لڑی گئیں جن میں 250 لاکھ لوگ مارے گئے۔"

تقریباً 1500 کے بعد سے جنگ کا عمومی رجحان ہر لحاظ سے زیادہ سے زیادہ خوفناک ہوتا چلا گیا۔ اگرچہ اب کم کثرت سے یہ زیادہ شدید، زیادہ توسیع شدہ اور زیادہ مہنگا ہو گیا ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک حالیہ تحقیق میں کہا گیا ہے کہ دنیا میں جوہری ہتھیاروں کی موجودہ تعداد کہیں بھی 40,000 سے 50,000 کے درمیان ہو سکتی ہے۔ ان کی مشترکہ دھماکہ خیز طاقت کا تخمینہ ایک ملین سے زیادہ ہے۔ ہیروشیما بم یا، اسے مختلف انداز میں کہیں، تقریباً 13 بلین ٹن TNT جو کہ زمین پر ہر مرد، عورت اور بچے کے لیے 3 ٹن سے زیادہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ دنیا ہر سال اسلحے کی دوڑ پر 500 بلین ڈالر یعنی تقریباً 10 لاکھ ڈالر ہر منٹ خرچ کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً 20 سے 25 غیر جوہری ہتھیار رکھنے والی ریاستیں جوہری ہتھیاروں کی قوت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

جوہری ہتھیار بین الاقوامی سلامتی کے لیے سب سے سنگین خطرہ ہیں۔ یہ امکان کے دائرے میں ہے کہ خود ایٹمی ہتھیاروں کے نظام سے کوئی بڑا حادثہ یا یہاں تک کہ تباہ کن جنگ شروع ہو سکتی ہے۔ اس کو لایا جا سکتا ہے، خاص طور پر انتہائی کشیدگی کی صورت حال میں، پیشگی ہڑتال کے ذریعے یا روایتی سے جوہری سطح تک بڑھنے کے ذریعے۔ یہ انسانی یا تکنیکی نوعیت کے حادثات سے بھی لایا جا سکتا ہے جیسا کہ جھوٹے الارم اور کمپیوٹر کی خرابی کے مختلف حادثات سے ظاہر ہوتا ہے۔ درحقیقت، انسانوں کو اس سے پہلے کبھی بھی خود ناپید ہونے کے حقیقی خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا، جیسا کہ آج ہے۔ موجودہ اسٹاک کے ڈھیر ساری دنیا کو تمام 8 بار مار سکتے ہیں۔ جوہری ہتھیار پورے سیارے کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یعنی زمین کو اور اسے مستقبل کی کسی بھی نسل کے لیے ناقابل رہائش بنا سکتے ہیں۔ درحقیقت، دنیا غیر یقینی طور پر ایٹمی ہولوکاسٹ کے دہانے پر کھڑی ہے۔ جنگ کے ان ہولناک اثرات کے پیش نظر ہمیں کوئنسی رائٹ سے اتفاق کرنا ہوگا جس کا مشاہدہ ہے کہ "جنگ کم فعال، کم بین الاقوامی، کم قابل راست اور کم قانونی ہو گئی ہے۔"

جنگ انسانی تاریخ میں بہت زیادہ عام رہی ہے اور اس طرح بین الاقوامی تعلقات کا مرکزی مسئلہ ہے۔ بہت سے سیاسی سائنس دان اور خارجہ پالیسی ساز جنگ کو سیاست کے تسلسل کے طور پر دیکھتے ہیں۔ جب سفارت کاری ناکام ہو جاتی ہے تو کچھ ریاستیں طاقت کے استعمال کا فیصلہ کرتی ہیں۔ دوسرے لوگ جنگ کو جدید بین الاقوامی نظام کے ٹوٹنے کے نتیجے کے طور پر دیکھتے ہیں کیونکہ بین الاقوامی اداروں کے بہت سے قوانین ریاستوں کے درمیان تنازعات کو کم کرنے کے لیے بنائے گئے تھے۔

پوری تاریخ میں، جنگ نے سیاسی اتھارٹی کے ڈھانچے اور طریقوں پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ 'جنگ' جنگ کے درمیان روابط کی کھوج کرتی ہے- مقصدی، منظم تشدد- اور سیاسی اتھارٹی کی تنظیم۔ اس میں بحث کی گئی ہے کہ جنگ ایسی تنظیم کو کس طرح تشکیل دیتی ہے: یہ یورپ میں خود مختار ریاستوں کے ظہور میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا، اور بین الاقوامی برادری نے معمول کے مطابق ریاستوں کے موجودہ نظام کو محفوظ بنانے کے لیے جنگ کا استعمال کیا ہے۔ جنگ سازی بھی سیاسی اختیار کا ایک اہم نشان رہا ہے۔ آخر کار، جنگ بین الاقوامی تعلقات میں مستند کنٹرول کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ ایک ساتھ، ان رابطوں نے سیاسی اتھارٹی کی عالمی تنظیم پر گہرا اثر ڈالا ہے، اور اس کے برعکس۔

جدید جنگ کو اکثر ریاستوں کے اندر، یا ان کے درمیان مسلح تصادم سے تعبیر کیا جاتا ہے، حالانکہ دیگر سیاسی برادریاں جنگ میں حصہ لیتی ہیں: نسلی اور مذہبی گروہ، نظریاتی تحریکیں، دہشت گرد تنظیمیں، منشیات کے بڑے گروہ، اور دیگر "غیر ریاستی عناصر"۔ مورخین کے ذریعہ استعمال ہونے والا سب سے تنگ معنی جنگ ہے جیسا کہ آرٹ اور سائنس اور فوجی کارروائیوں کا ریکارڈ۔ مزید عمومی گفتگو جنگ کو حصہ داری کے بڑھتے ہوئے پیمانے کے مطابق ذیلی درجہ بندی کرتی ہے - بغاوت،، شورش، گوریلا جنگ، خانہ جنگی، اور علاقائی جنگ - سب سے بڑے پیمانے پر مسلح تصادم کے تین مترادفات پر اختتام پذیر ہوتے ہیں: نظامی جنگ، عالمی جنگ، اور جنگ عظیم۔ جنگ کو اس کے انعقاد کے لیے استعمال ہونے والے ہتھیاروں کی اقسام کے لحاظ سے بھی درجہ بندی کیا جاتا ہے، جیسا کہ "روایتی جنگ" اور "غیر روایتی جنگ" کی اصطلاحات میں۔ محدود جنگ اور کل جنگ کے درمیان ایک متنازعہ فرق کیا جاتا ہے، جس میں جنگوں کو دائرہ کار کے لحاظ سے ٹائپ کیا جاتا ہے، شرکاء کے اعلان کردہ یا سمجھے گئے مقاصد، اور اس حد تک کہ عسکریت پسند شہریوں، دشمن کے حوصلے، یا اقتصادی انفراسٹرکچر کو نشانہ بناتے ہیں۔ سماجی سائنس کا ادب بڑے پیمانے پر سیاسی تشدد کی کم سے کم حد کو جنگ سے تعبیر کرتا ہے، جیسا کہ فسادات یا طاقت کے دوسرے فرقہ وارانہ استعمال کے برخلاف، اگر اموات ایک ہزار تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ ایک صوابدیدی تعریف ہے، جسے عالمی طور پر قبول نہیں کیا جاتا یا مورخین کے ذریعہ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

جنیوا کنونشن(Geneva Convention)

1864 میں، کئی ریاستوں نے ایک بین الاقوامی معاہدہ بنایا جس نے جنگ اور مسلح تنازعات کے دوران قابل قبول رویے کو منظم کیا۔ اس کے بعد سے، جنیوا کنونشنز میں 1906، 1929 اور 1949 میں ترمیم کی گئی ہے کیونکہ جنگ اور جنگ کی نوعیت بدل گئی ہے۔ معاہدوں میں تشدد، عصمت دری، نسل کشی، مسخ کرنے، غلامی اور انسانیت کے خلاف دیگر جرائم کی ممانعت ہے۔ کنونشنوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ انسانی سلوک کیا جانا چاہیے اور شہریوں کو یرغمال کے طور پر استعمال نہیں کیا جانا چاہیے۔

13.3 جنگ کیا ہے؟ (What is War)

جنگ تصفیہ کے دیگر غیر دوستانہ طریقوں سے مختلف ہے، جیسے کہ پولیس کارروائی، پابندیاں، ناکہ بندی، انتقامی کارروائیاں، مداخلت۔ مسولینی کے نزدیک ایتھوپیا پر حملہ بھی جنگ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ 1950 میں کوریا میں فوجی آپریشن تکنیکی لحاظ سے جنگ نہیں تھا۔ آج کل 'جنگ' کی اصطلاح مختلف معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اب ہم 'سرد جنگ'، کل جنگ، پروپیگنڈہ جنگ، نفسیاتی جنگ، سیاسی جنگ، روک تھام کی جنگ، گوریلا جنگ، وغیرہ کی بات کرتے ہیں۔ اس اصطلاح کو اب مسلح افواج کے براہ راست استعمال کے علاوہ کئی قسم کی دشمنانہ کارروائیوں کا احاطہ کرنے کے لیے بڑھادیا گیا ہے۔ کوئنسی رائٹ وسیع معنوں میں جنگ کی تعریف "مختلف لیکن ملتے جلتے اداروں کے پر تشدد رابطے" کے طور پر کرتی ہے اور تنگ معنوں میں "قانونی حالت جو یکساں طور پر دو یا دو سے زیادہ مخالف گروہوں کو مسلح افواج کے ذریعہ تصادم کرنے کی اجازت دیتی ہے۔"

مالینووسکی نے اسے "قبائلی یا قومی پالیسی کے حصول میں منظم فوجی قوتوں کے ذریعے دو آزاد سیاسی اکائیوں کے درمیان مسلح تصادم" کی تعریف کی ہے۔ جنگ دو انسانی گروہوں کے درمیان منظم طاقت کا استعمال ہے، متضاد پالیسیوں پر عمل کرتے ہوئے، ہر گروہ دوسرے پر اپنی پالیسی مسلط کرنا چاہتا ہے۔

کلازوِٹز کے نزدیک جنگ صرف سیاسی تعامل کا ایک حصہ ہے، لہٰذا، کسی بھی طرح سے اپنے آپ میں ایک آزاد چیز نہیں ہے۔ یہ طاقت کے میدان میں سیاسی پالیسی کی توسیع ہے۔ آرون کے مطابق، "یہ ایک سیاسی عمل ہے، یہ سیاسی صورت حال سے پیدا ہوتا ہے اور سیاسی مقاصد کے نتیجے میں ہوتا ہے"۔ لینن اور ماؤ نے بھی اس نظریے کا اشتراک کیا۔ یہ جنگ کا ایک گھٹیا نظریہ ہے۔ بہر حال، یہ نظریہ جنگ کی نوعیت کے کم از کم ایک پہلو کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ خاص طور پر "جنگ نہیں اور امن نہیں" کی موجودہ حالت سے متعلق ہے۔ یہ برقرار رکھتا ہے کہ جنگ کو سیاست سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ جنگ تشدد کے ساتھ سیاست کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن جوہری دور میں، ہم جنگ کو دوسرے طریقوں سے سفارت کاری کے تسلسل کے طور پر نہیں سوچ سکتے۔ جدید فوجی نظریہ اور تکنیک اس آلے کو خطرناک بناتی ہے۔ جوہری جنگ کو فتح اور شکست کے قدیم معیارات سے نہیں ماپا جاسکتا۔ بیسویں صدی میں یہ خارجہ پالیسی کا عملی ذریعہ نہیں ہے۔

13.4 جنگ کے اسباب (Causes of War)

خاندان سے ریاست تک انسانی نظام میں تنازعات تقریباً کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ یہاں تک کہ جانور بھی فطرتاً شکاری اور جارحانہ ہوتے ہیں۔ ایک ہی نوع کے اندر خانہ جنگی کا راج ہے۔ لہٰذا جنگ کا ادارہ تمام جانداروں کے لیے فطری اور موروثی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ہم اسے ختم کرنے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہیں کیونکہ ہم مزید اس کے متحمل نہیں ہیں۔

چونکہ کہا جاتا ہے کہ ''اگر تم امن چاہتے ہو تو جنگ کو سمجھو''، اس لیے ضروری ہے کہ جنگ کی وجوہات جانیں۔ وجوہات کو جزوی جنگوں کے اسباب کے ساتھ ساتھ عام طور پر جنگ کے اسباب دونوں کے طور پر زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔ عام طور پر جنگ کی بنیادی وجوہات کو حیاتیاتی، نفسیاتی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی طور پر درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔

حیاتیاتی وجوہات میں وجود کی خواہش، معیار زندگی کو بلند کرنے کی خواہش، غربت، اور معاش کے ذرائع پر آبادی کا دباؤ شامل ہے۔

جنگ کے نفسیاتی محرکات میں جنونی حب الوطنی کی نشوونما اور سیاسی رہنماؤں کی طرف سے شاونسٹ یا تشدد کی آئیڈیالوجی کا استحصال شامل ہے۔

سماجیات کی وضاحت گروہی تنازعات اور ثقافتی طرز کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے۔

اقتصادی معقولیت خود کفالت کی پالیسی پر زور دیتی ہے جو قوموں کو بازاروں، خام مال اور سرمائے کی سرمایہ کاری کے لیے علاقے تلاش کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ معاشی قوم پرستی بین ریاستی تصادم کا باعث بنتی ہے۔

سیاسی وجوہات میں سفارت کاری کی ناکامی، آزاد خود مختار ریاست کے نظریے پر استقامت اور نفرت اور غرور پر مبنی عسکری قوم پرستی کی پرورش شامل ہیں۔

دوسری اتھارٹی کے نزدیک خوف، مہم جوئی کی محبت، وقار، حکمت عملی، تہذیبی مشن، سیاسی اور نظریاتی تصادم معاشی وجوہات کے علاوہ جنگ کی اہم وجوہات ہیں۔

جنگ کی ایک اور وجہ (Another Causes of War)

سیاسی سائنس دانوں نے طویل عرصے سے جنگ کی وجوہات پر بحث کی ہے۔ یہ علماء درج ذیل فہرست کے ساتھ آئے ہیں:

انسانی فطرت: انسان فطری طور پر پر تشدد اور جارحانہ ہیں، جنگ کو ناگزیر بنادیتے ہیں۔

نظام کی اقسام: کچھ حکومتیں دوسروں کے مقابلے میں جنگ چھیڑنے کا زیادہ شکار ہوتی ہیں۔

مثال: اس بارے میں وسیع تحقیق ہوئی ہے کہ آیا جمہوریتوں میں دوسری حکومتوں کے مقابلے میں جنگیں شروع کرنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جمہوریتوں کا دوسری جمہوریتوں سے لڑنے کا امکان کم ہوتا ہے، ایک ایسا رجحان جسے علماء جمہوری امن کہتے ہیں۔ بہر حال، جمہوریتوں کا اتنا ہی امکان ہوتا ہے جتنا کہ دوسری قسم کی حکومتوں کا غیر جمہوریوں سے لڑنے کا۔

نظریہ: کچھ سیاسی عقائد دوسروں سے زیادہ جنگ کے حق میں ہیں۔ کچھ اسکالرز فاشزم کو موردالزام ٹھہراتے ہیں، مثال کے طور پر، دوسری جنگ عظیم کے لیے۔

مذہب: مذہبی عقیدے نے بہت سی ریاستوں کو جنگ کی طرف دھکیل دیا ہے، یا تو عقیدے کو پھیلانے کے لیے یا بدعتیوں کو ختم کرنے کے لیے۔

مثال: ابتدائی جدید دور کے دوران، تقریباً ہر یورپی ملک نے مذہب کی متعدد جنگوں کا سامنا کیا کیونکہ کیتھولک نے پروٹسٹنٹ کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ مذہب کی جنگوں کا اختتام تیس سالہ جنگ میں ہوا، جو سترہویں صدی میں اسپین اور فرانس سے جرمنی کے مشرقی حصوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ایک سفاکانہ اور ہولناک جنگ تھی، اور کیتھولک کی جنگ جیتنے میں ناکامی نے یورپ میں بڑی مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر دیا۔

عالمی نظام: چونکہ عالمی نظام انار کی یالا قانونیت کا غلبہ ہے، اس لیے ریاستوں کو اپنے تحفظ کے لیے جنگ میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔

معاشیات اور وسائل: وسائل پر تنازعات اکثر جنگ کا باعث بنتے ہیں۔

جسٹ وار تھیوری: جب تک جنگیں لڑی جاتی رہی ہیں اس پر بحث جاری ہے کہ آیا جنگ اخلاقی طور پر منصفانہ ہو سکتی ہے۔ کچھ ممتاز مفکرین نے جسٹ-وار تھیوری کی تجویز پیش کی ہے، جس میں یہ دلیل دی گئی ہے کہ جنگیں عمدہ اور قابل قدر وجوہات کی بنا پر لڑی جانی چاہئیں۔ جنگی نظریہ

ساز بھی جنگ کے لیے اخلاقی اصول قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلاشبہ، چاہے کوئی بھی جنگ جائز ہے، تقریباً ہمیشہ ہی بحث کا موضوع ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ تر انصاف پسند جنگی نظریات کچھ بنیادی نظریات پر متفق ہیں:

جنگ آخری آپشن ہونا چاہیے۔ تنازعہ کو حل کرنے کے تمام پرامن ذرائع جنگ شروع ہونے سے پہلے ختم ہونے چاہئیں۔

جنگ کا سبب انصاف ہونا چاہیے (جیسے جارحیت کو ختم کرنا اور کسی بڑی غلطی کو درست کرنا)۔

جنگ جیتی جانی چاہیے۔

جنگ کا مقصد رقم اور جانوں کی قیمت کا جواز پیش کرنا ہے۔

فوج کو شہری ہلاکتوں کو روکنے یا محدود کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

"اچھی جنگ": دوسری جنگ عظیم ان چند جنگوں میں سے ایک ہے جن کے بارے میں تقریباً ہر کوئی مانتا ہے کہ اخلاقی طور پر جائز تھی۔ نازی جرمنی اور جاپان خطرناک حکومتیں تھیں جنہوں نے فتح یافتہ لوگوں کے خلاف مظالم کا ارتکاب کیا، اور بہت سی قوموں نے محسوس کیا کہ انہیں روکنے کی ضرورت ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر، کچھ لوگ دوسری جنگ عظیم کو "اچھی جنگ" کہتے ہیں۔ اس کے برعکس، ویتنام جنگ کی وجہ سے پیدا ہونے والی سماجی اور سیاسی انتشار، جزوی طور پر، اس بحث پر مبنی تھی کہ آیا یہ جنگ جائز تھی۔

1925 میں شائع ہونے والی جنگ کے اسباب اور علاج سے متعلق کانفرنس کے نتائج میں، 250 سے زیادہ وجوہات کو چار عنوانات کے تحت بیان کیا گیا: سیاسی، معاشی، سماجی اور نفسیاتی۔ پروفیسر کوئنسی رائٹ نے 'جنگ کے اسباب اور امن کی حالت' کے عنوان سے شائع ہونے والے لیکچروں کی ایک سیریز میں جنگ کے اسباب کو ایک لحاظ سے امن کے حالات کے برعکس قرار دیا۔ انہوں نے ان کا تعلق عالمی حالات کے درج ذیل پہلوؤں سے کیا:

- موجودہ حالات کے خلاف پرتشدد مخالفانہ رائے کی حالت،
- تنازعات سے نمٹنے کے لیے بین الاقوامی تنظیم کی ناکافی،
- قانون کا ناکافی نظام، اور
- مادی قوتوں کا غیر مستحکم توازن۔

ایک بار پھر، جنگ کے مطالعہ کے لیے وقف اپنی دو زبردست جلدوں میں، رائٹ نے نشاندہی کی کہ جنگ کے اسباب کو کئی زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ "جنگ"، اس نے لکھا، "سیاسی- تکنیکی، جورو- نظریاتی، سماجی- مذہبی اور نفسیاتی- اقتصادی وجوہات ہیں"۔ ایک اور مصنف ٹیل اے ٹرنر نے اپنی کتاب "جنگ کے اسباب اور نئے انقلاب" میں چار عنوانات کے تحت جنگ کی اکتالیس وجوہات کی فہرست دی ہے، سماجی، سیاسی، تزویراتی اور اقتصادی۔

کچھ ایسے مصنفین ہیں جنہوں نے جنگ کی بنیادی وجہ کے طور پر کسی ایک عنصر کی نشاندہی کی ہے اور اس طرح دوسرے عوامل کی اہمیت کو نظر انداز یا کم کیا ہے۔ چند مثالیں لینے کے لیے لینن نے سرمایہ داری کو تمام جنگوں کی بنیادی وجہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح وکھم کا بھی خیال ہے کہ خوف ہی جنگ کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اس کے نزدیک "عدم تحفظ کا احساس اور اس سے پیدا ہونے والے خوف بلاشبہ دنیا میں جنگ کی سب سے مضبوط ممکنہ وجوہات ہیں"۔ تاہم واضح رہے کہ جنگ کبھی کسی ایک عنصر کی وجہ سے نہیں ہوتی۔

خاص جنگیں (Particular Wars)

پہلی جنگ عظیم کے اسباب کے حوالے سے یہاں کئی مطالعات کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر فے کے مطابق، پہلی عالمی جنگ کی سب سے بڑی واحد بنیادی وجہ فرانکو-پرشیا جنگ کے بعد تیار کردہ خفیہ اتحادوں کا نظام تھا۔ دیگر (ذیلی) اسباب عسکریت پسندی، قوم پرستی، اقتصادی سامراج اور اخباری پریس تھے۔ لیکن دوسرے مصنفین کے مطابق اس کے کئی اسباب شامل کیے جا سکتے ہیں جیسے روسی اور جرمن متحرک ہونا۔ آسٹریا کا الٹی میٹم سراجیوو کا قتل؛ قیصر اور پوئن کیئر جیسے بعض حکمرانوں کی خواہش؛ فرانس کی خواہش ہے کہ السا س لورین یا آسٹریا کو بلقان پر غلبہ حاصل ہو؛ اسلحہ سازوں، بین الاقوامی بینکروں، یا سفارت کاروں کی سرگرمیاں؛ مناسب یورپی سیاسی آرڈر کی کمی؛ ہتھیاروں کی دشمنی؛ نوآبادیاتی دشمنی؛ قومیت کے جذبات؛ خود مختاری کا تصور؛ آبادی اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم؛ قومی یکجہتی کے ایک آلہ کے طور پر جنگ کی قدر؛ گروہی انا پرستی؛ انسانی روح کی ناکامی؛ اور کئی دوسرے۔ زیادہ تر مسلح تنازعات کو لمبس اور وولف کی طرف سے "نظامی ناکامی؛ انسانی جارحیت حیاتیاتی ضروریات؛ عظیم طاقت سامراج؛ معاشی دشمنی؛ جنگ کے حوالے سے اشرافیہ اور مقبول تقدیر؛ سیاسی سازش؛ اور تاریخ کی عمومی تحریکوں" کی وجہ سے شروع ہوئے ہیں۔

اس طرح یہ واضح ہے کہ جنگ کے اسباب بہت سے اور متنوع ہیں۔ یاد رہے کہ جنگی نظام کی جڑیں انسانی معاشرے اور اداروں میں گہرائی تک پیوست ہیں اور جنگ جیسے پیچیدہ رجحان کی کوئی سادہ یا واحد وضاحت نہیں ہے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انسانی تاریخ کے آغاز سے ہی جنگیں ہوتی رہی ہیں۔ تاہم، موجودہ حالات میں وہ قومی ریاست کے نظام اور عصری بین الاقوامی تعلقات کے عمومی طور پر انار کی فریم ورک کے ساتھ منسلک ہو سکتے ہیں۔ جنگیں اس لیے ہوتی ہیں کہ ان کے درمیان طاقت کے استعمال کو کنٹرول کرنے کے لیے قانون اور بین الاقوامی تنظیم کے موثر نظام کی عدم موجودگی ہے۔

13.5 جنگ کی اقسام (Types of War)

اگرچہ تمام جنگیں پر تشدد ہوتی ہیں، لیکن تمام جنگیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ درحقیقت، جنگوں کی بہت سی قسمیں ہیں، جن کی درجہ بندی کی جا سکتی ہے جس کے مطابق لوگ اصل میں لڑتے ہیں، تنازعات کی شدت، اور جنگجوؤں کے تشدد کے استعمال کی حد، دیگر عوامل کے ساتھ۔ علماء عموماً جنگ کی پانچ اقسام بیان کرتے ہیں: مکمل جنگ، محدود جنگ، گوریلا جنگ، خانہ جنگی، پراکسی جنگ۔

مکمل جنگ (Total War)

کل جنگ ایک ایسی جنگ ہے جس میں جنگجو دشمن کے سماجی تانے بانے کو تباہ کرنے کے لیے دستیاب ہر وسائل کا استعمال کرتے ہیں۔ کل جنگیں انتہائی تباہ کن ہوتی ہیں اور ان میں بڑے پیمانے پر شہری ہلاکتیں ہوتی ہیں کیونکہ کل جنگ جیتنے کے لیے اکثر جنگجوؤں کو لڑائی جاری رکھنے کے لیے لوگوں کی مرضی کو توڑنا پڑتا ہے۔ پہلی اور دوسری عالمی جنگیں کل جنگیں تھیں، جن میں فرانس، جرمنی، سوویت یونین، اٹلی، برطانیہ اور جاپان سمیت کئی ممالک میں شہری معیشت اور معاشرے کی مکمل تباہی ہوئی تھی۔

محدود جنگ (Limited War)

محدود جنگ ایک ایسی جنگ ہے جو بنیادی طور پر پیشہ ور فوجوں کے درمیان وسیع پیمانے پر تباہی کے بغیر مخصوص سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے لڑی جاتی ہے۔ اگرچہ شہری ہلاکتوں کی کل تعداد زیادہ ہو سکتی ہے، لیکن جنگجو دشمن کے سماجی اور اقتصادی ڈھانچے کو مکمل طور پر تباہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ 1990-1991 کی خلیج فارس جنگ ایک محدود جنگ تھی جس میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے کویت سے عراقی فوجیوں کو زبردستی ہٹا دیا۔

گوریلا جنگ (Guerrilla war)

گوریلا جنگ ایک ایسی جنگ ہے جس میں ایک یا دونوں جنگجو پیشہ ورانہ، منظم فوجوں کے بجائے چھوٹے، ہلکے ہتھیاروں سے لیس ملیشیا یونٹس کا استعمال کرتے ہیں۔ گوریلا جنگجو عموماً اپنی حکومت کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں، اکثر لوگوں کی حمایت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ جنگیں اکثر بہت طویل ہوتی ہیں لیکن باغیوں کے لیے کامیاب بھی ہوتی ہیں جیسا کہ 1940 کی دہائی میں چین میں چیانگ کائی شیک پر ماؤزے تنگ کی فتح، ویت نام کی جنگ میں امریکہ پر ویت کانگ کی فتح، اور مجاہدین کی فتح سے ظاہر ہوتا ہے۔ 1980 کی دہائی میں افغانستان میں سوویت یونین کا خلفشار۔

خانہ جنگی (Civil War)

خانہ جنگی ایک ایسی جنگ ہے جو کسی ایک ملک کے اندر شہریوں کے مختلف گروہوں کے درمیان لڑی جاتی ہے جو حکومت کو کنٹرول کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے گروہ کے حکمرانی کے حق کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ خانہ جنگیاں تقریباً ہمیشہ مکمل جنگیں ہوتی ہیں کیونکہ ہر فریق دشمن کی سیاسی حمایت کی بنیاد کو تباہ کرنے پر مجبور محسوس ہوتا ہے۔ شمالی اور جنوب کے درمیان امریکی خانہ جنگی جیسے علاقائی دراڑیں، کچھ خانہ جنگیوں کی خصوصیت رکھتی ہیں، جب کہ دیگر خانہ جنگیاں نسلی حریفوں، مذہبی حریفوں اور حریف قبیلوں کے درمیان لڑی گئی ہیں۔ انقلابات خانہ جنگیوں کو بھی جنم دے سکتے ہیں۔

پراکسی جنگ (Proxy War)

ایک پراکسی جنگ ایک جنگ ہے جو تیسرے فریقوں کے ذریعہ لڑی جاتی ہے نہ کہ دشمن ریاستوں کے ذریعہ۔ سرد جنگ کے دوران بہت سے عسکری تنازعات، جیسے کوریا کی جنگ اور ویتنام۔ جنگ کو امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان پراکسی جنگوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جن میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے براہ راست لڑنا نہیں چاہتا تھا۔

جنگوں کی درجہ بندی کرنا (Categorizing Wars)

ایک جنگ اکثر ایک ہی وقت میں ایک محدود جنگ، ایک گوریلا جنگ، اور خانہ جنگی ہو سکتی ہے۔ 1979 میں سوویت یونین کا افغانستان پر حملہ اس کی ایک بڑی مثال ہے۔ امریکہ نے حملہ آوروں کے خلاف لڑنے کے لیے افغان باغیوں کو ٹریننز، رقم اور ہتھیار بھیجے، جس سے یہ امریکی نقطہ نظر سے ایک کم شدت والا، محدود تنازع ہے۔ افغان مزاحمت کا زیادہ تر انحصار گوریلا حکمت عملی پر تھا۔ اور جنگ نے افغانستان کو تقسیم کر دیا یہ بھی خانہ جنگی تھی۔

13.6 جنگ کے افعال (Functions of War)

جنگ انسانی تاریخ کی ایک باقاعدہ خصوصیت ہونے کے ناطے اس کی خالصتاً انسانی لغزش یا اصل گناہ کے لحاظ سے وضاحت نہیں کی جاسکتی۔ یہ اتنا مستقل نہیں ہوتا جب تک کہ اس نے کوئی مفید مقصد پورا نہ کیا ہو۔ اس لیے صرف مذمت کر کے ہم اسے ختم نہیں کر سکتے۔ ہم اس ادارے سے اس وقت تک چھٹکارا نہیں پا سکتے جب تک کہ ہم اس کا کوئی قابل قبول متبادل تیار کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ واضح حقیقت یہ ہے کہ جنگ مقاصد کے حصول کا ایک طریقہ ہے۔ جنگ اپنی سماجی افادیت کی وجہ سے برقرار ہے۔

جنگ کے اہم افعال (Major Functions of War)

اس حقیقت میں کوئی فائدہ نہیں ہے کہ جنگ نے کچھ سماجی طور پر مطلوبہ افعال انجام دیے ہیں۔ پروفیسر ایگلٹن کا کہنا ہے کہ "صدیوں سے جنگ کو غیر منصفانہ حالات کے تدارک، تنازعات کو حل کرنے، حقوق کے نفاذ کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے"۔ پروفیسر شاٹ ویل کا مزید کہنا ہے کہ "جنگ کو مجرمانہ جارحیت کے خلاف ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جتنا کہ یہ خود جارحیت کا آلہ رہا ہے۔ اس نے مجرمانہ کردار کے ساتھ ساتھ ایک فائدہ مند کردار بھی ادا کیا ہے۔" یہاں تک کہ ہیوج گروٹیئس، جو کہ بین الاقوامی امن کے سخت حامی ہیں، نے دفاعی جنگوں کا جواز پیش کیا ہے۔

مثالیں کئی گنا بڑھ سکتی ہیں جن میں جنگ ہی وہ ذریعہ تھی جس سے لوگ ناقابل برداشت جبر سے بچ گئے۔ امریکی انقلاب نے ایک ایسی حکومت کا خاتمہ کیا جسے نوآبادیات انسان کے فطری حقوق سے انکاری سمجھتے تھے، فرانسیسی انقلاب نے ایک کرپٹ اور مطلق العنان بادشاہت کا تختہ

الٹ دیا۔ امریکی خانہ جنگی نے قومی اتحاد لایا اور نیگرو غلامی کا خاتمہ کیا۔ بلقان کی جنگوں نے ترک حکمرانی سے نجات دلائی، اور حال ہی میں پاک بھارت جنگ (1971) نے ایک نئی قوم کے قیام کے ذریعے مغربی پاکستان کے ذریعے مشرقی بنگالیوں پر ظلم کا خاتمہ کیا۔

کمیونسٹ جنگ کا جواز پیش کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک اچھے مقصد کی تکمیل کرے گی یعنی مستقل امن۔ یہی وجہ ہے کہ لینن نے "سوویت جمہوریہ اور بورژوا ریاستوں کے درمیان خوفناک ٹکراؤ کے سلسلے" کی پیشین گوئی کی تھی۔ سٹالن نے اعلان کیا کہ "سرمایہ داری کو انقلاب کے ذریعے ہی اکھاڑ پھینکا جا سکتا ہے جو طویل اور پر تشدد جدوجہد کی شکل اختیار کرلے گا"۔ ماؤزے تنگ نے لکھا: "انقلاب کا مرکزی کام اور اعلیٰ ترین شکل جنگ کے ذریعے مسائل کو حل کرنے کے لیے طاقت کے ذریعے سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنا ہے.... سیاسی طاقت بندوقوں سے ہی ابھرتی ہے.... ہاں ہم انقلابی قادر مطلق کو اپ لوڈ کرتے ہیں۔ جنگ کے لیے۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ابھی تک جنگ اور پر تشدد انقلاب کی ناگزیریت اور افادیت سے متفق ہیں۔ اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو درحقیقت دوسرے متبادل پر جنگ کو ترجیح دیں گے۔ تقریباً ناقابل برداشت حالات میں رہنے والے لوگ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اس لیے امن کی آرزو کسی بھی طرح عالمگیر نہیں ہے۔ ریاستیں 'محفوظ طریقے سے' جنگ کرنے کے حق سے دستبردار نہیں ہو سکتیں۔ کوئی بھی اپنے دفاع کے قدیم حق کو ترک کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔

جنگ کے معمولی افعال (Minor Functions of War)

"جنگ وہ آلہ رہا ہے جس کے ذریعے سیاسی قومی تاریخ کے بیشتر عظیم حقائق کو قائم اور برقرار رکھا گیا ہے۔ آج دنیا کا نقشہ بڑی حد تک میدان جنگ میں طے ہوا ہے۔" جنگ دراصل جدید دنیا کی بڑی سیاسی تبدیلیوں، قومی ریاستوں کی تعمیر، پوری دنیا میں جدید تہذیب کے اظہار کے لیے استعمال ہونے والا طریقہ رہا ہے۔ کوئنسی رائٹ بتاتی ہیں کہ جنگ، جنگ، فوجی ٹیکنالوجی، خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات کی بعض شرائط کے تحت پالیسی کا ایک قیمتی آلہ ہو سکتا ہے۔ مختصراً، جنگ جدید دنیا کا ایک اہم کا زرہا ہے۔ اس کی ریاستیں، اس کی صنعتیں، اس کی اخلاقیات اور اس کا ثقافتی نمونہ۔

دیگر افعال (Other Functions)

ایک بار پھر، بعض اوقات جنگیں اخلاقی اور روحانی خوبیوں کو بلند کرنے میں بھی معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ کاف مین کے الفاظ میں، "جنگ ریاست کی اعلیٰ ترین کارکردگی ہے جس میں اس کی خصوصی نوعیت اپنی مکمل ترقی کو پہنچتی ہے"۔ ماؤ کے مطابق، "مسلح جدوجہد شعوری سرگرمی کی اعلیٰ ترین شکل ہے"۔ مسولینی نے کہا، "جنگ اپنے سب سے زیادہ تناؤ کو تمام انسانی توانائی لاتی ہے اور لوگوں پر شرافت کی مہر ثبت کرتی ہے"۔ ہیگل نے کہا تھا کہ "جنگ قومی زندگی کے لیے ہے جو ہوائیں سمندر کے لیے ہیں"۔ لیکن حقیقت میں، وہ صرف ان خصوصیات کو کم اور سخت کرتے ہیں؛ ان کے اخلاقی اور روحانی اثرات مکمل طور پر منفی ہیں۔

کچھ جرمن مصنفین نے یہ بات برقرار رکھی ہے کہ جنگ کمزور اور کمتر نسلوں کو ختم کرنے کے لیے ایک ضروری عمل ہے جس سے مضبوط لوگوں کی نشوونما اور نشوونما ممکن ہے۔ جنرل برنھارڈی کے مطابق، "جنگ پہلی اہمیت کی ایک حیاتیاتی ضرورت ہے، بنی نوع انسان کی زندگی میں ایک ایسا ضابطہ کار عنصر ہے جس کو ختم نہیں کیا جاسکتا... جنگ کے بغیر کمتر یا زوال پذیر نسلیں صحت مند ابھرتے ہوئے عناصر کی نشوونما کو آسانی سے روک سکتی ہیں اور ایک عالمگیر تنزلی کی پیروی کریں گے۔ لیکن اس کے اپنے معیار سے جرمنوں کو دو بار اس قسم کی نسل ثابت ہو چکی ہے جسے تہذیب کی راہ میں رکاوٹ کے طور پر ہٹا دیا جانا چاہیے۔ جنگ کے حق میں دیگر مشتبہ دلائل یہ ہیں: کہ غیر ملکی جنگیں بعض اوقات ملکی اتحاد اور امن کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ کہ جنگیں فاضل آبادی کے لیے بھوک اور بیماری سے کم تکلیف دہ جگہ فراہم کر سکتی ہیں۔

13.7 جنگ کا حصول (Achievements of War)

جنگ کے مخالفین کہتے ہیں کہ جنگ کبھی قیمت نہیں دیتی۔ "وا کے بارے میں سب سے بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یہ کچھ بھی حاصل نہیں کرتا ہے۔ اس میں جانے والی تمام کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ اس کی تمام قربانیاں رائیگاں ہیں۔ قوموں کے درمیان وہ مسائل جن پر وہ جنگ کرتے ہیں، جنگ کے وقت بھی باقی رہتے ہیں۔ جنگ سے کچھ طے نہیں ہوتا"۔ یہ طویل مدتی نقطہ نظر سے تنازعات کو حل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ نارمن اینجل کے ذریعہ 'یہ ایک بہت بڑا فریب ہے کہ یہ ادا کرتا ہے'۔ یہ حالیہ جنگوں کا عمومی ردعمل ہے۔ پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے ماضی میں کچھ مفید کام انجام دیے تھے۔ اس نے نہ صرف برے کام کرنے والے برے مردوں کے لیے بلکہ اکثر اچھے لوگوں کے لیے اچھے مقاصد کے لیے ادائیگی کی ہے۔ بعد کی نوعیت کی کچھ جنگیں قدیم ہندوستان کی کروکشیتر جنگ، امریکی خانہ جنگی اور دوسری عالمی جنگ ہیں۔ اس لیے حملے کا ہدف اس کی افادیت نہیں بلکہ اس کے حصول کا غیر انسانی اور وحشیانہ طریقہ ہونا چاہیے۔

13.8 امن قائم کرنے کے طریقے (Methods to Restore Peace)

اگر جنگ اتنی غیر انسانی، وحشیانہ اور خودکشی ہے تو ہمیں اس کے متبادل تلاش کرنا ہوں گے۔ تاہم، مسئلہ کا کوئی آسان یا سیدھا حل نہیں ہے۔ ڈلس نے جنگ کی روک تھام کے لیے چند دلچسپ تجاویز پیش کی ہیں جن میں سے کچھ کا شمار درج ذیل ہے۔

- جنگ کی ہولناکیوں کے بارے میں تعلیم۔
- اس حقیقت کی تعلیم کہ 'جنگ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا'
- اقتصادی قوم پرستی کے بجائے اقتصادی بین الاقوامیت۔
- جارحیت کے ثمرات کو تسلیم نہ کرنا۔
- تخفیف اسلحہ۔

- مضبوط اور قابل اعتماد پابندیاں۔
- بین الاقوامی قانون
- عالمی حکومت

عالمی امن کی چار شرائط ہیں۔

- کمیونٹی کے احساس اور مفادات کی ہم آہنگی کی ایک ڈگری۔
- مشترکہ حکومت۔
- پرامن ریاستوں کی طرف سے سب سے زیادہ طاقت کا استعمال۔
- باہمی تباہی کا خوف۔ باہمی ڈیٹرنس یا دہشت کا توازن۔

13.9 قومی پالیسی کے ایک آلے کے طور پر جنگ کا مستقبل

(Future of War as an Instrument of National Policy)

ہماری امید اس حقیقت میں مضمر ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ جنگ ملازمت کے لیے بہت خطرناک ہے اور اس سے ریاستی تحفظ، اقتصادی فائدے اور شان کے روایتی مقاصد کو مزید محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ اب کوئی الٹیماریشو نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنا تناسب کھو دیا ہے۔ اب جنگ اپنی سمت میں غیر یقینی ہو گئی ہے جیسا کہ اس کی شدت یا پھیلاؤ۔ یہ اب پالیسی کا محفوظ آلہ نہیں ہے۔ اپنی تمام ترضرورتوں کی وجہ سے، یہ قوموں کے درمیان ایک متعدی بیماری بن گئی ہے، اور کوئی بھی کسی متعدی مرض سے محفوظ نہیں ہے۔

پھر بھی ہمیں اس نتیجے پر نہیں پہنچنا چاہیے کہ جنگ اتنی خطرناک ہے اب مزید کام نہیں کیا جائے گا۔ ہماری عام غلطی یہ عقیدہ ہے کہ یا تو ہماری جنگ ہے یا ہماری جنگ نہیں ہے۔ ایک زیادہ امید افزا اور عملی نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ آلہ بہت کم اور اخلاقی طور پر قابل دفاع طریقوں سے استعمال کیا جائے۔ تخفیف اسلحہ میں پیشرفت، بین الاقوامی قانون کی ترقی، بین الاقوامی تنظیم میں تعمیری کام، پرامن تصفیہ اور اجتماعی سلامتی کی تکنیک میں بہتری اور اس کا استعمال، اور بین الاقوامی افہام و تفہیم کی تعلیم جنگ کی لعنت کو دور کرنے کے لیے بہت آگے جا سکتے ہیں۔ تاہم جنگ کے متبادل تب ہی قابل عمل ہوں گے جب وہ جنگ کے دفاعی کاموں کو اپنے ہاتھ میں لیں اور جب ان کا استعمال معقول آدمی امن قائم رکھنے کی خواہش کے ساتھ کریں۔ ریاستوں کو جنگ کرنے کے حق سے اس وقت تک انکار نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ ان ذمہ داریوں سے آزاد نہ ہو جائیں جو اب ان پر بہت زیادہ اور خصوصی طور پر عائد ہیں۔

اس لیے عالمی امن کے لیے زیادہ پرجوش ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ امن کا مقصد حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مورگنتھاؤ نے اس معاملے کے بارے میں بہت سمجھدار اور عملی نظریہ اپنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امن کا ہدف حد بندی، تبدیلی اور رہائش کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دانشمندانہ سفارتکاری کے ذریعے امن کا طویل دور عالمی معاشرے کی ترقی کا ابتدائی مرحلہ ہوگا۔

13.10 بین الاقوامی سیاست میں جنگ کا کردار (Role of War in International Politics)

جنگ ہر ایک کے خلاف سیاسی اکائیوں کے ذریعہ منظم تشدد کا ایک عمل ہے دوسرے سے۔اس تعریف کے دو اہم مضمرات ہیں۔سب سے پہلے، تشدد نہیں ہے جنگ جب تک سیاسی اکائی کے نام پر نہ کی جائے۔دوم، تشدد کیا گیا سیاسی اکائی کے نام پر جنگ اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا رخ کسی دوسرے سیاسی مقصد کے خلاف نہ ہو۔

افعال (Functions)

جدید بین الاقوامی نظام میں، جنگ کے افعال، ایک سماجی عمل کے طور پر، ہو سکتے ہیں۔ تین نقطہ نظر سے غور کیا جائے: ایک انفرادی ریاست کا، کہ نظام کا ریاستیں، اور ریاستوں کی سوسائٹی۔انفرادی ریاست کے نقطہ نظر سے، جنگ پالیسی کا ایک آلہ رہا ہے، ان ذرائع میں سے ایک جس کے ذریعے ریاست کے مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔جیسا کہ کلازوٹز نے کہا، جنگ ہے۔دوسرے طریقوں سے پالیسی کا تسلسل۔اس طرح، 3ریاستیں، جو جائز اختیار رکھتی ہیں طاقت کے استعمال کے لیے، جس سیاسی مقصد کے لیے وہ مناسب سمجھیں جنگ کا سہارا لے سکتے ہیں۔

ریاستوں کے نظام کے نقطہ نظر سے، جنگ ایک اصولی طریقہ کار رہا ہے، اس میں جسے والٹز کہتے ہیں، صلاحیتوں کی تقسیم، ایک عنصر جس کو دوبارہ استعمال کرتا ہے۔نظام میں ریاستوں میں طاقت کی تقسیم، اور، ایک ہی وقت میں، ایک حتمی نظام کی شکل اور اس کے اندر ریاستوں کی پوزیشن کا ثالث ہے۔یہ جنگ میں یہ احترام، اس بات کا تعین کرنے میں مدد کرتا ہے کہ آیا مخصوص ریاستیں زندہ رہتی ہیں یا ختم ہو جاتی ہیں چاہے وہ بڑھیں یا زوال پذیر ہوں۔

ریاستوں کے معاشرے کے نقطہ نظر سے جنگ کا دوہرا پہلو ہوتا ہے۔ایک پر ہاتھ، جنگ انتشار کا مظہر ہے، ریاستوں ک معاشرے کے ٹوٹنے کا خطرہ ہے۔خود اور معاشرے سے پہلے کی حالت میں واپسی جہاں سب کے خلاف سب کی جنگ غالب ہے۔خاص طور پر، اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاستوں کا معاشرہ جنگ کو محدود کر دیتا ہے تاکہ اسے عام میں رکھا جا سکے۔خود ریاستوں کی سوسائٹی کے ذریعہ وضع کردہ قوانین۔دوسری طرف جنگ ایک آلہ کے طور پر ریاستوں کی پالیسیوں اور نظام کی شکل کا تعین کرتا ہے کہ ریاستوں کا معاشرہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کام کرتا ہے۔خاص طور پر، اس کا مطلب ہے کہ ریاستوں کا معاشرہ متعین مشترکہ اقدار اور مفادات کو فروغ دینے کے لیے جنگ کا آغاز کرتا ہے۔خود ریاستوں کے معاشرے کی طرف سے۔دوسرے لفظوں میں جنگ اس سے ایک مبہم کردار رکھتی ہے۔ریاستوں کے معاشرے کے لیے بیک وقت فیصلہ کن خطرہ ہونے کا تناظر، اور اس کی حفاظت کا آلہ۔

حدود (Limits)

ریاستوں کی سوسائٹی نے جو ادارے اور قواعد قائم کیے ہیں، وہ اس کی جنگ کا دوہرا پہلو کا عکاسی کرتے ہیں۔ایک طرف ریاستوں کی سوسائٹی کو محدود کرنے پر مجبور کیا گیا ہے اور جنگ پر مشتمل ہے۔خاص طور پر، جنگ کرنے کا حق، جس کا مطلب ہے، خود مختار ریاستیں تک محدود تھا۔یہ

ویسٹ فیلیاکا1648کاامن تھا جس نے خود مختاری کے اصول کو وضع کیا،اوراس کی عدم مداخلت کابنیادی اصول،اوراس نے اجرت کے حق کو تسلیم کیا۔خود مختار ریاستوں سے جنگ ان کی خود مختاری کے استحقاق کے طور پر لڑی گئی۔ریاستوں کا معاشرہ بھی جس طریقے سے جنگ چھیڑی جاتی ہے اس پر پابندی لگادی، بالکل بیلو میں، جیسا کہ کے اصل اعمال میں بیان کیا گیا ہے۔1899اور1997 ہیگ کانفرنسیں، چار1949 جنیوا کنونشنز،اوردو1977

مثال کے طور پر اضافی پروٹوکول کے ساتھ۔کے طرز عمل پر عائد پابندی کے علاوہ جنگ،ریاستوں کے معاشرے نے جنگ کے جغرافیائی پھیلاؤ کو بھی بیان کر کے محدود کر دیا۔غیر جانبداری کے قوانین، تعلقات میں غیر جانبداروں اور جنگجوؤں کے حقوق اور فرائض کا تعین ایک دوسرے سے بھی محدود کر دیا۔آخر میں،اور سب سے اہم بات،ریاستوں کی سوسائٹی نے مقاصد کو محدود کر دیا۔جس کے لیے ریاستیں جنگ کا سہارا لے سکتی ہیں،اور کون سی ایک معقول وجہ ہے جس کے لیے جنگ ہوسکتی ہے۔جنگ،ایک بار سمجھا جانے کے بعد،ایک جائزاور متناسب ذریعہ بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنا،اپنے دفاع کے حق تک محدود تھا،انفرادی یااجتماعی،جارحیت کے خلاف لڑنا۔یہ اقوام متحدہ کا1945کا چارٹر تھا جس میں علاقائی سالمیت کی خلاف ورزی کے خلاف اپنے دفاع کے لیے جنگ کا حق یا ریاست کی سیاسی آزادی تھی۔

دوسری طرف ریاستوں کے معاشرے نے بھی جنگ کو بطور ذریعہ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔مشترکہ اصولوں کی حفاظت اور نفاذ، مشترکہ اقدار کی حفاظت اور بین الاقوامی برقرار رکھنے کے لیے آرڈر: جنگ کا ایک اہم پہلو، صرف تبدیلی کے میکانزم پر اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ بین الاقوامی نظم کا فقدان ہے۔خاص طور پر،اقوام متحدہ کے اہداف، جیسا کہ متعین کیا گیا ہے۔اس کے چارٹر کے ذریعہ، ریاستوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دینا، بین الاقوامی حاصل کرنے کے لئے تعاون اور ہر قسم کے بین الاقوامی مسائل کو حل کرنے کے لیے،اور سب سے اہم بات کے لیے موثر اجتماعی کارروائی کر کے بین الاقوامی امن و سلامتی کو برقرار رکھنا امن کو لاحق خطرات کی روک تھام اور جارحیت کی کارروائیوں کو دبانے کے لیے خاتمے کو برقرار رکھنا۔اس مقصد کے لیے، سلامتی کونسل،اقوام متحدہ کی ایگزیکٹو باڈی، بین الاقوامی دیکھ بھال کے لیے بنیادی ذمہ داری فراہم کی گئی ہے۔امن وسلامتی کو لاحق خطرات سے نمٹنے کے لیے نفاذ کی کارروائی کرنااور جارحیت کی کارروائیوں کو دبانا۔ایسا کرنے میں، سلامتی کونسل کے پاس موجود ہے۔ریاستوں کی سوسائٹی کی جانب سے جنگی فیصلے کرنے کا قانونی اختیار نافذ کرنے کے لیے اس کے اصول،اس کی اقدار کی حفاظت کے لیے،اوراپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

جنگ اپنے دفاع یا جارحیت کے خلاف اجتماعی دفاع میں لڑی جانے والی جنگ تک پھیلی ہوئی ہے، لیکن اس سے آگے نہیں۔جنگ آج ہے، جیسا کہ ساٹھ سال پہلے جب چارٹر کی توثیق کی گئی تھی، جائز تھی۔صرف ایک نفاذ کے اقدام کے طور پر جو سلامتی کونسل نے لیا یا منظور کیا اسے بین الاقوامی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنا، یا خود اور اجتماعی مشق کے طور پر بالترتیب طریقے سے انفرادی ریاست اور ریاستوں کے ایک گروپ کی طرف سے حملہ آور کے خلاف دفاع کرنا۔

مطلب (Means)

اس حقیقت کے باوجود کہ جنگ کو اب جائز اور متناسب نہیں سمجھا جاتا، بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنے کا مطلب ہے، جنگ بین الاقوامی سیاست کا ختم ہوتا ہوا سماجی عمل نہیں ہے۔ یہ اب بھی اوپر بیان کردہ افعال انجام دیتا ہے۔ جنگ اب بھی قیمتی پالیسی کا آلہ ہے، ایک بنیادی قاعدہ کے طور پر جو س کنڑا بیلم کے ضابطہ بندی کے باوجود ریاستوں کے معاشرے کے اندر بین ریاستی تعلقات کا طرز عمل، اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے آپشن کی دستیابی بڑی طاقتوں کے فائدے میں ہے، اور کے نقصان کے لئے دوسری ریاستیں، جن کے پاس یا تو جنگ کرنے کی ضروری صلاحیت نہیں ہے، یا دوسرے کو ترجیح دیں، ان کے بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنے کا مطلب ہے۔ حالانکہ لڑی جانے والی جنگوں کا کردار ماضی میں سرد جنگ کے خاتمے کے ساتھ بدل گیا؛ آج جنگوں کی اکثریت ہے بلکہ ان کے درمیان ریاستوں کے اندر؛ بین ریاستی جنگ پالیسی کے تسلسل کے طور پر دوسرے ذرائع سے اب بھی موجود ہے، کویت پر عراق کے حملے کے طور پر، نئ جنگیں اس وقت کے یوگوسلاویہ کی آزاد ریاستیں، یاافغانستان اور عراق کی حالیہ جنگوں کے لیے مثال کے طور پر، ظاہر کر سکتے ہیں۔

جنگ اب بھی طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کا ایک ذریعہ ہے، جس پر غور کیا گیا ہے۔ جیسا کہ والزین معنوں میں نظام کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ اگرچہ حالیہ جنگیں اس مفروضے کو برداشت نہیں کرتیں، اس بات کا کوئی یقین نہیں ہے کہ جنگیں، ایک بار امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان ویتنام، کیریبین، افریقہ میں لڑائی ہوئی، افغانستان، اور دنیا بھر میں سرد جنگ کی جدوجہد کے دوران، نہیں کر سکا سرد جنگ کے خاتمے کے بعد نظام میں ریاستیں بھر میں صلاحیتوں کی تقسیم میں تبدیلی کے نتیجے میں نئے لوگوں کی جگہ لے لی جائے۔ افغانستان اور عراق میں جنگ ہوسکتی ہے۔ پہلے ہی اس سمت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ریاستوں کے معاشرے کی طرف سے لڑی جانے والی جنگ کے حوالے سے، اس قسم کی جنگ یہ بھی غائب نہیں ہے۔ سرد جنگ کے بعد اقوام متحدہ، یا زیادہ مناسب طور پر، سلامتی کونسل، بین الاقوامی خطرات سے نمٹنے کے لیے تیزی سے متحرک ہوگئی۔

سلامتی کونسل کا مینڈیٹ کے ساتھ، ریاستوں کے معاشرے نے خلاف جارحیت کو کویت، شمالی اور جنوبی عراق میں مداخلت، بوسنیا، صومالیہ، ہیٹی، روانڈا، کوسوو، مشرقی تیمور، ڈیموکریٹک ریپبلک آف کانگو اور دیگر جگہوں پر اپنے مشترکہ تحفظ اقدار اور مفادات کے لیے پسپا کیا۔

واضح طور پر، جنگ بین الاقوامی سیاست میں ایک اہم کردار ہے، اور اس حقیقت کے باوجود اب کسی ریاست کو جنگ کے لیے مناسب اور متناسب ذرائع کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے بین الاقوامی تنازعات کا حل، سوائے اپنے دفاع کے حق کے استعمال کے اور اقوام متحدہ کی اجتماعی کارروائی، بین ریاستی تعلقات میں جنگ اب بھی موجود ہے۔ بین الاقوامی نظم وضبط کی بحالی اور فروغ میں اب بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مشترکہ اقدار اور ریاستوں کے معاشرے کے مجموعی مفادات، اس کے کبھی کبھار قوانین کے باوجود ٹوٹ جاتے ہیں۔

13.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے سیکھا کہ ،

- جنگ قومی پالیسی کے ایک آلے کے طور پر کیسے کام کرتی ہے ؟
- جنگ کیا ہے اور اُس کے اسباب کیا ہیں۔
- جنگ کے اقسام اور اُس کے افعال کیا کیا ہیں۔
- قومی پالیسی کے ایک آلے کے طور پر جنگ کا مستقبل کیا ہے۔
- بین الاقوامی سیاست میں جنگ کا کیا کردار ہوتا ہے۔

13.12 کلیدی الفاظ (Keywords)

سفیر (Ambassador)

ایک سفیر غیر ملکی ملک میں تعینات ایک اہم اعلیٰ عہدے دار ہوتا ہے جو وہاں اپنے ملک کے مفادات کی نمائندگی کرتا ہے۔ دو طرفہ ملاقاتیں، مواصلات یا معاہدے وہ ہیں جن میں براہ راست صرف دو ممالک شامل ہوتے ہیں۔

قومی مفاد (National Interest)

ریاست کا قومی مفاد، بنیادی طور پر علاقے اور خود مختاری کا تحفظ؛ حقیقت پسندانہ سوچ میں، مفاد ایک واحد ہے جسے طاقت کے حصول کے لحاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ لبرل سوچ میں بہت سے قومی مفادات ہوتے ہیں۔ بنیاد پرست سوچ میں حکمران اشرافیہ کا مفاد ہے۔

قوم (Nation)

لوگوں کا ایک گروپ جو ایک ہی نسل، ایک مشترکہ زبان، تاریخ، اور/یا ثقافت کا اشتراک کرتے ہیں۔ ایک قوم کو خاص طور پر ایسے لوگوں کے گروپ کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے جو اپنے آپ کو اپنی ثقافت، تاریخ، اداروں یا اجتماعی اصولوں میں الگ دیکھتے ہیں اور جو خود حکمرانی کی خواہش رکھتے ہیں۔

قانونی حیثیت (Legitimacy)

حکمرانی کا اخلاقی اور قانونی حق، جو قانون، رسم و رواج، وراثت، یا حکمران کی رضامندی پر مبنی ہے؛ ایک حکومت کے حوالے سے، ایک ایسی ریاست جسے بین الاقوامی برادری کے ارکان تسلیم کرتے ہیں۔

بدمعاش ریاست (Rogue State)

بدمعاش ریاست سے مراد وہ ملک ہے جس نے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی ہے اور اب دوسری اقوام کی سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔

جنگی قیدی (Prisoner of War)

جنگی قیدی ایک ایسا فرد ہوتا ہے جسے جنگ کے دوران یا اس کے فوراً بعد کسی دشمن طاقت کے زیر حراست رکھا جاتا ہے۔

غیر ریاستی اداکار (Non-State Actors)

سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والے افراد یا تنظیمیں جو کسی ملک کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں۔

13.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

13.13.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ "جنگ کے اسباب اور نئے انقلاب" کے عنوان سے کتاب کس نے تصنیف کی؟

(a) ٹیل اے ٹرنر　　(b) میکیاویلی

(c) ارسطو　　(d) افلاطون

2۔ کس نے کہا، "مسلح جدوجہد شعوری سرگرمی کی اعلیٰ ترین شکل ہے"

(a) ڈیوڈ ایوٹن　　(b) ماؤ

(c) ارسطو　　(d) افلاطون

3۔ کس سال میں، ویسٹ فیلیا کے امن کو خود مختاری کے اصول کوڈ کیا گیا تھا۔

(a) 1646　　(b) 1647

(c) 1648　　(d) 1649

4۔ کوریا کی جنگ کس سال لڑی گئی؟

(a) 1947　　(b) 1948

(c) 1949　　(d) 1950

5۔ کس کا مشاہدہ ہے کہ "جنگ کم فعال، کم بین الاقوامی، کم قابل راست اور کم قانونی" بن گئی ہے۔

(a) کوئنسی رائٹ (b) کارل مارکس

(c) جے ایس مل (d) ہیگل

6۔ایٹمی ہتھیار کس کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟

(a) آسمان کو (b) سورج کو

(c) پورے سیارے کو (d) زمین کو

7۔250 سے زیادہ وجوہات کو کتنے عنوانات کے تحت بیان کیا گیا تھا

(a) تین (b) چار

(c) پانچ (d) چھ

8۔انڈین ایکسپریس نے 5 مارچ 1977 کے حوالے سے بتایا کہ گزشتہ 50 سالوں میں کتنی جنگیں لڑی گئیں۔

(a) 116 (b) 117

(c) 118 (d) 119

9۔انڈین ایکسپریس نے 5 مارچ 1977 کے حوالے سے بتایا کہ گزشتہ 50 سالوں میں کتنے لوگ مارے گئے۔

(a) 248 لاکھ (b) 249 لاکھ

(c) 250 لاکھ (d) 251 لاکھ

10۔ "جنگ کے اسباب اور علاج پر کانفرنس" کے نتائج کس سال شائع ہوئے۔

(a) 1925 میں (b) 1926 میں

(c) 1927 میں (d) 1928 میں

13.13.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. جنگ کے کردار سے کیا مراد ہے۔
2. جنگ کے اسباب مختصر بیان کریں۔

3. جنگ کے معمولی افعال بیان کریں۔

4. جنگ سے امن کی شرائط پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔

5. قومی پالیسی کے ایک آلہ کے طور پر "جنگ کا مستقبل" کی مختصر وضاحت کریں۔

13.13.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی سیاست میں جنگ کی کردار کی وضاحت کیجئے۔

2. جنگ کیا ہے؟ اُس کے مختلف اقسام پر روشنی ڈالیئے۔

3. جنگ کی ایک اور وجہ پر غور و فکر کیجئے۔

13.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. P. Chandra, International Politics, Vikas Publishing House Pvt. Ltd., New Delhi-110014, First Published in 1979, Third Revised Edition in 1985, Reprint in1992, pp. 124-131.
2. Quincy Wright, A Study of War of I, Vol.I, Chicago, University of Chicago Press, 1942, pp.1-248.
3. Quincy Wright, A Study of War of II, Vol.II, Chicago, pp.1-860.
4. Quincy wright, Causes of War and Conditions of Peace, Longmans, 1935.
5. Malinowski, Quoted by Raymond Aron in Cntemporary Theory in International Relations, ed. by Stanley Hoffmann, pp.1-192.
6. Karl Van Clausewitz, On War Trans. by O.J.M. Jolies, Modern Library, New York, 1945, pp.1-596.
7. Winslow, The Pattern of Imperialism, Columbia University Press, 1948.
8. James T. Shotwell, War as an Instrument of National Policy, Harcourt, Brace, 1929.
9. Clyde Eagleton, Analysis of the Problem of War, Ronald, 1937.
10. Mao Tse-Tung, Selected Writings of Mao Tse-Tung, Harbin Manchuria, 1948.
11. Willard Waller, War in the 20th Century, Dryden, 1940.
12. John Foster Dulles, War, Peace and Change, Harper, 1939.
13. Liddle Hart, Deterrent or Defence, 1960.
14. Palmer and Perkins, International Relations, Calcutta, 1965
15. Joseph Frankal, International Politics, The Penguin Press, 1969.
16. Padelford and Lincoln, The Dynamics of International Politics, Macmillan, 1967.

اکائی 14۔ پہلی عالمی جنگ: وجوہات اور نتائج

(First World War: Reasons and Consequences)

اکائی کے اجزا:

14.0 تمہید
14.1 مقاصد
14.2 پہلی عالمی جنگ
14.3 پہلی عالمی جنگ کی ابتدا
14.4 پہلی عالمی جنگ کی وجوہات
14.5 جنگ کے مراحل
14.6 پہلی جنگ عظیم کی طرف لے جانے والے واقعات
14.7 پہلی جنگ عظیم کے نتائج
14.8 اکتسابی نتائج
14.9 کلیدی الفاظ
14.10 نمونہ امتحانی سوالات
14.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
14.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
14.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
14.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء، پہلی جنگ عظیم 28 جولائی 1914 اور 11 نومبر 1918 کے درمیان یورپ اور دنیا بھر میں لڑی جانے والی ایک بڑی جنگ تھی۔ غلبہ زیادہ تر جنگ کی خصوصیت خندق کی جمود کی جنگ اور ناکام حملوں میں بڑے پیمانے پر جانی نقصان سے تھی۔ اس لڑائی میں آٹھ لاکھ سے زیادہ لوگ مارے گئے تھے۔

14.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ،

- پہلی عالمی جنگ کیا ہے؟ اس کو سمجھ پائیں گے۔
- پہلی عالمی جنگ کے شروعات سے واقفت حاصل کریں گے۔
- پہلی عالمی جنگ کی وجوہات کے ساتھ اس کے فوری وجہ سے بھی روبرو ہوں گے۔
- جنگ کے مراحل سے بھی واقف ہوں گے۔
- اکائی کے آخر میں عالمی جنگ کی نتائج کی معلومات بھی حاصل کریں گے۔

14.2 پہلی عالمی جنگ (First World War)

پہلی جنگ عظیم، جسے عظیم جنگ بھی کہا جاتا ہے، ایک عالمی جنگ تھی جس کی ابتداء یورپ میں ہوئی جو 28 جولائی سے 11 نومبر 1918 تک جاری رہی۔ اسے "تمام جنگوں کو ختم کرنے کی جنگ" کے طور پر بھی بیان کیا گیا، جس کی وجہ سے زیادہ تر جنگجوؤں کو متحرک کیا گیا۔ 70 ملین سے زیادہ فوجی اہلکار؛ 60 ملین یورپیوں سمیت اسے تاریخ کی سب سے بڑی جنگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق 6 ملین شہریوں سمیت 11 ملین اہلکار ہلاک اور 20 ملین زخمی ہوئے۔ یہ زمین، ہوا اور پانی تینوں طریقوں سے بہت سے ممالک پر مشتمل پوری دنیا میں لڑی گئی جنگ تھی۔

پہلی جنگ عظیم، جسے 'جنگ عظیم یا عظیم جنگ' بھی کہا جاتا ہے، ایک بین الاقوامی تنازعہ جس نے 1914-18 میں روس، امریکہ، مشرق وسطیٰ اور دیگر خطوں کے ساتھ یورپ کی بیشتر اقوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس جنگ نے مرکزی طاقتوں کو خاص طور پر جرمنی، آسٹریا، ہنگری، اور ترکی کو اتحادیوں کے خلاف خاص طور پر فرانس، برطانیہ، روس، اٹلی، جاپان، اور 1917 سے، امریکہ کو بھی کھڑا کر دیا۔ اس کا خاتمہ مرکزی طاقتوں کی شکست کے ساتھ ہوا۔ یہ جنگ قتل وغارت اور اس کی وجہ سے ہونے والی تباہی میں عملی طور پر بے مثال تھی۔ پہلی جنگ عظیم 20ویں صدی کی جغرافیائی سیاسی تاریخ کے عظیم واٹرشیڈز میں سے ایک تھی۔ یہ جنگ چار عظیم شاہی خاندانوں (جرمنی، روس،

آسٹریا-ہنگری اور ترکی) کے زوال کا باعث بنی، جس کے نتیجے میں روس میں بالشویک انقلاب آیا، اور یورپی معاشرے کے عدم استحکام میں، دوسری جنگ عظیم کی بنیاد رکھی۔ پہلی جنگ عظیم کے آخری زندہ بچ جانے والے سابق فوجی امریکی سروس مین فرینک بکلز (فروری 2011 میں انتقال کر گئے)، برطانوی نژاد آسٹریلوی سروس مین کلاڈ چولیس (مئی 2011 میں انتقال کر گئے)، اور برطانوی سروس میں ویمن فلورنس گرین (فروری 2012 میں انتقال کر گئے) جو کہ آخری زندہ بچ جانے والے جنگ کے سابق فوجی تھے۔

14.3 پہلی جنگ عظیم کی ابتداء (Origin of World war I)

ماخذ کو سمجھنے کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اُس وقت کی سیاست کیسی تھی؟۔ بیسویں صدی کے اوائل میں یوروپی سیاست میں اختلاف تھا: بہت سے سیاست دانوں کا خیال تھا کہ جنگ کو ترقی کے ذریعے ختم کر دیا گیا ہے جبکہ دیگر، جو جزوی طور پر ہتھیاروں کی شدید دوڑ سے متاثر تھے، محسوس کرتے تھے کہ جنگ ناگزیر ہے۔ جرمنی میں، یہ عقیدہ اور بھی بڑھ گیا کہ جنگ بعد میں ہونے کی بجائے جلد ہونی چاہیے، جب کہ وہ اب بھی (جیسا کہ ان کا خیال تھا) اپنے سمجھے جانے والے بڑے دشمن، روس پر برتری حاصل کر رہے تھے۔ چونکہ روس اور فرانس اتحادی تھے، جرمنی کو دونوں طرف سے حملے کا خدشہ تھا۔ اس خطرے کو کم کرنے کے لیے، جرمنوں نے Schlieffen Plan تیار کیا، اس منصوبہ کے مطابق فرانس پر ایک تیز رفتار حملہ جو اسے جلد ختم کرنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا، جس سے کہ روس پر توجہ مرکوز کی جاسکے۔

بڑھتی ہوئی کشیدگی کا اختتام 28 جون 1914 کو روس کے ایک اتحادی سربیائی کارکن کے ہاتھوں آسٹریا و ہنگری کے آرچ ڈیوک فرانز فرڈینینڈ کے قتل کے ساتھ ہوا۔ آسٹریا و ہنگری نے جرمنی سے مدد طلب کی اور اسے 'بلینک چیک' دینے کا وعدہ کیا گیا۔ انہوں نے 28 جولائی کو سربیا کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ اس کے بعد ایک طرح کا ڈومینو اثر تھا کیونکہ زیادہ سے زیادہ قومیں لڑائی میں شامل ہوئیں۔ روس سربیا کی حمایت کے لیے متحرک ہوا، چنانچہ جرمنی نے روس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ فرانس نے پھر جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ کچھ دن بعد جیسے ہی جرمن فوج بیلجیم سے فرانس میں داخل ہوئے، برطانیہ نے بھی جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اور یہ اعلانات اس وقت تک جاری رہے جب تک یورپ کا بیشتر حصہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں نہ تھا۔ اس کو بڑے پیمانے پر عوامی حمایت حاصل تھی۔

زمین پر پہلی جنگ عظیم فرانس پر تیز جرمن حملے کو مارنے پر روکے جانے کے بعد، 'سمندر کی دوڑ' شروع ہوئی جب ہر فریق نے انگلش چینل کے قریب سے ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کی۔ اس نے پورے مغربی محاذ کو 400 میل سے زیادہ خندقوں میں تقسیم کر دیا، جس کے ارد گرد جنگ جمود کا شکار ہو گئی۔ ییپریس جیسی بڑی لڑائیوں کے باوجود، بہت کم پیش رفت ہوئی اور لڑائی کے حالات ابھرے، جس کی وجہ جرمن ارادوں کی وجہ سے ورڈن میں 'فرانسیسیوں کو خشک کرنے' اور سومے پر برطانیہ کی کوششوں کی وجہ سے ہوا۔ مشرقی محاذ پر کچھ بڑی فتوحات کے ساتھ مزید تحریک چلی، لیکن فیصلہ کن کچھ نہیں تھا اور جنگ بہت زیادہ جانی نقصان کے ساتھ جاری رہی۔ اپنے دشمن کے علاقے میں دوسرا راستہ تلاش کرنے کی کوششوں کے نتیجے میں گیلیپولی پر اتحادی افواج کے حملے کی ناکامی ہوئی، جہاں اتحادی افواج نے ساحل پر قبضہ کر رکھا تھا لیکن ترکی کی شدید مزاحمت نے اسے روک دیا تھا۔ اطالوی محاذ، بلقان، مشرق وسطیٰ، اور نوآبادیاتی قبضے میں جہاں متحارب طاقتیں ایک

دوسرے سے متصل تھیں وہاں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی ہوئیں۔ سمندر میں پہلی جنگ عظیم اگرچہ جنگ کی تیاری میں برطانیہ اور جرمنی کے درمیان بحری ہتھیاروں کی دوڑ شامل تھی، لیکن اس تنازعے کی واحد بڑی بحری مصروفیت جٹ لینڈ کی جنگ تھی، جہاں دونوں فریقوں نے فتح کا دعویٰ کیا۔اس کے بجائے، متعین جدوجہد میں آبدوزیں اور جرمن غیر محدود آبدوز وار فیئر (USW) کو آگے بڑھانے کا فیصلہ شامل تھا۔اس پالیسی نے آبدوزوں کو اپنے کسی بھی ہدف پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی، جس میں 'غیر جانبدار' ریاستہائے متحدہ سے تعلق رکھنے والے بھی شامل تھے۔ جس کی وجہ سے بعد میں 1917 میں اتحادیوں کی جانب سے جنگ میں داخل ہوا، جس میں انتہائی ضروری افرادی قوت کی فراہمی ہوئی۔ فتح آسٹریا- ہنگری جرمن سیٹلائٹ سے تھوڑا زیادہ بننے کے باوجود، مشرقی محاذ سب سے پہلے حل کیا گیا، جنگ روس میں بڑے پیمانے پر سیاسی اور فوجی عدم استحکام کا باعث بنی، جس کے نتیجے میں 1917 کے انقلابات، سوشلسٹ حکومت کا ظہور اور 15 دسمبر کو ہتھیار ڈال دیے گئے۔ جرمنوں کی جانب سے افرادی قوت کو ری ڈائریکٹ کرنے اور مغرب میں جارحیت کرنے کی کوششیں ناکام ہوئیں اور 11 نومبر 1918 (صبح 11 بجے) کو اتحادی کامیابیوں کو، گھر میں بڑے پیمانے پر خلل اور بڑی امریکی افرادی قوت کی جرمنی آمد کا سامنا کرنا پڑا۔ایک جنگ بندی پر دستخط کیے، ایسا کرنے میں آخری مرکزی طاقت کا رول رہا۔

14.4 پہلی جنگ عظیم کی وجوہات (Reasons of First World War)

اگرچہ متعدد واقعات نے براہ راست تنازعہ میں شرکت کیا، لیکن بنیادی وجوہات بہت زیادہ پیچیدہ اور جاری تنازعہ کا موضوع ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کی بڑی وجوہات جن کا کثرت سے حوالہ دیا جاتا ہے، حسبِ ذیل ہیں۔

جرمنی کی توسیع پسند پالیسی (Expansionist Policy of Germany)

1890 میں جرمنی کے شہنشاہ ولیہم II نے ایک بین الاقوامی پالیسی شروع کی جس نے اپنے ملک کو عالمی طاقت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ جرمنی کو دوسری طاقتوں کی طرف سے ایک خطرہ کے طور پر دیکھا گیا اور بین الاقوامی صورتحال کو غیر مستحکم کر دیا۔

باہمی دفاعی اتحاد (Mutual Defence Alliance)

یورپ بھر کے ممالک نے باہمی دفاعی معاہدے کئے۔ان معاہدوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی ملک پر حملہ کیا جائے تو اتحادی ممالک اس کا دفاع کرنے کے پابند ہیں۔ٹرپل الائنس 1882 جرمنی کو آسٹریا ہنگری اور اٹلی سے جوڑتا ہے۔ٹرپل اینٹنٹ، جو برطانیہ، فرانس اور روس پر مشتمل تھا، 1907 تک ختم ہوا۔اس طرح، یورپ میں دو حریف گروپ بن گئے۔

سامراج کی ترقی (Growth of Imperialism)

یورپ کی تمام طاقتیں کالونیاں بنانا چاہتی تھیں۔ انہوں نے افریقہ اور ایشیا میں بڑی کالونیاں بنا رکھی تھیں، اور ان کے پاس افریقہ کے لیے کشمکش تھی، یعنی نوآبادیات کے لیے مزید علاقوں کی دوڑ۔ برطانیہ نے سامراج کی قیادت کی اور ہر کوئی اُس کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ دنیا کے ایک چوتھائی حصے پر صرف برطانیہ کا کنٹرول تھا۔ عظیم جنگ کے لیے ان کے پاس وسیع وسائل اور افرادی قوت موجود تھی۔ بھارت نے 13 لاکھ فوجی برطانیہ کے لیے لڑنے کے لیے بھیجے تھے۔

قوم پرستی کی افزائش: 19 ویں صدی تک یورپ کو قوم پرستی کی لہر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جرمنی، اٹلی اور دیگر بالٹک ریاستوں جیسے ممالک متحد ہو رہے تھے۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جب بھی جنگ ہوتی ہے کسی ملک کو آزادی مل جاتی ہے کیونکہ وہ 'جنگ کی شان' پر یقین رکھتے تھے۔

عسکریت پسندی (Militarism)

برطانیہ اور جرمنی جیسے ممالک کے درمیان ہتھیاروں کی دوڑ۔ ان کے پورے صنعتی کمپلیکس فوجی ساز و سامان کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ جیسے ہی دنیا 20 ویں صدی میں داخل ہوئی دنیا کی بڑی طاقتوں کے درمیان ہتھیاروں کی دوڑ شروع ہو گئی۔ 1914 تک جرمنی میں عسکریت

پسندی میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا جس کی حمایت اس کی بڑی فوج، بندوقوں کی میکانائزیشن، ٹارپیڈو اور بڑے بحری جہازوں نے کی۔ یہ ممالک کے درمیان عسکریت پسندی کو بڑھاتا ہے جو بالآخر جنگ کی طرف لے جاتا ہے۔

قوم پرستی (Nationalism)

جنگ کی زیادہ تر ابتداء بوسنیا اور ہرزیگوینا کے سلاویوں (slav) کی خواہش پر مبنی تھی کہ وہ اب آسٹریا ہنگری کا حصہ نہ تھے بلکہ سربیا کا حصہ بن گئے۔ اس طرح قوم پرستی نے جنگ کو جنم دیا۔

آرچ ڈیوک فرانز فرڈیننڈ کا قتل (Assassination of Archduke Franz Ferdinand)

جون 1914 میں آسٹریا ہنگری کے تخت کے وارث آرچ ڈیوک فرانز فرڈیننڈ کو اس وقت گولی ماردی گئی جب وہ بوسنیا میں سرائیوو کا دورہ کر رہے تھے۔ اسے ایک سربیائی شخص نے قتل کر دیا، جس کا خیال تھا کہ سربیا کو آسٹریا کے بجائے بوسنیا کو کنٹرول کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے رہنما کو گولی ماردی گئی تھی، آسٹریا ہنگری نے سربیا کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ نتیجے کے طور پر روس بھی اس میں شامل ہوگیا کیونکہ اس کا سربیا کے ساتھ اتحاد تھا۔ جرمنی نے پھر روس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا کیونکہ جرمنی کا آسٹریا ہنگری کے ساتھ اتحاد تھا۔ برطانیہ نے غیر جانبدار بیلجیئم پر حملے کی وجہ سے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ برطانیہ کے پاس بیلجیم اور فرانس دونوں کی حفاظت کے معاہدے تھے۔ جنگ کے دوران کچھ بڑی لڑائیوں میں مارنے کی پہلی جنگ، سومے کی لڑائی، ٹیننبرگ کی لڑائی، گیلیپولی کی لڑائی، اور ورڈن کی لڑائی شامل ہیں۔

عالمی جنگ 1 کی فوری وجہ (Immediate cause of first world war)

آسٹریا ہنگری کے آرچ ڈیوک فرانز فرڈیننڈ اور ان کی اہلیہ کا بوسنیائی قوم پرست، گیوریلو پرنسپ اور بلیک ہینڈ کے دیگر ارکان کے ہاتھوں 28 جون 1914 کو بوسنیا کے سرائیوو میں قتل ہوا۔ بلیک کی تنظیم کو سربیا کی حمایت حاصل تھی۔ عالمی جنگ 1 ٹائم لائن ذیل میں تفصیل کے ساتھ جدول میں عالمی جنگ 1 کی مکمل ٹائم لائن دی گئی ہے۔ ٹائم لائن کی تفصیلات جولائی 1914 آسٹریا ہنگری نے سربیا کے خلاف جنگ کا اعلان کیا، پہلی جنگ عظیم کے آغاز کے موقع پر۔ ستمبر 1914 اتحادی افواج نے مارنے کی لڑائی کے دوران فرانس میں جرمنی کی پیش قدمی کو روک دیا۔ مئی 1915 اٹلی نے آسٹریا ہنگری کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ جولائی 1916 اتحادی طاقتوں کی جارحیت سومے کی جنگ کا آغاز کرتی ہے۔ اپریل 1917 امریکہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ دسمبر 1917 روس نے انقلاب روس کے بعد جرمنی کے ساتھ جنگ بندی پر دستخط کیے۔ مئی 1918 امریکی افواج نے پہلی آزاد امریکی کارروائی کینٹگنی کی جنگ جیت لی۔ ستمبر 1918 اتحادی افواج نے جنگ کے آخری حملے میسی-ارگون پر حملہ کرنا شروع کیا۔ جنوری 1919 پیرس میں امن کانفرنس کا آغاز ہوا۔ فروری 1919 لیگ آف نیشنز کے عہد کا مسودہ مکمل ہوا۔ جون 1919 اتحادیوں اور جرمن نمائندوں نے ورسائی کے معاہدے پر دستخط کیے۔ امریکہ نے ضمانت کے معاہدے پر دستخط کیے، جرمنی کی جانب سے بلا اشتعال حملے کی صورت میں فرانس کا دفاع کرنے کا عہد کیا جنوری 1920 میں ورسائی کا معاہدہ نافذ ہوا۔

مارچ 1920 امریکی سینیٹ دوسری مرتبہ ورسائی کے معاہدے کی توثیق کرنے میں ناکام رہی۔ اگست 1921 امریکہ نے جرمنی، آسٹریا، اور امریکہ کے ساتھ ایک علیحدہ امن معاہدے پر دستخط کئے

14.5 جنگ کے مراحل (Phases of war)

یہ تنازعہ یورپ، افریقہ اور ایشیا میں کئی محاذوں پر تیار ہوا۔ دو اہم منظر نامے مغربی محاذ تھے، جہاں جرمنوں نے برطانیہ، فرانس اور 1917 کے بعد امریکیوں کا مقابلہ کیا۔ دوسرا محاذ مشرقی محاذ تھا جس میں روسیوں نے جرمنوں اور آسٹرو ہنگریوں کے خلاف جنگ کی۔

1914 میں ایک مختصر جرمن پیش قدمی کے بعد، مغربی محاذ مستحکم ہو گیا اور ایک طویل اور سفاکانہ خندق کی جنگ شروع ہو گئی: یہ "جنگ کی جنگ" تھی (مغربی محاذ غیر منقولہ رہا)۔ دریں اثناء مشرقی محاذ پر جرمنوں نے پیش قدمی کی لیکن فیصلہ کن ثابت نہیں ہوا۔

1917 میں، دو واقعات نے جنگ کا رخ بدل کر رکھ دیا: امریکہ اتحادیوں میں شامل ہوا اور روس، روسی انقلاب کے بعد، تنازعہ ترک کر کے علیحدہ امن پر دستخط کر دیے۔

آخر کار 1918 کے موسم بہار میں جرمن حملے کے بعد، اتحادی افواج نے جرمن فوج کی فیصلہ کن پسپائی پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد جرمنی کے اتحادیوں کی شکست ہوئی اور جرمنی میں انقلاب آ آ جس نے ولہیم II (جرمن شہنشاہ) کو معزول کر دیا، جو 11 نومبر 1918 کو جنگ بندی پر دستخط کرنے کا باعث بنی۔ اور اس کے بعد عظیم جنگ ختم ہو گئی۔

14.6 پہلی جنگ عظیم کی طرف لے جانے والے واقعات (Events Leading to 1st world war)

اس کے بعد ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی وجہ سے پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔

جولائی کا بحران (July Crisis)

آسٹریا ہنگری نے سربیا کو بلیک ہینڈ تنظیم کے قتل میں مدد کرنے پر ذلت آمیز شرائط کے ساتھ ہتھیار ڈالنے کو کہا جس کی وجہ سے سربیا نے روس کی حمایت کی تو دوسری طرف آسٹریا ہنگری نے جرمنی کی حمایت کا اعلان کیا۔ روس اور فرانس سربیا کی حمایت میں آئے اور جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ٹرپل انٹینٹی کی وجہ سے فرانس روس کی حمایت میں آ گیا۔ چونکہ یہ واقعات جولائی 1914 میں پیش آئے تھے اس لیے اسے جولائی کرائسس کہا جاتا ہے۔ جرمن فوج نے فرانس میں داخل ہونے کے لیے بیلجیئم کی طرف مارچ کیا، کیونکہ بیلجیم ابتدا میں غیر جانبدار تھا لیکن بیلجیئم اور برطانیہ کے درمیان 1839 کا معاہدہ 'لندن' تھا، جس کے تحت برطانیہ جنگ میں بیلجیم کی مدد کرنے کا پابند تھا۔ اسلحے کی دوڑ میں برطانیہ اور جرمنی بھی ایک دوسرے کے مد مقابل تھے لہٰذا ان کے درمیان جنگ ضرور ہونی تھی۔ انگریزوں نے جرمنی پر حملہ

کیا۔ جرمنی کو ابتدا میں فرانس میں کامیابی ملی لیکن جنگ اسٹیل میٹ کی طرف چلی گئی تو جرمنی فرانس کی گہرائی میں نہ جا سکا۔ دوسری طرف جرمنی کو اپنے مشرقی محاذ پر روس کے خلاف بڑی کامیابی ملی۔ سلطنت عثمانیہ نے روس کی قدیم دشمن ہونے کی وجہ سے اس پر حملہ کیا۔ روس نے اس حملے کا جواب آبنائے Dardanelles پر اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھنے کے لیے کیا۔ اصل لڑائی بحیرہ اسود میں تھی۔ عثمانیوں نے نہر سویز پر بھی حملہ کیا جو کہ ہندوستان سے برطانوی لنک تھی۔

عالمی جنگ کے پہلو (Aspects of World War)

اتحادی افواج نے افریقہ میں جرمن کالونیوں پر حملہ کیا جیسے ٹوگو، تنزانیہ، کیمرون اور جاپان کے اتحادی برطانیہ نے جرمنی کی مائیکرونیشیا اور چینی کالونیوں پر حملہ کیا۔ روس کی بحیرہ اسود کی بندرگاہ پر بھی عثمانی جہازوں نے بمباری کی۔

پہلی جنگ عظیم میں امریکہ کا داخلہ

امریکہ ابتدا میں غیر جانبدار تھا اور اس نے دونوں اطراف کو ہتھیار اور جنگی جہاز فراہم کیے تھے۔ 7 مئی 1915 کو، RMS Lusitania ایک برطانوی بحری جہاز ایک جرمن یو-بوٹ کے ذریعے ڈوب گیا، جس کے نتیجے میں، 128 امریکی شہریوں کی موت کے نتیجے میں 1917 میں امریکہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ آخر کار اپریل 2017 میں، امریکہ نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ جنگ جرمنی نے امریکہ کے خلاف جنگ کے لیے میکسیکو سے مدد مانگی۔

روسی انقلاب 1917 (Russian Revolution)

فروری انقلاب نے زار نکولس دوم کا تختہ الٹ دیا اور ایک صوبائی نظام تشکیل دیا گیا جو زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ اکتوبر انقلاب روس میں لینن کی قیادت میں بالشویک پارٹی نے لایا جو جنگ کے خلاف تھی اور اس نے مارچ 1918 میں جرمنی کے ساتھ ایک امن معاہدہ کیا جسے 'بریسٹ-لیٹوسک کا معاہدہ' کہا جاتا ہے۔

عالمی جنگ 1 کا خاتمہ (End of World War I)

اتحادی فوج نے بلقان، اٹلی، مشرق وسطیٰ، مغربی محاذ جیسے تمام اتحادیوں کو وہاں دھکیل دیا اور جلد ہی مرکزی طاقت کو زیر کر لیا۔ امریکی اتحادیوں کے روزانہ 10,000 تازہ دم فوجیوں کے ساتھ مغربی محاذ پر جرمن فوج کو شکست دی۔ 11 نومبر 1918 کو جرمنی نے جنگ بندی پر دستخط کیے۔ پہلی جنگ عظیم اتحادی طاقتوں بشمول روس، فرانس، برطانیہ، امریکہ (1917-18)، جاپان اور سربیا نے جیتی۔

14.7 پہلی جنگ عظیم کے نتائج (Consequence of the First world war)

اقتصادی نتائج (Economic Consequence)

پہلی جنگ عظیم میں حصہ لینے والے ممالک کو بہت زیادہ پیسہ خرچ کرنا پڑا۔ جرمنی اور برطانیہ نے اپنی معیشت کی پیداوار کا تقریباً 60 فیصد خرچ کیا۔ ممالک کو ٹیکس بڑھانا پڑتا تھا اور اپنے شہریوں سے قرض لینا پڑتا تھا۔ انہوں نے اسلحہ اور جنگ کے لیے درکار دوسری چیزیں خریدنے کے لیے کرنسی بھی چھاپی جو جنگ کے بعد مہنگائی کا باعث بنی۔

سیاسی نتائج (Political Consequence)

پہلی جنگ عظیم نے چار بادشاہتوں کا خاتمہ کیا: روس کے زار نکولس دوم، جرمنی کے قیصر ولیم، آسٹریا کے شہنشاہ چارلس اور سلطنت عثمانیہ کے سلطان کو اقتدار چھوڑنا پڑا۔ پرانی سلطنتوں سے نئے ممالک بنائے گئے۔ آسٹریا۔ ہنگری کو کئی آزاد ریاستوں میں تقسیم کیا گیا۔ روس اور جرمنی نے پولینڈ کو زمین دی۔ مشرق وسطیٰ کے ممالک برطانیہ اور فرانس کے کنٹرول میں تھے۔ سلطنت عثمانیہ کا جو بچا تھا وہ ترکی بن گیا۔

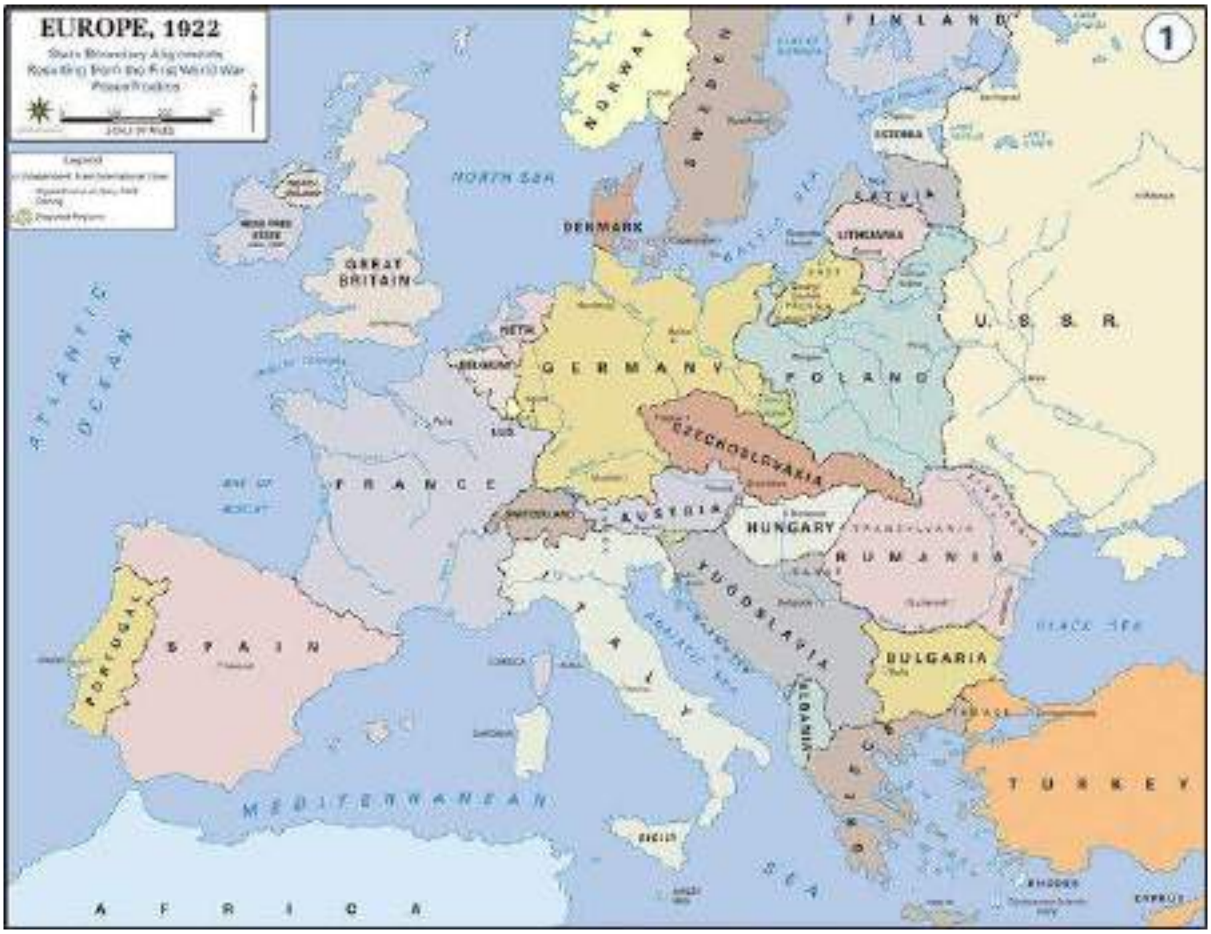

سماجی نتائج (Social Consequence)

عالمی جنگ نے معاشرے کو مکمل طور پر بدل دیا۔ شرح پیدائش میں کمی آئی کیونکہ لاکھوں نوجوان مر گئے (آٹھ ملین مر گئے، لاکھوں زخمی، معذور، بیوائیں اور یتیم)۔ شہری اپنی زمین کھو بیٹھے اور دوسرے ملکوں میں بھاگ گئے۔ خواتین کا کردار بھی بدل گیا۔ انہوں نے کارخانوں اور دفاتر میں مردوں کی جگہ لینے میں بڑا کردار ادا کیا۔ بہت سے ممالک نے جنگ ختم ہونے کے بعد خواتین کو زیادہ حقوق دیے جن میں ووٹ کا حق بھی شامل ہے۔ اعلیٰ طبقے نے معاشرے میں اپنا اہم کردار کھو دیا۔ نوجوان متوسط اور نچلے طبقے کے مردوں اور عورتوں نے جنگ کے بعد اپنا ملک بنانے کا مطالبہ کیا۔

ورسائی کا معاہدہ (Treaty of Versailles)

28 جون 1919 کو پہلی جنگ عظیم کا باضابطہ طور پر معاہدہ ورسائی پر دستخط کے ساتھ ختم ہوا۔ ورسائی کا معاہدہ دنیا کو دوسری جنگ میں جانے سے روکنے کی کوشش تھی۔ ورسائی کا معاہدہ اسے کئی ابواب میں ترتیب دیا گیا ہے ہر ایک میں مختلف شقیں ہیں۔ علاقائی شقیں لگائی جسے فرانس نے الساس اور لورین کو دوبارہ حاصل کیا۔ یوپین اور مالمیڈی بیلجیم کے ہاتھ میں چلے گئے۔ مشرقی علاقوں کو پولینڈ نے ضم کر لیا جس کی وجہ سے مشرقی پرشیا علاقائی طور پر الگ تھلگ ہو گیا۔ ڈینزگ اور میمل، سابق بالٹک جرمن شہروں کو آزاد شہر قرار دیا گیا تھا۔ ڈنمارک نے شمالی شلس وِگ ہولسٹین کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جرمنی نے اپنی تمام کالونیوں کو کھو دیا اور فاتحوں نے ان پر قبضہ کر لیا۔ فوجی شقیں: جرمن بحریہ کی سخت حد بندی۔ فوج کی ڈرامائی کمی (صرف 100,000 فوجی، ٹینک، ہوائی جہاز اور بھاری توپ خانہ رکھنے کی ممانعت)۔ رائن لینڈ کے علاقے کی غیر فوجی کاری۔ جنگ کی تلافی: اس معاہدے نے جرمنی اور اس کے اتحادیوں کو اتحادیوں کے تمام 'نقصان اور نقصان' کا ذمہ دار قرار دیا اور اس کے نتیجے میں وہ فاتحوں کو جنگی معاوضہ ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔

نیویلی کا معاہدہ (Treaty of Neuilly)

بلغاریہ کے ساتھ کیے گئے معاہدے کے تحت چھوٹے بلقان ملک کو کئی علاقائی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا، جس کا رومانیہ، یونان کو فائدے ہوا اور ایک بالکل نیا ملک یوگوسلاویہ وجود میں آیا۔

معاہدہ سیورلیس 1920 (Treaty of Serves)

سیورلیس کا معاہدہ انتہائی سخت تھا اور اس کی وجہ سے ترکی میں قومی بغاوت ہوئی، جس کی قیادت کمال اتاترک کر رہے تھے۔ اس سے یونان کے خلاف جنگ بھی شروع ہوئی جس نے اناطولیہ کے بڑے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ تاہم جنگ کی وجہ سے اہم سماجی اور نظریاتی تبدیلیاں بھی آئی امریکہ، جس نے جنگ جیت لی تھی جس کو اپنی سرزمین پر تنازعہ کا تجربہ نہیں تھا، پہلی عالمی طاقت بن گیا۔ مردوں کے بڑے پیمانے پر متحرک ہونے سے خواتین کو افرادی قوت میں شامل کیا گیا، جو خواتین کے حقوق کے لیے ایک بڑا قدم تھا۔ سوویت انقلاب (روسی انقلاب) کی فتح اور جنگ کے بعد پیدا ہونے والے سماجی بحران نے بہت سے ممالک میں مزدوروں کو احتجاج کرنے کی ترغیب دی، جس سے انقلاب سے پہلے کا

ماحول پیدا ہوا۔ جنگ کے دوران انتہائی قوم پرستی کا تجربہ کیا گیا،اور کمیونسٹ انقلاب کے خوف کے ساتھ، کچھ ممالک کی متوسط طبقے کی آبادی کو انتہائی دائیں طرف جانے کی ترغیب دی۔ جس نے فاشسٹ تحریکوں کا گڑھ بنادیا۔ لیگ آف نیشنز کی تخلیق کا عمل سامنے آیا: لیگ آف نیشنز ایک بین الاقوامی سفارتی گروپ تھا جو پہلی جنگ عظیم کے بعد ملکوں کے درمیان تنازعات کو کھلی جنگ میں پھوٹنے سے پہلے حل کرنے کے طریقے کے طور پر تیار کیا گیا تھا۔ اقوام متحدہ کا پیش خیمہ، لیگ نے کچھ فتوحات حاصل کیں لیکن کامیابی کا ملا جلا ہی ریکارڈ رہا۔

14.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- پہلی عالمی جنگ کیا ہے اس کو سمجھا۔
- پہلی عالمی جنگ کے شروعات سے واقفیت حاصل کی۔
- پہلی عالمی جنگ کی وجوہات کے ساتھ اس کے فوری وجہ سے بھی روبرو ہو پائے۔
- جنگ کے مراحل سے بھی واقفیت حاصل کی۔
- اکائی کے آخر میں عالمی جنگ کی نتائج کی معلومات بھی حاصل کی۔

14.9 کلیدی الفاظ (Keywords)

Allies Power

مرکزی طاقتوں کے خلاف لڑنے والے فوجی اتحاد کو اتحادیوں کے نام سے جانا جاتا تھا۔

محوری طاقت

محوری طاقتیں، جسے اصل میں روم—برلن ایکسس کہا جاتا ہے، ایک فوجی اتحاد تھا جس نے دوسری جنگ عظیم کا آغاز کیا۔

ورسائی معاہدہ

ورسائی کا معاہدہ، پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر اتحادی اور متعلقہ طاقتوں اور جرمنی کے درمیان دستخط شدہ امن دستاویز ہے۔

قوم پرستی

ان لوگوں کی سیاسی آزادی کی خواہش ہے جو محسوس کرتے ہیں کہ وہ تاریخی یا ثقافتی طور پر کسی ملک کے اندر ایک الگ گروہ ہیں۔

عسکریت پسندی

یہ یقین کہ کسی ملک کو مضبوط فوجی صلاحیت برقرار رکھنی چاہیے اور اسے قومی مفادات کے دفاع یا فروغ کے لیے جارحانہ انداز میں استعمال کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

14.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

14.10.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ پہلی عالمی جنگ کی شروعات کب ہوئی؟

(a) 1912 (b) 1913

(c) 1914 (d) 1915

2۔ جنگ میں اٹلی کی کارروائی بنیادی طور پر کس کے خلاف تھی؟

(a) جرمنی (b) گریس

(c) فرانس (d) آسٹریہ ہنگری

3۔ معاہدہ ورسائی پر دستخط کب ہوا تھا؟

(a) 1920 (b) 1921

(c) 1922 (d) ان میں سے کوئی نہیں

4۔ پہلی عالمی جنگ بندی پر دستخط کس ملک نے کی تھی؟

(a) امریکہ (b) فرانس

(c) جاپان (d) جرمنی

5۔ روسی انقلاب کس حکمران کا تختہ اُلٹ دیا تھا؟

(a) زار نکولس پہلا (b) زار نکولس دوم

(c) زار نکولس سوم (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ کس سال امریکہ نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا؟

(a) 1916 | (b) 1917

(c) 1918 | (d) 1919

7۔ پہلی عالمی جنگ کب سے کب تک چلا؟

(a) 1912-16 | (b) 1913-17

(c) 1914-18 | (d) 1914-16

8۔ پہلی عالمی جنگ نے کتنے بادشاہوں کا خاتمہ کیا تھا؟

(a) تین | (b) چار

(c) پانچ | (d) چھ

9۔ معاہدہ سیوریس پر کس ملک نے دستخط کیا تھا؟

(a) ہنگری | (b) ترکی

(c) جرمنی | (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ جنگ کا پہلا اعلان کس ملک نے کیا؟

(a) جرمنی | (b) سربیا

(c) روس | (d) آسٹریہ ہنگری

14.10.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. پہلی عالمی جنگ پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔
2. پہلی جنگ کی ابتدا پر روشنی ڈالیئے۔
3. پہلی جنگ عظیم کے مراحل بتایئے؟
4. پہلی جنگ عظیم کے فوری وجوہات بیان کیجئے؟
5. پہلی عالمی جنگ میں شامل ممالک کون کون تھے۔

14.10.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. پہلی عالمی جنگ کے وجوہات تفصیل سے بیان کیجیے۔
2. پہلی جنگ عظیم کے سماجی و معاشی وجوہات کا تفصیلی جائزہ لیجئے۔
3. پہلی عالمی جنگ کے نتائج اور اُس کا دیگر ممالک پر کا اثر انداز پڑا تفصیل سے لکھیے۔

14.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

---

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, The Globalisation of World Politics (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, International Relations, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, International Relations, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, Understanding International Conflicts, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, Introduction to Global Politics, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, Bainul-Aqwaami Taaluqaat (Nisaab Publishers, 2005

اکائی 15۔ دوسری عالمی جنگ: وجوہات اور نتائج

(World War II: Reasons and Consequences)

اکائی کے اجزا:

15.0	تمہید
15.1	مقاصد
15.2	دوسری عالمی جنگ
15.3	دوسری عالمی جنگ کی ابتدا
15.4	دوسری عالمی جنگ کی وجوہات
15.5	دوسری جنگ عظیم کے واقعات
15.6	دوسری جنگ عظیم کے نتائج
15.7	دوسری جنگ عظیم کے سماجی اثرات
15.8	دوسری جنگ عظیم میں ہندوستان کا تعاون
15.9	دوسری جنگ عظیم کے بعد واقعات
15.10	اکتسابی نتائج
15.11	کلیدی الفاظ
15.12	نمونہ امتحانی سوالات
15.12.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
15.12.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
15.12.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
15.13	تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء! دوسری عالمی جنگ (45-1939) ایک عالمی جنگ تھی، جو پوری دنیا میں لڑی گئی، جس میں تقریباً تمام ممالک شامل تھے، بالواسطہ یا بالواسطہ یہ جنگ، زمین، پانی اور ہوا کے ذریعہ لڑی گئی۔ اسے 'کل جنگ' بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں ملک کے تمام وسائل جیسے کارخانے، صنعت، مزدور اور فوجی شامل ہوتے ہیں۔ یہ یکم ستمبر 1939 کو شروع ہوئی اور اگست 1945 میں جاکر ختم ہوئی، جس میں 60-80 لاکھ اموات ہوئیں، جس میں 50 لاکھ شہری اور 25 لاکھ فوجی شامل تھے۔ انسانی تاریخ میں یہ سب سے مہلک تنازعات میں سے ایک تھی۔ کچھ مورخین نے دوسری جاپان-چین جنگ کو دوسری جنگ عظیم کی شروعات کی تاریخ قرار دیا ہے۔

15.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کرنے کے بعد طلبا اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ

- دوسری عالمی جنگ کیا ہے؟ اس کو سمجھ پائیں۔
- دوسری عالمی جنگ کے شروعات سے واقفیت حاصل کریں۔
- دوسری عالمی جنگ کی وجوہات کے ساتھ اس کی فوری وجہ سے بھی واقف ہوں۔
- جنگ کے مراحل سے بھی واقف ہوں۔
- اکائی کے آخر میں عالمی جنگ کی نتائج کی معلومات بھی حاصل کریں۔

15.2 دوسری عالمی جنگ (Second World War)

یہ دنیا کی سب سے زیادہ تباہ کن جنگ میں سے ایک تھی۔ اس کا اثر عالمی سطح پر پڑا۔ یہ آگ صرف یورپ تک محدود نہیں تھی بلکہ پوری دنیا کو گھیرے میں لے چکی تھی۔ یہ 1939 سے 1945 کے عرصے میں ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم 20ویں صدی کا سب سے اہم دور تھا (Dennis Cove, 2002)۔ یورپ میں جنگ یکم ستمبر 1939 کو نازی جرمنی کے پولینڈ پر حملے کے ساتھ شروع ہوئی اور 2 ستمبر 1945 کو آخری محور ملک جاپان کے سرکاری ہتھیار ڈالنے کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ بہر حال، ایشیا میں جنگ کا آغاز پہلے چین میں جاپانی مداخلتوں سے ہوا، اور یورپ میں، یہ جنگ پہلے 8 مئی 1945 کو جرمنی کے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کے ساتھ ختم ہوئی۔ اور بڑی بحری لڑائیوں کا ایک سلسلہ۔ اس نے ٹیکنالوجی میں بڑے پیمانے پر اضافہ کیا اور اس کی بنیاد رکھی جس نے جنگ کے بعد کی سماجی تبدیلیوں کی اجازت دی جس میں یورپی استعمار کا خاتمہ، ریاستہائے متحدہ میں شہری حقوق کی تحریک اور خواتین کے حقوق کی جدید تحریک کے ساتھ ساتھ بیرونی خلا کی تلاش کے پروگرام شامل ہیں۔

اس جنگ میں دنیا دو گروہ میں تقسیم ہوگئی تھی پہلا محور ممالک(Axis Power) جس میں نازی جرمنی، فاشسٹ اٹلی، امپیریل جاپان اور ان کے چھوٹے اتحادی شامل تھے اور دوسرا گروہ اتحادی ممالک کا تھا، جن کی قیادت برطانیہ اور اس کی دولت مشترکہ ممالک، سوویت سوشلسٹ جمہوریہ کی یونین اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کر رہے تھے۔ اس جنگ کے فاتح اتحادی تھے۔ دو عالمی طاقتیں، USA (United State of America) اور USSR(Union of Soviet Socialist Republics) دوسری جنگ عظیم سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ لیکن آگے چل کر ان دو ممالک کے درمیان خود کو عظیم طاقت ثابت کرنے کے لئے سرد جنگ کا اغاز ہوا۔ اس میں دنیا کے بیشتر بڑے ممالک شامل تھے جو دو مخالف قوتوں میں بٹے ہوئے تھے: اتحادی اور محور۔ یورپ کے علاوہ بحر الکاہل میں، جنوب مشرقی ایشیا کے جنگلوں، روس کے میدانی علاقوں اور افریقہ کے صحراؤں میں مصروفیات لڑی گئیں۔ جنگ کے دوران مجموعی طور پر 100 لاکھ سے زیادہ فوجی جوان متحرک ہوئے۔

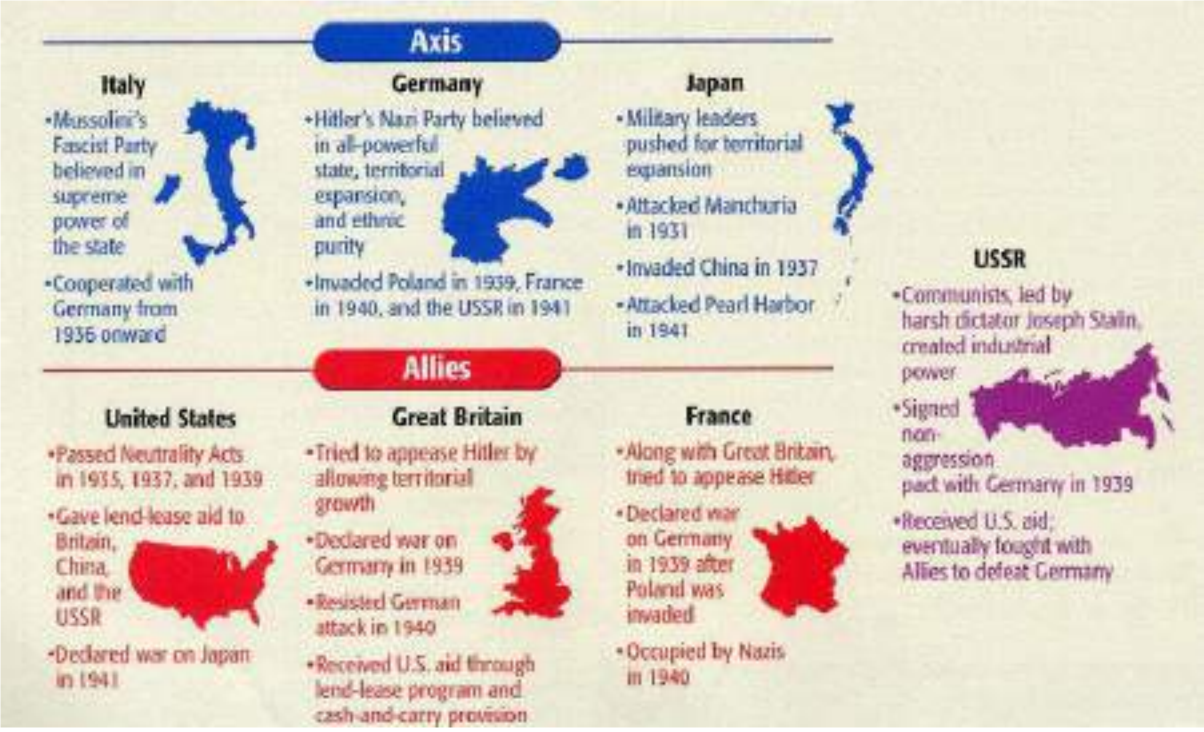

15.3 دوسری جنگ عظیم کی ابتدا (Origin of World War II)

دوسری جنگ عظیم 1939 میں شروع ہوئی۔

یکم ستمبر کو جرمنی نے پولینڈ پر مغرب سے حملہ کیا اور سوویت یونین نے بھی مشرق سے پولینڈ پر حملہ کیا۔ نتیجے کے طور پر، برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا لیکن پولینڈ کو نہ بچا سکے۔ اس کے بعد جرمنی نے مغربی پولینڈ پر قبضہ کر لیا اور یو ایس ایس آر نے مشرقی پولینڈ کا کنٹرول سنبھال لیا۔ جلد ہی، 1940 میں، اس نے بالٹک ریاستوں ایسٹونیا، لٹویا اور لتھوانیا کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔

پولینڈ کے علاقے (Region of Poland)

1940 کی دہائی کے اوائل میں، پولینڈ پر حملہ کرنے کے بعد، ہٹلر نے ڈنمارک اور ناروے پر حملہ کیا۔ اس نے ناروے پر اس لیے حملہ کیا کہ کیونکہ وہاں سے وہ فن لینڈ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ پھر اس نے بیلجیم اور ہالینڈ پر بھی حملہ کیا۔ وہ جرمنی کی Blitzkrieg مہم کا شکار ہو گئے۔ Blitzkrieg ایک جنگی حربہ ہے، جو ایک تیز، اچانک فوجی حملہ ہے، جو عام طور پر زمینی افواج کو فضائی مدد کے ساتھ ملاتا ہے۔ بیلجیئم اور ڈنمارک کو فتح کرنے میں چند دن اور نیدرلینڈز کو فتح کرنے میں چند ہفتے اور ناروے کو ایک مہینہ لگا۔

یوایس ایس آر نے 'مولوٹوف معاہدے' کا استعمال کرتے ہوئے بالٹک ریاستوں اور فن لینڈ پر قبضہ کر لیا۔ پھر، اٹلی بھی شامل ہو گیا اور جون میں فرانس پر حملہ کر دیا۔ جرمنی نے 10 جون کو فرانس پر حملہ کیا اور 14 جون کو پیرس فتح کر لیا گیا۔ جرمنی نے کئی مہینوں تک مسلسل فضائی بمباری کے ذریعے برطانیہ کے کئی شہروں جیسے لندن، برمنگھم وغیرہ پر حملے کئے۔ اسے بلٹز کہا جاتا تھا۔

اس حملے کے پیچھے مقصد برطانیہ کو امن معاہدے پر دستخط کروانا تھا جو نہیں ہوا۔ چند مہینوں کے بعد، برطانیہ نے اس حملے کو کامیابی سے منسوخ کر دیا۔ یہ برطانیہ کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا۔ اس سے پہلے برطانیہ کا خیال تھا کہ کوئی بھی ان کے وطن پر براہ راست حملہ نہیں کر سکتا لیکن ہٹلر کے ماتحت جرمنی نے ایسا کر دکھایا۔

جرمنی، اٹلی اور جاپان کا سہ فریقی معاہدہ۔ اس معاہدے کو مضبوط بنانے کے لیے جرمنی نے اٹلی اور جاپان کے ساتھ ایک مشترکہ معاہدہ کیا۔ یہ ممالک Axis Powers کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعد میں ہنگری، بلغاریہ اور رومانیہ بھی محوری طاقت میں شامل ہو گئے۔

1941 میں، مصر سے برطانوی افواج نے لیبیا میں اطالویوں کو پیچھے دھکیل دیا، لیکن بعد میں جرمن کمک پہنچی اور انگریزوں کو مصر واپس بھیج دیا۔ پھر جرمنی نے یوگوسلاویہ اور یونان پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ جرمنی نے پورے وسطی اور جنوبی یورپ کو زیر کر لیا

آپریشن بار باروسا 1941 (Operation Barbarossa)

محوری طاقتوں نے جون 1941 میں یوایس ایس آر پر حملہ کیا حالانکہ سوویت یونین کے ساتھ اُن کا امن معاہدہ تھا، پھر بھی ہٹلر نے اس پر حملہ کیا۔ کیونکہ، وہ Lebensraum میں رہنے کی جگہ چاہتا تھا جب سے جرمنی وسیع ہو رہا تھا، اُسے فصلیں اگانے کے لیے مزید زمین کی درکار تھی۔

چنانچہ اس نے 'آپریشن بار بروسا' شروع کیا۔ جسے زمینی فوج کا اب تک کا سب سے بڑا آپریشن سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے جون میں حملہ شروع کیا، لیکن اکتوبر-نومبر آتے تک وہ سب کچھ نہیں جیت سکے، اور جب روس میں سخت سردی پڑی تو جرمن فوج جھک گئی، اور 1941 کے آخر تک تعطل کا شکار ہو گیا۔

پیسیفک جنگ(Pacific War)

جاپان نے 1940 تک ساحلی چین کے بڑے حصوں کو فتح کر لیا تھا۔ محوری طاقت میں شامل ہونے کے بعد جاپان نے چین میں مغربی کالونیوں پر حملے شروع کر دیے۔ فرانس اور برطانیہ کی ایشیا میں کالونیاں تھیں جیسے ہانگ کانگ، برما، فلپائن، انڈوچائنا(ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا)، گوام، انڈونیشیا(ڈچ ایسٹ انڈیز)اور سنگاپور (برطانیہ کی کالونی)۔

اس وقت امریکہ نے جاپان کو تیل کی سپلائی روک دی تھی۔ اس نے اقتصای پابندیاں لگادیں۔ اس پابندی کی وجہ سے جاپان کو مشکلات کا سامنا کرناپڑا۔ اس کے علاوہ جاپان کو خطرہ تھا کہ اگرامریکہ جنگ میں داخل ہوا تو وہ براہ راست ان پر بحر الکاہل میں حملہ کر دے گا۔ چنانچہ اس کو روکنے کے لیے جاپان نے پرل ہار بر پر حملہ کر دیا۔

پرل ہار بر حملہ(Pearl Harbour Attack)

امریکہ اور برطانیہ کی بحریہ کو کمزور کرنے کے مقصد سے، جاپان نے 7-8 دسمبر 1941 کو متعدد مقامات پر حملہ کیا۔ اس نے پرل ہار بر (ہوائی)، ملائیشیا، فلپائن اور ہانگ کانگ جیسے مقامات پر حملہ کیا۔ پرل ہار بر حملہ امریکی سرزمین پر اب تک کا سب سے بڑا حملہ تھا۔ تقریباً 2500 فوجی مارے گئے۔ جاپان نے برطانیہ کی کالونیوں آسٹریلیااور پاپوانیوگنی پر بھی بمباری کی۔ اس کے بعد امریکہ اتحادی افواج کے شانہ بشانہ جنگ میں داخل ہوا۔

1942 میں امریکہ کا داخلہ(U.S entry in 1942)

امریکہ اور جاپان کے درمیان بحر الکاہل اور جنوب مشرقی ایشیا کے جزائر میں 1942-44 تک متعدد لڑائیاں ہوئیں جاپان مڈوے اور بعد میں گواڈالکینال کی اہم جنگ میں ہار گیا۔ اس نے جاپان کے خلاف لہر کارخ موڑ دیا۔

جوار 1942 میں بدل گیا۔

1942 تک، محوری طاقت پورے یورپ کے کنٹرول میں تھی۔ لیکن پھر، لہر بدل گئی۔ روسیوں نے جرمنوں کو پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ مشرقی محاذ پر بہت زیادہ جانی نقصان ہوااور بہت سے جنگی جرائم ہوئے۔ سوویت یونین کی فوج نے لینن گراڈ (سینٹ پیٹرزبرگ)اور اسٹالن گراڈ (وولگوگراڈ) سے جرمنوں کو پیچھے دھکیل دیااور وہاں سے یوایس ایس آر کی فتح شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مشرقی یورپ کے کچھ علاقوں کو بھی فتح کر لیا۔

اتحادیوں نے لیبیا سے جرمنوں اور اطالویوں کو بھی پیچھے دھکیل دیا۔ امریکی فوج نے مراکش پر حملہ کر دیا۔ برطانیہ نے مصر پر حملہ کیا۔ تیونس بالآخر 1943 میں جیت لیا گیا۔

15.4 دوسری جنگ عظیم کی وجوہات (Cause of World War II)

گرچہ متعدد واقعات نے براہ راست تنازعہ میں شرکت کیا، لیکن بنیادی وجوہات بہت زیادہ پیچیدہ اور جاری تنازعہ کا موضوع ہیں۔ پہلی

دوسری جنگ عظیم کے اسباب

دوسری جنگ عظیم کی مختلف وجوہات تھیں جن کی تفصیل ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

ورسائی کا غیر منصفانہ معاہدہ 1919(Treaty of Versailles)

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد اتحادی طاقتوں نے جرمنی کو ورسائی معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کیا، معاہدے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانس نے جرمنی سے انتقام لیا۔ اس نے اگلے 20 سال تک جرمنی کو شدید نقصان پہنچائی اور اُس کی رسوائی بھی ہوئی۔ اس معاہدے کے تحت جرمنی نے اپنے علاقوں کو کھو دیا اور ساتھ ہی ایک بڑی فوج رکھنے کی بھی ممانعت بھی ہو گئی تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی کو جس ذلت کا سامنا کرنا پڑا وہ جرمنی میں شدید قوم پرستی(Ultra-Nationalism) کو پھیلانے کا باعث بنا۔

سامراج کے مطالبات (Demand of Imperialism)

نئے سامراجی، جیسے جاپان اور جرمنی، افریقہ اور ایشیا میں وسائل اور مختلف علاقوں کے لیے پرانی سامراجی قوموں جیسے برطانیہ، فرانس وغیرہ سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔

لیگ آف نیشنز کی ناکامی (Failure of League of Nations)

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد 1919 میں فوجی جارحیت کو روکنے کے ارادے سے لیگ آف نیشنس کو تشکیل دیا گیا تھا، اس تنظیم کا یہ بھی مقصد تھا کہ اس کے تمام ممبران اور مختلف اقوام کے درمیان تنازعات جارحیت کے بجائے مذاکرات کے ذریعے طے کیے جائیں۔ لیگ آف نیشن اقوام کے درمیان تنازعات کو حل کرنے میں ناکام رہی کیونکہ اٹلی نے ایتھوپیا پر حملہ کیا اور جاپان نے چین میں منچوریا پر حملہ کیا اور اس کے علاوہ دنیا کے تمام ممالک لیگ میں شامل نہیں ہوئے۔

1929 کا عظیم افسردگی (Great Depression of 1929)

یہ صنعتی دنیا کی تاریخ کی بدترین معاشی تباہی تھی جس نے یورپ اور ایشیا میں مختلف طریقے سے اپنا اثر ڈالا۔ یورپی ممالک جیسے جرمنی، اٹلی اور اسپین میں، سیاسی طاقت مطلق العنان سے سامراجی حکومت کی طرف منتقل ہو گئی، جبکہ ایشیا میں کم جاپان نے چین پر حملہ کر کے اور بحر الکاہل کو کنڑول کرنے کی کوشش کر کے ایک جارحانہ توسیع پسندانہ پالیسی کا انتخاب کیا۔

جاپان میں سامراج کا عروج (Rise of Imperialism in Japan)

جاپان بہت جارحانہ ہوتا جا رہا تھا۔ تائیوان 1895 میں جاپان کی پہلی کالونی بنا۔ 1931 میں جاپان نے چین کے منچوریا کے علاقوں اور بحر الکاہل کے آس پاس کے تمام جزائر پر حملہ کر دیا۔ ایشیا میں جنگ بنیادی طور پر 1937 کی دوسری چین-جاپانی جنگ کی وجہ سے شروع ہوئی تھی۔ ان کا تعلق امریکہ سے ہے، چنانچہ جاپان کے پرل ہاربر پر حملے کے ایک دن بعد، 8 دسمبر 1941 کو امریکہ نے جاپان کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔

ہٹلر اور NSDAP کا عروج (Rise of Hitler and Nazism)

نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی، جسے عام طور پر نازی پارٹی کے نام سے جانا جاتا ہے، سامی مخالف (یہود مخالف)، مارکسسٹ مخالف تھی جو آریائی نسل کی برتری پر یقین رکھتی تھی، اور یہ کہ دیگر تمام نسلوں کو خارج کر دیا جانا چاہیے۔ ہٹلر جنوری 1933 میں جرمنی کا چانسلر (PM) بنا، اگرچہ وہ منتخب ہو گیا تھا، لیکن یہ مکمل اکثریت نہیں تھی، بلکہ پارلیمنٹ کو معطل کر دیا گیا تھا۔ پھر بھی اسے حکومت بنانے کے لیے بلایا گیا، اور آہستہ آہستہ وہ ایک آمر میں تبدیل ہو گیا۔

ورسائی معاہدے کے بعد جرمنی کو اپنی فوج بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن ہٹلر نے ایک بہت بڑی فوج اور فضائیہ بنانا شروع کر دی۔ اس نے یہودیوں کے لیے خاص علامتیں مختص کیں تاکہ وہ بڑے پیمانے پر فرق کر سکیں۔ انہوں نے فادر لینڈ کی شان کو بحال کرنے کا بھی اعلان کیا۔ اس طرح کے اُٹھائے گئے قدم بھی دوسری جنگ عظیم کی وجہ بنے۔

15.5 دوسری جنگ عظیم کی واقعات (Events of World War II)

دوسری جنگ عظیم کا باعث بننے والے واقعات وہاں بعد کے بڑے واقعات رونما ہوئے جو دوسری جنگ عظیم کا باعث بنے۔

1936 کے آس پاس کے واقعات: ہٹلر نے رائن لینڈ کو دوبارہ فوجی طاقت دی۔ حالانکہ ورسائی معاہدے کے مطابق، اس علاقے کو عسکری شکل نہ دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا، کیونکہ یہ فرانس کے لیے خطرہ تھا۔ اٹلی اور جرمنی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے روم-برلن ایکس کہا جاتا ہے، اس واقعہ سے محوری (Axis Power) کا نام تصویر میں آیا۔ بعد میں جرمنی نے جاپان کے ساتھ بھی معاہدہ کیا۔

1938 جرمن الحاق:

ہٹلر نے آسٹریا کے پورے علاقے پر قبضہ کر لیا، اور اس عمل کو Anschluss کہا گیا۔ ہٹلر نے دعویٰ کیا کہ آسٹریا تاریخی طور پر جرمنی کا حصہ رہا ہے۔ اس کو کبھی بھی مختلف ملک نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ مصنوعی طور پر پہلی عالمی جنگ کے بعد بنایا گیا تھا۔ لہذا، اس نے آسٹریا کو دوبارہ

جرمنی کا حصہ بنانے کا مطالبہ کیا۔ شروع میں یہ ایک بغیر خون خرابے کی بغاوت تھی۔ آسٹریا کے لوگوں نے ہٹلر کا استقبال کیا۔ سوڈیٹن لینڈ کو جرمنوں نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ یہ چیکوسلواکیہ اور جرمنی کی سرحد پر واقع تھا اور ہٹلر نے اس علاقے پر بھی دعویٰ کیا تھا۔

اتحادی ممالک نے سوچا کہ یہ صرف 1-2 ممالک کی بات ہے اور پھر ہٹلر خاموش رہے گا۔ وہ آسٹریا جیسے چھوٹے ملک کے لیے جنگ نہیں چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے ہٹلر کو ایسا کرنے سے نہیں روکا۔ اس سے ہٹلر کو لگنے لگا کہ تھا کہ برطانیہ اور فرانس کمزور ہیں اور وہ جنگ نہیں چاہتے۔

1938 کے آس پاس کے واقعات:

ہٹلر نے سوڈ جرلینڈ کو ضم کرنے کے بعد مارچ 1939 میں پورے چیکوسلواکیہ پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کر لیا۔ پھر بھی کسی ملک نے ہٹلر کے خلاف کچھ بھی نہیں کہا اب ہٹلر کا اگلا ہدف پولینڈ تھا۔ لیکن اسے برطانیہ اور فرانس نے تحفظ فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جرمنی اور سوویت یونین کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جسے Molotov Ribbentrop Pact کہا جاتا ہے، جس کے ذریعے USSR جنگ میں جرمنی کی مدد کرنے کا پابند تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جلد یا بدیر اسے برطانیہ اور فرانس کے خلاف جنگ میں جانا پڑے گا۔

15.6 دوسری جنگ عظیم کے نتائج (Consequence of the World War II)

دوسری جنگ عظیم کے ضمنی اثرات

اس جنگ سے جو سب سے بڑا نقصان ہوا وہ جانی نقصان تھا۔ امریکہ کی جانب سے جاپان کے ناگاساکی اور ہیروشیما پر ایٹم بم گرائے جانے کو انسانی تہذیب کی تاریخ کا سب سے ظالمانہ، تباہ کن اور دردناک واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ جس کے نتائج کئی نسلیں بھگت رہی ہیں اور کئی بھگتنے والی ہیں، اس لیے اس کے بعد اس پر مکمل پابندی لگا دی گئی۔ لیکن پھر بھی جنگ کے دوران کل 12 لاکھ فوجی مارے گئے، جب کہ 25 لاکھ شہری بھوک، بیماری وغیرہ کی وجہ سے مر گئے۔ اس جنگ میں 24 لاکھ لوگ زخمی اور معذور ہوئے۔ جاپان پر امریکی بمباری کے نتیجے میں 160,000 ہلاکتیں ہوئیں۔ اس طرح دوسری جنگ عظیم بنی نوع انسان کے لیے ہر لحاظ سے بہت تباہ کن جنگ ثابت ہوئی۔

تاہم دوسری عالمی جنگ کے دوران شہریوں کی ہلاکتوں کی اصل تعداد کبھی معلوم نہیں ہو سکی۔ ان میں سے بہت سی اموات بم دھماکوں، قتل عام، بھوک اور دیگر جنگی سرگرمیوں کی وجہ سے ہوئیں۔ ہٹلر کے الٰہی "حتمی حل" کے ایک حصے کے طور پر نازی حراستی کیمپوں میں 6 لاکھ تک یہودیوں کو ہلاک کیا گیا، ایک اندازے کے مطابق 45-60 لاکھ لوگ اس میں مارے گئے جسے اب ہولوکاسٹ (Holocaust) کہا جاتا ہے۔ جبکہ سوویت یونین کے 70 لاکھ فوجی زخمی ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم کے نتائج کیا تھے؟

اتحادیوں نے بین الاقوامی امن کو برقرار رکھنے کی کوشش کے لیے اقوام متحدہ کا قیام کیا۔ یہ باضابطہ طور پر 24 اکتوبر 1945 کو وجود میں آیا۔

یورپ میں، براعظم کو بنیادی طور پر مغربی اور سوویت زونز کے درمیان نام 'نہاد آئرن پردے' کے ذریعے تقسیم کیا گیا تھا، جو ماتحت آسٹریا اور اتحادی جرمنی کو تقسیم کرتا تھا۔

ایشیامیں، امریکہ نے جاپان پر قبضہ کر لیا اور مغربی بحر الکاہل میں اپنے سابقہ جزائر آباد کر لیے۔

سوویت یونین نے سخالین اور کریل جزائر پر قبضہ کر لیا۔

جاپانی حکمرانی والا کوریا دو طاقتوں کے درمیان تقسیم اور قابض تھا۔

امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان کشیدگی جلد ہی امریکہ کی قیادت میں نیٹو اور سوویت کی قیادت میں وارساپیکٹ کے فوجی اتحاد کی تشکیل اور ان کے درمیان سرد جنگ کے آغاز تک پہنچ گئی۔

عوامی جمہوریہ چین سرزمین پر قائم ہوا جبکہ قوم پرست قوتوں نے تائیوان میں اپنا اقتدار قائم کیا۔

یونان میں کمیونسٹ قوتوں اور اینگلوامریکن حمایت یافتہ شاہی قوتوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی جس میں شاہی قوتوں کو فتح حاصل ہوئی۔

کوریامیں، شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان جنگ چھڑ گئی، جسے مغربی طاقتوں کی حمایت حاصل تھی، اور شمالی کوریا، جسے سوویت یونین اور چین کی حمایت حاصل تھی۔

خیال کیا جاتا ہے کہ جنگ کے دوران نازی حراستی کیمپوں میں لگ بھگ 60 لاکھ یہودی مارے گئے تھے۔ اور ہزاروں رومیوں کو قتل کیا گیا جن میں ذہنی اور جسمانی طور پر معذور بھی شامل تھے۔

اس جنگ میں زمین کا بہت زیادہ نقصان ہوا، ایک اندازے کے مطابق اس جنگ میں تقریباً 1000 ارب ڈالر خرچ ہوئے، جس میں صرف امریکہ نے 350 ارب ڈالر خرچ کیے۔ اس جنگ میں کئی عمارتیں، سڑکیں، انفراسٹرکچر، جنگی جہاز اور لڑاکا طیارے تباہ ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں دنیا کے تمام ممالک دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ، جس میں سرمایہ داروں کی قیادت امریکہ جبکہ کمیونسٹوں کی قیادت روس کر رہا تھا۔ انہوں نے عالمی سطح پر ایک دوسرے پر تنقید کرنا شروع کر دی جس کا نتیجہ سرد جنگ کی صورت میں نکلا۔ اور اس سرد جنگ کے دوران دونوں فریقوں نے اپنے اپنے جوہری ہتھیار تیار کیے، جس سے دنیا کو مزید خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔

15.7 دوسری عالمی جنگ کے سماجی اثرات (Social Impact of World War II)

دوسری جنگ عظیم نے نیوفاؤنڈ لینڈ اور لیبر اڈور میں تیز رفتار اور وسیع سماجی تبدیلیوں کا ایک سلسلہ پیدا کیا۔ غیر ملکی اڈوں کے قیام نے کمیشن آف گورنمنٹ کو غیر متوقع طور پر دولت فراہم کی، جسے اس نے سماجی خدمات کی ترقی کے لیے استعمال کیا۔ صحت کی دیکھ بھال، تعلیم، نقل و حمل، مواصلات، اور دیگر شعبوں میں بہتری لائی گئی۔ ہزاروں کینیڈین اور امریکی فوجیوں کی موجودگی نے نیوفاؤنڈ لینڈ اور لیبر اڈور معاشرے میں پہلے سے موجود اقدار اور رویوں کو بھی بدل دیا۔ معیار زندگی میں اضافہ ہوا، لباس کے انداز بدلے گئے، رومانوی اور افلاطونی دونوں طرح کی نئی دوستیاں قائم ہوئیں، اور امریکی ریڈیو اور تفریح کی دیگر اقسام کے تعارف نے نیوفاؤنڈ لینڈ اور لیبر اڈور کو شمالی امریکہ کی ثقافت میں ضم کرنے اور اسے برطانیہ سے دور کرنے کے لیے بہت کچھ کیا۔ بالآخر، 1940 کی دہائی کی سماجی تبدیلیوں نے ملک کے آئینی مستقبل کو تشکیل دینے میں مدد کی، جو کنفیڈریشن میں جمع ہوا۔ جنگ کے بعد، امریکی اور کینیڈا کی مسلح افواج نے اپنی بہت سی سہولیات اور ڈھانچے کو شہری استعمال کے لیے کمیشن آف گورنمنٹ کے حوالے کر دیا۔ نتیجتاً، ملک کو مختلف جدید ہسپتال، ہوائی اڈے، مواصلاتی نظام، پکی سڑکیں، گٹر، تفریحی مراکز، اور دیگر اثاثے ورثے میں ملے جو دوسری صورت میں برداشت کرنے کے قابل نہ ہوتے۔ ان میں سے بہت ساری سہولیات آج بھی استعمال میں ہیں، بشمول سٹیفن ویل اور ٹوربے کے ہوائی اڈے (آج سینٹ جان کا بین الاقوامی ہوائی اڈہ)۔ تاہم، شاید زیادہ گہرا اور وسیع اہمیت، نیوفاؤنڈ لینڈرز اور لیبر اڈوریز کا شمالی امریکہ کی ثقافت سے جنگی نمائش تھی

15.8 دوسری جنگ عظیم میں ہندوستان کا تعاون (India's Contribution in World War II)

دوسری عالمی جنگ کے دوران برطانوی سلطنت میں ہندوستان کی شراکت کو طویل عرصے سے نظرانداز کیا گیا ہے۔ یہ صرف حالیہ برسوں کے دوران کی گئی تحقیقات کے باعث اس موضوع کو اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ حالانکہ ابھی مزید تحقیق و تجزیہ کی ضرورت باقی ہے۔

تاریخی تناظر (Historical Background)

پہلی جنگ عظیم کی طرح، دوسری جنگ عظیم میں ہندوستانی فوجیوں کو برطانیہ نے اپنی جنگی کو مہمات میں مدد کے لیے بلایا تھا۔ اپنے عروج پر برطانوی ہندوستانی فوج کا حجم 2.5 لاکھ تک پہنچ گیا یہ دنیا کی سب سے بڑی رضاکار فوج تھی۔ تقریباً 89,000 ہندوستانی فوجی برطانوی سلطنت کے لیے لڑتے ہوئے مارے گئے۔

ہندوستانی فوجی اُس وقت تمام بڑی لڑائیوں میں برطانیہ کی جانب سے شریک ہوئے تھے- ٹوبروک، مونٹی کیسینو، کوہیما اور امپھال۔ انہوں نے تمام بڑے محاذوں پر لڑائی میں حصہ لیا مشرقی اور شمالی افریقہ، اٹلی، برما، سنگاپور، جزیرہ نما ملے، گوام اور انڈوچائنا—اور جاپانیوں سے جنوب مشرقی ایشیا کو محفوظ کیا۔ تقریباً 700,000 ہندوستانی فوجی برما اور جنوب مشرقی ایشیائی علاقوں میں جنگ میں شامل تھے۔ مورخین نے اب

اس کا ریکارڈ جمع کرنا شروع کیا ہے کہ جنگ کے دوران ہونے والی سب سے شدید لڑائیوں میں 1944 میں کوہیما اور امپھال کی لڑائی تھی۔ کوہیما اور امپھال کی جنگ میں تقریباً 53,000 افراد ہلاک اور لاپتہ ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران، کے سالوں میں پورا برصغیر پاک وہند کا نقشہ ہی بدل گیا۔ برصغیر جنوب مشرقی ایشیا میں جاپانیوں کے خلاف جنگ کے لیے ایک وسیع سپلائی گراؤنڈ بن گیا تھا۔ لاکھوں ہندوستانیوں نے قابل رحم حالات میں سلطنت کے لیے جدوجہد کی۔ ہزاروں ہندوستانیوں نے بہار میں کوئلے کی کان میں کام کیا، ہندوستان سے میانمار اور چین تک سپلائی سڑکیں بنانے میں اہم رول ادا کیا، بشمول شمال مشرقی ہندوستان میں چین اور ہندوستان کے درمیان مشہور لیڈو روڈ۔ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ، بھارت اتحادیوں کو جنگی سامان فراہم کرنے والا بڑا ملک بن گیا۔ اس کی سینکڑوں نئی فیکٹریوں نے تمام ممالک کو ٹیکسٹائل اور دیگر جنگی مواد کی باقاعدہ سپلائی برقرار رکھی۔

اتحادی ممالک۔ سرکاری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ بندرگاہوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے ہزاروں ہندوستانی ہندوستان کی مشرقی ساحلی پٹی پر جاپانی فضائی بمباری سے ہلاک ہوئے۔

ہزاروں غیر جنگجوؤں کو سامراجی قوتوں کی مدد کے لئے بیرون ملک بھیجا گیا اور سپلائی لائنز اور امدادی خدمات کا انتظام کیا گیا۔ یہ وہ 'قلی' تھے جو شاہی بندرگاہوں پر سامان لادتے اور اتارتے تھے یا ہوائی پٹیوں کے لیے زمین صاف کرتے تھے۔ لندن، کارڈف، لیورپول اور ساؤتھ شیلڈز کی بندرگاہوں کے ارد گرد رہنے والے تجارتی بحری جہازوں نے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کام کیا کہ برطانیہ کو سپلائی لائنیں کھلی رہیں۔ انہوں نے اپنے سفید فام ہم منصبوں سے کم تنخواہ پر ظالمانہ حالات میں بھی کام کیا۔

جنگ سے متعلق برطانوی ٹیکسوں اور محصولوں نے ہندوستان کی غربت زدہ آبادی پر مزید بوجھ ڈالا۔ ہندوستانیوں نے نہ صرف جنگ لڑی بلکہ اس کی مالی امداد بھی کی۔ مشہور فوجی مورخ سری ناتھ راگھون لکھتے ہیں کہ 1942-43 تک، ہندوستان جنگ کے لیے برطانیہ سے زیادہ قیمت ادا کر رہا تھا، جس نے برطانیہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو ایک مقروض سے قرض دہندہ میں تبدیل کر دیا تھا- برطانیہ کے ساتھ اس کے آخر تک 1.3 بلین پاؤنڈ کا قرض تھا۔ جنگ (بھارت کی جنگ: جدید جنوبی ایشیا کی تشکیل 1939-1945)

دوسری جنگ عظیم کا ہندوستان پر بہت بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک کو مزید تقویت بخشی۔ 1942 کی ہندوستان چھوڑو تحریک میں لاکھوں افراد نے حصہ لیا۔ نیتا جی سبھاس چندر بوس نے ہندوستان میں برطانوی راج کے خلاف لڑنے اور اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہندوستانی فوجیوں اور جاپانیوں کے جنگی قیدیوں (POWs) پر مشتمل انڈین نیشنل آرمی (INA) کو کھڑا کیا۔ نیتا جی نے اپنے مشن کے لیے جاپانی مدد طلب کی۔ آئی این اے اور جاپانی افواج نے پیش قدمی بھی کی لیکن شمال مشرق میں امپھال اور کوہیما میں برطانوی فوج نے انہیں روک دیا۔ جنگ کے دوسرے نتائج بھی تھے۔ دوسری جنگ عظیم نے ایک پیشہ ور اور انتہائی قابل احترام ہندوستانی مسلح افواج تیار کیں۔ سیکڑوں نئی فیکٹریاں جو جنگی مواد کی تیاری اور سپلائی کے لیے لگائی گئی تھیں، نے ہندوستان کے مینوفیکچرنگ سیکٹر کی بنیاد رکھی۔ کاروباری حلقوں میں بہت سے لوگوں نے بہت زیادہ منافع کمایا اور صنعتی کاروباری بن گئے۔

15.9 دوسری جنگ عظیم کے بعد (Aftermath of World War II)

نئی عظیم طاقت (New Super Power)

دوسری جنگ عظیم نے مختلف ممالک اور براعظموں کی جغرافیائی، سیاسی اور فوجی حیثیت میں بڑی تبدیلیاں پیدا کیں۔ برطانیہ اور فرانس نے عظیم طاقت کے طور پر اپنی برتری کی حیثیت کھو دی اور امریکہ اور سوویت یونین نے اس کی جگہ لے لی۔

عدم نوآبادی کا آغاز (Beginning of Decolonization)

جنگ کے بعد برطانیہ اور فرانس کو مختلف اندرونی اور بیرونی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ دونوں اب اپنی اپنی کالونیوں کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے اس طرح جنگ کے بعد کی دنیا نے افریقہ اور ایشیا میں استعمار کے خاتمے کا مشاہدہ کیا۔

اقوام متحدہ کا قیام (Origin of UNO)

جنگ کے اہم نتائج میں سے ایک اقوام متحدہ کی تنظیم کا قیام عمل 24 اکتوبر 1945 ہوا تھا۔ اگرچہ لیگ آف نیشن اپنے کام کو انجام دینے میں ناکام رہی، لیکن بنی نوع انسان نے مکمل طور پر اس کو بنانے کی اپنی امیدوں سے محروم نہیں کیا۔ دنیا رہنے کے لیے ایک محفوظ اور خوشگوار جگہ ہو اس لیے اقوام متحدہ کو بنایا گیا۔

اقوام متحدہ کا چارٹر بنی نوع انسان کی امیدوں اور نظریات کو بیان کرتا ہے جن کی بنیاد پر ممالک پائیدار امن کو برقرار رکھنے کے لیے مل کر کام کر سکتے ہیں۔ تاہم، اقوام متحدہ کے قیام پر اتفاق ہوا، بحر اوقیانوس کے چارٹر کے تحت دوسری جنگ عظیم کے خاتمے سے بہت پہلے اس کے لئے سفارتی کوششیں شروع ہو چکی تھیں۔

سرد جنگ کا آغاز (Beginning of Cold War)

جنگ کے خاتمے کے بعد جرمنی کے شہر پوٹسڈیم میں امن معاہدے طے کرنے کے لیے ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ ہٹلر کے ساتھ لڑنے والے ممالک نے اپنے علاقے کھو دیے اور اتحادیوں کو معاوضہ ادا کرنا پڑا۔ جرمنی اور اس کے دارالحکومت برلن کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان علاقوں کو برطانیہ، امریکہ، فرانس اور سوویت یونین کے زیر کنٹرول ہونا تھا۔ تینوں مغربی اتحادیوں اور سوویت یونین کا بہت سی باتوں پر اختلاف تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جرمنی دو الگ الگ ملکوں میں تقسیم ہو گیا: مشرقی جرمنی جس میں کمیونسٹ حکومت تھی اور مغربی جرمنی جو کہ ایک جمہوری مملکت تھی ان سب اختلافات نے سرد جنگ کی بنیاد ڈالی۔

نیا عالمی اقتصادی نظام (New Economic World Order)

بریٹن ووڈس کانفرنس، باضابطہ طور پر اقوام متحدہ کی مالیاتی اور مالیاتی کانفرنس، بریٹن ووڈس، نیو ہیمپشائر (1-22 جولائی، 1944) میں دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنی اور جاپان کی متوقع شکست کے بعد جنگ کے بعد کی دنیا کے لیے مالیاتی انتظامات کرنے کے لیے اجلاس منعقد کیے گئے۔اس نے بین الاقوامی بینک برائے تعمیر نو اور ترقی (IBRD-جواب ورلڈ بینک کے نام سے جانا جاتا ہے) کے لیے ایک پروجیکٹ تیار کیا تاکہ ایسی مملکتوں کو فوری طور پر غیر ملکی امداد کی ضرورت کے لیے طویل مدتی سرمایہ دستیاب کیا جاسکے،اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) کے لیے فنانس کے لیے ایک قلیل مدت پروجیکٹ تیار کیا جاسکے۔

شرح مبادلہ کو مستحکم کرنے کے لیے بین الاقوامی ادائیگیوں میں عدم توازن۔ نیز،امریکی ڈالر کو عالمی تجارت کے لیے ریزرو کرنسی کے طور پر قائم کیا گیا تھا۔

15.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا،اس اکائی میں آپ نے:

- دوسری عالمی جنگ کیا ہے اس کو سمجھ پائے۔
- دوسری عالمی جنگ کی ابتدا سے واقفیت حاصل کی۔
- دوسری عالمی جنگ کی وجوہات کے ساتھ اس کے فوری وجہ سے بھی روبرو ہو پائے۔
- اکائی کے آخر میں عالمی جنگ کی نتائج کی معلومات بھی حاصل کی۔

15.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

اتحادی طاقت : مرکزی طاقتوں کے خلاف لڑنے والے فوجی اتحاد کو اتحادیوں کے نام سے جانا جاتا تھا۔

محوری طاقت : محوری طاقتیں، جسے اصل میں روم–برلن ایکس کہا جاتا ہے،ایک فوجی اتحاد تھا جس نے دوسری جنگ عظیم کا آغاز کیا اور اتحادیوں کے خلاف

ورسائی معاہدہ : ورسائی کا معاہدہ، پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر اتحادی اور متعلقہ طاقتوں اور جرمنی کے ذریعہ دستخط شدہ امن دستاویز

معاہدہ قوم پرستی :ان لوگوں کی سیاسی آزادی کی خواہش ہے جو محسوس کرتے ہیں کہ وہ تاریخی یا ثقافتی طور پر کسی ملک کے اندر ایک الگ گروہ ہی حکومت کا نظام قائم رکھے۔

عسکریت پسندی : یہ یقین کہ کسی ملک کو مضبوط فوجی صلاحیت برقرار رکھنی چاہیے اور اسے قومی مفادات کے دفاع یا فروغ کے لیے جارحانہ انداز میں استعمال کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

15.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

15.12.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ دوسری عالمی جنگ کی شروعات کب ہوئی؟

(a) 1939 (b) 1940

(c) 1941 (d) 1942

2۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد اتحادی طاقتوں نے کس ملک کو ورسائی کے معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کیا؟

(a) جرمنی (b) اٹلی

(c) فرانس (d) آسٹریہ

3۔ معاہدہ ورسائی دستخط کب کیٔ گئے؟

(a) 1919 (b) 1920

(c) 1921 (d) ان میں سے کوئی نہیں

4۔ کس ملک کی جانب سے 'ناگاساکی اور ہیروشیما' پر ایٹم بم گرائے گئے تھے؟

(a) امریکہ (b) یوایس ایس آر

(c) اٹلی (d) جرمنی

5۔ امریکہ اور برطانیہ کی بحریہ کو کمزور کرنے کے مقصد سے کس ملک نے 'پرل ہاربر' پر حملہ کیا تھا؟

(a) روس (b) چین

(c) جاپان | (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ کس سال میں ہٹلر جرمنی کا چانسلر (PM) بنا؟

(a) 1932 | (b) 1933

(c) 1934 | (d) 1935

7۔ دوسری عالمی جنگ کب سے کب تک جاری رہی؟

(a) 1939-42 | (b) 1939-43

(c) 1939-44 | (d) 1939-45

8۔ 'انڈین نیشنل آرمی' کو کس مجاہد آزادی نے قائم کیا تھا؟

(a) بھگت سنگھ | (b) سبھاش چندر بوس

(c) لالہ لاجپت رائے | (d) لالا ہر دیال

9۔ کس ملک کی قیادت میں NATO کا قیام عمل میں آیا؟

(a) برطانیہ | (b) امریکہ

(c) جرمنی | (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ وارسا پیکٹ' کا قیام عمل میں لانے والے ملک کا نام تھا؟

(a) جرمنی | (b) سربیا

(c) روس | (d) فرانس

15.12.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. دوسری عالمی جنگ پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔
2. دوسری عالمی جنگ کی ابتدا پر روشنی ڈالیئے۔
3. دوسری عالمی جنگ کے سماجی اثرات کو بتایئے؟
4. دوسری عظیم جنگ کے بعد کے حالات کا جائزہ لیجئے؟
5. دوسری عالمی جنگ میں ہندوستان کے تعاون پر بحث کیجئے۔

15.12.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. دوسری عالمی جنگ کا بیان کرتے ہوئے اس کی ابتدا پر غور وفکر کیجئے۔
2. دوسری عظیم جنگ کے واقعات پر روشنی ڈالیے۔
3. دوسری عالمی جنگ کے نتائج پر ایک مضمون لکھئے۔

15.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

---

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, The Globalisation of World Politics (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, International Relations, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, International Relations, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, Understanding International Conflicts, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, Introduction to Global Politics, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, Bainul-Aqwaami Taaluqaat (Nisaab Publishers, 2005

اکائی 16۔ بین الا قوامی تعلقات کی جنگ کا تجزیہ

(War of International Relations: Final Assessment)

اکائی کے اجزا:

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 بین الا قوامی تعلقات کی جنگ اور اس کے اسباب

16.3 بین الا قوامی تعلقات میں جنگ کے نتائج

16.4 جنگ کی تاریخی مثالیں

16.5 بین الا قوامی تعلقات میں جنگ کے نظریات

16.6 جنگ کو روکنے میں بین الا قوامی اداکاروں کا کردار

16.7 اکتسابی نتائج

16.8 کلیدی الفاظ

16.9 نمونہ امتحانی سوالات

16.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

16.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

16.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

16.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء! دنیا کے متعلق تاریخ پر اگر نظر دوڑائی جائے تو اس میں اس قدر ہولناک جنگوں کی دل دہلا دینے والی داستانیں مدفون نظر آئیں گی، جنھیں انسان آج تک بھلا نہیں سکا۔ اگرچہ جنگ انسانی فطرت کے خلاف تصور کی جاتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جنگوں کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان۔ دنیا میں لڑی گئی ساری جنگوں کا تاریخی آئینہ میں تجزیہ کرنے سے ہمیں معلوم ہو گا کہ آج تک جتنی بھی جنگیں

ہوئی ہیں وہ معمولی باتوں سے شروع ہوئیں۔ دنیا میں لڑی گئی جنگوں کی تاریخ،انسانی کھوپڑیوں کے مینار، بھوک، غربت اور تشدد سے بھری پڑی ہے اور حیران کرنے والی بات یہ ہے کہ ایسی جنگیں انسانی خود غرضی کی وجہ سے ہی ہوئیں جن کی لرزہ خیز داستانیں آج بھی لوگوں کے رونگٹے کھڑے کر دیتی ہیں۔ ہم اس یونٹ میں بین الاقوامی تعلقات کے قیام کے بعد جدید جنگوں کا تفصیلی مطالعہ کریں گے جن کی تاریخ محض ایک سو کچھ سال پرانی ہے، جنکی ابتدا جنگ عظیم اول سے ہوتی ہے جس نے انسانوں کے خیالات اور رویوں کو بھی تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

16.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد، آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ،

- بین الاقوامی تعلقات کی جنگ اور اس کے اسباب کو سمجھ سکیں۔
- بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کے نتائج سے باخبر ہو سکیں۔
- بین الاقوامی تعلقات میں کچھ اہم جنگوں سے واقف ہو سکیں۔
- بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کے کچھ ہم نظریات کو جان سکیں۔
- جنگ کو روکنے میں بین الاقوامی اداکاروں کے کردار کا تجزیہ کر سکیں۔

16.2 بین الاقوامی تعلقات کی جنگ اور اس کے اسباب
(War of International Relations and Its Causes)

بین الاقوامی تعلقات میں جنگ سے مراد بین الاقوامی سطح پر خود مختار ریاستوں یا دیگر اداکاروں کے درمیان مسلح تصادم ہے۔ اس کا نتیجہ مختلف عوامل سے ہو سکتا ہے، جیسے کہ علاقائی تنازعات، نظریاتی اختلافات، وسائل کے لیے مسابقت، یا اقتدار کے لیے جدوجہد۔ جنگ کے اہم سیاسی، اقتصادی اور سماجی نتائج ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ عام وجوہات بھی ہوتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

- علاقائی تنازعات(Territorial Disputes): اکثر قوموں کے درمیان زمین، وسائل اور سرحدوں کے تنازعات جنگ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔
- طاقت کی جدوجہد(Power Struggles): بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور کنٹرول کی خواہش ریاستوں کے درمیان تناؤ کا باعث بن سکتی ہے جو اپنے اختیار کو بڑھانے یا اپنے مفادات کا تحفظ کرنے کی خواہاں ہیں۔
- نظریاتی اختلافات(Ideological Differences): مختلف سیاسی، مذہبی یا ثقافتی عقائد رکھنے والی قوموں کے درمیان تصادم مسلح تصادم میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

- وسائل کا مقابلہ(Resource Competition): تیل، معدنیات اور پانی جیسے قیمتی وسائل کے لیے مقابلہ قوموں کو تنازعات کی طرف لے جاسکتا ہے۔ پانی کے بارے میں کہاجاتاہے کہ یہ تیسری عالمی جنگ کی وجہ بن سکتا ہے۔
- قوم پرستی(Nationalism): شدید قوم پرستی جارحیت کو ہوادے سکتی ہے اور سفارتی حل کے حصول کو مزید مشکل بناسکتی ہے۔
- معاشی مفادات(Economic Interests): معاشی عوامل جیسے تجارتی عدم توازن، پابندیاں، یا معاشی عدم استحکام دشمنی کا سبب بن سکتے ہیں جو پھر جنگ کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔
- اتحاد اور معاہدے(Alliances and Treaties): اتحاد اور معاہدے ممالک کے درمیان عہد وپیمان کی طرح ہوتے ہیں جو مصیبت کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات، یہ معاہدے معاملات کو مزید خراب کر سکتے ہیں۔ تصور کریں کہ کیا آپ اور آپ کے دوستوں نے ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے، چاہے کچھ بھی ہو۔ اگر آپ میں سے کوئی لڑائی میں پڑ گیا، تو باقی سب بھی، اس میں کود سکتے ہیں، چاہے وہ نہ چاہتے ہوں۔ یہ ایک چھوٹی سی بات کو بڑی تشویش میں بدل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ، بعض اوقات یہ وعدے قدرے مبہم یا خفیہ ہو سکتے ہیں، جو دوسرے لوگوں کو پریشان کر دیتے ہیں۔ لہذا، جب کہ اتحاد اور معاہدوں کو امن برقرار رکھنے کے لیے سمجھا جاتا ہے، وہ بعض اوقات اس کے بجائے لڑائی کا باعث بن سکتے ہیں۔
- ناکام سفارت کاری(Failed Diplomacy): ناکام مذاکرات یا سفارتی کوششوں میں خرابی کشیدگی میں اضافے کا باعث بن سکتی ہے۔
- تاریخی شکایات(Historical Grievances): ماضی کے تنازعات یا سمجھی جانے والی ناانصافیوں کی وجہ سے دیرپا ناراضگی جنگ کے آغاز میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔
- قیادت اور فیصلہ سازی(Leadership and Decision-making): قائدین اور پالیسی سازوں کے فیصلے اس میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں کہ آیا تنازعات بڑھتے ہیں یا ختم ہو جاتے ہیں۔
- سلامتی کے خدشات(Security Dilemma): حملے کا خوف ریاستوں کو خود کو مسلح کرنے کا باعث بن سکتا ہے، نادانستہ طور پر دوسروں کے ساتھ تناؤ کو بڑھا سکتا ہے۔
- غلط فہمی اور غلط حساب(Misperception and Miscalculation): غلط فہمیاں اور نیتوں کی غلط تشریح غیر ارادی تنازعات کا باعث بن سکتی ہے۔
- پراکسی جنگیں(Proxy Wars): بڑی طاقتیں چھوٹی ریاستوں کے تنازعات میں مخالف فریقوں کی مدد کر سکتی ہیں، مقامی تنازعات کو عالمی جدوجہد میں بدل سکتی ہیں۔ پراکسی جنگیں مختلف وجوہات کی بناء پر ہو سکتی ہیں، جیسے براہ راست تصادم سے گریز کرنا، حکمت عملیوں کی جانچ کرنا، یا براہ راست شمولیت کے بغیر مفادات کو آگے بڑھانا۔

- نسلی اور مذہبی تقسیم(Ethnic and Religious Divisions): کسی ملک کے اندر اندرونی تقسیم بین الاقوامی تنازعات میں پھیل سکتی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ اسباب اکثر آپس میں جڑے ہوتے ہیں، اور جنگ کا باعث بننے والے عوامل پیچیدہ اور اہم ہو سکتے ہیں۔ مزید برآں، بین الاقوامی تعلقات کا میدان جنگ کی وجوہات کی وضاحت اور سمجھنے کے لیے مختلف نظریات پیش کرتا ہے، جن میں حقیقت پسندی، لبرل ازم، تعمیر پسندی اور دیگر شامل ہیں، جن کو ہم آگے سمجھیں گے۔

16.3 بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کے نتائج

(Consequences of War in International Relations)

جنگوں میں انسانیت خود کو ایک دوراہے پر پاتی ہے، جکے اثرات نسل در نسل دکھائی دیتے ہیں۔ جنگ کے بعد کا نتیجہ دل کی دھڑکنوں کو بڑھادینے والا اور نہایت ہی ہولناک ہوتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کے نتائج بے شمار ہیں جن میں کچھ تفصیلی نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

- انسانی ہمدردی کے اثرات(Humanitarian Impact): جنگوں کے نتیجے میں جانوں کا نمایاں نقصان، زخمی اور عام شہریوں کی نقل مکانی ہوتی ہے۔ بنیادی ڈھانچے، صحت کی دیکھ بھال کے نظام اور بنیادی ضروریات تک رسائی کی تباہی سے انسانی بحران پیدا ہوتے ہیں۔
- معاشی نتائج(Economic Consequences): جنگیں تجارت، سرمایہ کاری اور اقتصادی سرگرمیوں میں خلل ڈالتی ہیں، جس سے متاثرہ علاقوں میں کساد بازاری یا افسردگی پیدا ہوتی ہے۔ تعمیر نو کے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں، جو وسائل کو ترقیاتی منصوبوں سے ہٹا کر نقصان کی بھرپائی میں لگا دیتے ہیں۔
- سیاسی اثرات(Political Effects): جنگیں حکومتی ڈھانچے میں تبدیلی، حکومت کی تبدیلی، اور یہاں تک کہ ریاستوں کے خاتمے کا باعث بن سکتی ہیں۔ مقبوضہ علاقوں میں حکمرانی اور استحکام قائم کرنے کے لیے اکثر بین الاقوامی مداخلت کی ضرورت ہوتی ہے۔
- سفارتی تعلقات(Diplomatic Relations): معاندانہ اقدامات سفارتی تعلقات میں تناؤ کا باعث بنتے ہیں، جس کے نتیجے میں تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں، پابندیاں لگ جاتی ہیں یا بین الاقوامی برادری سے الگ تھلگ ہو جاتے ہیں۔ قوموں کے درمیان اعتماد کو دوبارہ بنانے میں سالوں یا دہائیاں لگ سکتی ہیں۔
- جغرافیائی سیاسی تبدیلیاں(Geopolitical Shifts): جنگوں کے نتیجے میں طاقت اور اتحاد میں تبدیلی آسکتی ہے۔ نئے اداکار ابھر سکتے ہیں، جبکہ موجودہ کمزور ہو سکتے ہیں۔ طاقت کے علاقائی توازن کو تبدیل کرتے ہوئے سرحدوں کو دوبارہ کھینچا جاسکتا ہے۔

- بین الاقوامی قانون(International Law): بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزیاں، جیسے جنگی جرائم، بین الاقوامی قانونی فریم ورک کی ساکھ کو متاثر کرتے ہیں۔ بین الاقوامی فوجداری عدالت جیسی عدالتیں جنگ کے بعد کے انصاف میں شامل ہو سکتی ہیں۔
- پناہ گزینوں کا بحران(Refugee Crisis): تنازعات پناہ گزینوں کی لہریں پیدا کرتے ہیں جو پڑوسی ممالک یا اس سے باہر حفاظت کی تلاش میں ہیں۔ یہ میزبان ممالک کو پریشان سکتا ہے، سرحدی تنازعات کا باعث بن سکتا ہے، اور بعض اوقات انسانی ہنگامی صورتحال کا سبب بن سکتا ہے۔
- عالمی سلامتی(Global Security): جنگیں عالمی سطح پر تناؤ کو بڑھا سکتی ہیں اور ممکنہ طور پر ہتھیاروں کی دوڑ کو شروع کر سکتی ہیں۔ مزید برآں، غیر حل شدہ تنازعات جاری عدم استحکام اور مستقبل کے ممکنہ تنازعات کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔
- نفسیاتی اور سماجی اثرات(Psychological and Social Impact): جنگیں زندہ بچ جانے والوں اور کمیونٹیز پر دیرپا نفسیاتی نشان چھوڑتی ہیں، جس سے ذہنی صحت اور سماجی ہم آہنگی متاثر ہوتی ہے۔ شفایابی اور مفاہمت کی کوششیں طویل مدتی استحکام کے لیے ضروری ہیں۔
- میڈیا اور پروپیگنڈہ(Media and Propaganda): جنگیں اکثر پروپیگنڈے اور غلط معلومات کے ساتھ ہوتی ہیں، جو عوام کے تاثر کو تشکیل دے سکتی ہیں اور تنازعات کے بارے میں بین الاقوامی رائے کو متاثر کر سکتی ہیں۔
- وسائل کا استحصال(Resource Exploitation): جنگیں قیمتی وسائل جیسے تیل، معدنیات، یا اسٹریٹجک جغرافیائی مقامات تک رسائی، مسابقت میں شدت اور وسائل کی کمی پر لڑی جا سکتی ہیں۔
- انسانی حقوق(Human Rights): جنگ کے دوران انسانی حقوق کی وسیع پیمانے پر خلاف ورزیاں ہو سکتی ہیں، جو انسانی وقار اور مساوات کے اصولوں کو مجروح کرتی ہیں۔

مجموعی طور پر، بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کے نتائج پیچیدہ اور کثیر جہتی ہوتے ہیں، جو تنازع کے دوران اور بعد میں معاشرے، سیاست اور معاشیات کے مختلف پہلوؤں کو متاثر کرتے ہیں۔ جنگ کے بعد بحالی اور مفاہمت کی کوششیں متاثرہ خطوں اور عالمی تعلقات کے مستقبل کے استحکام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

16.4 جنگ کی تاریخی مثالیں (Historical Examples of War)

تاریخ کے اوراق معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی جنگیں رونما ہوئیں، جو اکثر علاقائی تنازعات سے لے کر نظریاتی تصادم تک کے بے شمار عوامل کی وجہ سے ہوئیں۔ ان جنگوں نے نہ صرف بین الاقوامی تعلقات کو نئی شکل دی بلکہ معاشروں، معیشتوں اور عالمی سیاست پر بھی انمٹ نقوش

چھوڑے۔ یہاں ہم چند قابل ذکر مثالوں کا جائزہ لیتے ہیں جہاں مفادات کا تصادم اور طاقت کی تلاش بین الاقوامی تعلقات کے عظیم اسٹیج پر آشکار ہوئی ہے۔

- پہلی جنگ عظیم (1914-1918): ایک عالمی تنازعہ تھا جو 1914 سے 1918 تک جاری رہا۔ اتحادوں، قومی دشمنیوں اور سامراجی عزائم کے ایک پیچیدہ جال سے شروع ہونے والی جنگ نے یورپ کے بیشتر حصوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور یورپ کے دوسرے حصوں تک پھیل گئی۔ دنیا کی یہ جنگ، نئی فوجی ٹیکنالوجیز، اسٹریٹیجیز اور تباہی کے لیے بے مثال تھی۔ اس نے عالمی سطح پر امریکہ جیسی طاقتور قوموں کے بڑے کھلاڑی کے طور پر ابھرتے ہوئے دیکھا۔ جنگ 1919 میں ورسائی کے معاہدے پر دستخط کے ساتھ ختم ہوئی، جس نے جرمنی پر سخت شرائط عائد کیں اور 20 ویں صدی کو تشکیل دینے والی جغرافیائی سیاسی تبدیلیوں کا مرحلہ طے کیا۔ پہلی جنگ عظیم کا سیاست، معیشتوں اور معاشروں پر گہرا اثر پڑا، جس کے نتیجے میں نئے نظریات کے عروج، نوآبادیاتی سلطنتوں میں تبدیلیاں، اور مایوسی کا احساس پیدا ہوا جس نے تاریخ کے بعد کے دھارے کو بہت متاثر کیا۔
- دوسری جنگ عظیم (1939-1945): یہ جنگ پہلی جنگ عظیم سے حل نہ ہونے والے مسائل کے نتیجے میں ابھری۔ جنگ میں دو بڑے فوجی اتحاد شامل تھے: پہلا جن کی قیادت امریکہ، برطانیہ اور سوویت یونین جیسے ممالک کر رہے تھے۔ اور دوسرا، نازی جرمنی، اٹلی، جاپان کی قیادت میں۔ یہ جنگ جدید ہتھیاروں سے لڑی گئی، جس کی وجہ سے خاص طور پر یورپ اور ایشیا میں بڑے پیمانے پر تباہی اور جانی نقصان ہوا۔
- یہ جنگ 1945 میں جرمنی اور جاپان کے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کے ساتھ ختم ہوئی۔ اس کے نتیجے میں جرمنی کی تقسیم، امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان سرد جنگ کا آغاز، اقوام متحدہ کا قیام، اور تعمیر نو اور مفاہمت کی طرف وسیع پیمانے پر کوششیں ہوئیں۔
- سرد جنگ (1947-1991): امریکہ اور اس کے اتحادیوں (نیٹو) اور سوویت یونین اور اس کے اتحادیوں (وارسا معاہدہ) کے درمیان ایک طویل نظریاتی اور جغرافیائی سیاسی جدوجہد۔ روایتی جنگ نہ ہونے کے باوجود، اس نے کئی دہائیوں تک بین الاقوامی تعلقات کی تعریف کی اور پراکسی جنگوں، جوہری ہتھیاروں کی دوڑ، اور شدید نظریاتی مسابقت کو جنم دیا۔
- کورین جنگ (1950-1953): شمالی کوریا (چین اور سوویت یونین کے تعاون سے) اور جنوبی کوریا (اقوام متحدہ اور ریاستہائے متحدہ کے تعاون سے) کے درمیان لڑی گئی، اس تنازعے کے دیرپا اثرات مرتب ہوئے، بشمول تقسیم جزیرہ نما کوریا اور جاری کشیدگی۔
- ویتنام جنگ (1955-1975): کمیونسٹ شمالی ویتنام اور کمیونسٹ مخالف جنوبی ویتنام کے درمیان سرد جنگ کا پراکسی تنازعہ، جس میں امریکہ مؤخر الذکر کی حمایت کر رہا تھا۔ جنگ نے غیر متناسب جنگ کے چیلنجوں اور فوجی مداخلت کی حدود کو اجاگر کیا۔
- ایران-عراق جنگ (1980-1988): عراق اور ایران کے درمیان ایک تنازعہ جس کے علاقائی اور بین الاقوامی اثرات تھے۔ اس نے مشرق وسطیٰ میں طاقت کی حرکیات کو نئی شکل دی اور طویل تنازعات کے خطرات کو ظاہر کیا۔

- خلیجی جنگ (1991-1990): پہلی خلیجی جنگ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، یہ عراق کے کویت پر حملے کا ردعمل تھا۔ امریکہ کی قیادت میں ایک اتحاد نے عراقی افواج کو کویت سے باہر نکال دیا، لیکن اس کے نتیجے میں علاقائی استحکام پر طویل مدتی اثرات مرتب ہوئے۔
- بوسنیا کی جنگ (1995-1992): یوگوسلاویہ کے ٹوٹنے کا ایک حصہ، اس تنازعہ میں نسلی اور مذہبی کشیدگی شامل تھی۔ نیٹو اور اقوام متحدہ جیسی تنظیموں کے ذریعے بین الاقوامی مداخلت نے انسانی مداخلت کے لیے ابھرتے ہوئے نقطہ نظر کا مظاہرہ کیا۔
- روانڈا نسل کشی (1994): اگرچہ روایتی جنگ نہیں، اس نسل کشی نے بڑے پیمانے پر مظالم کو روکنے میں بین الاقوامی برادری کی ناکامی کو اجاگر کیا اور تحفظ کی ذمہ داری کے بارے میں بات چیت کو فروغ دیا۔
- عراق جنگ (2011-2003): ریاستہائے متحدہ کی قیادت میں اتحاد کے عراق پر حملے کے نتیجے میں حکومت کی تبدیلی اور جاری عدم استحکام، علاقائی سیاست اور عالمی سلامتی پر اہم مضمرات کے ساتھ۔

یہ مثالیں بین الاقوامی تعلقات میں تنازعات کی متنوع نوعیت اور عالمی سیاست، اتحاد اور طاقت کی حرکیات پر ان کے دور رس اثرات کو ظاہر کرتی ہیں۔

16.5 بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کے نظریات

(Theories of War in International Relations)

جنگ کی ابتداء کے مطالعہ نے مختلف نظریات کو جنم دیا ہے جو اس کے پیچیدہ اسباب کی وضاحت کی کوشش کرتے ہیں۔ پولیٹیکل سائنس اور بین الاقوامی تعلقات میں جڑے یہ نظریات الگ الگ وجوہات پیش کرتے ہیں جن کے ذریعے ہم ان وجوہات کو سمجھ سکتے ہیں جن کی وجہ سے قومیں تنازعات میں ملوث ہیں۔ ان میں سے کچھ نمایاں نظریات مندرجہ ذیل ہیں:

- حقیقت پسندی (Realism): حقیقت پسندانہ نظریات کا استدلال ہے کہ ریاستوں کے تعاملات کی انار کی نوعیت کی وجہ سے تنازعات اور جنگ بین الاقوامی نظام میں موروثی ہیں۔ ریاستیں اپنی سلامتی اور بقا کو ترجیح دیتی ہیں، جو اکثر مسابقت اور تصادم کا باعث بنتی ہیں۔ تھوسیڈائڈس جیسے کلاسک حقیقت پسند اور کینتھ والٹز جیسے جدید حقیقت پسند اہم عوامل کے طور پر طاقت کی جدوجہد اور طاقت کی حرکیات کے توازن پر زور دیتے ہیں۔
- لبرل ازم (Liberalism): لبرل نظریات جنگ کو روکنے میں ملکی اور بین الاقوامی اداروں کے کردار کے ساتھ ساتھ معاشی باہمی انحصار پر بھی زور دیتے ہیں۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ مشترکہ اصولوں اور شفافیت کی وجہ سے جمہوریتوں کے ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں جانے کا امکان کم ہوتا ہے۔

- تعمیر پسندی(Constructivism): تعمیری نظریات اس بات پر مرکوز ہیں کہ شناخت، نظریات اور اصول ریاستوں کے طرز عمل کو کس طرح تشکیل دیتے ہیں۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ جنگ غلط فہمیوں کے ساتھ ساتھ خود مختاری، قوم پرستی اور شناخت کے بارے میں بدلتے ہوئے خیالات سے پیدا ہو سکتی ہے۔
- مارکسزم(Marxism): مارکسی نظریات جنگ کو معاشی عوامل کے نتیجے میں دیکھتے ہیں، جیسے وسائل اور منڈیوں کے لیے مسابقت۔ وہ جنگوں کو بھڑکانے میں سرمایہ داری اور طبقاتی جدوجہد کے کردار کو موردالزام ٹھہراتے ہیں۔
- سیکیورٹی ڈلیما(Security Dilemma): یہ تصور اپنے طور پر کوئی نظریہ نہیں ہے بلکہ حقیقت پسندی کے اندر اکثر زیر بحث آنے والا واقعہ ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ کس طرح ایک ریاست کی جانب سے اپنی سلامتی کو بڑھانے کے لیے کیے جانے والے اقدامات کو دوسری ریاستوں کے لیے خطرہ سمجھا جا سکتا ہے، جس سے ہتھیاروں اور عدم اعتماد کا ایک بڑھتا ہوا دور شروع ہو جاتا ہے۔
- ڈیموکریٹک پیس تھیوری(Democratic Peace Theory): یہ نظریہ بتاتا ہے کہ جمہوریتوں کے ایک دوسرے کے ساتھ جنگ لڑنے کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ وہ مشترکہ اصولوں،اقدار اور فیصلہ سازی کے عمل میں شریک ہوتے ہیں۔
- طاقت کا توازن(Balance of Power Theory): یہ نظریہ دلیل دیتا ہے کہ ریاستیں طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے خود کو صف بندی کریں گی اور کسی ایک ریاست کو بہت زیادہ غالب ہونے سے روکیں گی، جو جارحیت کا باعث بن سکتی ہے۔
- گیم تھیوری(Game Theory): اکثر بین الاقوامی تعلقات پر لاگو ہوتا ہے، گیم تھیوری اس بات کی کھوج کرتی ہے کہ عقلی اداکار مسابقتی حالات میں اسٹریٹجک فیصلے کیسے کرتے ہیں۔ یہ تنازعات اور تعاون کی حرکیات کے بارے میں بصیرت فراہم کرتا ہے۔
- بحران عدم استحکام کا نظریہ(Crisis Instability Theory): یہ نظریہ بتاتا ہے کہ شدید جذبات، محدود معلومات،اور فیصلہ سازی کے لیے کم وقت کی وجہ سے بحران کے وقت تنازعات کے بڑھنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔
- احتیاطی جنگ کا نظریہ(Preventive War Theory): یہ نظریہ بتاتا ہے کہ ریاستیں کسی دوسری ریاست کو اقتدار حاصل کرنے یا مستقبل میں خطرہ بننے سے روکنے کے لیے جنگ کا سہارا لے سکتی ہیں۔

یہ نظریات بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کی پیچیدہ اور کثیر جہتی نوعیت کے بارے میں مختلف نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔ وہ اسکالرز اور پالیسی سازوں کو ان بنیادی وجوہات اور حرکیات کو سمجھنے میں مدد کرتے ہیں جو تنازعات کا باعث بن سکتے ہیں اور جنگوں کو روکنے کی کوششوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

16.6 جنگ کو روکنے میں بین الا قوامی اداکاروں کا کردار

(Role of International Actors in Preventing or Resolving conflicts)

بین الاقوامی اداکار، جیسے ریاستیں، بین الاقوامی تنظیمیں، اور غیر سرکاری تنظیمیں، تنازعات کو روکنے اور حل کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کی کوششوں میں اکثر سفارتی مذاکرات، ثالثی، قیام امن اور انسانی امداد شامل ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ کس طرح تعاون کرتے ہیں:

- سفارت کاری اور ثالثی(Diplomacy and Mediation): بین الاقوامی اداکار متضاد فریقوں کے درمیان بات چیت اور مذاکرات میں سہولت فراہم کر سکتے ہیں۔ ثالث، جو اکثر غیر جانبدار ممالک یا بین الاقوامی تنظیموں سے ہوتے ہیں، پرامن حل کے حصول کے مقصد سے، خلا کو پر کرنے اور مشترکہ بنیاد تلاش کرنے میں تعاون کرتے ہیں۔
- تنازعات کا حل اور امن کے معاہدے(Conflict Resolution and Peace Agreements): بین الاقوامی اداکار امن معاہدوں کو ڈیزائن اور نافذ کرنے میں مدد کرتے ہیں جو تنازعات کے خاتمے کے لیے شرائط کا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ یہ معاہدے جنگ بندی، تخفیف اسلحہ، طاقت کی تقسیم، اور تنازعات کے بعد کی حکمرانی جیسے مسائل کو حل کرتے ہیں۔
- امن اور اس کا نفاذ(Peacekeeping and Peace Enforcement): اقوام متحدہ اور علاقائی تنظیمیں جنگ بندی کی نگرانی، بفر زون بنانے، اور عام شہریوں کی حفاظت کے لیے امن فوج کو تنازعہ والے علاقوں میں تعینات کرتی ہیں۔ بعض صورتوں میں امن وامان کی بحالی کے لیے امن نافذ کرنے والے آپریشن کیے جاتے ہیں۔
- انسانی امداد(Humanitarian Assistance): بین الاقوامی اداکار تنازعات سے متاثرہ آبادیوں کو خوراک، پناہ گاہ، طبّی دیکھ بھال اور تعلیم کی پیشکش کرتے ہیں۔ یہ امداد نہ صرف جانیں بچاتی ہے بلکہ استحکام اور مفاہمت کے حالات بھی پیدا کر سکتی ہے۔
- پابندیاں اور سفارتی دباؤ(Sanctions and Diplomatic Pressure): ریاستیں اور بین الاقوامی تنظیمیں تنازعات کو پرامن طریقے سے حل کرنے کے لیے فریقین کو ترغیب دینے کے لیے اقتصادی پابندیاں عائد کر سکتی ہیں یا سفارتی دباؤ کا اطلاق کر سکتی ہیں۔ پابندیاں اہم افراد یا اداروں کو نشانہ بنا سکتی ہیں اور تنازعات کو آگے بڑھانے کی ان کی صلاحیت کو محدود کر سکتی ہیں۔
- ثالثی اور بین الاقوامی عدالتیں(Arbitration and International Courts): بین الاقوامی عدالتیں اور ثالثی کے طریقہ کار تنازعات کے حل کے لیے غیر جانبدارانہ پلیٹ فارم پیش کرتے ہیں۔ بین الاقوامی عدالت انصاف اور دیگر ٹربیونلز ریاستوں کے درمیان تنازعات کو حل کرنے کے لیے قانونی راستے فراہم کرتے ہیں۔

- ٹریک II ڈپلومیسی(Track II Diplomacy): غیر سرکاری اداکار، جیسے کہ تعلیمی ماہرین، این جی اوز، اور مذہبی رہنما، "ٹریک II ڈپلومیسی" میں مشغول ہوتے ہیں تاکہ بات چیت کے لیے غیر رسمی ذرائع فراہم کیے جا سکیں اور متضاد فریقوں کے درمیان اعتماد پیدا کیا جا سکے۔
- تنازعات کی روک تھام کے اقدامات(Conflict Prevention Initiatives): بین الاقوامی اداکار تنازعات کی بنیادی وجوہات جیسے کہ غربت، عدم مساوات اور سیاسی اخراج کو حل کرنے کے لیے فعال طور پر کام کرتے ہیں۔ ان کوششوں کا مقصد کشیدگی کو تشدد میں بدلنے سے روکنا ہے۔
- مفاہمت اور تنازعات کے بعد کی تعمیر نو(Reconciliation and Post-Conflict Rebuilding): بین الاقوامی اداکار تنازعات کے بعد کی مفاہمت کی کوششوں کی حمایت کرتے ہیں، کمیونٹیز کو ٹھیک کرنے اور دوبارہ تعمیر کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ وہ بنیادی ڈھانچے کی تعمیر نو، ضروری خدمات کی بحالی، اور سابق جنگجوؤں کو دوبارہ متحد کرنے میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔
- کرائسز مینجمنٹ اور ابتدائی انتباہ(Crisis Management and Early Warning): بین الاقوامی اداکار ممکنہ تنازعات کی جلد شناخت کرنے کے لیے دنیا بھر کے حالات کی نگرانی کرتے ہیں۔ وہ پالیسی سازوں کو تجزیہ اور معلومات فراہم کرتے ہیں، بروقت مداخلت اور بحران کے انتظام کی اجازت دیتے ہیں۔
- گڈ گورننس اور ڈیموکریسی کو فروغ دینا(Promoting Good Governance and Democracy): جمہوری عمل اور گڈ گورننس کی حمایت کر کے، بین الاقوامی اداکار سیاسی استحکام میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں اور اندرونی تناؤ سے پیدا ہونے والے تنازعات کے امکانات کو کم کر سکتے ہیں۔
- ثقافتی اور بین المذاہب مکالمہ(Cultural and Interfaith Dialogue): مختلف ثقافتی، نسلی اور مذہبی گروہوں کے درمیان مکالمے کو فروغ دینے سے غلط فہمیوں کو کم کرنے اور رواداری کو فروغ دینے، پرامن بقائے باہمی کے حالات کو فروغ دینے میں مدد مل سکتی ہے۔

ان بین الاقوامی اداکاروں کی اجتماعی کوششیں تنازعات کو روکنے اور حل کرنے اور ایک زیادہ مستحکم اور پرامن دنیا کی تعمیر میں عالمی تعاون کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔

16.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد ہم نے

- بین الا قوامی تعلقات کی جنگ اور اس کے اسباب کو سمجھا۔
- بین الا قوامی تعلقات میں جنگ کے نتائج سے باخبر ہوئے۔
- بین الا قوامی تعلقات میں کچھ اہم جنگوں سے واقف ہوئے۔
- بین الا قوامی تعلقات میں جنگ کے کچھ ہم نظریات کو جانا۔
- جنگ کو روکنے میں بین الا قوامی اداکاروں کے کردار کا تجزیہ کو سمجھا۔

16.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

پراکسی وار

اپراکسی جنگ ایک تنازعہ ہے جہاں دو یا دو سے زیادہ مخالف طاقتیں تیسرے فریق کو استعمال کرتی ہیں، جیسے چھوٹے ممالک یا باغی گروپ، اپنی طرف سے لڑنے کے لیے۔ اہم کھلاڑی ایک دوسرے کے ساتھ براہ راست لڑائی میں شامل نہیں ہوتے ہیں بلکہ اس کے بجائے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان پراکسیوں کی حمایت کرتے ہیں اور اکثر جوڑ توڑ کرتے ہیں۔ یہ ایک شطرنج کے کھیل کی طرح ہے جہاں کھلاڑی ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے پیادوں کا استعمال کرتے ہیں۔

نیٹو

16.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

16.9.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ کون سی اصطلاح ان تنازعات سے مراد ہے جہاں دو یا دو سے زیادہ مخالف طاقتیں تیسرے فریق کو اپنی طرف سے لڑنے کے لیے استعمال کرتی ہیں؟

(a) پراکسی وار　　(b) خانہ جنگی

(c) نظریاتی جنگ　　(d) گوریلا جنگ

2۔ کون سا نظریہ تجویز کرتا ہے کہ قومیں طاقت اور سلامتی کے لیے مقابلہ کرتی ہیں، جو اکثر تنازعات کا باعث بنتی ہیں؟

(a) لبرلزم (b) تعمیر پسندی

(c) حقیقت پسندی (d) آیئڈیالزم

3۔ سرد جنگ بنیادی طور پر کن دو عالمی طاقتوں کے درمیان ہوئی تھی؟

(a) ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ (b) امریکہ اور سوویت یونین

(c) برطانیہ اور سوویت یونین (d) برطانیہ اور چین

4۔ کوریائی جنگ کن دو ملکوں کے درمیان واقع ہوئی؟

(a) شمالی کوریا اور جنوبی کوریا (b) شمالی کوریا اور چین

(c) جنوبی کوریا اور چین (d) شمالی کوریا اور جاپان

5۔ ورسائی کا معاہدہ، جس نے پہلی جنگ عظیم ختم کی، اس میں دستخط کیے گئے:

(a) 1917 (b) 1922

(c) 1945 (d) 1999

6۔ کون سا نظریہ دلیل دیتا ہے کہ جمہوریتوں کے ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں جانے کے امکانات کم ہوتے ہیں؟

(a) قوم پرستی (b) حقیقت پسندی

(c) لبرل ازم (d) طاقت کا توازن

7۔ 1990-1991 میں خلیجی جنگ میں عراقی قبضے سے کس ملک کی آزادی شامل تھی؟

(a) سعودی عرب (b) کویت

(c) ایران (d) شام

8۔ پہلی جنگ عظیم یہاں تک جاری رہی

(a) 1914-18 (b) 1939-45

(c) 1948-50 (d) 1950-55

9۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سپر پاور کون بنا؟

(a) روس　　　(b) چین

(c) امریکہ　　　(d) برطانیہ

10۔ اصطلاح "سیکیورٹی ڈیلما" سے مراد ایسی صورت حال ہے جہاں:

(a) ممالک پراکسی جنگوں میں ملوث ہیں۔

(b) ڈپلومیسی تنازعات کو حل کرنے میں ناکام رہتی ہے۔

(c) سیکیورٹی بڑھانے کے لیے ایک ملک کی اپنی کوششیں دوسروں کے مقابلے کم محسوس کرتی ہیں۔

(d) ممالک جنگ کو روکنے کے لیے اتحاد بناتے ہیں۔

16.9.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سرد جنگ کے دوران امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان بنیادی نظریاتی اختلافات کیا تھے؟
2. پراکسی وار کیا ہے؟ وضاحت کیجیئے۔
3. بین الاقوامی تعلقات میں "طاقت کے توازن" کا تصور کیا ہے؟ لکھیئے۔
4. جنگوں اور تنازعات کو روکنے میں اقوام متحدہ کی کیا اہمیت ہے؟ قلمبند کیجئے۔
5. دوسری جنگ عظیم کے بڑے مخالف اتحاد پر ایک مختصر نوٹ لکھئے۔

16.9.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. جنگ اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ ایک تفصیلی نوٹ لکھئے۔
2. بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کے کچھ اہم نظریات پر تفصیلی روشنی ڈالیئے۔
3. جنگ کو روکنے میں بین الاقوامی اداکاروں کے کردار کا تجزیہ کیجئے۔

16.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Acharya, A. (2014). The End of American World Order. Polity
2. Mukherjee, R. (2015). India in the First World War: A Forgotten Contribution. Sage Publications

3. Ghose, S. (2015). Grand Illusion: The Making of an American World Order. Random House India.
4. Dasgupta, S. (2016). World War II: A New History. Penguin Books India.
5. Menon, V. P. (2016). Choices: Inside the Making of India's Foreign Policy. Brookings Institution Press India
6. Ganguly, S. (2018). India Since 1980. Cambridge University Press India.
7. Singh, S. (2016). The Modi Doctrine: New Paradigms in India's Foreign Policy. Wisdom Tree.
8. Puri, H. (2016). Perilous Interventions: The Security Council and the Politics of Chaos. HarperCollins India
9. Pant, H. V., & Taneja, N. (Eds.). (2019). Does India Think Strategically? India's Strategic Culture and Foreign Policy. Oxford University Press
10. Bajpai, K., & Muni, S. D. (Eds.). (2013). India's Changing World: India and the Major Powers. Routledg
11. Sardesai, D. R. (2014). Southeast Asia: Past and Present (6th ed.). Westview Press.

اکائی 17۔ سرد جنگ

(Cold War)

اکائی کے اجزا:

17.0 تمہید
17.1 مقاصد
17.2 سرد جنگ کی ابتدا
17.3 سرد جنگ کا مفہوم
17.4 سرد جنگ کیا ہے؟
17.5 سرد جنگ کی وجوہات
17.6 سرد جنگ کے مختلف مراحل
17.7 سرد جنگ میں ایشائی اور افریقی مملکت کا کردار
17.8 سرد جنگ کا نتیجہ
17.9 اکتسابی نتائج
17.10 کلیدی الفاظ
17.11 نمونہ امتحانی سوالات
17.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
17.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
17.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
17.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

17.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء! دوسری جنگ عظیم کے بعد، امریکہ اور یو ایس ایس آر دو عظیم طاقت بن کر اُبھرے۔ ایک قوم نے دوسرے کی طاقت کو کم کرنے کی کوشش کی۔ بالواسطہ عظیم طاقتوں کے مابین مقابلہ سرد جنگ کا باعث بنی۔ پھر امریکہ نے تمام سرمایہ دارانہ ممالک کی قیادت اختیار حاصل کی۔ سوویت روس نے تمام کمیونسٹ ممالک کی قیادت حاصل کی۔ جس کے نتیجے میں دونوں ایک دوسرے کے حریفوں کی حیثیت سے کھڑے تھے۔ ہارٹ مین کی گرافک زبان میں، ''سرد جنگ ان ممالک کے مابین تناؤ کی حالت ہے جس میں اس کی طرف سے پالیسیوں کو اپنایا گیا ہے جو اس کو مضبوط بنانے کے لئے بنائی گئی ہے اور دوسرے کو کمزور کرنے کے ہے''۔ در حقیقت سرد جنگ ایک قسم کی زبانی جنگ ہے جو اخبارات، رسالوں، ریڈیو اور دیگر پروپیگنڈوں کے طریقوں کے ذریعے لڑی جاتی ہے۔ یہ ایک پروپیگنڈا ہے جس میں ایک عظیم طاقت دوسرے طاقت کے خلاف اختیار کرتی ہے۔ یہ ایک طرح کی سفارتی جنگ بھی ہے۔

17.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ،

- سرد جنگ کیا ہے؟ اس کا مطالعہ کریں گے۔
- سرد جنگ کے معنی و مفہوم سمجھیں گے۔
- سرد جنگ کے وجوہات اور مختلف مراحل کو سمجھیں گے۔
- سرد جنگ کے اہم واقعات کا مطالعہ کریں گے۔
- سرد جنگ کے نتائج کا جائزہ لیں گے۔
- سرد جنگ میں ایشیائی اور افریقی ریاستوں کا کردار سے واقف ہوں گے۔

17.2 سرد جنگ کی ابتدا (Origin of Cold War)

سرد جنگ کی ابتدا کے بارے میں اسکالرز میں کوئی اتفاق رائے نہیں ہے جب ہٹلر نے روس پر حملہ کیا تو، امریکہ کے صدر 1941 میں روز ویلٹ نے روس کو اسلحہ بھیجے۔ یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ روز ویلٹ اور اسٹالن کے مابین تعلقات بہت اچھے تھے۔ لیکن جرمنی کی شکست کے بعد، جب اسٹالن پولینڈ، ہنگری، بلغاریہ اور رومانیہ میں کمیونسٹ نظریہ کو نافذ کرنا چاہتے تھے تو اس وقت انگلینڈ اور امریکہ نے اسٹالن کو شک کے نظریے سے دیکھا۔ 5 مارچ 1946 کو اپنی ''فلٹن تقریر'' میں انگلینڈ کے وزیر اعظم ونسٹن چرچل نے کہا کہ سوویت روس کو لوہے

کے پردے(Iron curtain) سے احاطہ کیا گیا تھا۔اس کی وجہ سے اسٹالن سوچنے پر مجبور کیا گیا۔اس کے نتیجے میں سوویت روس اور مغربی ممالک کے مابین شک وشبہ مزید وسیع ہو گیااور اس طرح سرد جنگ نے جنم لیا۔

17.3 سرد جنگ کیا ہے؟ (What is Cold War)

جوں جوں دوسری جنگ عظیم اپنے اختتام کو پہنچی، وہ ہم آہنگی جو USSR اور USA اور برطانوی سلطنت کے درمیان موجود تھی ختم ہونے لگی اور پرانے شبہات پھر سے کھلنے لگے۔ سوویت روس اور مغرب کے درمیان تعلقات جلد ہی اتنے مشکل ہو گئے کہ اگرچہ دو مخالف کیمپوں کے درمیان براہ راست کوئی حقیقی مسلح تصادم نہیں ہوا، 1945 کے بعد کی دہائی میں سردی کا پہلا مرحلہ دیکھنے میں آیا۔

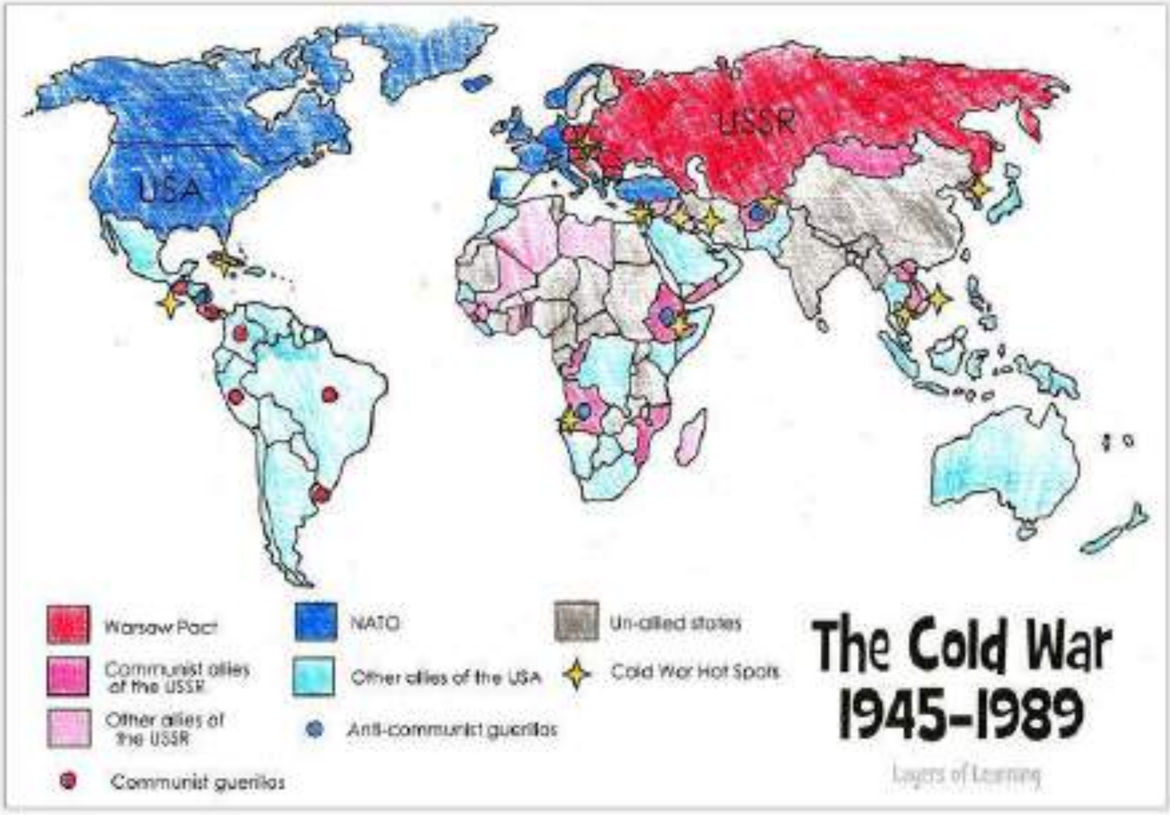

جنگ جو 1980 کی دہائی میں کئی 'تھاؤز' کے باوجود جاری رہی۔ سرد جنگ کا مطلب یہ تھا کہ مسلح تصادم میں اپنی باہمی دشمنی کو ظاہر کرنے کی بجائے دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر پروپیگنڈے اور معاشی اقدامات اور عدم تعاون کی عمومی پالیسی کے ساتھ حملہ کیا۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ، اس کے نیٹو اتحادیوں اور کچھ دیگر پر مشتمل مغربی بلاک کے درمیان فوجی اور سیاسی تناؤ کی حالت اور دوسری جنگ عظیم کے بعد 'وارسا معاہدے' سے اس کے اتحادیوں کے ساتھ سوویت یونین پر مشتمل مشرقی بلاک کی طاقتوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سرد جنگ۔ "سرد" کی اصطلاح بڑی علاقائی جنگوں کے باوجود دونوں مخالفین کے درمیان براہ راست بڑے پیمانے پر لڑائی کی عدم موجودگی کو ظاہر کرتی ہے، جسے'

پراکسی وار' کہا جاتا ہے، جسے دونوں فریقوں کی حمایت حاصل ہے۔ سرد جنگ کے نتیجے میں یو ایس ایس آر اور یو ایس اے دو عظیم طاقت کے طور پر رہ گئے تھے جو کہ سیاسی اور معاشی اختلافات کے باعث نازی جرمنی کے خلاف جنگ کے وقت کے عارضی اتحاد کو الگ کر دیتے تھے۔ سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان ہونے والی سرد جنگ کئی دہائیوں تک جاری رہی۔ 1948-1953 کے عرصے میں سرد جنگ اپنے عروج پر تھی۔ 1953 سے 1957 کے درمیان جنگی تناؤ میں کچھ نرمی آئی۔ یہ نرمی وارسا معاہدہ، 1955 کی وجہ سے ممکن ہوا۔ 1958-1962 کے دوران سرد جنگ پھر سے شدید ہو گئی۔

17.4 سرد جنگ کا مفہوم (Meaning of Cold War)

'سرد جنگ' کی اصطلاح پہلی بار ایک امریکی سیاستدان برنارڈ بارچ نے استعمال کی تھی اور اسے فوراً پروفیسر لپ مین نے اس صورت حال کو بیان کرنے کے لیے اٹھایا تھا جو 1947 کے موسم بہار تک مغربی طاقتوں اور سوویت یونین کے درمیان پیدا ہوئی تھی۔

اس ترقی کا پہلا اشارہ ونسٹن چرچل نے اپنی فلٹن تقریر میں دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں، "اگر مغربی جمہوریتیں اقوام متحدہ کے چارٹر کے اصولوں پر سختی سے عمل پیرا رہیں تو ان اصولوں کو آگے بڑھانے کے لیے ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہوگا اور کوئی بھی ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا امکان نہیں رکھتا۔ تاہم، اگر وہ تقسیم ہو جائیں یا اپنے فرض میں کوتاہی کریں اور اگر ان تمام اہم سالوں کو ضائع ہونے دیا جائے، تو یقیناً تباہی ہم سب پر غالب آسکتی ہے۔" انہوں نے روسی بربریت کے خلاف جنگ کے بعد کی جدوجہد کے ناگزیر ہونے کی پیشن گوئی کی تھی۔

سرد جنگ دوسری عالمی جنگ کا نتیجہ ہے۔ لیکن سرد جنگ کوئی نئی خصوصیت نہیں ہے۔ یہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی اس نے وسیع جہت اختیار کی۔

سرد جنگ کی تعریف کرتے ہوئے، ہارٹ مین نے لکھا ہے، "سرد جنگ ممالک کے درمیان تناؤ کی ایک ایسی حالت ہے جس میں ہر فریق اپنے آپ کو مضبوط کرنے اور دوسرے کو حقیقی جنگ سے محروم کر کے کمزور کرنے کے لیے بنائی گئی پالیسیاں اپناتا ہے۔"

فلیمنگ سرد جنگ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ ایک ایسی جنگ ہے جو میدان جنگ میں نہیں بلکہ مردوں کے ذہنوں میں لڑی جاتی ہے۔" اور ایک دوسرے کے دماغ پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہے۔

سرد جنگ میں کبھی جنگ کا اعلان نہیں کیا جاتا اور ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات برقرار رہتے تھے۔ سرد جنگ میں کچھ فوجی تصادم اور جانی نقصان شامل نہیں تھا، بلکہ یہ ایک نفسیاتی جنگ تھی جس کا مقصد دشمن کے اثر و رسوخ کے علاقے کو کم کرنا اور اپنے کیمپ کے پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ کرنا تھا۔ سرد جنگ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان دو قطبی تصادم تھی لیکن اس میں دو عظیم پاورز کے اتحادی یا سیٹلائٹ بھی شامل تھے۔ سرد جنگ کو دو نظریات اور دو کے درمیان تصادم کے طور پر بھی سمجھا جاتا ہے۔

17.5 سرد جنگ کی وجوہات (Reasons of Cold War)

سرد جنگ کے پھیلنے کے لئے مختلف وجوہات ہیں۔ پہلے تو، سوویت روس اور امریکہ کے درمیان فرق سرد جنگ کا باعث بنی۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ سوویت روس کے کمیونسٹ نظریہ کو برداشت نہیں کرتا۔ تو وہیں دوسری طرف، روس دوسرے یورپی ممالک پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کے غلبے کو قبول نہیں کرسکا۔ دوم، دونوں عظیم طاقتوں کے مابین اسلحہ کی دوڑ نے سرد جنگ کی ایک اور وجہ پیش کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد، سوویت روس نے اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کیا تھا جو مغربی ممالک کے لئے خطرہ تھا۔ چنانچہ امریکہ نے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور دیگر مہلک ہتھیاروں کی تیاری شروع کردی۔ دوسرے یورپی ممالک نے بھی اس دوڑ میں حصہ لیا۔ لہذا، پوری دنیا دو طاقت گروہ میں تقسیم ہو کر سرد جنگ کی راہ ہموار کی۔ تیسرا، نظریاتی فرق سرد جنگ کی ایک اور وجہ تھی۔ جب سوویت روس نے کمیونزم کو پھیلایا تو، اس وقت امریکہ نے سرمایہ داری کو فروغ دیا۔ اس پروپیگنڈے نے بالآخر سرد جنگ میں تیزی لائی۔ چہارم، روسی اعلامیہ نے سرد جنگ کی ایک اور وجہ بنائی۔ سوویت روس نے ماس میڈیا میں کمیونزم پر روشنی ڈالی اور مزدور انقلاب کی حوصلہ افزائی کی۔ دوسری طرف، امریکہ نے کمیونزم کے خلاف سرمایہ داروں کی مدد کی۔ تو اس نے سرد جنگ کی ترقی میں مدد کی۔ پانچویں، امریکہ کا جوہری پروگرام سرد جنگ کے ایک اور مقصد کے لئے ذمہ دار تھا۔ امریکہ نے 6 اور 9 اگست 1945 کو جاپان کے ہیروشیما اور ناگاساکی کے اُوپر بمباری کے بعد سوویت یونین اپنے وجود کو لیکر کافی خوفزدہ ہوا۔ لہذا اس نے امریکہ کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی اسی راستے پر عمل کیا۔ جس کی وجہ سے سرد جنگ میں اضافہ ہوا۔ آخر میں، مغربی ممالک کے خلاف سوویت روس کا ویٹو کے استعمال نے اُنہیں روس سے نفرت بڑھانے کا کام کیا۔ جب مغربی ممالک نے یو این او کی سلامتی کونسل میں کوئی نظریہ پیش کیا تو سوویت روس نے فوراً ہی ویٹو کے ذریعے اُس کی مخالفت کی۔ چنانچہ مغربی ممالک سوویت روس کے اس قدم سے ناراض ہو گئے جس نے سرد جنگ کو عروج دینے کا کام کیا۔

17.6 سرد جنگ کے مختلف مراحل (Various Phases of Cold War)

سرد جنگ کی شروعات ایک دن میں نہیں ہوئی بلکہ یہ کئی مراحل سے گزرا۔

پہلا مرحلہ (First Phase)(1946-1949)

اس مرحلے میں امریکہ اور سوویت روس نے ایک دوسرے کو رقیب کی طرح دیکھا۔ امریکہ نے ہمیشہ روس میں ریڈ حکومت پر قابو پانے کی کوشش کی۔ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سوویت روس نے پولینڈ، بلغاریہ، رومانیہ، ہنگری، یوگوسلاویہ اور دیگر مشرقی یورپی ممالک میں جمہوریت کو ختم کر کے کمیونزم قائم کیا۔ روس کے تسلط کو کم کرنے کے لئے ، امریکہ نے 12 مارچ 1947 کو نافذ ہونے والے ٹرومین نظریے (Truman doctrine) کی پیروی کرتے ہوئے یونان اور ترکی کی مدد کی۔ 'مارشل پلان' کے مطابق، جس کا اعلان 5 جون 1947 کو کیا گیا تھا، امریکہ نے مغربی یورپی ممالک کو مالی مدد فراہم کی۔ اس مرحلے میں، سوویت روس کے ذریعہ ایران سے فوج کی واپسی،

برلن بلوکیڈ وغیرہ نے سردی کی وجہ سے زیادہ غصہ تھا۔1949 میں نیٹوNorth Atlantic Treaty Organization کی تشکیل کے بعد سرد جنگ میں کچھ روک لگی۔

دوسرا مرحلہ(Second Phase)(1949-1953)

اس مرحلے میں ستمبر، 1951 میں آسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور امریکہ کے مابین ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے جو 'انزوس ٹریٹی' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ امریکہ نے بھی 8 ستمبر 1951 کو جاپان کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے۔ اس وقت روس اور چین کی آرمی سے اسلحہ لے کر، شمالی کوریا نے جنوبی کوریا کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ پھر یو این او کی مدد سے، امریکہ نے جنوبی کوریا کو فوجی امداد بھیجی۔ تاہم، شمالی کوریا اور جنوبی کوریا دونوں نے 1953 میں ایک امن معاہدے پر دستخط کیے جس سے جنگ کا خاتمہ ہوا۔ سوویت کمیونزم کے اثرات کو کم کرنے کے لئے، امریکہ نے کمیونزم کے خلاف پروپیگنڈے میں ڈالر کی ایک بہت بڑی رقم خرچ کی۔ دوسری طرف، سوویت روس نے ایٹم بم کی ٹیسٹ کرکے امریکہ کے برابر میں رہنے کی کوشش کی۔

تیسرا مرحلہ(Third Phase)(1953-1957)

اس مرحلہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ نے سوویت روس کے اثر ورسوخ کو کم کرنے کے لئے 1954 میں سیٹو(SEATO) تشکیل دیا۔ 1955 میں امریکہ نے مشرق وسطی میں میڈو(MEADOW) تشکیل دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں، امریکہ نے 43 ممالک کو فوجی امداد دی اور سوویت روس کے آس پاس 3300 فوجی اڈے تشکیل دیئے۔ اور اس وقت، ویتنامی جنگ کا آغاز 1955 میں ہوا۔ امریکی اقتدار کو کم کرنے کے لئے، روس نے بھی 1955 میں وارسا معاہدے پر دستخط کیے۔ روس نے بھی 12 ممالک کے ساتھ دفاعی معاہدے پر دستخط کیے۔ جرمنی کو وفاقی جمہوریہ جرمنی میں تقسیم کیا گیا تھا جو امریکی کنٹرول میں تھا جہاں جرمن جمہوریہ سوویت روس کے تحت تھا۔ 1957 میں سوویت روس نے اپنے دفاعی پروگرام میں اسفوتنک کو شامل کیا۔ 1953 میں اسٹالن کا انتقال ہو گیا اور خروش شیف روس کے صدر بنے۔ 1956 میں امریکہ اور روس کے مابین سوئز بحران کے بارے میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ امریکہ نے انگلینڈ اور فرانس جیسے اپنے اتحادیوں کی مدد نہ کرنے پر اتفاق کیا۔ درحقیقت مغربی ایشیاء کو ایک بہت بڑا خطرہ سے بچایا گیا تھا۔

چوتھا مرحلہ:(Fourth Phase)(1957-1962)

1959 میں روسی صدر خروش شیف ایک تاریخی دورے پر امریکہ گئے۔ دونوں ممالک U-2 حادثے اور برلن کے بحران سے ناراض تھے۔ 13 اگست 1961 میں، سوویت روس نے مشرقی برلن سے مغربی برلن تک امیگریشن کی جانچ پڑتال کے لئے 25 کلومیٹر کی ایک برلن دیوار بنائی۔ 1962 میں، کیوبا کے میزائل بحران نے سرد جنگ میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس واقعے نے امریکی صدر کینیڈی اور روسی صدر خروش شیف کے مابین گفتگو کا ماحول پیدا کیا۔ امریکہ نے روس کو یقین دلایا کہ وہ کیوبا پر حملہ نہیں کرے گا اور اس کے عوض روس نے بھی کیوبا سے میزائل اسٹیشن واپس لینے کا اعلان کیا۔

پانچواں مرحلہ(Fifth Phase)(1962-1969)

پانچواں مرحلہ جو1962 سے شروع ہوا تھااس نے بھی امریکہ اور یوایس ایس آر کے مابین باہمی شبہ کا نشانہ بنایا۔جوہری ہتھیاروں پر پابندی کا مطالبہ کرنے والی دنیا بھر میں ایک تشویش تھی۔اس عرصے میں وائٹ ہاؤس اور کریملن کے مابین ہاٹ لائن قائم کی گئی تھی۔اس سے دونوں فریقوں کو ایٹمی جنگ سے باز رہنے پر مجبور کیا گیا۔اس کے باوجود ویتنام کے مسئلے اور جرمنی میں ہونے والے مسئلے نے حقیقت میں امریکہ اور یو ایس ایس آر کے مابین سرد جنگ کو برقرار رکھا۔

چھٹا مرحلہ(Sixth Phase)(1969-1978)

1969 سے شروع ہونے والے اس مرحلے کو امریکہ اور یوایس ایس آر کے مابین ڈیٹینٹ نے نشان زدہ کیا-امریکی صدر نکسن اور روسی صدر بریزنیف نے سرد جنگ کو ختم کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا۔1972 کا سالٹ، 1975 کی سلامتی سے متعلق سمٹ کانفرنس 'ہیلسنکی اور 1978 کی بیلگریڈ کانفرنس میں امریکہ اور روس ایک دوسرے کے قریب آئے۔ 1971 میں، امریکی سکریٹری خارجہ ہنری کسنجر نے چین کے ساتھ ریپروچمنٹ کے امکانات کو تلاش کرنے کے لئے چین کا خفیہ دورہ کیا۔ڈیاگو گارسیا کو فوجی اڈے میں تبدیل کرنے کے لئے امریکی اقدام بنیادی طور پر بحر ہند میں سوویت کی موجودگی کی جائزہ لینے کے لئے ڈیزائن کیا گیا تھا۔1971 کے بنگلہ دیش کے بحران اور 1973 کی مصر اسرائیل جنگ کے دوران، دو عظیم پاورز نے مخالف فریقوں کی حمایت میں توسیع کی۔

آخری مرحلہ(Last phase)(1979-1987)

اس مرحلے میں سرد جنگ میں کچھ تبدیلیاں دیکھی گئیں۔یہی وجہ ہے کہ مورخین اس مرحلے کو 'نئی سرد جنگ' کہتے ہیں۔ 1979 میں، امریکی صدر کارٹر اور روسی صدر بریزنیف نے سالٹ II پر دستخط کیے۔ لیکن 1979 میں سرد جنگ کو کم کرنے کے امکانات افغانستان میں اچانک ترقی کی وجہ سے متاثر ہوئے۔ ویتنام (1975)، انگولا (1976)، ایتھوپیا(1972) اور افغانستان (1979) کے امور روس کو کامیابی کے لئے سامنے لائے جو امریکہ کے لئے ناقابل برداشت تھا۔امریکی صدر کارٹر کے انسانی حقوق اور کھلی سفارت کاری پر روس نے تنقید کی۔امریکی سینیٹ کے ذریعہ SALT-II کی توثیق نہیں کی گئی تھی۔1980 میں امریکہ نے ماسکو میں منعقدہ اولمپک کا بائیکاٹ کیا۔

Save translation1983 میں روس امریکہ کے ساتھ میزائل پر ایک گفتگو سے دستبردار ہو گیا۔1984 میں روس نے لاس اینجلس میں منعقدہ اولمپک کھیل کا بائیکاٹ کیا۔امریکی صدر رونالڈ ریگن کی اسٹار وار نے روس کو ناراض کیا۔اس طرح سے امریکہ اور روس کے مابین ''نئی سرد جنگ'' 1987 تک جاری رہی۔

17.7 سرد جنگ میں ایشیائی اور افریقی ریاستوں کا کردار

(Role of Asian and African Countries in Cold War)

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے سرد جنگ میں افریقی اور ایشائی مملکتوں کا بھی مختلف کردار رہا جس پر گفتگو کرنا لازمی ہے۔

ایم ال سوندھی کے مطابق، سرد جنگ نئی ایشیائی اور افریقی ریاستوں کے لیے ایک چیلنج تھی کیونکہ اس نے سفارتی حکمت عملیوں اور پالیسیوں کی تعمیر کی جانب مثبت اقدامات کو خطرے میں ڈال دیا تھا جنہیں ان کی بین الاقوامی سماجی واقتصادی ترقی کے پیش خیمہ کے طور پر اٹھایا جانا تھا۔ نئی ایشیائی اور افریقی ریاستوں بشمول بھارت کے عظیم پاورز کے کراس پریشر کے خلاف مزاحمت نے رویوں اور رائے کی چھ اہم شکلیں اختیار کیں۔

دونوں فریقوں کے درمیان جدوجہد کو ان ریاستوں کی طرف سے بنیادی طور پر اخلاقی اور نظریاتی تحفظات کے لیے وقف ایک سماجی تنظیم کے دو نظاموں کے درمیان جدوجہد کے بجائے بنیادی طور پر شطرنج کی بساط پر ایک اقدام کے طور پر دیکھا گیا۔ نوآبادیاتی حکمرانی کی یاد اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ان ریاستوں نے نسلی امتیاز جیسی پالیسیوں کے خلاف بین الاقوامی کارروائی کی حمایت کی جو کہ ایک سامراجی دور کی میراث تھیں اور ان ریاستوں کو سیاسی حیثیت دینے سے انکار کرنے کے لیے اقدامات کرنے کی کوشش کی جو قوت اور استقامت کے ساتھ استعمار مخالف پالیسی پر عمل نہیں کرتی تھیں۔ ان ریاستوں نے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کے دائرہ کار کو بڑھانے کی کوشش کی۔

انہوں نے نئے خیالات کو تیار کرنے میں مدد کی جس کے ذریعے عالمی امن کو برقرار رکھنے اور اقتصادی اور تکنیکی مدد اور سائنسی اور ثقافتی تعاون کو فروغ دینے کے لیے بین الاقوامی اداروں کو بحال کیا گیا۔ بین الاقوامی برادری کے نئے ارکان نے بین الاقوامی مسائل کے حل میں مذاکرات کے نئے طریقہ کار کی اہمیت اور افادیت پر زور دیا۔ بہت سی نئی ریاستوں نے فوجی اتحاد اور خاص طور پر مستقل فوجی اڈوں کے قیام سے گریز کرنے کی کوشش کی جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اس سے عمومی تحفظ میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ کم ہوا۔

انہوں نے امریکہ اور سوویت یونین دونوں کے ساتھ اقتصادی اور ثقافتی تعاون کا خیر مقدم کیا۔ ان کا ایک اہم مفروضہ یہ تھا کہ ان میں سے کسی بھی طاقت کا مقصد عالمی فتح نہیں تھا۔ اگرچہ امریکہ اور سوویت یونین نے اپنے سیاسی تبادلوں میں ایک دوسرے پر ہٹلر کے وارث ہونے کا الزام لگایا، لیکن نئی افریقی ایشیائی ریاستوں کا خیال تھا کہ ان کے بدترین حالات میں بھی یہ دونوں طاقتیں نازی جرمنی کے ماڈل سے بنیادی طور پر مختلف تھیں۔

17.8 سرد جنگ کے اہم واقعات (Important Events of the Cold War)

سرد جنگ کے دور میں ہونے والی چند اہم پیش رفت ذیل میں دی گئی ہیں:

کوریائی جنگ (Korean War)

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد پہلی بڑی لڑائی میں، جزیرہ نما کوریا میں ایک بحران پیدا ہوا جب کمیونسٹ شمالی کوریا نے جمہوری جنوبی کوریا پر حملہ کیا۔ دونوں کے درمیان کشیدگی کو روکنے کے لیے نو تشکیل شدہ اقوام متحدہ کے لیے یہ پہلا امتحان تھا۔ سپر پاور جوان کے لیے لڑنے کے لیے اپنی پراکسی کا استعمال کر رہی تھیں۔ امریکی جنرل ڈگلس میک آرتھر کی سربراہی میں اقوام متحدہ کی فوج نے انچون کی فیصلہ کن جنگ کے بعد شمالی کوریا کو پیچھے دھکیل دیا۔ تاہم، شمالی کوریا اور چین میں دھکیلنے سے معاملات بڑھنے کی دھمکی دی گئی جب سوویت یونین نے "سرمایہ دارانہ ظلم کے خلاف" لڑائی کے طور پر اپنے اتحادیوں کی حمایت کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ جنگ 25 جون 1950 کو شروع ہوئی اور 27 جولائی 1953 کو کوریا کے غیر فوجی زون کے قیام کے ساتھ ختم ہوئی۔ سوویت یونین کے زوال کے کئی دہائیوں بعد شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان کشیدگی آج بھی برقرار ہے۔

کیوبا میزائل بحران (Cuban Missile Crisis)

یو ایس ایس آر نے کیوبا میں جوہری میزائل نصب کیے جو امریکہ کے شہروں پر مار کرنے کے لیے تیار تھے۔ امریکہ نے کیوبا کی بحری ناکہ بندی کے ساتھ جواب دیا اور دونوں عظیم طاقت جنگ کے دہانے آ کھڑے ہوئے۔ یہ تعطل 13 دن کے بعد ختم ہوا جب سوویت یونین نے میزائلوں کو واپس لے لیا۔ ویتنام جنگ میں امریکہ نے 1965 میں کمیونسٹ شمالی ویتنام کے خلاف جنگ میں جنوبی ویتنام کی مدد کے لیے فوج بھیج کر ویتنام کے بحران میں مداخلت کی۔ شمالی ویتنام کو سوویت یونین اور چین کی حمایت حاصل تھی۔

ویتنام کی جنگ (Vietnam War)

ویتنام جنگ جو کہ 30 اپریل 1975 کو ختم ہوئی یہ امریکہ کے لیے بہت مہنگی ثابت ہوئی جہاں وہ تقریباً 58000 آدمیوں سے محروم ہوئے۔ اپنے ہی لوگوں کے نقصانات اور جنگ مخالف جذبات نے امریکہ کو ویتنام سے اپنی فوجیں واپس بلانے پر مجبور کیا۔ 1975 میں، ویتنام کی جنگ جنوبی ویتنام کی حکومت کے دارالحکومت سائگون کے خاتمے کے ساتھ، کمیونسٹوں کی فیصلہ کن فتح کے ساتھ ختم ہوئی۔

پراگ اسپرنگ (Prague Spring)

یہ 1968 میں پیش آیا۔ چیکوسلواکیہ کی کمیونسٹ حکومت نے کثیر جماعتی جمہوریت اور میڈیا کے لیے مزید آزادی جیسی اصلاحات لانے کی کوشش کی۔ اس نے ماسکو میں موجود طاقتوں کو گھبرا دیا۔ انہیں خدشہ تھا کہ اس سے مشرقی یوروپ میں ڈومینو اثر پڑے گا جس میں ہر دوسری قوم

مزید رعایتوں کا مطالبہ کرے گی اگر چیکوسلواک حکومت کو اپنا موجودہ راستہ جاری رکھنے کی اجازت دی گئی۔USSR نے امن بحال کرنے کے بہانے فوج بھیجی، جس کے نتیجے میں پراگ اسپرنگ کو فوجیوں کی مداخلت کرUSSR نے اسے ناکام بنادیا۔

خلائی دوڑ(Space Race)

خلائی دوڑ تکنیکی ترقیوں کا ایک سلسلہ تھا جو خلائی پرواز میں برتری کا مظہر تھا، ہر قوم دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کررہی تھی۔ خلائی دوڑ کی ابتداءدوسری عالمی جنگ کے بعد دونوں عظیم ممالک کے درمیان جوہری ہتھیاروں کی دوڑ میں ہے جب .بیلسٹک میزائل تیار کیے جا رہے تھے۔4اکتوبر 1957 کو سوویت یونین نے دنیا کا پہلا سیٹلائٹ سپوتنک کو مدار میں چھوڑا۔ وہیں اپالو 11 خلائی مشن کی بدولت 20 جولائی1969کوامریکہ اپنی کامیابی کے ساتھ چاند پر اترا۔

افغان حملہ(Afghanistan Invasion)

ستر کی دہائی میں امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان کشیدگی ختم ہورہی تھی۔ لیکن اسی دوران افغانستان کے حالات نے اس رجحان کو الٹ دیا۔افغانستان کا بحران اس وقت مزید بڑھ گیا جب سوویت فوج نے افغانستان پر حملہ کیا تاکہ وہاں کی کمیونسٹ حکومت کو مجاہدین کہلانے والے باغیوں سے لڑنے میں مدد مل سکے۔ امریکہ نے اس کا جواب وہاں دس سال تک جاری رہنے والی جنگ میں مجاہدین عناصر کی حمایت سے دیا۔ اس جنگ کے نتیجے میں طالبان براہ راست ابھرے۔ امریکہ نے پاکستان کی آئی ایس آئی کے ذریعے مجاہدین کی مالی امداد کی۔ افغان جنگ 1989 میں ختم ہوئی جب سوویت فوجیں وہاں سے نکل گئیں۔اس کے جنوبی ایشیا کے لیے دیرپا اثرات مرتب ہوئے۔افغان سوویت جنگ کے جنگجوؤں کو کشمیر میں داخل کیا گیا، جس سے ریاست میں شورش میں اضافہ ہوا۔

میخائل گورباچوف(Michael Gorbachev)

1985 میں میخائل گورباچوف سوویت یونین کے رہنما بن گئے۔ اس نے سرمایہ دارانہ اصلاحات کا آغاز کیا جسے Perestroikaاور glasnost کہاجاتاہے۔اس نے30اکتوبر1989 کو دیوار برلن کو بھی گرادیا۔آخرکار1991 میں سوویت یونین ٹوٹ گیااور نئے ممالک روس اور دیگر آزاد قوموں کے طور پر ابھرے۔ مشرقی یورپ کے بیشتر ممالک میں کمیونسٹ حکومتوں کے خلاف عوامی بغاوتیں ہوئی۔

ناوابستہ تحریک(Non-Aligned Movement)

سرد جنگ کا ایک اور نتیجہ نان الائنڈ موومنٹ(NAM) تھا۔جب سرد جنگ شروع ہوئی تو ایشیااور افریقہ کے براعظموں میں بہت سے نئے آزاد ملک تھے۔ہندوستان سمیت ان میں سے زیادہ تر امریکہ یا سوویت یونین کے ساتھ اتحاد نہیں کرنا چاہتے تھے۔اس کی وجہ سے NAM کی ممبر شپ میں ترقی ہوئی جس نے سرد جنگ کے پھیلاؤ کو روکنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا تاکہ پوری دنیا پر چھا جائے۔NAM نیٹو جیسے فوجی

بلاکس کے خلاف تھی۔NAM ممالک کے جن بڑے لیڈروں نے اس میں اہم کردار ادا کیا ان میں ہندوستان کے جواہر لال نہرو، انڈونیشیا کے سوکارنو، مصر کے جمال عبدالناصر اور یوگوسلاویہ کے صدر ٹیٹو شامل تھے۔

سرد جنگ کا خاتمہ (End of Cold war)

سرد جنگ کا خاتمہ مندرجہ ذیل واقعات کے ساتھ ہوا۔

مشرقی بلاک میں اتحاد کا ٹوٹنا (Breakup of Unity in Eastern Block)

مشرقی بلاک میں اتحاد 1960 اور 1970 کی دہائیوں میں اس وقت ٹوٹنا شروع ہوا جب چین اور سوویت یونین کے درمیان اتحاد ٹوٹ گیا۔ اس دوران کچھ مغربی ممالک کے ساتھ ساتھ جاپان بھی معاشی طور پر امریکہ سے زیادہ آزاد ہو گئے۔ اس سے بین الاقوامی سطح پر زیادہ پیچیدہ تعلقات پیدا ہوئے، جس کا مطلب یہ تھا کہ چھوٹی قومیں اپنی حمایت کے لیے لڑنے کی کوششوں کے خلاف زیادہ مزاحم تھیں۔

گورباچوف: perestroika (Gorbachev) اور glasnost

سرد جنگ 1980 کی دہائی کے آخر میں، میخائل گورباچوف کی انتظامیہ کے دوران مناسب طریقے سے ٹوٹنا شروع ہوئی۔ اس نے مشرقی بلاک میں معاشی مسائل کی وجہ سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے اصلاحات متعارف کروائیں جہاں اشیا کی قلت تھی۔ شہریوں کو بغاوت سے روکنے کے لیے اقتصادی اصلاحات منظور کی گئیں جنہیں perestroika یا 'ریسٹرکچرنگ' کہا جاتا ہے اور آزادی اظہار پر پابندیوں میں نرمی کی گئی۔ پالیسی جسے گلاسنوسٹ، یا 'کھلا پن' کہا جاتا ہے۔ لیکن، یہ اصلاحات بہت دیر سے آئیں۔ جب مشرقی یورپ میں کمیونسٹ حکومتیں ٹوٹ رہی تھیں تو مشرقی جرمنی، پولینڈ، ہنگری اور چیکوسلواکیہ میں جمہوری حکومتیں ان کی جگہ لینے کے لیے اٹھیں۔

دیوار برلن کا گرنا (Fall of Berlin wall)

1989 میں، برلن کی دیوار، جو آہنی پردے کی علامت تھی، کو دونوں طرف کے جرمنوں نے گرادیا کیونکہ وہ جرمنی کو متحد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی دوران، کمیونسٹ مخالف جذبات کی لہریں پورے مشرقی بلاک میں پھیل گئیں۔

سوویت یونین کا انہدام (Collapse of the Soviet Union)

سرد جنگ کا خاتمہ بالآخر 1991 میں سوویت یونین کے پندرہ نئے آزاد ممالک میں تحلیل ہونے سے ہوا۔ یو ایس ایس آر روسی فیڈریشن بن گیا اور اب کوئی کمیونسٹ رہنما نہیں رہا۔

افغان حملے کے نتیجے میں سوویت یونین کے معاشی اور فوجی وسائل ختم ہوئے اور میخائل گورباچوف کی کھلی پالیسی کے ساتھ اس میں اضافہ کیا گیا جس میں دو خصوصیات شامل تھی یعنی گلاسنوسٹ (کھلا پن) اور پیریسٹروکا (تنظیم نو)، سوویت یونین اپنے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ بالآخر،

1991 میں، سوویت یونین متعدد عوامل کی وجہ سے ٹوٹ گیا جس نے سرد جنگ کے خاتمے کی نشاندہی کی، جیسا کہ ایک عظیم طاقت کمزور سرد جنگ کے خاتمے نے امریکہ کی فتح کو نشان زدہ کیا اور دو قطبی دنیا کا نظام یک قطبی میں بدل گیا۔

17.9 سرد جنگ کا نتیجہ (Consequence of Cold War)

سرد جنگ کے بین الاقوامی معاملات میں دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ سب سے پہلے، اس نے خوف کی نفسیات کو جنم دیا جس کے نتیجے میں مزید جدید ترین ہتھیاروں کی تیاری کے لیے دیوانہ وار دوڑ شروع ہوئی۔ نیٹو، سیٹو، وار سا پیکٹ، سینٹو، اینزس وغیرہ جیسے مختلف اتحاد صرف عالمی کشیدگی بڑھانے کے لیے بنائے گئے تھے۔ دوم، سرد جنگ نے یو این او کو غیر موثر کر دیا کیونکہ دونوں عظیم طاقتوں نے مخالف کی طرف سے تجویز کردہ اقدامات کی مخالفت کرنے کی کوشش کی۔ کوریائی بحران، کیوبا میزائل بحران، ویت نام کی جنگ وغیرہ اس سمت میں روشن مثالیں تھیں۔ تیسرا یہ کہ سرد جنگ کی وجہ سے تیسری دنیا بنی۔ افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کی بڑی تعداد نے دو عظیم طاقتوں کے فوجی اتحاد سے دور رہنے کا فیصلہ کیا۔ وہ غیر جانبدار رہنا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ ناوابسطہ تحریک (Non-Alignment Movements) سرد جنگ کا براہ راست نتیجہ بن گئی۔ چوتھی بات، سرد جنگ بنی نوع انسان کے خلاف ڈیزائن کی گئی تھی۔ اسلحے کی پیداوار میں غیر ضروری اخراجات نے دنیا کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کی اور ایک ملک کو بُری طرح متاثر کیا اور لوگوں کے معیار زندگی میں بہتری کو روک دیا۔ پانچویں، 'پوری دنیا بطور خاندان' کا اصول، سرد جنگ کی وجہ سے مایوسی کی چٹان پر بکھر گیا۔ اس نے دنیا کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جو بنی نوع انسان کے لیے صحت مند علامت نہیں تھی۔ چھٹا، سرد جنگ نے ملکوں میں بے اعتمادی کی فضا پیدا کی۔ انہوں نے آپس میں سوال کیا کہ وہ روس یا امریکہ کے ماتحت کتنے غیر محفوظ ہیں۔ آخر کار سرد جنگ نے عالمی امن کو درہم برہم کر دیا۔ اتحاد اور جوابی اتحاد نے ایک پریشان کن ماحول پیدا کیا۔ یہ دنیا کے لیے ایک لعنت تھی۔ روس اور امریکہ عظیم طاقت ہونے کے باوجود بین الاقوامی بحران کے حل کے لیے آگے آئے لیکن پھر بھی وہ دنیا میں دائمی امن قائم نہ کر سکے۔

17.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- سرد جنگ کیا ہے؟ اس کا مطالعہ کیا۔
- سرد جنگ کے معنی و مفہوم کو سمجھا۔
- سرد جنگ کے وجوہات اور مختلف مراحل کو سمجھا۔
- سرد جنگ کے اہم واقعات کا مطالعہ کیا۔

- سرد جنگ کے نتائج کا جائزہ لیا۔
- سرد جنگ میں ایشیائی اور افریقی ریاستوں کے کردار سے واقف ہوئے۔

17.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

عظیم طاقت

عظیم طاقت ایک ایسی مملکت ہوتی ہے جس کی ایک غالب پوزیشن ہوتی ہے جس کی خصوصیت عالمی سطح پر اثر و رسوخ یا پروجیکٹ پاور بنانے کی وسیع صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ اقتصادی، فوجی، تکنیکی، سیاسی اور ثقافتی طاقت کے ساتھ ساتھ سفارتی اور نرم طاقت کے اثر و رسوخ کے مشترکہ ذرائع سے کیا جاتا ہے۔

پراکسی جنگ

دو ریاستوں یا غیر ریاستی اداکاروں کے درمیان مسلح تصادم ہے، جن میں سے ایک یا دونوں اکسانے پر یا دوسرے فریقوں کی جانب سے کام کرتے ہیں جو براہ راست دشمنی میں ملوث نہیں ہیں

دوسری عالمی جنگ

دوسری جنگ عظیم کو دوسری عالمی جنگ بھی کہا جاتا ہے یہ ایک عالمی جنگ تھی جو 1939 سے 1945 تک جاری رہی۔ اس میں دنیا کے ممالک کی اکثریت کے ساتھ دو بڑی طاقتیں اتحادی محور میں شامل تھی۔

17.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

17.12.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ لفظ سرد جنگ کا استعمال پہلی بار کس نے کیا تھا؟

(a) ونسٹن چرچل (b) میکھائل گارو چوو

(c) برنارڈ بارچ (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ ان میں سے کون سا ملک دوسری عالمی جنگ کے دوران اتحادی طاقتوں میں شامل نہیں تھا؟

(a) امریکہ (b) روس

(c) جاپان | (d) فرانس

3۔امریکہ نے ماشل پلان کااعلان کس سال کیا تھا؟

1945 (a) | 1946 (b)

1947 (c) | 1948 (d)

4۔مورخین سرد جنگ کے کس مرحلہ کو 'نئی سرد جنگ' کہتے ہیں؟

(a) پہلا | (b) دوسرا

(c) تیسرا | (d) آخری

5۔سویت یونین کس سال میں ٹوٹ تھا؟

1989 (a) | 1990 (b)

1991 (c) | 1992 (d)

6۔ڈالر سامراجیت کس ملک سے متعلق ہے؟

(a) امریکہ | (b) روس

(c) جاپان | (d) جرمنی

7۔کیوبا میزائل بحران کب ہوا تھا؟

1960 (a) | 1962 (b)

1964 (c) | (d) ان میں سے کوئی نہیں

8۔'وارسا معاہدہ' پر کس ملک نے دستخط کیا تھا؟

(a) امریکہ | (b) روس

(c) جاپان | (d) فرانس

9۔NAM کا پورا نام کیا ہے؟

Non-Aligned Movement (a) | New-Aligned Movement (b)

Non-Alternate Movement (c)　　　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ ویتنام کی جنگ میں کس عظیم ملک کو شکست ملا؟

(a) امریکہ　　　　(b) انگریزی

(c) جرمنی　　　　(d) سویت روس

17.12.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سرد جنگ کے وجوہات بیان کیجیے۔
2. سرد جنگ کے معنی اور مفہوم کو واضح کیجیے۔
3. سرد جنگ پر روشنی ڈالیئے؟
4. سرد جنگ دو عظیم طاقتوں کے درمیان ایک جنگ تھی سمجھایئے
5. سرد جنگ کی ابتدا اور اس کے خاتمے پر مختصر نوٹ لکھئے۔

17.12.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سرد جنگ کے وجوہات اور نتائج پر روشنی ڈالیئے۔
2. سرد جنگ کے مختلف مراحل کا جائزہ لیجئے۔
3. سرد جنگ میں ایشیائی اور افریقی مملکت کے کردار کو واضح کیجیے۔

17.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, The Globalisation of World Politics (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, International Relations, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, International Relations, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, Understanding International Conflicts, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, Introduction to Global Politics, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, Bainul-Aqwaami Taaluqaat (Nisaab Publishers, 2005

اکائی 18۔ سرد جنگ کا خاتمہ

(End of the Cold War)

اکائی کے اجزا:

18.0 تمہید

18.1 مقاصد

18.2 سرد جنگ کی ابتدا

18.3 سرد جنگ کا مفہوم

18.4 سرد جنگ کیا ہے؟

18.5 سرد جنگ کی وجوہات

18.6 سرد جنگ کے مختلف مراحل

18.7 سرد جنگ کا خاتمہ

18.8 سرد جنگ کا نتیجہ

18.9 اکتسابی نتائج

18.10 کلیدی الفاظ

18.11 نمونہ امتحانی سوالات

18.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

18.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

18.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

18.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

18.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء، دوسری جنگ عظیم کے بعد، امریکہ اور یو ایس ایس آر دو عظیم طاقت بن کر اُبھرے۔ ایک قوم نے دوسرے کی طاقت کو کم کرنے کی کوشش کی۔ بالواسطہ عظیم طاقتوں کے مابین مقابلہ سرد جنگ کا باعث بنی۔ پھر امریکہ نے تمام سرمایہ دارانہ ممالک کی قیادت اختیار حاصل کی۔ سوویت روس نے تمام کمیونسٹ ممالک کی قیادت حاصل کی۔ جس کے نتیجے میں دونوں ایک دوسرے کے حریفوں کی حیثیت سے کھڑے تھے۔ ہارٹ مین کی گراف زبان میں، "سرد جنگ ان ممالک کے مابین تناؤ کی حالت ہے جس میں اس کی طرف سے پالیسیوں کو اپنایا گیا ہے جو اس کو مضبوط بنانے کے لئے بنائی گئی ہے اور دوسرے کو کمزور کرنے کے لئے دوسرے کو کمزور کردے"۔ در حقیقت، سرد جنگ ایک قسم کی زبانی جنگ ہے جو اخبارات، رسالوں، ریڈیو اور دیگر پروپیگنڈوں کے طریقوں کے ذریعے لڑی جاتی ہے۔ یہ ایک پروپیگنڈا ہے جس میں ایک عظیم طاقت دوسرے طاقت کے خلاف ریسورٹ کرتی ہے۔ یہ ایک طرح کی سفارتی جنگ بھی ہے۔

سرد جنگ دو عظیم طاقت امریکہ اور سویت یونین کے درمیان چلنے والی لمبے وقت کی جنگ تھی۔ لیکن اس کا خاتمہ کے کئی اہم نکات رہے جیسے کی میخایل گورواچوگ کی پالیساں، برلن کی دیوار کا گرنا، اور افغانستان کی جنگ وغیر۔

18.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ،

- سرد جنگ کیا ہے؟ اس کا مطالعہ کریں گے۔
- سرد جنگ کے معنی و مفہوم سمجھیں گے۔
- سرد جنگ کے وجوہات اور مختلف مراحل کو سمجھیں گے۔
- سرد جنگ کے اہم واقعات کا مطالعہ کریں گے۔
- سرد جنگ کے نتائج کا جائزہ لیں گے۔
- سرد جنگ میں ایشیائی اور افریقی ریاستوں کے کردار سے واقف ہوں گے۔

18.2 سرد جنگ کی ابتداء (Origin of Cold War)

1941 میں سرد جنگ کی ابتدا کے بارے میں اسکالرز میں کوئی اتفاق رائے نہیں ہے جب ہٹلر نے روس پر حملہ کیا تو، امریکہ کے صدر روزویلٹ نے روس کو اسلحہ بھیجا۔ یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ روزویلٹ اور اسٹالن کے مابین تعلقات بہت اچھے تھے۔ لیکن جرمنی کی شکست

کے بعد، جب اسٹالن پولینڈ، ہنگری، بلغاریہ اور رومانیہ میں کمیونسٹ نظریہ کو نافذ کرنا چاہتے تھے تو اس وقت انگلینڈ اور امریکہ نے اسٹالن کو شک کی نظر سے دیکھا۔ 5 مارچ 1946 کو اپنی "فلٹن تقریر" میں انگلینڈ کے وزیر اعظم ونسٹن چرچل نے کہا کہ سوویت روس کو لوہے کے پردے (Iron curtain) سے احاطہ کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے اسٹالن کو گہری فکر میں مبتلا ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں سوویت روس اور مغربی ممالک کے مابین شک وشبہ مزید وسیع ہو گیا اور اس طرح سرد جنگ نے جنم لیا۔

18.3 سرد جنگ کیا ہے؟ (What is Cold War)

جوں جوں دوسری جنگ عظیم اپنے اختتام کو پہنچی، وہ ہم آہنگی جو USSR اور USA اور برطانوی سلطنت کے درمیان موجود تھی، ختم ہونے لگی اور پرانے شبہات پھر سے اُبھرنے لگے۔ سوویت روس اور مغرب کے درمیان تعلقات جلد ہی اتنے پیچیدہ ہو گئے کہ اگرچہ دو مخالف کیمپوں کے درمیان براہ راست کوئی حقیقی مسلح تصادم نہیں ہوا، 1945 کے بعد کی دہائی میں سردی کا پہلا مرحلہ دیکھنے میں آیا۔

جنگ جو 1980 کی دہائی میں کئی 'تھاؤز' کے باوجود جاری رہی۔ سرد جنگ کا مطلب یہ تھا کہ مسلح تصادم میں اپنی باہمی دشمنی کو ظاہر کرنے کی بجائے دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر پروپیگنڈے اور معاشی اقدامات اور عدم تعاون کی عمومی پالیسی کے ساتھ حملہ کیا۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ، اس کے نیٹو اتحادیوں اور کچھ دیگر پر مشتمل مغربی بلاک کے درمیان فوجی اور سیاسی تناؤ کی حالت اور دوسری جنگ عظیم کے بعد 'وارسا معاہدے' سے اس کے اتحادیوں کے ساتھ سوویت یونین پر مشتمل مشرقی بلاک کی طاقتوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سرد جنگ۔ "سرد" کی اصطلاح بڑی علاقائی جنگوں کے باوجود دونوں مخالفین کے درمیان براہ راست بڑے پیمانے پر لڑائی کی عدم موجودگی کو ظاہر کرتی ہے، جسے 'پراکسی وار' کہا جاتا ہے، جسے دونوں فریقوں کی حمایت حاصل ہے۔ سرد جنگ کے نتیجے میں یو ایس ایس آر اور یو ایس اے دو عظیم طاقت کے طور پر اُبھر کر سامنے آئے جو کہ سیاسی اور معاشی اختلافات کے باعث نازی جرمنی کے خلاف جنگ کے وقت کے عارضی اتحاد کو ختم کر چکے تھے اور ایک دوسرے کے حریف بن گئے۔

سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان ہونے والی سرد جنگ کئی دہائیوں تک جاری رہی 53-1948 کے عرصے میں سرد جنگ اپنے عروج پر تھی۔ 1953 سے 1957 کے درمیان جنگی تناؤ میں کچھ نرمی آئی۔ وارسا معاہدہ، جو ایک متحد فوجی تنظیم، سال 1955 میں قائم کی گئی تھی۔ 1962-1958، کے دوران سرد جنگ پھر سے شدید ہو گئی۔ بین البراعظمی بیلسٹک میزائل (ICBM) کو سوویت یونین کے ساتھ ساتھ امریکہ نے بھی ایجاد کیا اور فروغ دیا۔ سوویت یونین کے ذریعہ خفیہ طور پر کیوبا میں اپنے میزائل نصب کرنے کی خبروں نے باہمی تعلقات میں مزید کشیدگی پیدا کر دی تھی، جن سے امریکی شہروں پر سوویت حملے کے خدشات پیدا ہو گئے تھے۔ سرد جنگ کے پورے دور میں، سوویت یونین اور امریکہ نے یورپ میں براہ راست فوجی تصادم سے گریز کیا۔

18.4 سرد جنگ کا مفہوم (Meaning of Cold war)

'سرد جنگ' کی اصطلاح پہلی بار ایک امریکی سیاستدان برنارڈ بارچ نے استعمال کی تھی اور اس کے بعد پروفیسر لپ مین نے اس صورت حال کو بیان کرنے کے لیے اٹھایا تھا جو 1947 کے موسم بہار تک مغربی طاقتوں اور سوویت یونین کے درمیان پیدا ہوئی تھی۔

اس ترقی کا پہلا اشارہ ونسٹن چرچل نے اپنی فلٹن تقریر میں دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں، "اگر مغربی جمہوریتیں اقوام متحدہ کے چارٹر کے اصولوں پر سختی سے عمل پیرا رہیں تو ان اصولوں کو آگے بڑھانے کے لیے ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہوگا اور کوئی بھی ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا امکان نہیں رکھتا۔ تاہم، اگر وہ تقسیم ہو جائیں یا اپنے فرض میں کوتاہی کریں اور اگر ان تمام اہم سالوں کو ضائع ہونے دیا جائے، تو یقیناً تباہی ہم سب پر غالب آسکتی ہے۔" انہوں نے روسی بربریت کے خلاف جنگ کے بعد کی جدوجہد کے ناگزیر ہونے کی پیشن گوئی کی تھی۔

سرد جنگ دوسری عالمی جنگ کا نتیجہ ہے۔ لیکن سرد جنگ کوئی نئی خصوصیت نہیں ہے۔ یہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی اس نے وسیع جہت اختیار کی۔

سرد جنگ کی تعریف کرتے ہوئے، ہارٹ مین نے لکھا ہے، "سرد جنگ ممالک کے درمیان تناؤ کی ایک ایسی حالت ہے جس میں ہر فریق اپنے آپ کو مضبوط کرنے اور دوسرے کو حقیقی جنگ سے محروم کر کے کمزور کرنے کے لیے بنائی گئی پالیسیاں اپناتا ہے۔"

فلیمنگ سرد جنگ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ ایک ایسا جنگ ہے جو میدان جنگ میں نہیں بلکہ انسانوں کے ذہنوں میں لڑی جاتی ہے۔" اور ایک دوسرے کے دماغ پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔

سرد جنگ میں کبھی جنگ کا اعلان نہیں کیا جاتا تھا اور ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات برقرار رہتے تھے۔ سرد جنگ میں کچھ فوجی تصادم اور جانی نقصان شامل تھا، لیکن یہ ایک نفسیاتی جنگ بھی تھی جس کا مقصد دشمن کے اثر و رسوخ کے علاقے کو کم کرنا اور اپنے کیمپ کے پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ کرنا تھا۔ سرد جنگ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان دو قطبی تصادم تھی لیکن اس میں دو عظیم پاورز کے اتحادی یا سیٹلائٹ بھی شامل تھے۔ سرد جنگ کو دو نظریات اور دو کے درمیان تصادم کے طور پر بھی سمجھا جاتا ہے۔

18.5 سرد جنگ کی وجوہات (Reasons for Cold War)

سرد جنگ کے پھیلنے کے لئے مختلف وجوہات ذمہ دار ہیں۔ پہلے تو، سوویت روس اور امریکہ کے درمیان تفریق سرد جنگ کا باعث بنی۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ سوویت روس کے کمیونسٹ نظریہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ تو وہیں دوسری طرف، روس دوسرے یورپی ممالک پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کے غلبے کو قبول نہیں کر سکا۔ دوم، دونوں عظیم طاقتوں کے مابین اسلحہ کی دوڑ نے سرد جنگ کی ایک اور وجہ پیش کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد، سوویت روس نے اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کیا تھا جو مغربی ممالک کے لئے خطرہ تھا۔ چنانچہ امریکہ نے ایٹم بم،

ہائیڈروجن بم اور دیگر مہلک ہتھیاروں کی تیاری شروع کردی۔ دوسرے یورپی ممالک نے بھی اس دوڑ میں حصہ لیا۔ لہذا، پوری دنیا دو طاقت گروہ میں تقسیم ہو کر سرد جنگ کی راہ ہموار کی۔ تیسرا، نظریاتی فرق سرد جنگ کی ایک اور وجہ تھی۔ جب سوویت روس نے کمیونزم کو پھیلایا تو، اس وقت امریکہ نے سرمایہ داری کو فروغ دیا۔ اس پروپیگنڈے نے بالآخر سرد جنگ میں تیزی لائی۔ چہارم، روسی اعلامیہ نے سرد جنگ کی ایک اور وجہ بنائی۔ سوویت روس نے ماس میڈیا میں کمیونزم پر روشنی ڈالی اور مزدور انقلاب کی حوصلہ افزائی کی۔ دوسری طرف، امریکہ نے کمیونزم کے خلاف سرمایہ داروں کی مدد کی۔ تو اس نے سرد جنگ کی ترقی میں مدد کی۔ پانچویں، امریکہ کا جوہری پروگرام سرد جنگ کے ایک اور مقصد کے لئے ذمہ دار تھا۔ امریکہ نے 9 اور 6 اگست 1945 کو جاپان کے ہیروشیما اور ناگاساکی کے اُوپر بمباری کے بعد سویت یونین اپنے وجود کو لیکر کافی خوفزدہ ہوگئے۔ لہذا، اس نے امریکہ کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی اسی راستے پر عمل کیا۔ جس کی وجہ سے سرد جنگ میں اضافہ ہوا۔ آخر میں، مغربی ممالک کے خلاف سوویت روس کا ویٹو کے استعمال نے اُنہیں روس سے نفرت بڑھانے کا کا کیا۔ جب مغربی ممالک نے یو این او کی سلامتی کونسل میں کوئی نظریہ پیش کیا تو سوویت روس نے فوراً ہی ویٹو کے ذریعے اُس کی مخالفت کی۔ چنانچہ مغربی ممالک سوویت روس کے اس قدم سے ناراض ہوگئے جس نے سرد جنگ کو عروج دینے کا کام کیا۔

18.6 سرد جنگ کے مختلف مراحل (Various Phases of Cold War)

سرد جنگ کی شروعات ایک دن میں نہیں ہوئی بلکہ یہ کئی مراحل سے گزرا۔

پہلا مرحلہ(First Phase)(1946-1949)

اس مرحلے میں امریکہ اور سوویت روس نے ایک دوسرے کی قیادت سے انکار کر دیا۔ امریکہ نے ہمیشہ روس میں ریڈ حکومت پر قابو پانے کی کوشش کی۔ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سوویت روس نے پولینڈ، بلغاریہ، رومانیہ، ہنگری، یوگوسلاویہ اور دیگر مشرقی یورپی ممالک میں جمہوریت کو ختم کر کے کمیونزم قائم کیا۔ روس کے تسلط کو کم کرنے کے لئے ، امریکہ نے 12 مارچ 1947 کو نافذ ہونے والے ٹرومین نظریے(Truman doctrine) کی پیروی کرتے ہوئے یونان اور ترکی کی مدد کی۔ 'مارشل پلان' کے مطابق، جس کا اعلان 5 جون 1947 کو کیا گیا تھا، امریکہ نے مغربی یورپی ممالک کو مالی مدد فراہم کی۔ اس مرحلے میں، سوویت روس کے ذریعہ ایران سے فوج کی واپسی، برلن بلوکیڈ وغیرہ نے سردی کی وجہ سے زیادہ غصہ تھا۔ 1949 میں نیٹوں(North Atlantic Treaty Organization) کی تشکیل کے بعد، سرد جنگ میں کچھ روک لگی۔

دوسرا مرحلہ(Second Phase)(1949-1953)

اس مرحلے میں ستمبر، 1951 میں آسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور امریکہ کے مابین ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے جو 'انزوس ٹریٹی' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ امریکہ نے بھی 8 ستمبر 1951 کو جاپان کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے۔ اس وقت روس اور چین کی آرمی سے اسلحہ لے کر، شمالی کوریا

نے جنوبی کوریا کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ پھر یو این او کی مدد سے، امریکہ نے جنوبی کوریا کو فوجی امداد بھیجی۔ تاہم، شمالی کوریا اور جنوبی کوریا دونوں نے 1953 میں ایک امن معاہدے پر دستخط کیے جس سے جنگ کا خاتمہ ہوا۔ سوویت کیمونزم کے اثرات کو کم کرنے کے لئے، امریکہ نے کیمونزم کے خلاف پروپیگنڈے میں خطیر رقم خرچ کی۔ دوسری طرف، سوویت روس نے ایٹم بم ٹیسٹ کر کے امریکہ کے برابر میں رہنے کی کوشش کی۔

تیسرا مرحلہ (Third Phase)(1953-1957)

اس مرحلہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ نے سوویت روس کے اثر ورسوخ کو کم کرنے کے لئے 1954 میں سیٹو (SEATO) کو تشکیل دیا۔ 1955 میں امریکہ نے مشرق وسطی میں (میڈو) تشکیل دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں، امریکہ نے 43 ممالک کو فوجی امداد دی اور سوویت روس کے آس پاس 3300 فوجی اڈے قائم کر دیئے۔ اور اس وقت، ویتنامی جنگ کا آغاز 1955 میں ہوا۔ امریکی اقتدار کو کم کرنے کے لئے، روس نے بھی 1955 میں وارسا معاہدے پر دستخط کیے۔ روس نے بھی 12 ممالک کے ساتھ دفاعی معاہدے پر دستخط کیے۔ جرمنی کو وفاقی جمہوریہ جرمنی میں تقسیم کیا گیا تھا جو امریکی کنٹرول میں تھا جہاں جرمن جمہوریہ 'سوویت روس کے زیر اثر تھا۔ 1957 میں سوویت روس نے اپنے دفاعی پروگرام میں اسفوتنک کو شامل کیا۔ 1953 میں اسٹالن کا انتقال ہو گیا اور خروش شیف روس کے صدر بنے۔ 1956 میں امریکہ اور روس کے مابین سوئز بحران کے بارے میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ امریکہ نے انگلینڈ اور فرانس جیسے اپنے اتحادیوں کی مدد کرنے پر اتفاق کیا۔ در حقیقت مغربی ایشیاء کو ایک بہت بڑا خطرہ سے بچایا گیا تھا۔

چوتھا مرحلہ: (Fourth Phase)(1957-1962)

1959 میں روسی صدر خروش شیف ایک تاریخی دورے پر امریکہ گئے۔ دونوں ممالک U-2 حادثے اور برلن کے بحران سے ناراض تھے۔ 13 اگست 1961 میں، سوویت روس نے مشرقی برلن سے مغربی برلن تک امیگریشن کی جانچ پڑتال کے لئے 25 کلو میٹر کی ایک برلن دیوار بنائی۔ 1962 میں، کیوبا کے میزائل بحران نے سرد جنگ میں بہت اہم اضافہ کر دیا تھا۔ اس واقعے نے امریکی صدر کینیڈی اور روسی صدر خروش شیف کے مابین گفتگو کا ماحول پیدا کیا۔ امریکہ نے روس کو یقین دلایا کہ وہ کیوبا پر حملہ نہیں کرے گی اور اس کے عوض روس نے بھی کیوبا سے میزائل اسٹیشن واپس لینے کا اعلان کیا۔

پانچواں مرحلہ (Fifth Phase)(1962-1969)

پانچواں مرحلہ جو 1962 سے شروع ہوا تھا اس نے بھی امریکہ اور یو ایس ایس آر کے مابین باہمی شبہ کا نشانہ بنایا۔ جوہری ہتھیاروں پر پابندی کا مطالبہ کرنے والی دنیا بھر میں ایک تشویش تھی۔ اس عرصے میں وائٹ ہاؤس اور کریملن کے مابین ہاٹ لائن قائم کی گئی تھی۔ اس سے دونوں فریقوں کو ایٹمی جنگ سے باز رہنے پر مجبور کیا گیا۔ اس کے باوجود ویتنام کے مسئلے اور جرمنی میں ہونے والے مسئلے نے حقیقت میں امریکہ اور یو ایس ایس آر کے مابین سرد جنگ کو برقرار رکھا۔

چھٹا مرحلہ(Sixth Phase)(1969-1978)

1969 سے شروع ہونے والے اس مرحلے کو امریکہ اور یو ایس ایس آر کے مابین 'ڈیٹینٹ' نے نشان زد کیا- امریکی صدر نکسن اور روسی صدر بریزنیف نے سرد جنگ کو ختم کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ 1972 کا SALT، 1975 کی سلامتی سے متعلق چوٹی کانفرنس 'ہیلسنکی اور 1978 کی بیلگریڈ کانفرنس میں امریکہ اور روس ایک دوسرے کے قریب آئے۔ 1971 میں، امریکی سکریٹری خارجہ ہنری کسنجر نے چین کے ساتھ ریپروچمنٹ کے امکانات کو تلاش کرنے کے لئے چین کا خفیہ دورہ کیا۔ ڈیاگو گارسیا کو فوجی اڈے میں تبدیل کرنے کے لئے امریکی اقدام بنیادی طور پر بحر ہند میں سوویت کی موجودگی کی جائزہ لینے کے لئے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ 1971 کے بنگلہ دیش بحران اور 1973 کی مصر اسرائیل جنگ کے دوران، دو عظیم پاورز نے مخالف فریقوں کی حمایت میں توسیع کی۔

آخری مرحلہ(Last phase)(1979-1987)

اس مرحلے میں سرد جنگ میں کچھ تبدیلیاں دیکھی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین اس مرحلے کو 'نئی سرد جنگ' کہتے ہیں۔ 1979 میں، امریکی صدر کارٹر اور روسی صدر بریزنیف نے سالٹ II پر دستخط کیے۔ لیکن 1979 میں سرد جنگ کو کم کرنے کے امکانات افغانستان میں اچانک فوجی سرگرمیوں کی وجہ سے متاثر ہوئے۔ ویتنام (1975)، انگولا (1976)، ایتھوپیا (1972) اور افغانستان (1979) کے امور روس کو مضبوط حیثیت کی جانب لائے جو امریکہ کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ امریکی صدر کارٹر کے انسانی حقوق اور کھلی سفارت کاری پر روس نے تنقید کی۔ امریکی سینیٹ کے ذریعہ SALT-II کی توثیق نہیں کی گئی تھی۔ 1980 میں امریکہ نے ماسکو میں منعقدہ اولمپک کھیلوں کا بائیکاٹ کیا۔

1983 میں، روس امریکہ کے ساتھ جدید میزائلوں کی محدود رکھنے کی باہمی بات چیت سے دستبردار ہو گیا۔ 1984 میں روس نے لاس اینجلس میں منعقدہ اولمپک کھیل کا بائیکاٹ کیا۔ امریکی صدر رونالڈ ریگن کی خلائی جنگ کے پروگراموں کے باعث روس کو ناراض کیا۔ اس طرح سے امریکہ اور روس کے مابین ''نئی سرد جنگ'' 1987 تک جاری رہی۔

18.7 سرد جنگ کے اہم واقعات (Important Events of the Cold War)

سرد جنگ کے دور میں ہونے والی چند اہم پیش رفت ذیل میں دی گئی ہیں:

کوریائی جنگ(Korean War)

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد پہلی بڑی لڑائی میں، جزیرہ نما کوریا میں ایک بحران پیدا ہوا جب کمیونسٹ شمالی کوریا نے جمہوری جنوبی کوریا پر حملہ کیا۔ دونوں کے درمیان کشیدگی کو روکنے کے لیے نو تشکیل شدہ اقوام متحدہ کے لیے یہ پہلا امتحان تھا۔ سپر پاور جوان کے لیے لڑنے

کے لیے اپنی پراکسی کا استعمال کر رہی تھیں۔امریکی جنرل ڈگلس میک آرتھر کی سربراہی میں اقوام متحدہ کی فوج نے انچون کی فیصلہ کن جنگ کے بعد شمالی کوریا کو پیچھے دھکیل دیا۔تاہم، شمالی کوریا اور چین میں دھکیلنے سے معاملات بڑھنے کی دھمکی دی گئی جب سوویت یونین نے "سرمایہ دارانہ ظلم کے خلاف" لڑائی کے طور پر اپنے اتحادیوں کی حمایت کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ جنگ 25 جون 1950 کو شروع ہوئی اور 27 جولائی 1953 کو کوریا کے غیر فوجی زون کے قیام کے ساتھ ختم ہوئی۔سوویت یونین کے زوال کے کئی دہائیوں کے بعد بھی شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان کشیدگی آج بھی برقرار ہے۔

کیوبا میزائل بحران(Cuban Missile Crisis)

یوایس ایس آر نے کیوبا میں جوہری میزائل نصب کیے جو کہ امریکہ کے شہروں پر نشانہ لگانے کرنے کے لیے تیار تھے۔ جس کا امریکہ نے کیوبا کی بحری ناکہ بندی کے ساتھ جواب دیا اور دونوں عظیم طاقتیں جنگ کے دہانے پر آکھڑی ہوئیں۔ یہ تعطل 13 دن کے بعد ختم ہوا جب سوویت یونین نے میزائلوں کو واپس لے لیا۔

ویتنام کی جنگ(Vietnam War)

ویتنام جنگ میں امریکہ نے 1965 میں کمیونسٹ شمالی ویتنام کے خلاف جنگ میں جنوبی ویتنام کی مدد کے لیے فوج بھیج کر ویتنام کے بحران میں مداخلت کی۔ شمالی ویتنام کو سوویت یونین اور چین کی حمایت حاصل تھی۔ ویتنام جنگ جو کہ 30 اپریل 1975 کو ختم ہوئی یہ امریکہ کے لیے بہت مہنگی ثابت ہوئی جہاں امریکہ تقریباً 58000 فوجیوں سے محروم ہو گیا۔ اپنے ہی لوگوں کے نقصانات اور جنگ مخالف جذبات نے امریکہ کو ویتنام سے اپنی فوجیں واپس بلانے پر مجبور کیا۔ 1975 میں، ویتنام کی جنگ جنوبی ویتنام کی حکومت کے دارالحکومت سائگون کے خاتمے کے ساتھ، کمیونسٹوں کی فیصلہ کن فتح کے ساتھ ختم ہوئی۔

پراگ اسپرنگ(Prague Spring)

یہ 1968 میں پیش آیا۔ چیکوسلواکیہ کی کمیونسٹ حکومت نے کثیر جماعتی جمہوریت اور میڈیا کے لیے مزید آزادی جیسی اصلاحات لانے کی کوشش کی۔اس نے ماسکو میں موجود طاقتوں کو وحشت میں ڈال دیا۔انہیں خدشہ تھا کہ اس سے مشرقی یورپ میں ڈومینو اثر پڑے گا جس میں ہر دوسری قوم مزید رعایتوں کا مطالبہ کرے گی اگر چیکوسلواک حکومت کو اپنا موجودہ راستہ جاری رکھنے کی اجازت دی گئی۔USSR نے امن بحال کرنے کے بہانے فوج بھیجی، جس کے نتیجے میں پراگ اسپرنگ کو فوجیوں کی مداخلت کر USSR نے اسے ناکام بنادیا۔

خلائی دوڑ(Space Race)

خلائی دوڑ تکنیکی ترقیوں کا ایک سلسلہ تھا جو خلائی پرواز میں برتری کا مظہر تھا،ہر قوم دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ خلائی دوڑ کی ابتداء دوسری عالمی جنگ کے بعد دونوں عظیم ممالک کے درمیان جوہری ہتھیاروں کی دوڑ میں شامل تھی جب.بیلسٹک میزائل تیار کیے

جارہے تھے۔4 اکتوبر 1957 کو سوویت یونین نے دنیا کا پہلا سیٹلائٹ 'سپوتنک' کو مدار میں چھوڑا۔ وہیں اپالو 11 خلائی مشن کی بدولت 20 جولائی 1969 کو امریکہ اپنی کامیابی کے ساتھ چاند پر اترا۔

افغان حملہ (Afghanistan Invasion)

ستر کی دہائی میں امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان کشیدگی ختم ہو رہی تھی۔ لیکن اسی دوران افغانستان کے حالات نے اس رجحان کو الٹ دیا۔ افغانستان کا بحران اس وقت مزید بڑھ گیا جب سوویت فوج نے افغانستان پر حملہ کیا تاکہ وہاں کی کمیونسٹ حکومت کو مجاہدین کہلانے والے باغیوں سے لڑنے میں مدد مل سکے۔ امریکہ نے اس کا جواب وہاں دس سال تک جاری رہنے والی جنگ میں مجاہدین عناصر کی حمایت سے دیا۔ اس جنگ کے نتیجے میں طالبان کو فروغ حاصل ہوا۔ امریکہ نے پاکستان کی آئی ایس آئی کے ذریعے مجاہدین کی مالی امداد کی۔ افغان جنگ 1989 میں ختم ہوئی جب سوویت فوجیں وہاں سے نکل گئیں۔ اس کے جنوبی ایشیا کے لیے دیرپا اثرات مرتب ہوئے۔

میخائل گورباچوف (Michael Gorbachev)

1985 میں میخائل گورباچوف سوویت یونین کے رہنما بن گئے۔ اس نے سرمایہ دارانہ اصلاحات کا آغاز کیا جسے Perestroika اور glasnost کہا جاتا ہے۔ اس کے زیر اثر 30 اکتوبر 1989 کو دیوار برلن کو بھی گرا دیا گیا۔ آخر کار 1991 میں سوویت یونین بکھر گیا اور نئے ممالک روس اور دیگر آزاد قوموں کے طور پر ابھرے۔ مشرقی یورپ کے بیشتر ممالک میں کمیونسٹ حکومتوں کے خلاف عوامی بغاوتیں ہوئیں جو اس ملک کے منتشر ہونے کی وجہ بنیں۔

ناوابستہ تحریک (Non-Aligned Movement)

سرد جنگ کا ایک اور نتیجہ غیر وابستہ تحریک / تحریک ناوابستگی (NAM) تھا۔ جب سرد جنگ شروع ہوئی تو ایشیا اور افریقہ کے براعظموں میں بہت سے ملک آزاد ہو چکے تھے۔ ہندوستان سمیت ان میں سے زیادہ تر امریکہ یا سوویت یونین کے ساتھ اتحاد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس کی وجہ سے NAM کی ممبر شپ میں ترقی ہوئی جس نے سرد جنگ کے پھیلاؤ کو روکنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا تاکہ پوری دنیا کو چھا جائے۔ NAM نیٹو جیسے فوجی بلاکس کے خلاف تھی۔ NAM ممالک کے جن بڑے لیڈروں نے اس میں اہم کردار ادا کیا ان میں ہندوستان کے جواہر لال نہرو، انڈونیشیا کے سوکارنو، مصر کے جمال عبد الناصر اور یوگوسلاویہ کے صدر مارشل ٹیٹو شامل تھے۔

18.8 سرد جنگ کا خاتمہ (End of Cold War)

سرد جنگ کا خاتمہ مندرجہ ذیل واقعات کے ساتھ ہوا۔

مشرقی بلاک میں اتحاد کا توڑ(Break of Unity in Eastern Block)

مشرقی بلاک میں اتحاد 1960 اور 1970 کی دہائیوں میں اس وقت ٹوٹنا شروع ہوا جب چین اور سوویت یونین کے درمیان اتحاد ٹوٹ گیا۔اس دوران کچھ مغربی ممالک کے ساتھ ساتھ جاپان بھی معاشی طور پر امریکہ سے زیادہ آزاد ہو گیا۔اس سے بین الاقوامی سطح پر زیادہ پیچیدہ تعلقات پیدا ہوئے، جس کا مطلب یہ تھا کہ چھوٹی قومیں اپنی حیثیت اور قومی وقار و آزادی کو قائم رکھنے کے لیے زیادہ مزاحم ہونے لگیں۔

گورباچوف:glasnost اور(Gorbachev) perestroika

سرد جنگ 1980 کی دہائی کے آخر میں، میخائل گورباچوف کی انتظامیہ کے دوران مناسب طریقے سے ٹوٹنا شروع ہوئی۔اس نے مشرقی بلاک میں معاشی مسائل کی وجہ سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے اصلاحات متعارف کروائیں جہاں اشیا کی قلت تھی۔شہریوں کو بغاوت سے روکنے کے لیے اقتصادی اصلاحات منظور کی گئیں جنہیں perestroika یا 'ریسٹرکچرنگ' کہا جاتا ہے اور آزادی اظہار پر پابندیوں میں نرمی کی گئی۔ پالیسی جسے گلاسنوسٹ، یا 'کھلا پن' کہا جاتا ہے۔ لیکن، یہ اصلاحات بہت دیر سے آئیں۔جب مشرقی یورپ میں کمیونسٹ حکومتیں ٹوٹ رہی تھیں تو مشرقی جرمنی، پولینڈ، ہنگری اور چیکوسلواکیہ میں جمہوری حکومتیں ان کی جگہ لینے کے لیے اٹھیں۔

دیوار برلن کا گرنا(Fall of Berlin wall)

1989 میں، برلن کی دیوار، جو آہنی پردے کی علامت تھی، کو دونوں طرف کے جرمنوں نے گرادیا کیونکہ وہ جرمنی کو متحد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔اسی دوران، کمیونسٹ مخالف جذبات کی لہریں پورے مشرقی بلاک میں پھیل گئیں۔

سوویت یونین کا زوال(The collapse of the Soviet Union)

سرد جنگ کا خاتمہ بالآخر 1991 میں سوویت یونین کے پندرہ نئے آزاد ممالک میں تشکیل پانے سے ہوا۔یو ایس ایس آر روسی فیڈریشن بن گیا اور اب کوئی کمیونسٹ رہنما نہیں رہا۔...

افغان حملے کے نتیجے میں سوویت یونین کے معاشی اور فوجی وسائل ختم ہو گئے اور میخائل گورباچوف کی کھلی پالیسی کے ساتھ اس میں اضافہ کیا گیا جس میں دو خصوصیات شامل ہیں یعنی گلاسنوسٹ (کھلا پن) اور پیریسٹروکا (تنظیم نو)، سوویت یونین اپنے انتشار کا شکار ہو گئی۔۔

18.9 سرد جنگ کا نتیجہ (Consequence of Cold War)

سرد جنگ کے بین الاقوامی معاملات میں دوررس اثرات مرتب ہوئے۔سب سے پہلے، اس نے خوف کی نفسیات کو جنم دیا جس کے نتیجے میں مزید جدید ترین ہتھیاروں کی تیاری کے لیے دیوانہ وار دوڑ شروع ہوئی۔نیٹو، سیٹو، وارسا پیکٹ، سینٹو، اینزس وغیرہ جیسے مختلف اتحاد صرف عالمی کشیدگی بڑھانے کے لیے بنائے گئے تھے۔دوم، سرد جنگ نے یو این او کو غیر موثر کر دیا کیونکہ دونوں عظیم طاقتوں نے مخالف کی طرف سے

تجویز کردہ اقدامات کی مخالفت کرنے کی کوشش کی۔ کوریائی بحران، کیوبا میزائل بحران، ویت نام کی جنگ وغیرہ اس سمت میں روشن مثالیں تھیں۔ تیسرا یہ کہ سرد جنگ کی وجہ سے تیسری دنیا بنی۔ افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کی بڑی تعداد نے دو عظیم طاقتوں کے فوجی اتحاد سے دور رہنے کا فیصلہ کیا۔ وہ غیر جانبدار رہنا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ ناوابسطہ تحریک (Non-Alignment Movements) سرد جنگ کا براہ راست نتیجہ بن گئی۔ چوتھی بات، سرد جنگ بنی نوع انسان کے خلاف ڈیزائن کی گئی تھی۔ اسلحے کی پیداوار میں غیر ضروری اخراجات نے دنیا کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کی اور ہر ایک ملک کو بُری طرح متاثر کیا اور لوگوں کے معیار زندگی میں بہتری کو روک دیا۔ پانچویں، 'پوری دنیا بطور خاندان' کا اصول، سرد جنگ کی وجہ سے مایوسی کی چٹان پر بکھر گیا۔ اس نے دنیا کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جو بنی نوع انسان کے لیے صحت مند علامت نہیں تھی۔ چھٹا، سرد جنگ نے ملکوں میں بے اعتمادی کی فضا پیدا کی۔ انہوں نے آپس میں سوال کیا کہ وہ روس یا امریکہ کے ماتحت کتنے غیر محفوظ ہیں۔ آخر کار سرد جنگ نے عالمی امن کو درہم برہم کر دیا۔ اتحاد اور جوابی اتحاد نے ایک پریشان کن ماحول پیدا کیا۔ یہ دنیا کے لیے ایک لعنت تھی۔ روس اور امریکہ عظیم طاقت ہونے کے باوجود بین الاقوامی بحران کے حل کے لیے آگے آئے لیکن پھر بھی وہ دنیا میں دائمی امن قائم نہ کر سکے۔

18.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- سرد جنگ کے معنی، وجوہات اور مختلف مراحل کو سمجھا۔
- سرد جنگ کے اہم واقعات کا مطالعہ کیا۔
- سرد جنگ کے نتائج کا جائزہ لیا۔
- سرد جنگ میں ایشیائی اور افریقی ریاستوں کا کردار سے واقف ہوئے۔

18.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

عظیم طاقت

عظیم طاقت ایک ایسی مملکت ہوتی ہے جس کی ایک غالب حیثیت ہوتی ہے جس کی خصوصیت عالمی سطح پر اثر و رسوخ یا پروجیکٹ پاور بنانے کی وسیع صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ اقتصادی، فوجی، تکنیکی، سیاسی اور ثقافتی طاقت کے ساتھ ساتھ سفارتی اور نرم طاقت کے اثر و رسوخ کے مشترکہ ذرائع سے کیا جاتا ہے۔

پراکسی جنگ

دو ریاستوں یا غیر ریاستی اداکاروں کے درمیان مسلح تصادم ہے، جن میں سے ایک یا دونوں اکسانے پر یا دوسرے فریقوں کی جانب سے کام کرتے ہیں جو براہ راست دشمنی میں ملوث نہیں ہیں

اتحادی طاقت

دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ کے قیادت میں یکجہ ہوئے مملکت کا ایک گروہ

Glasnost

جس کا مطلب ہے 'کھلا پن'، ایک پالیسی تھی جو سوویت یونین میں شفافیت اور تقریر کی آزادی میں اضافے کا مطالبہ کرتی تھی۔

Perestroika's

کا مقصد سوویت سوشلسٹ معیشت کی کارکردگی کو فروغ دینا تھا تاکہ یہ سرمایہ دارانہ معیشتوں کے ساتھ زیادہ مؤثر طریقے سے مقابلہ کر سکے

دوسری عالمی جنگ

یہ ایک عالمی جنگ تھی جو 1939 سے 1945 تک جاری رہی۔ اس میں دنیا کے ممالک کی اکثریت کے ساتھ دو بڑی طاقتیں اتحادی اور محور بھی شامل تھی۔

18.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

18.12.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ لفظ سرد جنگ کا استعمال پہلی بار کس نے کیا تھا؟

(a) ونسٹن چرچل (b) میکھائل گاروچوو

(c) برنارڈ بارچ (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ان میں سے کون سا ملک دوسری عالمی جنگ کے دوران اتحادی طاقتوں میں شامل نہیں تھا؟

(a) امریکہ (b) روس

(c) جاپان (d) فرانس

3۔امریکہ نے مارشل پلان کااعلان کس سال کیا تھا؟

(a) 1945 (b) 1946

(c) 1947 (d) 1948

4۔مورخین سرد جنگ کے کس مرحلہ کو 'نئی سرد جنگ' کہتے ہیں؟

(a) پہلا (b) دوسرا

(c) تیسرا (d) آخری

5۔سویت یونین کس سال میں ٹوٹا/منتشر ہوا تھا؟

(a) 1989 (b) 1990

(c) 1991 (d) 1992

6۔'ڈالر سامراجیت' کس ملک سے متعلق ہے؟

(a) امریکہ (b) روس

(c) جاپان (d) جرمنی

7۔کیوبا میزائل بحران کب ہوا تھا؟

(a) 1960 (b) 1962

(c) 1964 (d) ان میں سے کوئی نہیں

8۔'وارسا معاہدہ' پر کس ملک نے دستخط کیا تھا؟

(a) امریکہ (b) روس

(c) جاپان (d) فرانس

9۔NAM کا پورا نام کیا ہے؟

(a) Non-Aligned Movement (b) New-Aligned Movement

(c) Non-Alternate Movement (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ ویتنام کی جنگ میں کس عظیم ملک کی شکست ہوئی؟

(a) امریکہ (b) برطانیہ

(c) جرمنی (d) سویت روس

18.12.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سرد جنگ کیا ہے روشنی ڈالیئے۔
2. سرد جنگ کے معنی اور مفہوم کو بتایئے؟
3. سرد جنگ کی وجوہات کا جائزہ لیجیے؟
4. سرد جنگ دو عظیم طاقت کے درمیان جنگ تھی، سمجھایئے۔
5. سرد جنگ کے نتائج پر غور وفکر کیجیے۔

18.12.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سرد جنگ کے اہم واقعات کو بتائے۔
2. سرد جنگ کے مختلف مراحل کا جائزہ لیجئے۔
3. سرد جنگ کے خاتمہ پر روشنی ڈالیے۔

18.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, The Globalisation of World Politics (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, International Relations, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, International Relations, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, Understanding International Conflicts, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, Introduction to Global Politics, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, Bainul-Aqwaami Taaluqaat (Nisaab Publishers, 2005

اکائی 19۔ سرد جنگ: عالمی سیاست پر اثر

(Coldwar: Effects on World Politics)

اکائی کے اجزا:

19.0 تمہید
19.1 مقاصد
19.2 سرد جنگ کے معنی و مفہوم
19.3 سرد جنگ کا آغاز
19.4 یورپ میں دوسری جنگ عظیم کے بعد رونما تبدیلیاں جو سرد جنگ کی وجوہات بنیں
19.5 مختلف ممالک میں سرد جنگ کے اثرات
19.6 سرد جنگ کے مراحل
19.7 سرد جنگ کے مختلف مراحل میں اہم واقعات
19.8 سوویت یونین کا بکھراؤ
19.9 ایشیا اور افریقہ میں رونما ہونے والے واقعات جن سے سرد جنگ کا اثر کم ہوا
19.10 بھارت اور سرد جنگ
19.11 اکتسابی نتائج
19.12 کلیدی الفاظ
19.13 نمونہ امتحانی سوالات
19.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
19.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
19.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
19.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد

19.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء، جنگ عظیم دوّم کے بعد دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہو گئی تھی امریکہ کا بلاک ناٹو NATO تھا اور روس کا بلاک وار سوا تھا۔ امریکہ کے ساتھ برطانیہ، فرانس اور مغربی یوروپ کے ممالک تھے یہ جمہوریت پسند سرمایہ دار ممالک کا گروپ تھا جبکہ روس کے ساتھ مشرقی یوروپ کے ممالک تھے جو کمیونسٹ تھے۔ امریکہ اور روس دونوں نے اپنے اپنے گروپ کے ممالک کے ساتھ جنگی معاہدے کئے تھے جس کا مطلب تھا اپنے دوست پر حملہ خود پر حملہ۔ اس صف بندی نے تیسری عالمی جنگ کے حالات پیدا کر دئے تھے۔ یہ روس اور امریکہ میں برتری کی جنگ تھی جسے سرد جنگ کا نام دیا گیا۔ جس کے باعث بڑے پیمانے پر ہتھیاروں کی دوڑ شروع ہوئی، جوہری اسلحہ بنائے گئے، زمین سے لے کر خلاء تک دونوں ممالک ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگے ہوئے تھے۔ ایشیاء اور افریقہ کے نوآزاد ممالک میں امریکہ اور روس کی بے جا مداخلت جنگ کا سبب بنی جیسے کوریا، ویت نام، افغانستان اس جنگ کے شکار ہوئے۔ سرد جنگ نے بین الاقوامی تعلقات اور سیاست میں بہت گہرا اثر چھوڑا ہے۔

19.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبا اس لائق ہو جائیں گے

- سرد جنگ کے معنی اور مفہوم کو سمجھ سکیں۔
- سرد جنگ کے آغاز کی معلومات حاصل کر سکیں۔
- مختلف ممالک میں سرد جنگ کے اثرات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- سرد جنگ کے مراحل کو جان سکیں۔
- سرد جنگ اور بھارت کے تعلقات کو بھی سمجھ سکیں۔

19.2 سرد جنگ کے معنی و مفہوم (Meaning of Cold War)

لفظ 'سرد جنگ' (Cold War) کی اصطلاح امریکہ کے سرمایہ دار اور حکومت کے مشیر برنارڈ بروچ نے سب سے پہلے استعمال کیا۔ سرد جنگ ایک نظریاتی جنگ تھی جس میں پروپیگنڈہ کو بہت اہمیت حاصل تھی جس کے لئے جدید ترین ذرائع ابلاغ کا استعمال کیا گیا۔ سرد جنگ کی شروعات 1945 میں ہوئی اور اختتام 1991 میں ہوا۔ یہ دور دنیا کے ممالک میں معاشی، سیاسی اور فوجی کشمکش کا دور تھا امریکہ اور روس کے درمیان سرد جنگ چلی۔ اگرچہ دونوں نے براہ راست کوئی جنگ نہیں لڑی مگر دنیا کے مختلف ممالک میں ان کی دخل اندازی حقیقی جنگ میں تبدیل ہوئی۔

جارج آرویل نے 1945 میں لکھا تھا۔

''سرد جنگ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین روس اور اُن اتحادوں کے درمیان جاری سیاسی کشمکش تھی جو دوسری جنگ عظیم کے بعد تیار ہوئی۔ جو سپر پاور کے درمیان دشمنی ہے۔''

کوئزیسٹ کے مطابق،

'امریکہ اور سوویت روس کے درمیان باہمی عدم اعتماد اور مسابقت کا دور سرد جنگ ہے۔'

سرد جنگ کی عام تعریف ہے:

'سرد جنگ قوموں کے درمیان تصادم کی ایک حالت ہے جس میں براہ راست فوجی کاروائی شامل نہیں ہوتی مگر بنیادی طور پر معاشی، سیاسی کاروائیاں، پروپیگنڈہ، جاسوسی اور حواریوں کے ذریعہ کی جانے والی پراکسی جنگ (Proxy War) کا تعاقب کیا جاتا ہے۔'' سرد جنگ دو طاقتور بلاکس کے درمیان سیاسی دشمنی، فوجی تناؤ کی حالت جس میں پروپیگنڈا، بغاوت، دھمکیاں، اقتصادی پابندیاں اور کھلی جنگ سے کم دیگر اقدامات شامل ہیں خاص طور پر امریکہ اور سوویت بلاکوں کے درمیان۔''

19.3 سرد جنگ کا آغاز (Emergence of Cold War)

2، فروری 1945 میں یالٹا کانفرنس جو کریمیا سے ہوئی تھی اُس میں امریکہ میں صدر روزویلٹ، برطانیہ کے وزیر اعظم چرچل اور سوویت یونین روس کے اسٹالن نے شرکت کی تھی۔ اس کانفرنس میں روس اور امریکہ کے درمیان عدم اتفاق اور ایک دوسرے پر شک وشبہات سامنے آئے سوویت بلاک جو کمیونسٹ تھا اور امریکن بلاک جو سرمایہ دار آزاد خیال جمہوریت پسند تھا ایک دوسرے کے نظریاتی مخالف نظر آئے اس کے بعد جولائی میں پوٹسڈیم کانفرنس ہوئی اس کانفرنس میں مشرقی جرمنی پر دونوں بلاک میں کوئی اتفاق نہ ہو سکا، کانفرنس کے دوران جاپان پر گرائے گئے اٹم بم کی کوئی پیشگی اطلاع دوست ممالک کو نہ دی تھی جس کی وجہ سے روس ناراض ہو گیا کیونکہ نتیجہ یہ اخذ کیا گیا کہ امریکہ کے پاس خطرناک ہتھیار ہیں جو وہ کسی بھی وقت کمیونسٹ ممالک اور خاص طور سے سوویت روس کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔

نظریاتی اختلاف نے بھی روس اور امریکہ کے درمیان تناؤ اور کشیدگی پیدا کی تھی اسٹالن کو خدشہ تھا کہ امریکن بلاک جنگ کے ذریعہ کمیونسٹ حکومتوں کو ختم کر سکتا ہے اس لئے انھوں نے مشرقی یورپ میں کمیونزم کی تشہیر زور وشور سے کی جس کی وجہ سے روسی بلاک اور امریکی بلاک میں آپسی دشمنی بڑھتی گئی یہ الگ بات ہے کہ دونوں ممالک نے کبھی آپس میں جنگ نہیں کی مگر دونوں بلاکوں کے نظریاتی اختلافات، اقتصادی اقدامات، پروپیگنڈہ اور رویہ کو سرد جنگ کے نام سے جانا گیا۔

☆ سرد جنگ کی ابتدا یونان سے ہوئی۔ یونان انگلینڈ کے زیر تسلط تھا، یونان کی خانہ جنگی انگلینڈ اپنی معاشی اور فوجی کمزوری کے سبب روک نہ سکا ۔اس خانہ جنگی کا فائدہ اٹھا کر روس، یونان میں کمیونزم پھیلانا چاہتا تھا۔ انگلینڈ نے امریکہ سے سفارش کی کہ وہ یونان میں مداخلت کرے،

12، مارچ 1947 کو امریکی صدر ٹرومین نے 'ٹرومین ڈاکٹرین' اعلان نامہ جاری کیا اور اس طرح امریکہ روس کے خلاف یونان میں داخل ہوا جہاں سے سرد جنگ کی شروعات ہوئی۔ امریکہ نے یونان میں روس کے ذریعہ فروغ دیے جانے والے کمیونزم کو روکا۔ یونان کی فوجی، معاشی مدد کی گی اور اس طرح وہاں جمہوریت کو بحال کیا گیا۔ یونان سے سرد جنگ شروع ہوئی اس کے بعد روس اور امریکہ مد مقابل آئے تھے۔

مارشل پلان (Marshal Plan)

دوسری عالمی جنگ نے یوروپ کو معاشی اعتبار سے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ انگلینڈ اور فرانس بہت کمزور ہو گئے تھے یوروپ کی تعمیر نو اور ترقی کی غرض سے امریکہ کے سیکریٹری آف اسٹیٹ جارج سی مارشل نے جون 1947 کو "مارشل پلان" جاری کیا تھا اس میں کہا گیا کہ ہم کسی مخصوص ملک کے مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ بھوک غریبی، مایوسی، بدنظمی اور انفراتفری کے خلاف ہیں۔ ہمارا مقصد یوروپ میں اقتصادی بحالی کو یقینی بنانا ہے دراصل یہ ٹرومین نظریے کی ہی ایک کڑی تھی۔ جو مغربی یوروپ میں خواہش کی خواہ تھی مگر اس میں مشرقی یوروپ کو نظرانداز کیا گیا کیونکہ وہ کمیونزم کے حامی تھے اس لئے روس نے امریکہ پر الزام عائد کیا کہ وہ 'ڈالر استعماریت' کے ذریعہ یوروپ پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے اس لئے اسٹالن نے 2، ستمبر 1947 کو کمیونسٹ ممالک کو یکجا رکھنے کے لئے کومنفارم (Cominform) قائم کیا اور یوروپ میں امریکہ کے قدم کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ اس بات نے سرد جنگ میں شدّت پیدا کر دی تھی۔

19.4 یوروپ میں دوسری جنگ عظیم کے بعد رونما تبدیلیاں جو سرد جنگ کی وجوہات بنی

سرد جنگ' سوویت یونین روس اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے درمیان مخالفت اور تناؤ کا سبب بنی جس کے لئے یوروپ میں دوسری جنگ عظیم کے بعد حسب ذیل تبدیلیاں واقع ہوئیں جن کی وجہ سے سرد جنگ کے لئے راہ ہموار ہوئی اور بین الاقوامی تعلقات میں بدلاؤ دیکھنے کو ملا۔

(1) نظریاتی تبدیلی (Theoretical Changes)

سوویت روس کے ساتھ مشرقی یوروپ نے کمیونزم کو اپنایا اور سوشلسٹ طرز حکومت کو اولیت دی گئی جبکہ اس کے برعکس امریکہ برطانیہ، فرانس کے ساتھ مغربی یوروپ نے جمہوریت کو اولیت دی اور سرمایہ دارانہ نظام کو فروغ دیا۔

(2) معاشی تبدیلی (Economic Changes)

مشرقی یوروپ اور سوویت روس نے سوشلیسٹ معاشی نظام قائم کیا۔ جس میں پیداوار کے ذرائع، حکومت کے کنٹرول میں ہوتے ہیں اور نجی سیکٹر کو کوئی اہمیت نہیں ہوتی جبکہ مغربی یوروپ کے ممالک ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی رہنمائی میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو اولیت دی گئی اور نجی سیکٹر کو زیادہ تر فوقیت دی گئی جس کی وجہ سے وہاں کی معیشیت پر نجی سیکٹر کا غلبہ قائم کیا گیا۔

(3)سیاسی تبدیلی (Political Changes)

دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ میں واقع نظریاتی تقسیم دیکھنے کو ملتی ہے۔ مشرقی روپ کے ممالک مشرقی جرمنی، پولینڈ، ہنگری، رومانیہ، بلغاریہ البانیہ، سوویت روس کے اثر ورسوخ میں تھے جہاں کمیونسٹ آمرانہ حکومتیں قائم ہوئی۔ جبکہ برطانیہ، فرانس، ڈنمارک، نیدرلینڈ، بیلجیم، اٹلی، اسپین، یونان پر امریکہ کا اثر قائم ہوا اور ان ممالک میں جمہوریت کو فرغ دیا گیا آزاد خیالی ہو جن کو جمہوریت سے جوڑ کر دیکھا جانے لگا۔

(4)مشترکہ تحفظ(Collective Security)

سوویت روس اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اپنی بقاء کے لئے فوجی معاہدے کئے 1949 کو امریکہ نے مغربی یوروپ کے ممالک کے ساتھ ناٹو NATO فوجی تنظیم بنائی جس کا مقصد اپنے بلاک کا مشترکہ تحفظ تھا۔ یہ ایک فوجی اتحاد جن کے مطابق تھا اگر کسی ایک ملک پر حملہ ہوا تو پورے بلاک پر حملہ تصور کیا جاتا تھا۔ امریکن بلاک کی طرح 1955 میں مشرقی یوروپ کے ممالک نے روس کی سربراہی میں پولینڈ کے شہر میں وارسوا معاہدہ کیا یہ بھی جنگی معاہدہ تھا اور ممالک کے درمیان فوجی اتحاد تھا۔ ان فوجی اتحادوں کی وجہ سے مشرقی یوروپ اور مغربی یوروپ ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہو گئے اور ان کے درمیان ہتھیاروں کی دوڑ شروع ہو گی اور دنیا دو بلاکوں میں بٹ گئی۔

19.5 مختلف ممالک میں سرد جنگ کے اثرات(Effects of Cold war in different Countries)

سرد جنگ، سوویت روس اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے درمیان تھی اگرچہ دونوں نے براہ راست کوئی جنگ نہیں لڑی مگر یوروپ، ایشیاء، افریقہ اور شمالی امریکہ ممالک اس سرد جنگ کے شکار ہوئے وہاں نہ صرف تناؤ بلکہ جنگ کا ماحول بھی بنایا گیا اور کچھ ممالک میں دونوں عظیم طاقتوں نے ہتھیار اور معاشی مدد فراہم کر کے جنگ بھڑکا دی ان میں کوریا، ویت نام، افغانستان وغیرہ ممالک جنگ کی آگ میں جھلس گئے۔ کچھ ممالک نے تناؤ اور خوف کا ماحول دیکھا اس میں جرمنی، کیوبا، ہنگری، چیکوسلاوکیہ، مشرقی وسطیٰ شامل ہے سرد جنگ کے اثرات ان ممالک میں سب سے زیادہ ہوئے۔

(1)جرمنی(Germany)

1945 میں دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کو شکست فاش ہوئی اور اس کے نتیجہ میں جرمنی کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا امریکہ، برطانیہ ،فرانس اور سوویت روس نے چاروں حصّوں کو آپس میں بانٹ لیا امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے تینوں حصوں کو آپس ملا کر مغربی جرمنی بنایا اور روس کا حصہ مشرقی جرمنی کہلایا جہاں کمیونسٹ حکومت بنی اور مغربی جرمنی میں جمہوریت قائم کی گئی۔ جرمنی کی راجدھانی برلن کو بھی مشرقی برلن اور مغربی برلن میں تقسیم کیا گیا۔ مشرقی برلن پر روس کا تسلط تھا اور مغربی برلن پر امریکہ، برطانیہ اور فرانس کا قبضہ تھا۔ مغربی جرمنی میں معاشی ترقی دیکھ کر مشرقی جرمنی کے لوگ مغربی جرمنی میں جاکر آباد ہو رہے تھے اس کو روکنے کے لئے دیوار برلن کی تعمیر کی گئی۔ جرمنی کی

اس تقسیم نے یوروپ کو بھی مشرقی یوروپ اور مغربی یوروپ میں تقسیم کر دیا مشرقی یوروپ میں سوویت روس کی طرح کمیونسٹ حکومتیں قائم ہوئیں اور مغربی یوروپ میں امریکہ کے زیر اثر جمہوریت پسند حکومتیں قائم ہوئیں۔

1946 میں انگلینڈ کے وزیر اعظم چرچل نے امریکہ کے ویسٹ منسٹر کالج میں تقریر کے دوران کہا تھا:

''مشرقی یوروپ اور مغربی یوروپ کے درمیان فولادی پردہ (Iron Curtain) ہے جو حقیقت میں نہیں ہے مگر سوویت روسی بلاک اور امریکہ بلاک کے درمیان حائل ہے۔ جس نے یوروپ کو مشرق اور مغرب میں تقسیم کر دیا ہے۔'

(2) کوریا کی جنگ (Korean War)

دوسری جنگ عظیم سے قبل کوریا، جاپان کے زیر تسلط تھا 1945 میں جاپان کی شکست کے بعد کوریا دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا شمالی کوریا سوویت روس سے قریب تھا اور جنوبی کوریا امریکہ کے زیر اثر تھا۔ 1948 میں شمالی کوریا میں آزاد کمیونسٹ ریاست کی بنیاد ڈالی گئی اس حکومت کو ڈیموکریٹک پی پلس ریپبلک آف کوریا کے نام سے جانا گیا اور جنوبی کوریا میں ریبلیک آف کوریا حکومت بنی جس میں اُسے امریکہ کی حمایت حاصل تھی۔ کوریا میں روس اور امریکہ کی مداخلت نے سرد جنگ کو گرم جنگ میں تبدیل کر دیا۔ 1950 میں شمالی کوریا کی کمیونسٹ حکومت نے جنوبی کوریا پر حملہ کر دیا۔ امریکہ نے اقوام متحدہ کی طرف سے جنوبی کوریا کے لئے معاشی اور فوجی مدد فراہم کی یہ جنگ تقریباً تین سال چلی۔ شمالی کوریا کو چین اور روس نے بھرپور فوجی اور معاشی مدد دی اقوام متحدہ نے 1953 میں یہ جنگ کچھ شرائط کی بنیاد پر بند کروائی اس جنگ میں چین نے شمالی کوریا کا بہت ساتھ دیا تھا اسلئے جنگ بندی کے بعد چین دنیا کے نقشے پر ایک طاقتور ملک بن کر ابھرا تھا۔ اس علاقے میں کمیونزم عام کرنے میں چین کا اہم رول ہے۔ امریکہ اس جنگ میں کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ 38 پیرالل لائن (38th Parallel line) پر کوریا کو تقسیم کیا گیا۔ یہ جنگ کورین ہتھیار بندی معاہدے (Korean Armistic Agreement) کے تحت 27 جولائی 1953 میں بند ہوئی۔

(3) ہنگری کا بحران (Hungarian Crisis)

سوویت روس میں اسٹالن کی موت کے بعد خروشف نے اقتدار سنبھالا روس کے زیر اثر ممالک میں اصلاحات کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ ان اصلاحات نے کئی ممالک کو روس کا باغی بنا دیا جن میں ایک ہنگری بھی تھا۔ 1956 میں ہنگری نے روسی جابر حکومت کے خلاف بغاوت کی طلباء اور مزدوروں نے سوویت کنٹرول اور ہنگری پولس کے خلاف مظاہرے کئے اور ہنگری نے وارسوا معاہدے سے دستبرداری اختیار کر لی سوویت روس کو ہنگری کی یہ کاروائی پسند نہیں آئی 4 نومبر 1956 کو روسی فوج نے ہنگری پر ٹینکوں سے حملہ کر دیا امریکہ نے روس کے اس حملے کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اٹھایا سلامتی کونسل میں روس کے انخلاء کے لئے قرارداد رکھی گئی مگر روس نے اُسے ویٹو کر دیا تھا۔

(4)چیکوسلواکیہ(Czechoslovakia)

1948 میں کمیونسٹ روس نے طاقت کے بل پر چیکوسلاوکیہ پر قبضہ کر لیا تھادریں اثناء 1960 تک روس اور چین کے تعلقات کشیدہ رہے۔ اس کا فائدہ اٹھا کر کچھ مشرقی یوروپ کے ممالک سوویت روس کے کیمونزم کے خلاف جمہوریت پسندی کی طرف راغب ہوئے اور اپنے ملک میں کیمونزم کے خلاف جدوجہد کی تاکہ روس سے آزادی حاصل ہو سکے۔ چیکوسلواکیہ کے کمیونسٹ رہنما ڈوبیک نے ملک میں طرز زندگی کی تبدیلی کے لئے انقلاب کی بجائے سوشلسٹ جمہوری انقلاب کو اولیت دینا چاہتے تھے جو ایک طرح سے مغربی یوروپ اور امریکہ کی طرف داری تھی۔ وارسو معاہدے سے منسلک ممالک میں اس سے بے چینی کی کیفیت نے جنم لیا۔ 21؍اگست 1969 کو سوویت روس، مشرقی جرمنی اور بلغاریہ کی مشترکہ 60ہزار فوج نے چیکوسلواکیہ پر فوجی حملہ کر دیا۔ ناٹو بلاک نے اس حملے کی شدید مخالفت کی تھی۔ ڈوبیک کی جگہ ساک کو چیکوسلواکیہ کا لیڈر بنایا گیا۔ جس نے روس کی موافقت کی اور جنگ بند ہوئی۔

(5)کیوبا میزائل بحران(Cuba Missile Crisis)

شمالی امریکہ کا لاطینی ملک کیوبا۔ امریکہ کا پڑوسی ملک ہے۔ 1959 میں فیڈل کاسٹرو نے کیوبا میں اقتدار سنبھالا وہ کیمونزم کے حامی تھے اقتدار میں آتے ہی انھوں نے بنک، معاشی اداروں اور کمپنیوں کا قومیانہ کر دیا جس سے امریکہ کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا کیونکہ وہ ان تمام اداروں پر قابض تھا۔ 1961 میں جان ایف کینڈی امریکہ کے صدر منتخب ہوئے۔ کینڈی نے فیڈل کاسٹرو کے خلاف 1980 میں جلاوطن کیوبا کے لوگوں سے بغاوت کرانے کی کوشش کی C.I.A. نے کئی مرتبہ اُن کے قتل کی سازش رچی کیوبا پر امریکہ نے معاشی پابندیاں بھی عائد کر دیا اور کیوبا کے اثاثوں کو امریکہ میں منجمد کر دیا گیا۔ روس کے نکیتا خروشچیف نے فیڈل کاسٹرو کی مدد کی تھی اس لئے دونوں میں گہری دوستی ہو گئی دونوں نے فیصلہ کیا کہ کیوبا میں روس کے جوہری بلیسٹک میزائل نسب کئے جائیں۔ 1962 میں پوشیدہ طریقے سے نوکلئیر میزائلیں کیوبا میں نسب کر دی گئیں۔

امریکہ کو جیسے ہی اس بات سے آگاہی ہوئی جان کنیڈی نے Excomm یا انتظامیہ کمیٹی کی مٹینگ بلائی جس میں مختلف مشورے سامنے آئے جیسے کیوبا پر حملہ کر دیا جائے، کیوبا پر ڈپلومیٹک دباؤ بنایا جائے، اسٹرائک کر کے جوہری میزائل تباہ کر دیئے جائے مگر جان کنیڈی نے ان سب باتوں پر عمل نہیں کیا اس کی جگہ کیوبا کا بحر نا کا بندی (Naval Blocked) کر دی۔ جو بین الاقوامی قانون کے خلاف تھی ور اس سے روس کے بحری جہازوں کو کیوبا آنے سے روک دیا گیا۔ امریکہ اور روس کی بحری فوج نیوکلئیر ہتھیاروں کے ساتھ ایک دوسرے کے مد مقابل آگئی تھی۔ کیوبا نے میزائل ایکٹیو موڈ پر کر دیے تھے اور کسی بھی وقت تیسری عالمی جنگ شروع ہو سکتی تھی۔ جس میں بڑے پیمانے پر جوہری ہتھیاروں کا استعمال ہوتا۔ جان کینڈی نے حکم دیا کہ کیوبا کے خلاف کریش پروگرام شروع کیا جائے۔ 24 سے 72 گھنٹے میں کبھی بھی کیوبا پر حملہ ہو سکتا تھا۔ دریں اثناء روس کے نکیتا خروشچیف اور جان ایف کینڈی کے درمیان ہاٹ لائن پر ڈپلومیٹک بات چیت بھی جاری رہی۔ اور یہ طئے پایا کہ امریکہ نے ماسکو پر جوہری حملہ کرنے کے لئے ترکی اور اٹلی میں جیوپیٹر میزائل لگائے ہیں انھیں ہٹایا جائے اور اس بات کی یقین

دہانی کرائی جائے کہ امریکہ کیوبا پر فوجی حملہ نہیں کرے گا اور کیوبا پر سے پابندیاں ہٹالے گا۔امریکہ نے شرائط مان لی اور روس نے 28 اکتوبر 1962 میں کیوبا سے نیوکلئیر میزائل ہٹانے کا حکم جاری کر دیا۔اس واقعہ کی سرد جنگ میں اہمیت اس لئے ہے کہ اُس کے بعد روس اور امریکہ کے درمیان مذاکرات کا ایک نیاء دور شروع ہوا۔کشیدگی میں کمی کی گئی، تخفیف اسلحہ پر دونوں راضی ہوئے اور دنیا میں ہتھیاروں کی دوڑ کم ہوئی۔

(6)ویت نام جنگ(Vietnam War)

جنوب مشرقی ایشیاء کا ملک ویت نام فرانس کے تسط میں تھا۔دوسری جنگ عظیم میں ویت نام پر جاپان نے قبضہ کر لیا۔جنگ عظیم میں شکست کے بعد جاپان بے دخل کر دیا گیا اور ویت نام کے شمالی حصہ میں کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی جسے روس اور چین کی حمایت حاصل تھی۔جنوبی ویت نام کو مغربی یوروپ اور امریکہ اپنا آلہ کار بنانا چاہتے تھے دونوں بلاکوں کو ویت نام میں Proxy جنگ لڑنے کے لئے علاقہ مل گیا چین اور روس شمالی ویت نام کو معاشی اور فوجی مدد فراہم کر رہے تھے۔امریکہ اور فرانس کو اندازہ ہوا کہ جنوبی ویت نام میں بھی کیمونزم پھیل جائے گا کیونکہ 1954 میں جنوبی ویت نام پر شمالی ویت کا قبضہ ہو گیا جینیوا مذاکرات میں ویت نام کو دو حصوں میں بانٹا گیا۔امریکہ Domino Theory کے مطابق نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ایک ملک بھی کمیونسٹ سے ہار مانے اگر ایسا ہوا تو پورے خطے میں کیمونزم پھیل جائے گا اس لئے امریکہ نے جنوبی ویت نام میں فوجی مدد اور ہتھیار بھیجے۔کانگریس کی منظوری کے بعد تقریباً 5 لاکھ امریکہ فوجی جنگ میں شامل ہوئے۔شمالی ویت نام کی طرف سے روس اور چین جنوبی ویت نام کی طرف سے امریکہ اور مغربی ممالک کے درمیان یہ خون ریز جنگ ہوئی سرد جنگ میں دونوں بلاکوں کے درمیان یہ سب سے خطرناک جنگ تھی۔جس میں تقریباً 20 لاکھ سے زیادہ ویت نام کے لوگ مارے گئے امریکہ کے تقریباً 58 ہزار سے زیادہ فوجی مارے گئے کیونکہ امریکہ گوریلا جنگ کا مقابلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ویت نام کا جانی ومالی نقصان ہوا۔اُس کا بنیادی ڈھانچہ امریکی بم باری میں تباہ و برباد ہو گیا۔1973 میں امریکہ نے معاہدے پر دستخط کئے اور ویت نام سے اپنی فوجوں کا انخلاء کیا مگر شمالی اور جنوبی ویت نام میں جنگ جاری رہی شمالی ویت نام نے جنوبی ویت نام پر قبضہ کر لیا اور 2 جولائی 1976 کو سوشلسٹ ریپبلک آف ویت نام رکھا گیا جس کا کنٹرول فوج کے ہاتھ میں تھا۔ویت نام میں امریکہ کی شرمناک ہار ہوئی اس کا اسلحہ اور فوجی ساز وسامان برباد ہوا۔اس جنگ کے دوران تقریباً امریکہ میں چار صدر تبدیل ہوئے۔

19.6 سرد جنگ کے مراحل(Stages of Cold War)

بین الاقوامی تعلقات میں سیاسی مفکرین نے سرد جنگ کو 7 مراحل میں تقسیم کیا ہے۔

(1)پہلا مرحلہ	1945 سے 1949
(2)دوسرا مرحلہ	1949 سے 1953

(3)تیسرا مرحلہ 1953 سے 1957

(4)چوتھا مرحلہ 1957 سے 1962

(5)پانچواں مرحلہ 1962 سے 1969

(6)چھٹا مرحلہ 1969 سے 1978

(7)ساتواں مرحلہ 1979 سے 1991

19.7 سرد جنگ کے مختلف مراحل میں اہم واقعات(Importants Events during Cold War)

1945 سے 1959 کے درمیان سرد جنگ کا دور

اس دور میں مندرجہ ذیل سرد جنگ سے متعلق حالات وواقعات رونما ہوئے۔

- یوروپ نظریات کی بنیاد پر مشرقی یوروپ اور مغربی یوروپ میں تقسیم ہوا۔
- مشرقی یوروپ سوویت روس کمیونسٹ نظریات پر عمل پیرا ہوا۔
- مغربی یوروپ امریکہ کے سرمایہ دارانہ جمہوریت پر عمل پیرا ہوا۔
- 1949 میں چین کمیونسٹ ملک بنا۔
- 1949 میں ناٹو(NATO) تنظیم بنائی گئی۔
- 1950 سے 1953 کے بیچ کوریا کی جنگ ہوئی۔
- 1952 میں آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور امریکہ نے ANZUS تنظیم بنائی۔
- 1954 میں SEATO تنظیم میں آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، تھائی لینڈ، فلپائین، فرانس، برطانیہ اور امریکہ شامل ہوئے۔
- 1955 میں CENTO کی بنیاد ڈالی گئی اس میں ترکی، عراق، ایران اور پاکستان، انگلینڈ ممبر بنے۔
- 1955 میں وارسوا معاہدہ کیا گیا اور روسی جنگی بلاک بنایا گیا۔
- 1953 میں اسٹالن کی موت ہوگی اور نکیتا خروشحیف اقتدار میں آئے جو "پرامن بقائے باہم" کے نظریہ پر عمل پیرا ہوئے اور سرد جنگ کی شدت میں کمی لانے کی کوشش کی۔
- ایشیاء اور افریقہ میں علاقائی تنظیمیں تشکیل دی گئی افریقہ اور ایشاء کی قربت اور ترقی کے لئے ایشین تعلقات کانفرنس اور بانڈونگ کانفرنس کا انعقاد عمل آیا۔

1959 سے 1962 کے درمیان سرد جنگ کے باعث رونما ہونے والے اہم واقعات

- 1959 میں امریکن صدر آئزن ہاور اور روسی وزیراعظم نکیتا خروشچیف کے درمیان کیمپ ڈیوڈ(Camp David)مذاکرات ہوئے جس میں بات چیت سے مسئلہ کو حل کرنے پر دونوں سوپر پاور نے اپنی رضامندی ظاہر کی تاکہ سرد جنگ کی شدت میں کمی آئے۔
- 1961 میں غیر جانبدارانہ تحریک NAM کی بنیاد ڈالی گئی۔
- 1961 میں برلن کی دیوار بنائی گئی۔
- 1962 میں کیوبا میزائل بحران شروع و ختم ہوا۔

1962 سے 1972 کے درمیان سرد جنگ میں اہم واقعات

- سوویت روس اور امریکہ نے سرد جنگ کے تناؤ کو کم کرنے کی طرف قدم بڑھایا۔
- امریکہ کے صدر رچرڈ نکسن نے کمیونسٹ چین کا دورہ کیا اور چینی کمیونسٹ حکومت کو تسلیم کیا۔
- روس اور امریکہ کے درمیان براہ راست بات چیت کے لئے ہاٹ لائن کی شروعات ہوئی۔
- 1972 میں ماسکو چوٹی کانفرنس کے معاہدہ پر دستخط ہوئے جس میں ہتھیاروں کی تخفیف، جوہری ہتھیاروں میں کمی اور بیلیسٹک میزائل میں کمی اور SALT (I) معاہدے کئے گئے تاکہ سرد جنگ میں تناؤ کو کم کیا جاسکے۔ ماسکو میں امریکہ کے صدر رچرڈ نکسن اور بریزنو کی ملاقات اور مذاکرات ہوئے۔

1972 سے 1979 کے درمیان سرد جنگ کے دور کے اہم واقعات

- 1973 میں ویت نام کی جنگ بندی پر پیرس کانفرنس ہوئی۔
- 1975 میں Apollo Soyaz مشترکہ بین الاقوامی خلائی مشن میں امریکہ اور روس نے ساتھ میں حصہ لیا۔
- 1978 میں عرب اسرائیل تناؤ کو کم کرنے کے لئے کیمپ ڈیوڈ (Camp David) کانفرنس میں امریکہ، روس، مصر اور اسرائیل نے حصہ لیا۔ مشرقی وسطیٰ میں امن کے لئے فریم ورک کے معاہدہ پر دستخط ہوئے اور مشرقی وسطیٰ میں امن کے لئے خاکہ تیار کیا گیا۔
- مشرقی اور مغربی یوروپ کے درمیان تناؤ کم کرنے اور یوروپ کے تحفظ کے لئے ہیلسنکی کانفرنس(Helsink Conference) میں 35 یوروپی ممالک کے ساتھ امریکہ اور روس نے بھی حصہ لیا۔
- اس دور میں معاشی ترقی کے مد نظر رکھ کر عالمی تناؤ یا سرد جنگ میں کمی آئی جیسے ناوابستہ ممالک نے نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے لئے امیر ممالک سے مطالبہ کیا کہ وہ غریب ممالک کو عالمی اقتصادی فیصلہ سازی میں شریک کریں۔

اس دور میں شمال اور جنوب کے فرق کو اولیت دے دی گئی شمال یعنی شمالی کرّہ جس میں روس، امریکہ اور یورپ ترقی یافتہ ممالک تھے اور جنوب یعنی جنوبی کرّہ جس میں ایشیاء افریقہ اور جنوبی امریکہ کے غریب ممالک تھے یہ دور معاشی مسائل کا تھا جس نے بین الاقوامی سیاست اور تعلقات میں سرد جنگ کی جگہ معاشی اور اقتصادی مسائل نے لی یہ مطالبہ تیسری دنیا کا تھا۔

ایشیاء اور افریقہ میں علاقائی تنظیمیں اور فری ٹریڈ کی طرف دنیا کا دھیان گیا۔ تجارتی سہولتوں پر زور دیا گیا اور تجارتی رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

(V) 1979 سے 1985 کا سرد جنگ میں نیا موڑ

- 1979 میں دو اہم واقعات نے نئے سرد جنگ کے دور میں دنیا کو داخل کر دیا۔
- ایران میں امام خمینی کی قیادت میں اسلامی انقلاب آیا جس میں رضا شاہ پہلوی جو امریکہ کا دوست تھا اُسے معزول کر دیا گیا۔ ایرانی اسلامی انقلاب نے امریکہ کو سخت حریف تسلیم کیا ایران نے CENTO فوجی معاہدے سے علیحدگی اختیار کر لی۔
- افغانستان سے ببراک کارمل نے سوویت یونین روس کی مدد سے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور وہاں کمیونسٹ نظریات کی حکومت قائم کر لی اور افغانستان سوشلسٹ ملک بن گیا۔ اس طرح عالمی سطح پر سوویت روس اور امریکہ کے درمیان New Cold War یعنی نئے سرد جنگ کا آغاز ہوا۔

1985 سے 1991 کے درمیان سرد جنگ

- 1989 میں افغانستان میں روس کو شکست ہوئی اور اُسے اپنی فوجیں افغانستان سے واپس بلانی پڑی۔
- سوویت یونین روس میں کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکریٹری اور روسی صدر میخائل گوربہ چوف نے نئی پالیسی 'گلاس نوست' Glassnost اور 'پیرا ستورائیکا' Perestorika پر عمل شروع کیا۔ جس سے روس میں سماجی اور سیاسی تبدیلی آئی اور روس نے اپنی آمرانہ رویہ کو تبدیل کیا۔ چین سے مذاکرات، ہتھیاروں پر کنٹرول اور تخفیف اسلحہ جیسے اصول اپنائے۔
- 'پیرا ستورائیکا' کے تحت سوویت روس میں سیاسی اور اقتصادی نظام کی تعمیر نو کا آغاز ہوا۔ روس نے اپنے آمرانہ رویہ کو تبدیل کیا، جمہوری طرز عمل سے آزاد انتخابات، کمیونسٹ پارٹی کے علاوہ دیگر سیاسی جماعتوں کو منظوری معیشت پر مرکزی کنٹرول کو ختم کیا گیا۔ عوام کو اظہار رائے کی آزادی دی گئی۔ تنقید کا حق عوام کو دیا گیا۔ گلاس نوست نے کھلا پن سماج میں پیدا کیا اور کمیونسٹ پارٹی کا اجارہ داری ختم کر دی گئی۔
- 1991 میں روس کا انتشار عمل میں آیا اور روس کے علاوہ 14 نئے ممالک دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئے۔
- 25 فروری 1991 کو ورسا معاہدہ اختتام پذیر ہوا اور اس طرح ایک عظیم طاقت کے طور پر روس کے انتشار سے سرد جنگ کا خاتمہ ہو گیا کے ساتھ ہی سرد جنگ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔
- دو قطبی نظام کی جگہ ایک قطبی نظام قائم ہوا اور دنیا میں امریکہ ایک ہی عظیم طاقت رہ گیا۔

- مشرقی یوروپ کے کمیونسٹ ممالک پولینڈ، ہنگری، رومانیہ، سربیا، مشرقی جرمنی وغیرہ نے مغربی یوروپ کی طرح جمہوریت اور امریکی نظریات کو اپنالیایورپ میں آئرن کرٹن (آہنی دیوار) گرادی گئی مشرقی اور مغربی یوروپ کا فرق مٹ گیا۔

سوویت روس کے بکھراؤ کے بعد فوجی، خارجہ پالیسی اور معاشی ترقی کے لئے روس نے نو آزاد ممالک سے مل کر C.I.S (Common Wealth Independent States) آزاد ریاستیں کی دولت مشترکہ قائم کی تھی جس میں آرمینا، آذربیجان، جارجیا، قذاکستان، کرغستان، مالڈوا، تاجکستان، ترکمانستان، روس، یوکرین، بیلاروس شامل تھے۔

19.8 سوویت یونین روس کا انتشار (Collapse of Soviet Union)

سوویت یونین روس 15 ریاستوں پر مشتمل ایک ملک تھا جس میں کمیونسٹ حکومت تھی 1991 سے قبل یہ دنیا کے دو سوپر پاور میں ایک تھا اس کا وار سوا ایک جنگی بلاک تھا جس نے امریکہ کے ناٹو کو برابری سے ٹکر دی تھی اور امریکہ سے سرد جنگ کی تھی۔ روس کا کمیونزم آمرانہ تھا جس میں جمہوریت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ لینن کے بعد اسٹالن نے ان ہی خطوط پر سوویت روس کو چلایا اور روس کے اثر ورسوخ کو دنیا کے ممالک میں فروغ دیا تھا۔ اسٹالن کے بعد نکیتا خروشچیف کا دور اقتدار سوویت روس میں آیا۔ خروشچیف پر امن بقاء باہم کے نظریات کی بنیاد پر بین الاقوامی تعلقات اور سیاست پر عمل کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ اسلئے 1962 سے 1972 کے دور میں سرد جنگ کی شدت میں کمی واقع ہوئی تھی۔ امریکہ اور روس کے درمیان کئی مرتبہ مذاکرات ہوئے، ہاٹ لائن پر دونوں ممالک کی بات ہوتی تھی اور کئی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں جوہری ہتھیاروں میں کمی، تخفیف اسلحہ پر معاہدے ہوئے۔

لیکن افغانستان میں روس کی کمیونسٹ حکومت کی فوج کشی اور ایران میں اسلامی انقلاب نے ایک مرتبہ پھر نئی سرد جنگ کا آغاز کر دیا۔ روس کو افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلانی پڑی۔ 1985 میں میکائل گوربہ چوف سوویت روس کے صدر بنے اُنھوں نے روس میں کئی اصلاحات کا اعلان کیا جس میں 'پیرا ستورائیکا' اور 'گلاس نوست' قابل ذکر ہیں۔ جس سے سوویت روس کے رویہ میں تبدیلی آئی گوربہ چوف انسانی وقار اور آزادی کے علم بردار تھے اس لئے انھوں نے اظہار خیال کی آزادی کی حمایت کی نئی سیاسی جماعتوں کو بنانے کا حق دیا۔ 1990 کو نئے سال کے آغاز میں انھوں نے کہا تھا۔

"1989 سرد جنگ کے خاتمے کا سال تھا۔ آنے والی دہائی تہذیب کی تاریخ کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز دور ہوگی۔" 1989 میں برلن کی دیوار مہندم کر دی گئی۔ مشرقی اور مغربی جرمنی متحد ہو کر ایک ملک بن گئے۔ پولینڈ میں نئی آزاد حکومت قائم ہوئی۔ ہنگری میں کمیونسٹ پارٹی کو تحلیل کر دیا گیا اور مغربی یوروپ کے طرز پر جمہوریت مشرقی یوروپ میں قدم جمانے لگی۔ سوشلسٹ معاشی نظام کو تبدیل کر کے امریکہ کے سرمایہ دارانہ نظام کو مشرقی یوروپ کے ممالک نے قبول کرنا شروع کر دیا۔ فروری 1991 میں وار سوا معاہدہ ختم کر دیا گیا۔

میکائل گوربہ چیف کی پالیسی کے سبب 25 دسمبر 1991 کو روس کے 15 ٹکڑے ہو گئے اور ایک سوپر پاور کا خاتمہ ہو گیا اور دو قطبی نظام بھی ختم ہو گیا اور اُسکی جگہ ایک قطبی نظام نے لے لی۔ امریکہ ایک ہی سوپر پاور رہ گیا اور اس طرح روس کے بکھرنے کے بعد سرد جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ آرمینا، آذربائی جان، بیلاروس، اسٹونیا، جارجیہ، قذاکستان، کرخستان، تاجکستان، ترکمانستان، مالڈدوا، لاٹویا، لیتھوانیہ، بیلاروس، یوکرین اور روس یہ 15 نئے ممالک دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئے۔

گوربہ چیف کی 'گلاس نوست' اور 'پیرااسترایکا' کی پالیسی نے روس میں کمیونزم کو ختم کر کے جمہوریت کا راستہ ہموار کیا۔ اس طرح سرد جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور دراصل روس کا بکھراؤ ہی سرد جنگ کا خاتمہ ہے۔

19.9 ایشیاء اور افریقہ کے ممالک میں رونما ہونے والے واقعات جن سے سرد جنگ کا اثر کم ہوا

1945 کے بعد ایشیاء اور افریقہ کے بہت سارے ممالک نے یوروپ کے سیاسی تسلط سے آزادی حاصل کی تھی اور اُن نو آزاد ممالک کے سامنے بین الاقوامی تعلقات میں خارجہ پالیسی کے اصول طے کرنے تھے۔ بھارت نے اپنی خارجہ پالیسی کا بنیادی اصول غیر جانبداری کو بنایا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ فوجی اتحاد، جنگی معاہدوں سے گریز کرنا اور فوجی بلاکوں سے غیر جانبداری یا ناوابستگی کی پالیسی اختیار کرنا تھا۔ اس لئے ایشیاء اور افریقہ کے نو آزاد ممالک نے دونوں بلاکوں سے لگ رہنے کی پالیسی پر عمل کیا۔ 1961 میں بھارت کے وزیراعظم پنڈت نہرو، یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو مصر کے صدر جمال ناصر اور انڈونیشیاء کے وزیراعظم سوکارنو نے NAM نام تنظیم کی بنیاد ڈالی اس تنظیم کا مقصد امن وامان اور فوجی اتحاد اور جنگی معاہدوں سے گریز کرتا تھا۔ نام کی امن پسندی کے سبب اس میں 100 سے زیادہ ممالک شامل ہوئے جس نے سرد جنگ کے اثر کم کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا۔ یہ ممالک کبھی پاور بلاک میں شامل نہیں ہوئے۔ سرد جنگ جہاں بھی حقیقی جنگ میں تبدیل ہوئی ان ممالک نے اقوام متحدہ کی طرف سے مداخلت کر کے امن قائم کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا۔ ایشیاء اور افریقہ میں کئی اہم کانفرنس کاانعقاد کیا گیا۔ علاقائی تنظیمیں بنائی گئی جن کا مقصد معاشی، تعلیمی، تکنیکی، سماجی اور تہذیبی ترقی میں تیزی لانا تھا۔ جسے سارک، بمسٹیک، برکس، ایشین وغیرہ علاقائی تنظیموں نے جنگ کی بجائے امن اور تعمیر و ترقی کو اپنا مقصد سمجھا اور اسطرح سرد جنگ کے شعلوں کو بھڑکنے سے روکا۔

19.10 بھارت اور سرد جنگ (India and Cold War)

دوسری عالمی جنگ کے بعد سرد جنگ کی شروعات ہوئی 15، اگست 1947 کو بھارت نے آزادی حاصل کی تھی بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو بھارت کی خارجہ پالیسی کے معمار تصور کئے جاتے ہیں۔ اُن کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ روس اور امریکہ کے بلاکوں میں کس بلاک میں شامل ہوں بھارت معاشی، تعلیمی، فوجی صنعتی، زرعی ہر اعتبار سے پیچھے تھا۔ جنگی پاور بلاک میں شامل ہونا گویا جنگ

میں شامل ہونا تھا اس لئے پندت نہرو نے دونوں جنگی بلاکوں سے الگ رہنے کی پالیسی اختیار کی جیسے بھارت کی غیر جانبدارانہ پالیسی یا ناوابستگی کی پالیسی کہتے ہے۔ بھارت نے جنگ کی بجائے امن کے راستے کو اختیار کیا تھا یہ پالیسی افریقہ اور ایشیاء کے نوآزاد ممالک کو اتنی پسند آئی کہ ہر کسی نے اس پالیسی کو اپنی خارجہ پالیسی میں جگہ دی۔ پنڈت نہرو سے سوال کیا گیا کہ آپ کیا دنیا سے الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں اُن کا جواب تھا "ہماری غیر جانبداری کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ ہم دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہیں بلکہ جہاں بھی حملہ ہوگا کسی کو دھمکایا جائے گا اور امن کو خطرہ لاحق ہوگا تب ہم نہ غیر جانبدار ہوں گے اور نہ ہی ناوابستہ بلکہ اُس کے خلاف کھڑے ہوں گے۔"

اس طرز فکر کو قبول یا پسند کرنے والے ممالک نے 1961 میں ناوابستہ تحریک (Non Alignment Movement) کی بنیاد رکھی تھی جس میں بھارت کے وزیر اعظم پنڈت نہرو، مصر کے جمال ناصر، انڈونیشاء کے سوکارتو اور یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو، پیش پیش تھے اور آگے چل کر تقریباً 100 سے زیادہ ممالک اس میں شامل ہوئے۔

اس تنظیم نے امریکی بلاک اور روسی بلاک کو پھیلنے سے روکا اور سرد جنگ کی شدت کو کم کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا کیونکہ زیادہ تر ممالک غیر جانبداری کے حق میں تھے اور عالمی امن استحکام اور معاشی ترقی کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ بھارت اس کا روحِ رواں تھا۔

19.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ نے

- سرد جنگ کے معنی اور مفہوم کو جانا۔
- سرد جنگ کے آغاز کی معلومات حاصل کیا۔
- مختلف ممالک میں سرد جنگ کے اثرات سے واقفیت حاصل کی۔
- سرد جنگ کے مراحل سے روبرو ہو پائے۔
- سرد جنگ اور بھارت کے تعلقات کو بھی سمجھا۔

19.12 کلیدی الفاظ (Keywords)

سرمایہ دار ممالک

ایسے ممالک جس میں پیداوار کے ذرائع، مال، زمین، کارخانے وغیرہ کا کنٹرول عوام کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جس میں پیداوار کے ذرائع کا استعمال منافع پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

پراکسی جنگ

دو ریاستوں یا غیر ریاستی اداروں کے درمیان مسئلہ تصادم ہوتا ہے جن میں سے ایک یا دونوں اکسانے پر یا دوسرے فریقوں کی جانب سے کام کرتے ہیں جو براہ راست دشمنی میں ملوث نہیں ہوتے ہیں۔

DSALT اور IDSALT

امریکہ اور روس کے درمیان آپسی دشمنی اور کشیدگی کو کم کرنے کے لیے 1970 اور 1979 میں دو معاہدے کیے گئے تھے۔

19.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

19.13.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ لفظ سرد جنگ (Cold War) کا سب سے پہلے استعمال.....................نے کیا تھا۔

(a) مارشل ٹرومین　　(b) برنارڈ بروچ

(c) کرنل ناصر　　(d) روجولٹ

2۔ سرد جنگ کی شروعات................کے بعد ہوئی تھی۔

(a) پہلی جنگ عظیم　　(b) دوسری جنگ عظیم

(c) تیسری عالمی جنگ　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔...............میں کوریا جنگ شروع ہوئی تھی۔

(a) 1950　　(b) 1962

(c) 1948　　(d) 1952

4۔ امریکہ کے بلاک کا نام.................تھا۔

(a) وارسوا　　(b) ناٹو

(c) سارک　　(d) سیٹو

5۔ سوویت روس کے ساتھ.................یوروپ کے ممالک تھے۔

(a) مغربی | (b) شمالی

(c) مشرقی | (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ میزائل کا بحران 1962 میں................ملک میں ہوا تھا۔

(a) افغانستان | (b) ویت نام

(c) کیوبا | (d) کوریا

7۔ دیوار برلن...........................ملک میں تعمیر کی گئی تھی۔

(a) فرانس | (b) انگلینڈ

(c) جرمنی | (d) برطانیہ

8۔ سرد جنگ کا اختتام.............میں ہوا تھا۔

(a) 1989 | (b) 1991

(c) 1999 | (d) 1992

9۔...........سوویت یونین روس کے طاقتور لیڈر تھے۔

(a) کینڈی | (b) اسٹالن

(c) روزویلٹ | (d) ان میں کوئی نہیں

10۔ سرد جنگ.............ممالک کے درمیان لڑی گئی۔

(a) امریکہ اور سوویت روس | (b) فرانس اور انگلینڈ

(c) کوریا اور جرمنی | (d) ان میں سے کوئی نہیں

19.13.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سرد جنگ کے دنیا پر ہونے والے اثرات لکھئے؟
2. سرد جنگ کے معنی اور مفہوم پر مختصر روشنی ڈالئے؟
3. دوسری جنگ عظیم کے بعد یوروپ میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو واضح کیجئے؟

4. سرمایہ دارانہ معاشی نظام اور سوشلسٹ معاشی نظام میں کیا فرق ہے لکھئے۔

5. کوریا کی جنگ پر نوٹ لکھئے۔

19.13.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1.بھارت اور سرد جنگ پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے

2.سرد جنگ کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالیے

3.مختلف ممالک پر سرد جنگ کے اثرات کا جائزہ لیجئے۔

19.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, The Globalisation of World Politics (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, International Relations, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, International Relations, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, Understanding International Conflicts, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, Introduction to Global Politics, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, Bainul-Aqwaami Taaluqaat (Nisaab Publishers, 2005)

اکائی 20۔ تخفیفِ اسلحہ

(Disarmament)

اکائی کے اجزا:

20.0	تمہید
20.1	مقاصد
20.2	تخفیف اسلحہ کی تاریخ
20.3	تخفیف اسلحہ کے معنی
20.4	تخفیف اسلحہ کی ضرورت
20.5	تخفیف اسلحہ کے راہ میں روکاوٹیں
20.6	تخفیف اسلحہ کے لئے کوشش
20.7	اکتسابی نتائج
20.8	کلیدی الفاظ
20.9	نمونہ امتحانی سوالات
20.9.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
20.9.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
20.9.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
20.10	تجویز کردہ اکتسابی مواد

20.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء، اقوام متحدہ کی پیدائش کے بعد سے، کثیر الجہتی تخفیف اسلحہ اور ہتھیاروں کی حد بندی کے اہداف بین الاقوامی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے تنظیم کی کوششوں میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

اقوام متحدہ نے جوہری ہتھیاروں کو کم کرنے اور بالآخر ختم کرنے، کیمیائی ہتھیاروں کو تباہ کرنے، اور حیاتیاتی ہتھیاروں کی ممانعت کو مضبوط بنانے کو سب سے زیادہ ترجیح دی ہے — یہ سب بنی نوع انسان کے لیے سنگین ترین خطرات ہیں۔ جب کہ یہ مقاصد برسوں کے دوران مستقل رہے ہیں، سیاسی حقائق اور بین الاقوامی صورتحال کے ارتقاء کے طور پر غور و فکر اور مذاکرات کا دائرہ کار تبدیل ہوا ہے۔

بین الاقوامی برادری چھوٹے ہتھیاروں اور ہلکے ہتھیاروں کے ضرورت سے زیادہ اور غیر مستحکم کرنے والے پھیلاؤ پر زیادہ باریک بینی سے غور کر رہی ہے اور بارودی سرنگوں کی بڑے پیمانے پر تعیناتی کا مقابلہ کرنے کے لیے متحرک ہو گئی ہے - ایسے آلات جو معاشروں کے معاشی اور سماجی تانے بانے کو خطرہ بناتے ہیں اور عام شہریوں کو ہلاک اور معذور کر دیتے ہیں۔ جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ اس بات کو بھی وسیع تر تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام قسم کے ہتھیار خواتین، مردوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو مختلف طریقے سے متاثر کرتے ہیں۔

اقوام متحدہ بھی نئی معلومات کے اثرات پر توجہ دے رہا ہے، ٹیلی کمیونیکیشن ٹیکنالوجیز اور دیگر ابھرتی ہوئی بین الاقوامی سیکورٹی پر ٹیکنالوجی.

عالمی کوششوں کے ذریعے، بعض ہتھیاروں کو ریگولیٹ کرنے، محدود کرنے یا ختم کرنے کے مقصد سے کئی کثیر جہتی معاہدے اور آلات قائم کیے گئے ہیں۔ ان میں جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کا معاہدہ، جامع نیوکلیئر ٹیسٹ پر پابندی کا معاہدہ، جوہری ہتھیاروں کی ممانعت کا معاہدہ، حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں کا معاہدہ، اینٹی پرسنل بارودی سرنگ کنونشن، کلسٹر گولہ باری کا کنونشن شامل ہیں۔ ان میں کچھ روایتی ہتھیاروں اور ہتھیاروں کی تجارت بھی شامل ہے۔

20.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ،

- تخفیف اسلحہ کی مختصر تاریخ سے واقف ہوں گے۔
- تخفیف اسلحہ کے معلومات کو بھی حاصل کریں گے۔
- تخفیف اسلحہ کی ضرورت اور اس کے راہ میں روکاوٹیں کو سمجھ پائیں گے۔
- تخفیف اسلحہ کے لئے کی گی کوشش سے روبرو ہوں گے۔

20.2 تخفیف اسلحہ کی مختصر تاریخ (Short History of Disarmament)

تخفیف اسلحہ کا تصور پرانا ہے۔ یہ ایک طویل عرصے سے بین الاقوامی سلامتی کے حصول کے لیے ایک آلہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ اس کی تاریخ 546 قبل مسیح تک معلوم کی جا سکتی ہے۔ جب جنگ کرنے والی چینی حکمرانوں نے ایک کانفرنس میں ملاقات کی اور ان کے درمیان

طویل جنگوں کو ختم کرنے کے لیے تخفیف اسلحہ کے معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ جدید دور کے آغاز کے ساتھ ہی تخفیف اسلحہ کی خواہش میں اضافہ ہوا۔

بڑی طاقتیں مغربی طاقتوں اور روس کی طرف سے کئی کوششیں کی گئیں۔ لیکن بڑی طاقتوں کے خلاف گہرے شکوک و شبہات کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس لیے تخفیف اسلحہ کے لیے اقدامات اس طرح ڈیزائن کیے گئے تھے کہ مفادات

تجویز کرنے والوں کو تحفظ دیا جا سکتا ہے۔ تخفیف اسلحہ کی تمام کوششیں ناکامی پر ختم نہیں ہوئیں۔ غالباً جدید دور میں تخفیف اسلحہ کا پہلا معاہدہ جو اب بھی جاری ہے، 1817 میں برطانیہ اور امریکہ نے دستخط کیے تھے جسے 'رش۔ باگوٹ معاہدے' کے نام سے جانا جاتا ہے جس نے کینیڈین امریکن فرنٹیئر کو غیر فوجی بنانے کی کوشش کی تھی۔

1899 میں پہلی بین الاقوامی تخفیف اسلحہ کانفرنس ہیگ میں منعقد ہوئی۔ تمام یورپی بڑی طاقتوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی جو کہ بڑی کامیابی کے بغیر ختم ہوئی۔ تاہم، اس نے مخصوص قسم کے مہلک ہتھیاروں پر پابندی لگانے کی قراردادیں منظور کیں، اور ریاستوں سے کہا کہ فوجی اخراجات کو محدود کریں تاکہ مزید فنڈز کو ترقیاتی مقاصد کے لیے منتقل کیا جا سکے۔ دوسری بین الاقوامی تخفیف اسلحہ کانفرنس 1907 میں ہیگ میں دوبارہ منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس عصری ہتھیاروں کی بڑھتی ہوئی دوڑ کو روکنے میں ناکام رہی۔ 1914 میں جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو تمام متحارب ممالک نے اپنے وعدوں اور وعدوں کو توڑ دیا جو ان کی طرف سے مختلف طریقوں سے کانفرنسیں اور اجلاس میں دیے گئے تھے۔ جنگ کے بعد، پہلی بین الاقوامی تنظیم، جسے 'لیگ آف نیشنز' کا نام دیا گیا، 1920 میں قائم کیا گیا۔ اس نے تخفیف اسلحہ سے متعلق مسائل پر بات چیت کے لیے ایک فورم کے طور پر کام کیا۔ تخفیف اسلحہ ان کے پسندیدہ مقاصد میں سے ایک تھا۔

لیگ آف نیشنز، لیگ کے زیر اہتمام کانفرنسیں منعقد ہوئیں، تخفیف اسلحہ سے متعلق مطالعات کو اسپانسر کیا گیا۔ لیگ آف نیشنز نے 1932 میں پہلی عالمی تخفیف اسلحہ کانفرنس بلائی۔ تاہم اس کانفرنس نے تخفیف اسلحہ کے عمل کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ تخفیف اسلحہ کانفرنسیں لیگ آف نیشنز کے باہر بھی منعقد کی گئیں۔ امریکہ نے 1922 میں واشنگٹن میں بحری کانفرنس کا انعقاد کیا۔ واشنگٹن نیول کانفرنس ایک معاہدے کے ساتھ ختم ہوئی جس کے تحت جنگی جہازوں کے سائز کو محدود کیا گیا، جنگی جہازوں اور ہوائی جہازوں کی تعمیر پر دس سال کے لیے پابندیاں عائد کی گئیں۔ اس معاہدے نے بحرالکاہل میں بحری اڈوں کے اندھا دھند اضافے پر بھی پابندی عائد کر دی۔

دوسری جنگ عظیم میں بڑے پیمانے پر ہونے والی تباہی اور جاپان پر ایٹم بم کے حملے کے تباہ کن اثرات نے ایک بار پھر لوگوں کو عالمی امن اور تخفیف اسلحہ کے لیے بے چین کر دیا۔ جنگ کا خاتمہ نئے عالمی ادارے کی تشکیل کے ساتھ ہوا، جسے اقوام متحدہ (UN) کہا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1946 میں اپنے پہلے اجلاس میں اقوام متحدہ کے ایٹمی توانائی کمیشن (UNAEC) کی بنیاد رکھی، جس سے ہتھیاروں کے خاتمے کے لیے مخصوص سفارشات کرنے کو کہا گیا تھا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے UNAEC کو ترقیاتی مقصد کے لیے جوہری توانائی کے پرامن استعمال کے لیے منصوبہ تیار کرنے کے لیے بھی بلایا۔

20.3 تخفیف اسلحہ کے معنی (Meaning of Disarmament)

تخفیف اسلحے کا لفظی مطلب ہتھیاروں کی کمی یا خاتمہ ہے۔ 'تخفیف اسلحہ' کی اصطلاح بہت عام معنوں میں استعمال ہوتی ہے اور اس طرح یہ ہتھیاروں کی محدودیت، یا کنٹرول، یا تخفیف، یا خاتمے کے خیال کو ظاہر کرتی ہے۔ مور گینتھاؤ کے مطابق، "اسلحے کی دوڑ کو ختم کرنے کے مقصد سے کچھ یا تمام ہتھیاروں کی تخفیف یا تخفیف اسلحہ ہے۔" تخفیف اسلحہ اتنا وسیع لفظ بن گیا ہے کہ اسلحے کے ضابطے سے متعلق کوئی بھی معاملہ اس کے معنی میں آتا ہے تخفیف اسلحہ کی قسم؛

- عمومی اور مقامی تخفیف اسلحہ: عمومی تخفیف اسلحہ میں، تمام یا زیادہ تر بڑی طاقتیں حصہ لیتی ہیں۔ مثالیں ہیں بحری ہتھیاروں کی حد بندی کے لیے 1922 کا واشنگٹن معاہدہ، جس پر تمام بڑی بحری طاقتوں نے دستخط کیے، اور 1932 کی عالمی تخفیف اسلحہ کانفرنس بھی اس میں شامل ہے۔ ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا کے درمیان 1817 کا رش- باگوٹ معاہدہ اس قسم کی ایک مثال ہے۔
- مقداری اور معیاری تخفیف اسلحہ: مقداری تخفیف اسلحہ سے مراد زیادہ تر یا تمام اقسام کے ہتھیاروں کی مجموعی کمی ہے۔ یہ 1932 میں عالمی کانفرنس میں نمائندگی کرنے والی زیادہ تر اقوام کا ہدف تھا۔ کوالٹیٹو تخفیف اسلحہ کا مقصد صرف مخصوص مخصوص قسم کے ہتھیاروں کو کم کرنا یا ختم کرنا ہے جیسا کہ اقوام متحدہ کے ایٹمی توانائی کمیشن نے بحث کی تھی۔
- کل تخفیف اسلحہ: کل تخفیف اسلحہ کا مقصد ہتھیاروں کا مکمل خاتمہ ہے۔ کسی بھی قسم کا کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔ تخفیف اسلحہ اور اسلحہ کنٹرول: تخفیف اسلحے کا تعلق اسلحے کی کمی یا خاتمے سے ہے، لیکن یہ صرف موجودہ ہتھیاروں کے کنٹرول پر لاگو ہوتا ہے۔ اسلحے پر قابو پانے کی فکر ہےSave t

مستقبل میں ہتھیاروں کی دوڑ کو منظم کرنے کے ساتھ۔ اس طرح، تخفیف اسلحہ کا تعلق موجودہ ہتھیاروں کے کنٹرول اور مستقبل کے ہتھیاروں کے ساتھ ہتھیاروں کے کنٹرول سے ہے۔ تخفیف اسلحہ ہتھیاروں کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ہتھیاروں کا کنٹرول ہتھیاروں کی دوڑ کو جانچنے کی کوشش کرتا ہے۔

20.4 تخفیف اسلحہ کی ضرورت (Need for Disarmament)

جنگ کی روک تھام اور امن کا قیام: مور گنتھاؤ کے مطابق، "یہ خیال کیا جاتا ہے کہ، بین الاقوامی سطح پر اقتدار کے لیے جدوجہد کے ایک مخصوص مظہر کو ختم کر کے منظر، کوئی اس جدوجہد کے مخصوص اثرات کو دور کر سکتا ہے۔ بین الاقوامی انارکی اور جنگ۔" تخفیف اسلحہ کو جنگ کو روکنے اور امن کی ضمانت دینے کا سب سے موثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب تک تخفیف اسلحہ نہیں ہوتا، جنگ اور تباہی کو روکا نہیں جاسکتا۔ تخفیف اسلحہ کے نقطہ نظر کے مطابق جنگ کی واحد براہ راست وجہ ہتھیاروں کا وجود ہے۔

- یہ دلیل دی جاتی ہے کہ جنگ کا نتیجہ اسلحہ سازی سے ہوتا ہے اور اس لیے اسے تخفیف اسلحہ سے ہی جانچا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ عقیدہ کہ اسلحہ جنگ کا سبب بنتا ہے تخفیف اسلحہ کے نظریہ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلحے کا ذخیرہ اور ان کی فوری دستیابی جنگ کو ممکنہ اور ممکن بناتی ہے یا جیسا کہ کلاز نے دعویٰ کیا ہے، یہاں تک کہ جنگ میں چھلانگ لگانے کے لیے بیان دینے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ تخفیف اسلحہ کا نظریہ اس مفروضے پر آگے بڑھتا ہے کہ اسلحے کو محدود کرنے سے قومیں لڑائی کے ذرائع سے محروم ہو جائیں گی۔ جب کوئی قوم اپنی عسکری طاقت میں اضافہ کرتی ہے تو دوسرے قوموں میں خوف اور عدم تحفظ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے دوسری قوموں کی طرف سے جنگ کا آغاز ہوتا ہے اور وہ بھی اپنی فوجی طاقت بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ہتھیاروں کے دائرے میں ہوں، ایک قوم کی عقل دوسری قوم کا ہائی بلڈ پریشر ہے۔ اس طرح جنگی ہسٹیریا تیار کرتا ہے۔ بعض اوقات، حملے کی توقع میں ایک قوم اپنے دفاع میں کام کر رہی ہوتی ہے۔ اسلحہ سازی قومی نقطہ نظر کو جارحانہ اور عسکری بناتی ہے۔ اگرچہ ہتھیار تنازعات اور جنگ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، لیکن یہ دلیل دینا غلط ہوگا کہ یہ جنگ کی واحد وجہ ہے۔ تاہم، مکمل تخفیف اسلحہ جنگ کے ذرائع کو ختم کر کے امن کی طرف لے جائے گا۔ کوہن کے مطابق، "اسلحے سے قوموں میں تناؤ اور خوف بڑھ جاتا ہے۔ کشیدگی اور خوف کو ختم کر کے تخفیف اسلحہ کو پرامن تصفیہ کے عمل کو سہولیات اور مضبوط بنانا چاہیے۔
- جوہری خطرہ- جوہری ہتھیاروں کا خطرہ اور یہاں تک کہ جوہری جنگ کے بہت دور دراز امکان نے تخفیف اسلحہ کے مسئلے کو مزید اہم بنا دیا ہے۔ ایٹمی جنگ مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ تباہی لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ مکمل تباہی کا خدشہ اتنا زیادہ ہے کہ ایٹمی جنگ کبھی نہیں ہوگی۔ کوئی بھی جنگ بالآخر ایٹمی جنگ میں بدل سکتی ہے۔ ایٹمی جنگ کے خطرے نے اقوام کو ایٹمی دور میں جنگ میں جانے سے روک دیا ہے۔ اگر تخفیف اسلحہ، دونوں جوہری کے ساتھ ساتھ روایتی ہتھیار، ممکن ہے، راستہ روکا جا سکتا ہے۔
- اقتصادی- تخفیف اسلحہ کے حق میں ایک بہت اہم دلیل اقتصادی ہے۔ بہت اہم دلیل جو قوموں کی طرف سے فوجی مقاصد کے لیے مختص کی جاتی ہے اس بات کا وسیع اشارہ ہے کہ کیا ہے سرکاری اور نجی اخراجات کے دیگر راستوں سے انکار۔ اگر قوموں نے اپنے وسائل کو فوجی مقاصد کے لیے خرچ نہ کیا ہوتا تو ظاہر ہے کہ وہ وسائل کو بہت سے دوسرے استعمال میں لگا سکتے تھے۔ فوجی اخراجات فوری طور پر استعمال کے ساتھ ساتھ مستقبل کی اقتصادی ترقی دونوں کو متاثر کرتے ہیں۔ Translation is too long to be edاسمعاشی ترقی کا راستہ روک دیا گیا ہے۔ قومیں باہمی اقتصادی امداد سے محروم ہیں بصورت دیگر وہ ایک دوسرے کی شکل میں حاصل کر سکتے تھے۔ بین الاقوامی تجارت اور ٹکنالوجی کے تبادلے میں " جانتے ہیں کہ " کیسے روکا گیا ہے۔ اگر ہتھیاروں کی دوڑ نہ ہوتی تو تجارت اور دیگر تبادلے یقینی طور پر آسان ہو جاتے۔ ہتھیاروں کی دوڑ کو روکنا بذات خود دیگر موجودہ رکاوٹوں میں نرمی کی طرف ایک اہم محرک ہو سکتا ہے۔

- سماجی دلیل- تخفیف اسلحہ کا معاشی معاملہ سماجی کیس سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ فوجی اخراجات کے بھی گہرے سماجی نتائج ہوتے ہیں۔ غربت، بھوک، بیماری، ناخواندگی، رہائش اور معیار زندگی کو بلند کرنے کا مسئلہ صرف ترقی پذیر ممالک تک محدود نہیں ہے۔ یہ مسائل کسی حد تک امیر ممالک میں بھی موجود ہیں۔ فوجی اخراجات وسائل کو جذب کرتے ہیں جو دوسری صورت میں سماجی خدمات فراہم کرنے کے لیے جاری کیے جائیں گے۔ مجموعی طور پر دنیا کے لیے فوجی اخراجات پبلسٹی کے لیے کیے جانے والے صحت کے لیے کیے جانے والے اخراجات کا تقریباً ڈھائی گنا زیادہ ہیں۔ فوجی تحقیق اور ترقی پر جوہری تجربات اور دھماکوں کے جسمانی ماحول پر اپنے آلودہ اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور اس طرح سے ماحولیاتی تباہی لاتے ہیں۔
- سیاسی-اسلحہ بین الاقوامی مشتبہ اور خوف کا باعث بنتا ہے اور یہ سیاسی میدان میں تعلقات کو زہر آلود کرتے ہیں۔ سیاسی اختلافات اس خوف اور شک کی وجہ سے تیز ہو جاتے ہیں جس کے جمع ہونے سے ہتھیار پیدا کرتا ہے. اسلحے کے جمع ہونے سے یہ امکان بھی بڑھ جاتا ہے کہ بین الاقوامی مسائل سے نمٹنے کے لیے طاقت کا سہارا لیا جائے۔ اسلحے، جن کے بارے میں قیاس کیا جاتا ہے۔ سیکورٹی فراہم کرنا، درحقیقت سیاسی اختلاف کو ہوا دیتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جنگ انسان کے آنے والے مسائل میں سے کسی کا جواب نہیں ہے۔ عسکریت پسندی کی روح جمہوریت اور دنیا میں پرامن ترقی کی روح کے خلاف ہے۔
- نفسیاتی- جنگی حالات کا لوگوں کے ذہنوں پر ایک عجیب نفسیاتی اثر ہوتا ہے۔ ہر کوئی یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایسی دنیا میں رہتا تھا جہاں تشدد ایک عام جگہ بن چکا ہے اور جس میں غیر یقینی، خوف اور اضطراب کا نفسیاتی پس منظر پیدا کرنے کے لیے کافی مہلک مواد موجود ہے۔ جنگ کی ہولناکیاں نوجوان نسل میں یہ یقین پیدا ہو گیا ہے کہ دنیا ایک غیر معقول جگہ ہے جس میں معاشرے کی بہتری ایک ناامیدی کا باعث ہے۔

20.5 تخفیف اسلحہ کی راہ میں رکاوٹیں (Hindrance in the way of Disarmament)

- تخفیف اسلحہ کا مسئلہ سیکورٹی کے مسئلے سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ پامر اور پرکنز کے مطابق، تخفیف اسلحہ اور تخفیف کے درمیان ایک الٹا تعلق کا شعور طویل عرصے سے موجود ہے۔ سیکورٹی جب تک کوئی ایسا نظام تیار نہیں کیا جاتا جس کے تحت قومیں کم مسلح طاقت کے ساتھ زیادہ محفوظ ہوں گی، تخفیف اسلحہ درحقیقت ایک 'پائپ خواب' ہی رہے گا۔ بین الاقوامی کشیدگی اور باہمی قوموں میں خوف پیدا ہوتا ہے ان میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جب تک اقوام کو اپنی سلامتی کا یقین نہیں دلایا جاتا، تخفیف اسلحہ کی کوئی بھی کوشش ناکامی سے دوچار ہو گی۔ موجودہ بین الاقوامی معاشرے کی نوعیت کے پیش نظر قوموں کو کوئی ضمانت فراہم نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح کے حالات میں ہر قوم اپنی سلامتی کے لیے اپنی طاقت پر انحصار کرنے کی پابند ہے۔

- تخفیف اسلحہ کی راہ میں ایک اور رکاوٹ خوف اور باہمی عدم اعتماد ہے۔ نتیجے کے طور پر، ہر قوم دوسروں کی طرف سے پیش کی گئی تخفیف اسلحہ کی تجاویز کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ ہر قوم محسوس کرتی ہے۔ دوسری قوموں کے ارادوں کے بارے میں شک ہے کہ اگرچہ اس سے اس کے ہتھیاروں میں کمی واقع ہوتی ہے، دوسری قومیں ایسا نہیں کر سکتیں۔ یہ عدم اعتماد دو طریقوں سے کام کرتا ہے، "یہ ابتدائی معاہدے کو روکتا ہے اور اگر تخفیف اسلحہ کی اسکیم کو عمل میں لایا جائے تو یہ ٹوٹ پھوٹ کا باعث بن سکتا ہے۔ "لیکن جیسا کہ پروفیسر شلیچر کا مشاہدہ ہے، "اگر قوموں کے درمیان کامل اعتماد ہوتا تو ہتھیار غیر ضروری ہوتے اور تخفیف اسلحہ ایک مسئلہ ہوتا۔" پس تخفیف اسلحہ کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اقوام کے درمیان باہمی اعتماد کا فقدان ہے۔
- کوئی بھی قوم تخفیف اسلحہ کے خلاف اس طرح کا اظہار نہیں کرتی، لیکن وہ تخفیف اسلحہ کے کسی بھی منصوبے کو اپنے قومی مفاد کے نقطہ نظر سے دیکھتی ہے۔ تخفیف اسلحہ کے مذاکرات کے دوران کچھ شرکاء کی طرف سے ایسی شرائط رکھی جاتی ہیں، جو دوسروں کے لیے قابل قبول نہیں ہوتیں۔ نتیجتاً، تخفیف اسلحہ کانفرنسیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ درحقیقت قوموں میں تخفیف اسلحہ کی حقیقی خواہش کا فقدان ہے اور اسی لیے وہ ایسی شرط لگاتی ہیں۔ جو دوسروں کے لیے قابل قبول نہ ہو۔ نتیجتاً تخفیف اسلحہ کانفرنسیں ناکام ہو جاتی ہیں۔
- دوسری عالمی جنگ کے بعد ہونے والی پیش رفت نے دنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کر دیا، اور اس نے سرد جنگ کو جنم دیا۔ طاقت کے غیر مستحکم توازن کی وجہ سے ہر قوم اپنی سلامتی کی فکر میں ہے۔ ہتھیار بعض نفسیاتی عوامل کا نتیجہ ہیں۔ جب تک یہ عوامل برقرار رہیں گے، تخفیف اسلحہ ایک بعید امکان نظر آتا رہے گا۔ اور اسلحے کی تخفیف کی تجویز پر اقوام عالم کی طرف سے غور کیا جاتا ہے۔ صرف موجودہ بین الاقوامی نظام کے مقابلے میں۔
- اسلحے کے دائرے میں، عظیم طاقتوں نے زیادہ سے زیادہ حد حاصل کر لی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، انہوں نے اسلحے میں اتنی صلاحیت حاصل کر لی ہے کہ اس سے آگے جانا فائدہ مند نہیں ہوگا۔ ہتھیاروں کی دوڑ کو روکنا اب ان کے مفاد میں ہے۔ لیکن جو قومیں اسلحے کی دوڑ میں بہت پیچھے ہیں وہ اس وقت تخفیف اسلحہ چاہتی ہیں جب تک کہ وہ عظیم طاقتوں کے ساتھ اسلحے میں کسی حد تک برابری پر پہنچ جائیں۔ وہ طاقت کی مساوات کو تخفیف کے لیے مثالی صورت حال سمجھتے ہیں۔ چونکہ یہ صورتحال انتہائی ناممکن ہے، اس لیے تخفیف اسلحہ بھی مستقبل قریب میں ناممکن دکھائی دیتا ہے۔
- تخفیف اسلحہ کی راہ میں ایک اہم رکاوٹ ہتھیاروں میں کمی کے بعد مختلف ممالک کے ہتھیاروں کے درمیان تناسب کے حوالے سے ہے۔ ہر قوم تخفیف اسلحہ میں دوسروں سے برتر بننا چاہتی ہے۔ یہ سوال ہمیشہ دوسروں کے لیے تخفیف اسلحہ کے ایجنڈے میں پہلا ہوتا ہے۔ تخفیف اسلحہ کانفرنس اور کمیشنوں کے ایجنڈے میں یہ سوال ہمیشہ پہلا ہوتا ہے اس لیے مختلف قوموں کے ہتھیاروں میں قوم کو کیا ہونا چاہیے اور اس راشن کے اندر مختلف قوموں کو کس طرح مختلف اقسام اور مقدار میں اسلحہ الاٹ کیا جانا چاہیے۔

20.6 تخفیف اسلحہ کے لیے کوششیں (Effort for Disarmaments)

دوسری عالمی جنگ کی وجہ سے ہونے والی زبردست تباہی نے دنیا کے ضمیر کو جھنجوڑ دیا۔ اس خوف سے کہ ایک اور جنگ نسلِ انسانی کو مکمل طور پر مٹادے گی، دنیا کی قوموں نے ہتھیاروں کی دوڑ کو منظم کرنے کے لیے زیادہ پر جوش کوششیں شروع کر دیں۔ اقوام متحدہ کا چارٹر بہت اچھا ہے۔ ہتھیاروں کے ریگولیشن پر زور آرٹیکل 11(c) میں دیا گیا کہ جنرل اسمبلی کو بین الاقوامی امن و سلامتی کے قیام میں تعاون کے عمومی اصولوں پر غور کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے اسے رکن ریاست کو تخفیف اسلحہ اور اسلحے کے ضابطے سے متعلق عمومی اصولوں کے بارے میں سفارشات دینے کا اختیار دیا۔ آرٹیکل 26 یہ فراہم کرتا ہے کہ دنیا کے انسانی اور اقتصادی وسائل کے ہتھیاروں کے کم سے کم موڑ کے ساتھ بین الاقوامی امن اور سلامتی کے قیام اور بحالی کو فروغ دیا جائے۔ سلامتی کونسل ہتھیاروں کے ریگولیشن کے نظام کے قیام کے لیے منصوبہ بندی کی ذمہ دار ہوگی۔ آرٹیکل 47 کے مطابق، ایک "ملٹری اسٹاف کمیٹی ہوگی جو اسلحے کے ضابطے اور ممکنہ تخفیف اسلحے سے متعلق تمام سوالات پر سلامتی کونسل کو مشورہ اور مدد دینا۔ مندرجہ ذیل اقدامات کیے؛

اٹامک انرجی کمیشن 1945 (Atomic Energy Commission)

میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے پر امن مقصد کے لیے جوہری توانائی کے کنٹرول اور جوہری ہتھیاروں اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے دیگر ہتھیاروں کی مکمل ممانعت کے لیے مخصوص تجاویز پیش کرنے کے لیے ایک اٹامک انرجی کمیشن قائم کیا۔ کمیشن سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ مسئلے کے تمام پہلوؤں کی انکوائری کرے گا اور سفارشات پیش کرے گا۔ یہ کمیشن سلامتی کونسل کے ماتحت تھا اور اس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنی رپورٹیں اور سفارشات اس کو پیش کرے گا۔

روایتی ہتھیاروں پر کمیشن (Conventional Arms Commission)

دسمبر 1946 کی جنرل اسمبلی کی قرارداد کی پیروی میں، سلامتی کونسل نے ایک کمیشن کو تشکیل دیا جس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنی رپورٹیں اور سفارشات اُسے پیش کرے گا۔ کونسل تین ماہ کے اندر "اسلحے میں عمومی ضابطہ اور کمی کے لیے تجاویز پیش کرے گی۔ اور مسلح افواج؛" اور عملی اور موثر تحفظات تجویز کرنا۔ واضح رہے کہ اس کمیشن کو خاص طور پر جوہری ہتھیاروں اور ان کے کنٹرول سے متعلق امور پر بحث کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ تخفیف اسلحہ کمیشن۔ امریکی صدر ٹرومین کی تجویز پر کہ دونوں تخفیف اسلحہ کمیشن کو ضم کیا جانا چاہئے، جنرل اسمبلی نے بارہ ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی (سیکیورٹی کونسل اور کینیڈا کے گیارہ ارکان) ان طریقوں اور ذرائع کی اطلاع دینے کے لئے جہاں دونوں کمیشنوں کے کام کو یکجا کیا جاسکتا ہے۔ کمیٹی نے دونوں کمیشنوں کے انضمام کی سفارش کی۔ ان سفارشات کو جنرل اسمبلی نے قبول کر لیا اور 1952 میں تخفیف اسلحہ کمیشن بنایا گیا۔ یہ سلامتی کونسل کے تمام ممبران اور کینیڈا پر مشتمل تھا۔ 1957 میں جنرل اسمبلی نے تخفیف اسلحہ کمیشن کی تعداد کو بڑھا کر 14 کر دیا۔ 1958 میں اقوام متحدہ کے تمام ممبران کو اس میں شامل کیا گیا۔ کمیشن سے روایتی اور جوہری تخفیف اسلحہ کے ضابطے کے لیے معاہدے کا مسودہ تیار کرنے کی درخواست کی گئی۔ اسلحے اور ان کی کمی سے متعلق مسائل کی تعداد کو کمیشن نے

اُٹھایا لیکن عظیم طاقتوں کے درمیان اختلاف رائے کی وجہ سے زیادہ پیش رفت نہ ہو سکی۔ ایٹمز فار پیس پلان 1953 میں امریکہ کے صدر آئزن ہاور نے ایٹموں کے پرامن استعمال کا منصوبہ پیش کیا۔ اس نے پرامن مقاصد کے لیے استعمال کیے جانے والے مواد کے ایک بین الاقوامی پول کے قیام کی تجویز پیش کی۔ ایٹم فار پیس پلان کے نام سے مشہور اس پلان میں ان تمام طاقتوں سے اپیل کی گئی جن کے پاس جوہری توانائی کا مواد ہے وہ اقوام متحدہ کے تحت جوہری توانائی کمیشن میں اپنا حصہ ڈالیں۔

جزوی ٹیسٹ پابندی کا معاہدہ(PTBT)

-شدید جوہری پھیلاؤ اور جانچ نے جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ اور ترقی کو محدود کرنے کی کوششوں کو فروغ دیا۔ ٹیسٹ پابندی پر حقیقی پیش رفت عظیم طاقتوں کے درمیان 1963 میں اس وقت ہوا جب جزوی ٹیسٹ پابندی کا معاہدہ (PTBT) اپنایا گیا۔ پی ٹی بی ٹی نے فضا میں، پانی کے اندر اور خلا میں جوہری تجربات پر پابندی لگا دی ہے۔ تاہم، جوہری ہتھیاروں کا تجربہ زیر زمین جاری رہا۔ نتیجے کے طور پر، PTBT تخفیف اسلحہ کے بجائے ماحولیاتی مسائل کو حل کرنے کا ایک اہم ذریعہ تھا۔

عدم پھیلاؤ کا معاہدہ(Non Proliferation Treaty)

جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر جولائی، 1968 کو دستخط کیے گئے اور 1970 میں نافذ العمل ہوئے۔ 190 ممالک نے اس معاہدے میں شمولیت اختیار کی ہے، جن میں پانچ ریاستیں بھی شامل ہیں جنہیں اس معاہدے کے تحت جوہری ہتھیار رکھنے کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ معاہدے کے تحت پانچ ایٹمی ریاستیں ہیں؛ چین، فرانس، روسی فیڈریشن، برطانیہ اور امریکہ۔ تین ممالک، جن کے پاس جوہری ہتھیاروں کے پروگرام ہیں یا ان کا شبہ ہے، فی الحال NPT سے باہر ہیں۔ یہ ممالک بھارت، اسرائیل اور پاکستان ہیں۔ ڈیموکریٹک پیپلز ریپبلک آف کوریا نے 2003 میں اس معاہدے سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ NPT نے شرط رکھی ہے کہ ریاستی فریقین معاہدے کے نفاذ کا جائزہ لینے کے لیے ہر پانچ سال بعد ملاقات کریں۔

1995 کے اجلاس میں معاہدے کو غیر معینہ مدت تک بڑھانے پر اتفاق کیا گیا۔ NPT کے تین "ستون" یا اہم علاقے ہیں۔ 1) عدم پھیلاؤ (جوہری ہتھیاروں اور متعلقہ ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ کو روکنا)، 2) تخفیف اسلحہ (موجودہ جوہری ہتھیاروں سے چھٹکارا حاصل کرنا)، اور 3) جوہری توانائی کو پرامن طریقے سے استعمال کرنے کا حق (بشمول جوہری ٹیکنالوجی تک رسائی، جو کہ NPT میں شامل تمام ریاستوں کی جماعتوں کا حق ہے)۔ 1970 میں نافذ ہونے کے بعد سے، NPT بڑی حد تک کامیاب رہا ہے، اگرچہ کامل نہیں، عالمی سطح پر جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو روکنے میں۔ پانچ جوہری ہتھیار رکھنے والی ریاستوں کی طرف سے جوہری تخفیف کی کوششیں ناہموار اور نامکمل رہی ہیں۔ امریکہ اور روسی فیڈریشن، جن کے پاس دنیا کے جوہری ہتھیاروں کی اکثریت ہے، اُنھوں نے سرد جنگ کے بعد سے اپنے جوہری ہتھیاروں میں کافی حد تک کمی کی ہے۔ عالمی جوہری ہتھیار 1980 کی دہائی کے وسط میں تقریباً 70,000 وارہیڈز پر پہنچ گئے۔ آج کل وار ہیڈز کی تعداد تقریباً 23,000 ہے جن میں سے تقریباً 8,400 آپریشنل لیکن مزید کمیوں پر توجہ مرکوز کرنے کی کوششیں 2000 کی دہائی

کے اوائل کے دوران بڑی حد تک رک گئیں، روسی فیڈریشن اور ریاستہائے متحدہ کے درمیان تعلقات تیزی سے کشیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ NPT کا تیسرا ستون NPT کے تمام فریقوں کے ناقابل تنسیخ حق سے متعلق ہے کہ تحقیق، پیداوار اور جوہری توانائی کو پرامن مقاصد کے لیے بلا تفریق استعمال کریں۔ فریقین جوہری توانائی کے پرامن استعمال کے لیے ساز و سامان، مواد اور سائنسی اور تکنیکی معلومات کے ممکنہ تبادلے میں سہولت فراہم کرنے اور اس میں حصہ لینے کا حق بھی رکھتے ہیں۔ معاہدے کے فریقین کو جوہری توانائی کے پرامن استعمال کے معاملے میں دنیا کے ترقی پذیر حصوں کی ضروریات پر غور کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ حیاتیاتی ہتھیاروں کا کنونشن جراثیمی اور کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کو روکنے کی ایک کوشش 1972 میں "ترقی، پیداوار اور ٹاکسن ہتھیاروں کی ممانعت اور ان کی تباہی کے کنونشن پر دستخط کر کے کی گئی تھی۔ کنونشن نے عام اور مکمل تخفیف اسلحہ کی طرف موثر پیشرفت حاصل کرنے کی ضرورت کو متاثر کیا جس میں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تمام اقسام کی ممانعت بھی شامل ہے۔ اینٹی بیلسٹک میزائل (ABM) معاہدہ 1972 میں دستخط کیے گئے ABM معاہدے میں ایسے دفاعی نظام کے استعمال پر پابندی ہے جو ایٹمی جنگ میں ایک فریق کو فائدہ دے سکتے ہیں۔ باہمی طور پر یقینی تباہی کے منظر نامے کو یہاں اس بات کا یقین دلانے کے لیے استعمال کیا گیا تھا کہ ہر ملک کے پاس ایٹمی حملے سے بچنے کے لیے کافی ہتھیار ہیں اور اس لیے وہ دوسرے کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسٹریٹجک آرمز لمیٹیشن ان کا استدلال یہ تھا کہ جب تک دونوں فریق بے دفاع رہیں گے، کوئی بھی ملک دوسرے پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔

اسٹریٹجک آرمز لمیٹیشن مذاکرات (SALT-I اور SALT-II)

سرد جنگ کے دوران، جوہری ہتھیاروں کی تعمیر کو روکنے کے لیے اسٹریٹجک آرمز لمیٹیشن ٹریٹی کے تحت معاہدوں کا ایک سلسلہ جاری کیا گیا۔ ہتھیار سالٹ-1، جیسا کہ عام طور پر جانا جاتا ہے، سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان سٹریٹیجک آرمز لمیٹیشن مذاکرات کا پہلا مرحلہ تھا، کمیونسٹ رہنما لیونیڈ بریزنیف، جو سوویت کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری تھے، نے نومبر میں امریکی صدر رچرڈ نکسن سے ملاقات کی۔ 1969 کے ایک معاہدے کے ساتھ آنے کے لئے جس میں ہتھیاروں کی دوڑ شامل ہو گی۔ یہ مذاکرات جنوری 1972 تک جاری رہے اور اسی سال 26 مئی تک معاہدے کو حتمی شکل دی گئی۔ اس دن جن دو معاہدوں پر دستخط کیے گئے وہ اینٹی بیلسٹک میزائل معاہدہ یا ABM تھے، اور سٹریٹیجک جارحانہ ہتھیاروں کی حد بندی پر عبوری معاہدہ۔ ABM معاہدے کی دفعات میں اینٹی بیلسٹک میزائلوں کا ضابطہ شامل تھا جو ممکنہ طور پر آنے والے بین البراعظمی بیلسٹک میزائلوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ (ICBM's) دوسرے ممالک کے ذریعہ شروع کیا گیا ہے۔ نیز ہر طرف ABM اور 100 انٹرسیپٹر میزائلوں کے لیے صرف ایک لانچنگ ایریا تک محدود تھا۔ اس معاہدے کی توثیق امریکی سینیٹ نے 3 اگست 1972 کو کی تھی۔ اسٹریٹجک جارحانہ ہتھیاروں کی حد بندی کے عبوری معاہدے کی مدت پانچ سال تھی جو اسٹریٹجک بیلسٹک میزائلوں کی تعداد کو منجمد کر دے گی، جیسے کہ آئی سی بی ایم اور آبدوز نے بیلسٹک لانچ کیے۔ میزائل (SLBM's)، موجودہ 1972 کی سطح۔ 1972 کے آخر میں سالٹ-II کے لیے مذاکرات شروع ہوئے اور سات سال تک جاری رہے۔ آخر کار 18 جون 1979 کو ویانا میں بریزنیف اور صدر جمی کارٹر نے سالٹ-II معاہدے پر دستخط کیے۔ چونکہ دونوں ممالک نے مختلف حکمت عملی تیار کی تھی،

جس میں یوایس ایس آر نے بڑے وار ہیڈز پر توجہ مرکوز کی تھی اور امریکہ زیادہ درستگی کے ساتھ میزائلوں پر توجہ مرکوز کر رہا تھا، اس لیے پچھلے معاہدوں کی تصریحات کو تبدیل کرنا پڑا۔ SALT-II نے مختلف میزائلوں پر مزید مخصوص ضابطے مرتب کیے ہیں۔ سٹریٹجک لانچروں کی تعداد اور مختلف قسم کے میزائلوں کی حد مقرر کی گئی تھی۔ ہر فریق 2,400 سے زیادہ ہتھیاروں کے نظام تک محدود تھا۔ SALT-II کی توثیق کے لیے سینیٹ کو بھیجا گیا تھا، لیکن دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی کی وجہ سے، کارٹر نے معاہدے کو ایک طرف دھکیل دیا۔ بعد کے سالوں میں، SALT-II میں طے کیے گئے کچھ معیارات تھے۔ رضاکارانہ طور پر دونوں فریقوں کی طرف سے مشاہدہ کیا جا رہا ہے، لیکن معاہدے کی توثیق نہیں کی گئی تھی. بعدازاں مذاکرات جنیوا میں ہوئے جو اسٹریٹجک آرمز ریڈکشن ٹاکس یا اسٹارٹ کے نام سے مشہور تھے۔ سرد جنگ کے خاتمے تک کشیدگی جاری رہی، لیکن جنگ دوبارہ شروع نہیں ہوئی اور ہتھیاروں کو ذخیرہ کرنے کی دوڑ بالآخر 1990 کی دہائی کے اوائل میں ختم ہوئی۔

ہیلسنکی کانفرنس، 1975 (Helsinki Conference)

ہیلسنکی معاہدہ ایک اعلامیہ ہے جسے 35 خود مختاروں نے اپنایا ہے۔ 1975 میں بیان کیا گیا۔ اعلامیہ میں کمیونسٹ حکومتوں اور مغربی دنیا کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے پر توجہ مرکوز کی گئی، جس کا مقصد سرد جنگ کے تناؤ کو کم کرنا ہے۔ ہیلسنکی معاہدہ۔ یورپ میں سلامتی اور تعاون پر کانفرنس کے ذریعہ تیار کردہ ایکٹ کا حتمی معادہ تھا۔ یہ کانفرنس 1975 کے جولائی اور اگست میں ہیلسنکی، فن لینڈ میں منعقد ہوئی تھی۔ یکم اگست 1975 کو پینتیس ریاستوں نے ہیلسنکی معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ دستخط کنندگان میں البانیہ اور اندورا کے علاوہ ریاستہائے متحدہ امریکہ، کینیڈا اور ہر یورپی ریاست شامل تھی۔ (جن کے سربراہان مملکت غیر حاضر تھے)۔ ہیلسنکی معاہدے کا ایک اہم حصہ انسانی حقوق کو فروغ دینے، بین الاقوامی قانون کی پاسداری اور تنازعات کے پرامن حل کے لیے شریک ممالک کے درمیان اتفاق جامع رائے تھا. اسے سوویت یونین کی طرف سے جنگ کے بعد کی سرحدوں کو تسلیم کرنے کے بدلے مغرب کو دی گئی رعایت دیکھا جامع ٹیسٹ پر پابندی کا معاہدہ CTBT کو جوہری ہتھیاروں کے ٹیسٹ کو روکنے اور اس وجہ سے ہتھیاروں کی دوڑ کے امکانات کو کم کرنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ یہ فوجی یا شہری مقاصد کے لیے تمام ماحول میں تمام جوہری دھماکوں پر پابندی لگاتا ہے۔ اسے 10 ستمبر 1996 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے منظور کیا تھا۔ CTBT نے تقریباً عالمگیر پابندی حاصل کر لی ہے، تاہم، معاہدے کے آرٹیکل-XIV کو 44 نامزد ریاستوں سے توثیق کی ضرورت ہے، اس سے پہلے کہ یہ معاہدہ نافذ ہو سکے۔

20.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ

- تخفیف اسلحہ کی مختصر تاریخ سے واقف ہوگئے۔
- تخفیف اسلحہ کے بارے میں معلومات کو بھی حاصل کر چکے۔
- تخفیف اسلحہ کی ضرورت اور اس کے راہ میں روکاوٹیں کو بہتر طریقہ سے سمجھا۔
- تخفیف اسلحہ کے لئے کی گی کوشش سے پوری طرح واقف ہوگئے۔

20.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

تخفیف اسلحہ

ہتھیاروں کو کم کرنے، محدود کرنے یا ختم کرنے کا عمل ہے

جوہری ہتھیار

بڑے پیمانے پر تباہی کا ایک ہتھیار جس کی دھماکہ خیز طاقت جوہری رد عمل سے حاصل ہوتی ہے

اینٹی بیلسٹک میزائل

ایک ایسا میزائل جو آنے والے بیلسٹک میزائل کو اپنے ہدف تک پہنچنے سے پہلے ہی تباہ کر دے

سپر پاور

ایک بہت طاقتور اور بااثر قوم (خاص طور پر امریکہ اور سابق سوویت یونین کے حوالے سے استعمال کیا جاتا ہے جب ان کو دنیا کی دو طاقتور ترین قوموں کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔

20.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

20.9.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ہیلسنکی کانفرنس کس سال ہوا تھا؟

(a) 1968 (b) 1969

(c) 1970 (d) 1971

2۔ کس سال جنرل اسمبلی نے تخفیف اسلحہ کمیشن کو بنانے کی شفارشات کو قبول کیا؟۔

(a) 1952 (b) 1953

(c) 1954 (d) 1955

3۔ جدید دور میں تخفیف اسلحہ کا پہلا معاہدہ کن دو ملکوں کے درمیان عمل میں آیا؟

(a) امریکہ اور سویت یونین (b) برطانیہ اور امریکہ

(c) برطانیہ اور فرانس (d) ان میں سے کوئی نہیں

4۔ ہیلسنکی معاہدہ کا مقصد تھا۔

(a) تخفیف اسلحہ (b) سرد جنگ کے تناو کو کم کرنا

(c) جنگ کو روکنا (d) ان میں سے کوئی نہیں

5۔ اسٹر ٹیجک آرمز لیمیٹشن مذاکرات کن دو ملکوں کے درمیان ہو تھا؟

(a) اٹلی اور فرانس (b) امریکہ اور سویت یونین

(c) جرمنی اور امریکہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر کب دستخط کیے گئے؟

(a) 1958 (b) 1968

(c) 1978 (d) 1988

7۔ تخفیف اسلحہ کمیشن کس سال قائم کیا گیا؟

(a) 1952 (b) 1953

(c) 1954 (d) 1954

8۔ 1899 میں پہلی بین الاقوامی تخفیف اسلحہ کانفرنس کہاں منعقد ہوئی تھی؟

(a) ملان (b) ماسکو

(c) واشنگٹن (d) ہیگ

9۔ دنیا کے کس ملک نے بحری کانفرنس کا انعقاد کیا جس کے تحت جنگی جہازوں کے سائز کو محدود کیا گیا؟

(a) فرانس (b) روس

(c) امریکہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد کس بین الاقوامی تنظیم کو قائم کیا گیا؟

(a) لیگ آف نیشنز (b) اقوام متحدہ

(c) حقوق کمیشن (d) ان میں سے کوئی نہیں

20.9.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. تخفیف اسلحہ کیا ہے؟ سمجھایئے۔
2. تخفیف اسلحہ کی ضرورت کیا ہے؟ بتایئے۔
3. تخفیف اسلحہ کے لیے کی گئی کوشش پر روشنی ڈالیئے۔
4. اسٹر ٹیجک آرمز لیمیٹیشن مذاکرات پر ایک مضمون لکھیئے۔
5. عدم پھیلاؤ کا معاہدہ پر روشنی ڈالیئے۔

20.9.3۔ طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. تخفیف اسلحہ کیا ہے؟ اس کے معنی اور مقاصد پر غور و فکر کیجئے
2. تخفیف اسلحہ کی راہ میں رکاوٹیں پر روشنی ڈالیے۔
3. تخفیف اسلحہ کی مختصر تاریخ بیان کیجئے۔

20.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. Acharya, A. (2014). The End of American World Order. Polity
2. Mukherjee, R. (2015). India in the First World War: A Forgotten Contribution. Sage Publications
3. Ghose, S. (2015). Grand Illusion: The Making of an American World Order. Random House India.
4. Dasgupta, S. (2016). World War II: A New History. Penguin Books India.
5. Menon, V. P. (2016). Choices: Inside the Making of India's Foreign Policy. Brookings Institution Press India
6. Ganguly, S. (2018). India Since 1980. Cambridge University Press India.

7. Singh, S. (2016). The Modi Doctrine: New Paradigms in India's Foreign Policy. Wisdom Tree.
8. Puri, H. (2016). Perilous Interventions: The Security Council and the Politics of Chaos. HarperCollins India
9. Pant, H. V., & Taneja, N. (Eds.). (2019). Does India Think Strategically? India's Strategic Culture and Foreign Policy. Oxford University Press
10. Bajpai, K., & Muni, S. D. (Eds.). (2013). India's Changing World: India and the Major Powers. Routledg
11. Sardesai, D. R. (2014). Southeast Asia: Past and Present (6th ed.). Westview Press.

اکائی۔21 اقوام متحدہ

(United Nations Organization)

اکائی کے اجزا:

21.0 تمہید

21.1 مقاصد

21.2 اقوامِ متحدہ کی ابتدا

21.3 مقاصد اور اُصول

21.4 اقوام متحدہ کا ڈھانچہ

21.5 ذیلی اعضاء

21.6 انتظامیہ

21.7 اقوام متحدہ کے افعال

21.8 اقوم متحدہ میں اصلاحات

21.9 اکتسابی نتائج

21.10 کلیدی الفاظ

21.11 نمونہ امتحانی سوالات

21.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

21.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

21.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

21.12 تجویز کردہ مواد

21.0 تمہید(Introduction)

اقوام متحدہ(UN)ہمارے دور کا ایک اہم بین الاقوامی ادارہ ہے۔یہ 1945 میں 51 ممالک کے رکن ممالک کے ساتھ قائم کیا گیا تھا اور اس کی موجودہ رکنیت 192 ہے۔آج دنیا کے بیشتر ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔اقوام متحدہ کی سرگرمیاں نہ صرف حکومتوں کی ضرورتوں اور امیدوں کی عکاسی کرتی ہیں۔اقوام متحدہ ایک عالمی ادارہ ہے اور اس کی سرگرمیاں وسیع ہیں۔مبالغہ آرائی کے بغیر،ہماری زندگی کا کوئی ایک پہلو ایسا نہیں ہے جو اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کے بڑھتے ہوئے دائرہ کار کے باہر ہو۔

21.1 مقاصد(Objective)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبا اس قابل ہو جائیں گے کہ

- اقوام متحدہ کے اصول اور مقاصد کو سمجھ سکیں۔
- اقوام متحدہ کے ڈھانچہ سے بھی واقف ہو جائیں۔
- اقوام متحدہ کے ذیلی اعضاء اور اس کے انتظامیہ سے واقف ہو جائیں۔
- اقوام متحدہ کے افعال اور اس کا ہیڈ کواٹر سے متعلق معلومات حاصل کر سکیں۔

21.2 اقوام متحدہ کی ابتداء(Origin of UNO)

بیسویں صدی کے پہلے نصف میں دو عالمی جنگیں ہوئیں جن کی وجہ سے 80 ملین افراد ہلاک ہوئے۔ان جنگوں میں سے ہر ایک عالمی رہنما اور لوگوں نے پُرامن دنیا کے لیے ایک ادارہ قائم کرنے کا عزم کیا۔

دوسری جنگ عظیم میں دشمن ممالک(جیسے جرمنی، جاپان اور اٹلی)کی مکمل شکست سے پہلے ہی،امریکہ،سابق سوویت یونین اور برطانیہ کی زیر قیادت اتحادی طاقتوں نے لیگ آف نیشنز کی جگہ ایک تنظیم کی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔امریکی صدر،روزویلٹ اور برطانوی وزیر اعظم،ونسٹن چرچل نے اگست 1941 میں بحراوقیانوس کے چارٹر پر دستخط کیے جس میں جنگ کے بعد امن کے ادارے کی خواہش کی نشاندہی کی گئی۔اس کے بعد ماسکو، تہران،ڈمبرٹن اوکس اور یالٹا میں مختلف نظریات اور تجاویز پر تبادلہ خیال کے لیے کانفرنسوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔آخر کار،امریکہ نے 1945 کے اوائل میں سان فرانسسکو کانفرنس کی میزبانی کی تاکہ نئی تنظیم 'اقوام متحدہ' کے چارٹر کو حتمی شکل دی جا سکے۔اقوام متحدہ کا قیام 24 اکتوبر 1945 کو عمل میں آیا۔تب سے ہم 24 اکتوبر کو یو این ڈے کے طور پر مناتے ہیں۔چارٹر اقوام متحدہ کا آئین ہے۔اس میں تنظیم کے مقاصد،اقوام متحدہ اور اس کے رکن ممالک دونوں کے طرز عمل کی رہنمائی کرنے والے اصول،بنیادی اعضاء اور ان کی ساخت اور اختیارات کی فہرست دی گئی ہے۔

21.3 مقاصد اور اصول (Objectives and Principles)

چارٹر شروع ہی میں اقوام متحدہ کے چار وسیع مقاصد کی نشاندہی کرتا ہے۔

(i) جارحیت کو دبانے کے لیے اجتماعی اقدامات کے ذریعے اور تنازعات کے پر امن حل کے ذریعے بین الا قوامی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنا؛

(ii) مساوات اور خود ارادیت کے اصول کے مکمل احترام پر مبنی ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات استوار کرنا۔

(iii) اقتصادی، سماجی، ثقافتی یا انسانی شعبوں میں بین الا قوامی تعاون کو فروغ دینا۔

(iv) انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کی حوصلہ افزائی کرنا۔

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول میں، اقوام متحدہ اور اس کے رکن ممالک دونوں کو اہم رہنما اصولوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سر فہرست ممالک کے درمیان برابری کا اصول ہے چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا، مضبوط ہو یا کمزور۔ اقوام متحدہ رکن ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی، اقوام متحدہ کے رکن ممالک سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بین الا قوامی امن و سلامتی کو خطرے میں ڈالے بغیر دیگر ممالک کے ساتھ اپنے تنازعات پر امن طریقے سے حل کریں۔ مزید یہ کہ رکن ممالک کو کسی دوسرے رکن کے خلاف دھمکیوں یا طاقت کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے۔ ارکان کا فرض ہے کہ وہ امن کے نفاذ میں اقوام متحدہ کی مدد کریں۔ جیسا کہ ہم پہلے ہی نوٹ کر چکے ہیں کہ بین الا قوامی امن اور سلامتی کی بحالی اقوام متحدہ کا ایک بہت اہم مقصد ہے۔ دوسرے مقاصد امن کے مقصد کے تکمیل ہیں۔ اقوام متحدہ کے کردار پر گفتگو کرتے ہوئے، ہمیں عالمی ادارے کے ایک بنیادی پہلو کو ذہن میں رکھنا چاہیے: یہ ایک سیاسی ادارہ ہے جو عالمی سیاست کے تناظر میں اپنی رکن حکومتوں کی خدمت کرتا ہے۔

نہ حکومتوں کی ترجیحات اور نہ ہی بین الا قوامی سیاست میں رجحانات مستحکم ہیں۔ وہ وقت بہ وقت بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اپنے اختیارات کے استعمال میں، اقوام متحدہ سخت، مکینیکل یا یکساں نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا، اقوام متحدہ کے کردار کو لچک اور عملیت پسندی سے نشان زدہ کیا جاتا ہے۔ عام طور پر اقوام متحدہ نے سخت رویہ اختیار نہ کرنے کو ترجیح دی۔ جب بھی جارح ملک کو امن کی خلاف ورزی کی شکایات موصول ہوئیں تو اس کی مذمت کریں۔ اس کے بجائے، اس نے اپنی کوششوں کو فوری طور پر لڑائی روکنے اور جنگ سے پہلے کے مقامات پر فوجوں کے انخلاء کی کوشش کرنے کی ہدایت کی ہے۔

21.4 اقوام متحدہ کا ڈھانچہ (Organs of UNO)

اقوام متحدہ کے پاس متعدد خصوصی ایجنسیاں ہیں جو اقوام متحدہ کے اندر خود مختار اداروں کے طور پر کام کرتی ہیں۔ جنرل اسمبلی، سلامتی کونسل، اقتصادی اور سماجی کونسل، بین الا قوامی عدالت انصاف، اور سیکرٹریٹ اقوام متحدہ کے بنیادی اجزاء ہیں۔

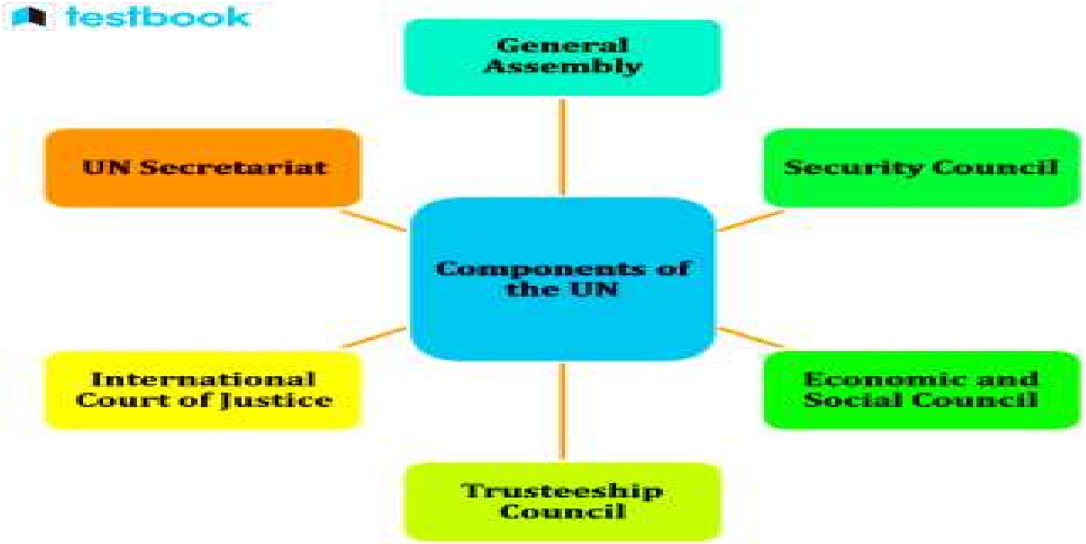

اقوام متحدہ کے پرنسپل آرگنز

اقوام متحدہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جو عالمی امن کو برقرار رکھنے اور تمام بنی نوع انسان vz کے لیے سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے کوشاں ہے۔ یہ اقوام کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دینے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ آپ اقوام متحدہ، اس کی تشکیل، اور اس کے کام کرنے کے بارے میں سب کچھ یہاں پڑھ سکتے ہیں۔ اقوام متحدہ اپنے 6 اہم اداروں کے ذریعے کام کرتا ہے۔ وہ ہیں:

- جنرل اسمبلی (General assembly)
- سلامتی کونسل (Security council)
- سیکرٹریٹ (Secretariat)
- اقتصادی اور سماجی کونسل (Economic and Social council)
- ٹرسٹی شپ کونسل (Trusteeship Council)
- بین الاقوامی عدالت انصاف (International Court of Justice)

ذیل میں ہر ایک اعضاء کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

1۔ جنرل اسمبلی (General Assembly)

واحد ادارہ جس میں اقوام متحدہ کے تمام اراکین کی نمائندگی ہوتی ہے، جنرل اسمبلی اقوام متحدہ کے چارٹر کے دائرہ کار میں کسی بھی معاملے سے متعلق جان بوجھ کر، نگرانی، مالیاتی اور انتخابی کام انجام دیتی ہے۔ تاہم، اس کا بنیادی کردار مسائل پر بحث کرنا اور سفارشات پیش کرنا ہے، حالانکہ اسے اپنی قراردادوں کو نافذ کرنے یا ریاستی کارروائی پر مجبور کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ دیگر افعال میں نئے اراکین کو داخل کرنا شامل

ہے۔ اقتصادی اور سماجی کونسل کے اراکین کا انتخاب، سلامتی کونسل کے غیر مستقل اراکین، اور ٹرسٹی شپ کونسل؛ اقوام متحدہ کے دیگر اداروں کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہیں، جن سے اسمبلی رپورٹیں حاصل کرتی ہے۔ اور بین الاقوامی عدالت انصاف کے ججوں کے انتخاب اور سیکرٹری جنرل کے انتخاب میں حصہ لینا۔ فیصلے عام طور پر سادہ اکثریت کے ووٹ سے ہوتے ہیں۔ تاہم اہم سوالات پر—— جیسے کہ نئے اراکین کا داخلہ، بجٹ کے معاملات، اور امن و سلامتی کے مسائل—— دو تہائی اکثریت سے طے کیے جاتے ہیں۔

اسمبلی سالانہ اور خصوصی اجلاس میں بلاتی ہے، ہر سال ریاستوں کے پانچ علاقائی گروپوں میں سے ایک نئے صدر کا انتخاب کرتی ہے۔ ہر باقاعدہ اجلاس کے آغاز میں، اسمبلی ایک عام بحث بھی کرتی ہے، جس میں تمام اراکین شرکت کر سکتے ہیں اور بین الاقوامی تشویش کا کوئی بھی مسئلہ اٹھا سکتے ہیں۔ تاہم، زیادہ تر کام چھ اہم کمیٹیوں کو سونپے جاتے ہیں: (1) تخفیف اسلحہ اور بین الاقوامی سلامتی، (2) اقتصادی اور مالی، (3) سماجی، انسانی اور ثقافتی، (4) خصوصی سیاسی اور ڈی کالونائزیشن، (5) انتظامی 'بجٹ، اور (6) قانونی۔

جنرل اسمبلی نے ان مسائل پر بحث کی ہے جن کو اقوام متحدہ کے دیگر اداروں نے یا تو نظر انداز کیا ہے یا ان سے گریز کیا ہے، بشمول ڈی کالونائزیشن، نمیبیا کی آزادی، جنوبی افریقہ میں نسل پرستی، دہشت گردی اور ایڈز کی وبا۔ ہر سال اسمبلی کی طرف سے منظور کی جانے والی قراردادوں کی تعداد 350 سے زیادہ ہوگئی ہے اور بہت سی قراردادیں بغیر مخالفت کے منظور کی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ارکان کے درمیان کئی مسائل پر شدید اختلاف پایا جاتا ہے، جیسے کہ سرد جنگ، عرب اسرائیل تنازعہ، اور انسانی حقوق۔ جنرل اسمبلی نے بڑے مسائل کی طرف عوام کی توجہ مبذول کرائی ہے، اس طرح رکن حکومتوں کو ان پر پوزیشنیں تیار کرنے پر مجبور کیا گیا ہے، اور اس نے اہم عالمی مسائل سے نمٹنے کے لیے ایڈہاک باڈیز اور کانفرنسوں کے انعقاد میں مدد کی ہے۔

2۔ سلامتی کونسل (Security Council)

اقوام متحدہ کا چارٹر سلامتی کونسل کو بین الاقوامی امن اور سلامتی کی بحالی کی بنیادی ذمہ داری تفویض کرتا ہے۔ سلامتی کونسل اصل میں 11 ممبران پر مشتمل تھی- پانچ مستقل اور چھ غیر مستقل- جن کا انتخاب جنرل اسمبلی نے دو سال کے لیے کیا تھا۔ شروع سے ہی، سلامتی کونسل کے غیر مستقل ارکان کو مخصوص علاقوں یا ریاستوں کے گروپوں کو نمائندگی دینے کے لیے منتخب کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ رکنیت میں اضافہ ہوا، یہ مشق مشکل میں پڑ گئی۔ 1965 میں اقوام متحدہ کے چارٹر میں ایک ترمیم نے کونسل کی رکنیت کو بڑھا کر 15 کر دیا، جس میں اصل پانچ مستقل اراکین کے علاوہ 10 غیر مستقل اراکین شامل ہیں۔ مستقل ارکان میں سے، عوامی جمہوریہ چین نے 1971 میں جمہوریہ چین (تائیوان) کی جگہ لی، اور روسی فیڈریشن نے 1991 میں سوویت یونین کی جگہ لی۔ جرمنی کے متحد ہونے کے بعد، کونسل کی تشکیل پر دوبارہ بحث چھڑ گئی، اور جرمنی، ہندوستان اور جاپان نے مستقل کونسل کی نشستوں کے لیے درخواست دی۔ غیر مستقل اراکین کا انتخاب منصفانہ علاقائی نمائندگی حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، پانچ اراکین افریقہ یا ایشیا سے، ایک مشرقی یورپ سے، دو لاطینی امریکہ سے، اور دو مغربی یورپ یا دیگر علاقوں سے۔ 10 غیر مستقل ارکان میں سے پانچ ہر سال جنرل اسمبلی کے ذریعے دو سال کی مدت کے لیے منتخب ہوتے ہیں، اور پانچ ہر سال

ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ صدارت ہر رکن کے پاس ایک ماہ کی مدت کے لیے ہوتی ہے۔ سلامتی کونسل کا ہر رکن ایک ووٹ کا حقدار ہے۔ تمام "طریقہ کار" معاملات پر- جن کی تعریف بعض اوقات تنازعہ میں ہوتی ہے- کونسل کے فیصلے اس کے کسی بھی نو اراکین کے مثبت ووٹ کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔ اصل معاملات، جیسے کہ کسی تنازع کی تحقیقات یا پابندیوں کے اطلاق کے لیے بھی نو اثباتی ووٹوں کی ضرورت ہوتی ہے، جن میں ویٹو پاور رکھنے والے پانچ مستقل ارکان کے ووٹ بھی شامل ہیں۔ عملی طور پر، تاہم، ایک مستقل رکن فیصلے کی درستگی کو متاثر کیے بغیر پرہیز کر سکتا ہے۔ اس بات پر ووٹ کہ آیا کوئی معاملہ طریقہ کار ہے یا اصل ہے بذات خود ایک اہم سوال ہے۔ چونکہ سلامتی کونسل کو مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہر رکن کی نمائندگی ہر وقت نیویارک شہر میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں ہوتی ہے۔ کوئی بھی ملک خواہ وہ اقوام متحدہ کا رکن ہی کیوں نہ ہو، کوئی ایسا تنازعہ لا سکتا ہے جس پر وہ فریق ہو سلامتی کونسل کی توجہ دلائے۔ جب کوئی شکایت ہوتی ہے، تو کونسل پہلے پر امن حل کے امکان کو تلاش کرتی ہے۔ بین الاقوامی امن دستوں کو مزید مذاکرات تک متحارب فریقوں کو الگ رکھنے کا اختیار دیا جا سکتا ہے۔

اگر کونسل کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امن کے لیے حقیقی خطرہ ہے، امن کی خلاف ورزی ہے، یا جارحیت کا عمل ہے (جیسا کہ اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 39 میں بیان کیا گیا ہے)، وہ اقوام متحدہ کے اراکین سے سفارتی یا اقتصادی پابندیاں لگانے کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اگر یہ طریقے ناکافی ثابت ہوتے ہیں تو، اقوام متحدہ کا چارٹر سلامتی کونسل کو مجرم ملک کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ سرد جنگ کے دوران، امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان مسلسل اختلاف اور سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کے ویٹو پاور نے سلامتی کونسل کو ایک غیر موثر ادارہ بنا دیا۔ تاہم، 1980 کی دہائی کے آخر سے، کونسل کی طاقت اور وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ 1987 اور 2000 کے درمیان اس نے پچھلے کسی بھی وقت کے مقابلے میں زیادہ امن قائم کرنے کی کارروائیوں کی اجازت دی۔ ویٹو کے استعمال میں ڈرامائی طور پر کمی واقع ہوئی ہے، حالانکہ سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کے درمیان اختلافِ رائے- خاص طور پر 2003 میں عراق کے خلاف فوجی طاقت کے استعمال پر کبھی کبھار کونسل کی تاثیر کو نقصان پہنچایا ہے۔ اتفاق رائے حاصل کرنے کے لیے، کونسل کے مستقل اراکین کے درمیان نسبتاً غیر رسمی ملاقاتیں نجی طور پر کی جاتی ہیں، یہ ایک ایسا عمل ہے جس پر سلامتی کونسل کے غیر مستقل اراکین نے تنقید کی ہے۔ کئی قائمہ اور ایڈہاک کمیٹیوں کے علاوہ، کونسل کے کام کو ملٹری اسٹاف کمیٹی، پابندیوں کے تحت ہر ملک کے لیے پابندیوں کی کمیٹیاں، امن فوج کی کمیٹیاں، اور ایک بین الاقوامی ٹربیونلز کمیٹی فراہم کرتی ہے۔

3۔ اقتصادی اور سماجی کونسل (Economic and Social council)

بین الاقوامی اقتصادی اور سماجی مسائل پر بحث کے لیے اقوام متحدہ کے مرکزی مقام کے طور پر ڈیزائن کیا گیا، اقتصادی اور سماجی کونسل (ECOSOC) اقوام متحدہ اور اس کی خصوصی ایجنسیوں کی اقتصادی، سماجی، انسانی، اور ثقافتی سرگرمیوں کی ہدایت اور ہم آہنگی کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کے ذریعے قائم کردہ، ECOSOC کو اقتصادی اور سماجی مسائل پر بین الاقوامی کارروائی کی سفارش کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی احترام کو فروغ دینا؛ اور صحت، تعلیم اور ثقافتی اور متعلقہ شعبوں میں عالمی تعاون کے لیے کام کرتی ہے۔

ECOSOC مطالعہ کرتا ہے؛ جنرل اسمبلی کی طرف سے غور کے لیے قرار دادیں، سفارشات اور کنونشن تیار کرتا ہے؛ اور اقوام متحدہ کے مختلف پروگراموں اور خصوصی ایجنسیوں کی سرگرمیوں کو مربوط کرتا ہے۔ ECOSOC کا زیادہ تر کام انسانی حقوق، منشیات، آبادی، سماجی ترقی، اعداد و شمار، خواتین کی حیثیت، اور سائنس اور ٹیکنالوجی جیسے موضوعات پر فعال کمیشنوں میں انجام دیا جاتا ہے۔ کونسل یورپ، ایشیا اور بحرالکاہل، مغربی ایشیا، لاطینی امریکہ اور افریقہ کے علاقائی کمیشنوں کی بھی نگرانی کرتی ہے۔

اقوام متحدہ کا چارٹر ECOSOC کو غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) کو مشاورتی درجہ دینے کی اجازت دیتا ہے۔ مشاورتی حیثیت کی تین اقسام کو تسلیم کیا گیا ہے: عمومی زمرہ NGOs (سابقہ زمرہ I) میں متعدد اہداف اور سرگرمیاں رکھنے والی تنظیمیں شامل ہیں۔ خصوصی زمرہ کی این جی اوز (سابقہ زمرہ II) ECOSOC سرگرمیوں کے بعض شعبوں میں مہارت رکھتی ہیں۔ اور روسٹر این جی اوز کی اقوام متحدہ کی سرگرمیوں میں کبھی کبھار ہی دلچسپی لیتی ہے۔ مشاورتی حیثیت غیر سرکاری تنظیموں کو ECOSOC اجلاسوں میں شرکت کرنے، رپورٹیں جاری کرنے اور کبھی کبھار میٹنگوں میں گواہی دینے کے قابل بناتی ہے۔ 1990 کی دہائی کے وسط سے، ECOSOC میں، ایڈہاک عالمی کانفرنسوں میں، اور اقوام متحدہ کی دیگر سرگرمیوں میں NGO کی شرکت کے دائرہ کار کو بڑھانے کے لیے اقدامات کیے گئے ہیں۔ 21ویں صدی کے اوائل تک، ECOSOC نے 2,500 سے زیادہ این جی اوز کو مشاورتی درجہ دے دیا تھا۔

اصل میں یہ ECOSOC 18 ممالک کے نمائندوں پر مشتمل تھا، لیکن چارٹر میں 1965 اور 1974 میں ترمیم کی گئی تاکہ اراکین کی تعداد 54 ہو جائے۔ اراکین کا انتخاب جنرل اسمبلی کے ذریعے تین سال کی مدت کے لیے کیا جاتا ہے۔ سلامتی کونسل کے پانچ مستقل اراکین میں سے چار - امریکہ، برطانیہ، سوویت یونین (روس) اور فرانس — کو مسلسل دوبارہ منتخب کیا گیا ہے کیونکہ وہ ECOSOC کے زیادہ تر بجٹ کے لیے فنڈ فراہم کرتے ہیں، جو کہ اقوام متحدہ کے کسی بھی ذیلی ادارے میں سب سے بڑا ہے۔ فیصلے سادہ اکثریتی ووٹ سے کیے جاتے ہیں۔

4۔ٹرسٹی شپ کونسل (Trusteeship council)

ٹرسٹی شپ کونسل کو اعتماد کے علاقوں کی حکومت کی نگرانی اور انہیں خود حکومت یا آزادی کی طرف لے جانے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ ٹرسٹی شپ کا نظام، جیسا کہ لیگ آف نیشنز کے تحت مینڈیٹ کے نظام کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا کہ جنگ میں شکست خوردہ ممالک سے نوآبادیاتی علاقوں کو فاتح طاقتوں کے ساتھ الحاق نہیں کیا جانا چاہیے بلکہ مستقبل تک بین الاقوامی نگرانی میں ایک قابل اعتماد ملک کے زیر انتظام ہونا چاہیے۔ مینڈیٹ کے نظام کے برعکس، ٹرسٹی شپ سسٹم نے اعتماد والے علاقوں سے ان کی آزادی پر درخواستیں مدعو کیں اور خطوں میں متواتر بین الاقوامی مشنوں کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ 1945 میں صرف 12 لیگ آف نیشنز کے مینڈیٹ رہ گئے: ناورو، نیو گنی، روانڈا-ارونڈی، ٹوگولینڈ اور کیمرون (فرانس کے زیرِ انتظام)، ٹوگولینڈ اور کیمرون (برطانوی زیرِ انتظام)، بحرالکاہل کے جزائر (کیرولینز، مارشلز، اور ماریاناس)، مغربی ساموا، جنوبی مغربی افریقہ، تانگانیکا، اور فلسطین۔ یہ تمام مینڈیٹ اعتماد کے علاقے بن گئے سوائے جنوبی مغربی افریقہ (اب نمیبیا) کے، جسے جنوبی افریقہ نے ٹرسٹی شپ کے نظام میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ ٹرسٹی شپ کونسل، جس کا ہر سال ایک بار اجلاس ہوتا

ہے، اعتماد کے علاقوں کا انتظام کرنے والی ریاستوں، سلامتی کونسل کے مستقل ممبران جو اعتماد کے علاقوں کا انتظام نہیں کرتے، اور جنرل اسمبلی کے ذریعے منتخب کردہ اقوام متحدہ کے دیگر اراکین پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر رکن کے پاس ایک ووٹ تھا، اور فیصلے موجود افراد کی سادہ اکثریت کے ذریعے کیے جاتے تھے۔ 1994 میں، پالاؤ کی آزادی کے ساتھ، جو آخری باقی ماندہ قابل اعتماد علاقہ ہے، کونسل نے اپنی کارروائیاں ختم کر دیں۔ اب سالانہ اجلاس کی ضرورت نہیں ہے، کونسل اپنے صدر کے فیصلے پر یا اپنے ارکان کی اکثریت کی درخواست پر، جنرل اسمبلی یا سلامتی کونسل کے ذریعے اجلاس کر سکتی ہے۔ 1994 کے بعد سے کونسل کے لیے نئے کردار تجویز کیے گئے ہیں، جن میں عالمی کامنز (مثلاً، سمندری فرش اور بیرونی خلا) کا نظم ونسق اور اقلیتوں اور مقامی لوگوں کے لیے ایک فورم کے طور پر کام کرنا شامل ہے۔

5۔ بین الاقوامی عدالت انصاف (International Court of Justice)

بین الاقوامی عدالت انصاف، جسے عام طور پر عالمی عدالت کے نام سے جانا جاتا ہے، اقوام متحدہ کا بنیادی عدالتی ادارہ ہے، حالانکہ عدالت کی ابتدا لیگ آف نیشنز سے پہلے ہے۔ بین الاقوامی تنازعات کی ثالثی کے لیے ایک بین الاقوامی عدالت کے قیام کا خیال 1899 میں دی ہیگ میں منعقدہ ایک بین الاقوامی کانفرنس کے دوران پیدا ہوا۔ یہ ادارہ 1919 میں لیگ آف نیشنز کے تحت بین الاقوامی انصاف کی مستقل عدالت (PCIJ) کے طور پر شامل کیا گیا اور اس نے اسے اپنایا۔ 1945 میں اقوام متحدہ کے قیام کے ساتھ نام۔ عدالت کے فیصلے کا پابند ہے، اور اس کے وسیع دائرہ اختیار میں "وہ تمام مقدمات شامل ہیں جن کا فریقین اس کا حوالہ دیتے ہیں اور تمام معاملات جو خاص طور پر اقوام متحدہ کے چارٹر میں یا نافذ العمل معاہدوں اور کنونشنز میں فراہم کیے گئے ہیں۔" سب سے اہم بات یہ ہے کہ ریاستیں ان کی رضامندی کے بغیر کسی تنازعہ میں فریق نہیں بن سکتی ہیں، حالانکہ وہ تنازعات کے مخصوص زمروں میں عدالت کے لازمی دائرہ اختیار کو قبول کر سکتی ہیں۔ عدالت جنرل اسمبلی یا سلامتی کونسل کی درخواست پر یا جنرل اسمبلی کے اختیار کردہ دیگر اداروں اور خصوصی ایجنسیوں کی درخواست پر مشاورتی رائے دے سکتی ہے۔ اگرچہ عدالت نے کامیابی کے ساتھ کچھ مقدمات کی ثالثی کی ہے (مثلاً، 1992 میں ہونڈوراس اور ایل سلواڈور کے درمیان سرحدی تنازعہ)، حکومتیں حساس معاملات پیش کرنے سے گریزاں ہیں، اس طرح بین الاقوامی امن اور سلامتی کو لاحق خطرات کو حل کرنے کی عدالت کی صلاحیت کو محدود کر دیا گیا ہے۔ بعض اوقات ممالک نے بھی عدالت کے دائرہ اختیار یا نتائج کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر، جب نکاراگوا نے 1984 میں اپنی بندرگاہوں کی کان کنی کے لیے امریکہ کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا تو عدالت نے نکاراگوا کے حق میں فیصلہ دیا، لیکن امریکہ نے عدالت کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا، سلامتی کونسل میں نکاراگوا کی اپیل کو روک دیا، اور اس سے دستبردار ہو گیا۔ لازمی، یا عام، عدالت کا دائرہ اختیار، جسے اس نے 1946 سے قبول کیا تھا۔ عدالت کے 15 ججوں کا انتخاب جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل آزادانہ ووٹنگ کرتے ہیں۔ کوئی بھی دو جج ایک ہی ریاست کے شہری نہیں ہو سکتے، اور ججوں کو دنیا کے بڑے قانونی نظاموں کے کراس سیکشن کی نمائندگی کرنی ہوتی ہے۔ جج نو سال کی مدت پوری کرتے ہیں اور دوبارہ انتخاب کے اہل ہوتے ہیں۔ عالمی عدالت کی نشست ہیگ میں ہے۔

6۔ سیکرٹریٹ(Secretariat)

انتونیو گوٹیرس سیکرٹری (موجودہ) جنرل، اقوام متحدہ کا پرنسپل ایڈمنسٹریٹو آفیسر، جنرل اسمبلی کے دو تہائی ووٹوں اور سلامتی کونسل کی سفارش اور اس کے مستقل اراکین کی منظوری سے پانچ سالہ قابل تجدید مدت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ سیکرٹری جنرل عام طور پر چھوٹے، غیر جانبدار ممالک سے آتے ہیں۔ سیکرٹری جنرل تمام میٹنگوں میں چیف ایڈمنسٹریٹو آفیسر کے طور پر کام کرتا ہے اور وہ سکریٹریٹ کی حکم کے مطابق کام کرتا ہے جو وہ اعضاء سیکرٹریٹ کو سونپتے ہیں۔ وہ اقوام متحدہ کے بجٹ کی تیاری کی بھی نگرانی کرتا ہے۔ سکریٹری جنرل کے پاس اہم سیاسی کام ہوتے ہیں، ان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی ایسے معاملے کو تنظیم کے سامنے لائے جس سے بین الاقوامی امن اور سلامتی کو خطرہ ہو۔ اقوام متحدہ کے چیف ترجمان اور عالمی امور میں اقوام متحدہ کی سب سے زیادہ نظر آنے والی اور مستند شخصیت، سیکرٹری جنرل اکثر ایک اعلیٰ سطحی مذاکرات کار کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اس عہدے کی اہمیت کی تصدیق کرتے ہوئے، دو سیکرٹری جنرل کو امن کا نوبل انعام دیا گیا ہے: 1961 میں ڈیگ ہمارسک جولڈ اور 2001 میں اقوام متحدہ کے شریک وصول کنندہ کوفی عنان۔ سیکرٹریٹ اقوام متحدہ کے کام کو اقوام متحدہ کے چارٹر میں اشارہ سے کہیں زیادہ حد تک متاثر کرتا ہے۔ یہ ترجمہ کرنے، تشریح کرنے، بڑی تعداد میں ملاقاتوں کے لیے خدمات فراہم کرنے اور دیگر کاموں کے علاوہ متعدد رپورٹس، مطالعات اور تحقیقات کی تیاری کا ذمہ دار ہے۔ چارٹر کے تحت عملے کی بھرتی بنیادی طور پر میرٹ کی بنیاد پر کی جاتی ہے، حالانکہ مختلف جغرافیائی خطوں سے افراد کو بھرتی کرنے کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔ سیکرٹریٹ کے کچھ ارکان مستقل معاہدوں پر کام کر رہے ہیں، لیکن دیگر اپنی قومی حکومتوں کی طرف سے عارضی تفویض پر کام کرتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں انہیں اقوام متحدہ سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور انہیں رکن حکومتوں سے ہدایات حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ سیکرٹریٹ کے اثر و رسوخ کو اس حقیقت سے منسوب کیا جا سکتا ہے کہ اس کے عملے میں تقریباً 9,000 افراد رکن ممالک کے سیاسی تقرر کے بجائے مستقل ماہرین اور بین الاقوامی سرکاری ملازمین ہیں۔ سیکرٹریٹ نیویارک، جنیوا، ویانا، نیروبی (کینیا) اور دیگر مقامات پر مقیم ہے۔ ناقص انتظامی طریقوں کے لیے اس پر کثرت سے تنقید کی جاتی رہی ہے — حالانکہ اس نے اپنے کاموں کی کارکردگی کو بڑھانے کے لیے غیر جانبداری کے ساتھ مسلسل کوششیں کی ہیں۔

21.5 ذیلی اعضاء(Subsidiary Organs)

اقوام متحدہ کے نیٹ ورک میں جنرل اسمبلی اور خود مختار خصوصی ایجنسیوں کے ذریعہ بنائے گئے ذیلی ادارے بھی شامل ہیں۔ ذیلی ادارے جنرل اسمبلی یا ECOSOC یا دونوں کو رپورٹ کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اعضاء کو براہ راست اقوام متحدہ کی طرف سے مالی اعانت فراہم کی جاتی ہے۔ دوسروں کو حکومتوں یا نجی شہریوں کے رضاکارانہ تعاون سے مالی اعانت فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ، ECOSOC کے اقتصادی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی، صحت اور متعلقہ شعبوں میں کام کرنے والی این جی اوز کے ساتھ مشاورتی تعلقات ہیں۔ این جی اوز نے اقوام متحدہ کی خصوصی ایجنسیوں کے کام میں، خاص طور پر صحت، قیام امن، پناہ گزینوں کے مسائل، اور انسانی حقوق کے شعبوں میں تیزی سے اہم

کردار ادا کیا ہے۔ خصوصی ایجنسیاں سالانہ ECOSOC کو رپورٹ کرتی ہیں اور اکثر ایک دوسرے کے ساتھ اور اقوام متحدہ کے مختلف اداروں کے ساتھ تعاون کرتی ہیں۔ تاہم، ان کے اپنے اصول، اہداف اور قواعد بھی ہیں، جو بعض اوقات اقوام متحدہ کے دیگر اداروں اور ایجنسیوں سے متصادم ہو سکتے ہیں۔ خصوصی ایجنسیاں خود مختار ہیں کیونکہ وہ اپنے بجٹ کو خود کنٹرول کرتی ہیں اور ان کے اپنے بورڈ آف ڈائریکٹرز ہیں، جو جنرل اسمبلی یا سیکرٹری جنرل سے آزادانہ طور پر ایجنسی کے سربراہوں کا تقرر کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی اہم خصوصی ایجنسیوں اور متعلقہ اداروں میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (ILO)، اقوام متحدہ کی خوراک اور زراعت کی تنظیم (FAO)، اقوام متحدہ کی تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی تنظیم (UNESCO)، اور عالمی ادارہ صحت (World Health Organization) شامل ہیں۔ ڈبلیو ایچ او). دو سب سے طاقتور خصوصی ایجنسیاں ہیں، جو اقوام متحدہ کے فیصلہ سازی کے حوالے سے بھی سب سے زیادہ خود مختار ہیں، وہ ورلڈ بینک اور انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF) ہیں۔ اقوام متحدہ، اپنی مخصوص ایجنسیوں کے ساتھ، اکثر اجتماعی طور پر اقوام متحدہ کے نظام کے طور پر کام کرتا ہے۔

21.6 انتظامیہ (Administration)

مالیات سیکرٹری جنرل کو اس کی منظوری کے لیے دو سالہ بجٹ جنرل اسمبلی میں پیش کرنا چاہیے۔ چارٹر میں کہا گیا ہے کہ تنظیم کے اخراجات جنرل اسمبلی کی طرف سے تقسیم کیے گئے ممبران برداشت کریں گے۔ شراکتوں کی کمیٹی ہر ریاست کی عمومی اقتصادی سطح اور صلاحیت کی بنیاد پر تمام اراکین کے لیے تشخیص کا پیمانہ تیار کرتی ہے، جسے منظوری کے لیے جنرل اسمبلی میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ سب سے بڑا تعاون کرنے والا ملک ہے، حالانکہ اس کے تعاون کا تناسب مسلسل کم ہوتا جا رہا ہے، اقوام متحدہ کے قیام کے وقت سے وہ پانچویں حصے سے 1975 میں ایک چوتھائی اور 2000 میں تقریباً ایک پانچواں حصہ رہ گیا ہے۔ دیگر اراکین فی کس زیادہ حصہ ڈالتے ہیں۔ مثال کے طور پر سان مارینو کا فی کس حصہ ریاستہائے متحدہ کے مقابلے میں تقریباً چار گنا ہے۔ امریکی تعاون 1990 کی دہائی کے دوران ایک متنازعہ مسئلہ بن گیا، جب ملک نے اپنی ذمہ داریوں کو مکمل طور پر ادا کرنے سے انکار کر دیا اور فنڈز کی اس سطح پر اعتراض کیا جو اسے فراہم کرنے کی ضرورت تھی۔ 1999 میں امریکی کانگریس نے اقوام متحدہ میں اصلاحات کا ایک بل منظور کیا، اور شدید گفت و شنید کے بعد اقوام متحدہ کے اراکین نے بجٹ میں امریکی حصہ کو کم کرنے اور کمی کو پورا کرنے کے لیے دیگر ریاستوں سے تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا۔ جب خصوصی پروگراموں، خصوصی ایجنسیوں، اور امن کی کارروائیوں کی لاگت کو باقاعدہ بجٹ میں شامل کیا جاتا ہے، تو اقوام متحدہ کے نظام کی کل سالانہ لاگت میں کافی اضافہ ہو جاتا ہے۔ (خصوصی پروگراموں کی مالی اعانت اقوام متحدہ کے اراکین کے رضاکارانہ تعاون سے کی جاتی ہے، اور خصوصی ایجنسیوں اور امن کی کارروائیوں کا اپنا بجٹ ہوتا ہے۔) اس کی ایک وجہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اقوام متحدہ سے امن قائم کرنے اور دیگر امداد کے لیے اپیلوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہے۔ اور جزوی طور پر بعض رکن ممالک کی جانب سے تنظیم کو بروقت ادائیگیاں کرنے میں ناکامی کی وجہ سے، اقوام متحدہ کو مسلسل اور شدید مالی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔

مراعات اور استثنیٰ

اقوام متحدہ کے استحقاق اور استثنیٰ سے متعلق ایک جنرل کنونشن، جسے فروری 1946 میں جنرل اسمبلی نے منظور کیا اور اکثر اراکین نے اسے قبول کیا، اس بات پر زور دیتا ہے کہ اقوام متحدہ قانونی شخصیت کا مالک ہے۔ کنونشن میں جائیداد اور اقوام متحدہ کے اہلکاروں کے قانونی عمل سے استثنیٰ جیسے معاملات بھی فراہم کیے گئے ہیں۔ اقوام متحدہ اور ریاستہائے متحدہ کے درمیان جون 1947 میں دستخط کیے گئے ایک معاہدے میں نیویارک شہر میں اقوام متحدہ کے صدر دفتر کے مراعات اور استثنیٰ کی وضاحت کی گئی ہے۔

ہیڈکوارٹر (Headquarter)

جنرل اسمبلی نے لندن میں اپنے پہلے اجلاس کے دوسرے حصے کے دوران نیویارک میں اپنا مستقل ہیڈکوارٹر تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ جان ڈی راکفیلر، جونیئر نے مین ہٹن میں عمارت کی جگہ کے لیے زمین عطیہ کی۔ عارضی ہیڈکوارٹر نیویارک کے لانگ آئی لینڈ پر لیک پر قائم کیا گیا تھا۔ مستقل سیکرٹریٹ کی عمارت 1951-52 میں مکمل ہوئی اور اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ جنرل اسمبلی اور کونسلوں کے لیے رہائش فراہم کرنے والی عمارت 1952 میں مکمل ہوئی اور اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ 1947 میں اپنایا گیا اقوام متحدہ کا جھنڈا، تنظیم کے سرکاری نشان پر مشتمل ہے (ایک سرکلر دنیا کا نقشہ، جیسا کہ قطب شمالی سے دیکھا گیا ہے، جس کے چاروں طرف زیتون کی شاخوں کی چادریں ہیں) ہلکے نیلے رنگ کے پس منظر پر مرکوز ہے۔ اسمبلی نے 24 اکتوبر کو اقوام متحدہ کے دن کے طور پر نامزد کیا ہے۔

21.7 اقوام متحدہ کے افعال (Functions of UNO)

بین الاقوامی امن اور سلامتی کی بحالی اقوام متحدہ کا بنیادی کام ہے۔ چارٹر کا باب 6 سلامتی کونسل کی مداخلت کے ذریعے، گفت وشنید، ثالثی اور عدالتی فیصلوں کے ذریعے تنازعات کے بحرالکاہل حل کے لیے فراہم کرتا ہے۔ سلامتی کونسل کسی بھی تنازعہ یا صورت حال کی تحقیقات کر سکتی ہے تاکہ یہ تعین کیا جا سکے کہ آیا اس سے بین الاقوامی امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہے۔ تنازعہ کے کسی بھی مرحلے پر، کونسل مناسب طریقہ کار یا ایڈجسٹمنٹ کے طریقوں کی سفارش کر سکتی ہے، اور، اگر فریقین پرامن طریقے سے تنازعہ کو حل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، تو کونسل تصفیہ کی شرائط تجویز کر سکتی ہے۔ اجتماعی سلامتی کا ہدف، جس کے تحت ایک رکن کے خلاف جارحیت کو سب کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چارٹر کے باب 7 کے تحت ہے، جو سلامتی کونسل کو جبر کے اقدامات کا حکم دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ سفارتی، اقتصادی اور فوجی پابندیوں سے لے کر مسلح قوت — ایسے معاملات میں جہاں پرامن تصفیہ کی کوششیں ناکام ہو گئی ہوں۔ اس طرح کے اقدامات سرد جنگ کے دوران شاذ و نادر ہی لاگو ہوتے تھے، تاہم، کیونکہ امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان کشیدگی نے سلامتی کونسل کو جارحیت پر اکسانے والوں پر اتفاق کرنے سے روک دیا۔ اس کے بجائے، امن و سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے کیے گئے اقدامات نے اکثر احتیاطی سفارت کاری اور امن قائم کرنے کی شکل اختیار کی۔ سرد جنگ کے بعد کے دور میں، اقوام متحدہ سے امن کی بحالی اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں کی اپیلوں میں ڈرامائی طور پر اضافہ ہوا، اور بین الاقوامی امن و سلامتی کو نئے خطرات کا سامنا کرنا پڑا، بشمول ایڈز اور بین الاقوامی دہشت گردی۔ سلامتی کونسل کے

بنیادی کردار کے باوجود، اقوام متحدہ کا چارٹر سلامتی کے امور میں جنرل اسمبلی اور غیر رکن ریاستوں کی شرکت کا بندوبست کرتا ہے۔ کوئی بھی ریاست، خواہ وہ اقوام متحدہ کی رکن ہو یا نہ ہو، کوئی بھی تنازعہ یا صورت حال جو بین الاقوامی امن اور سلامتی کو خطرے میں ڈالتی ہو، سلامتی کونسل یا جنرل اسمبلی کی توجہ میں لا سکتی ہے۔ چارٹر جنرل اسمبلی کو اختیار دیتا ہے کہ وہ "بین الاقوامی امن اور سلامتی کی بحالی سے متعلق کسی بھی سوال پر بحث کرے" اور "ایسے کسی بھی سوال کے بارے میں ریاست یا متعلقہ ریاستوں یا سلامتی کونسل یا دونوں کو سفارشات پیش کرے۔" یہ اختیار اس شق کے ذریعہ محدود ہے کہ، "جب کہ سلامتی کونسل کسی تنازعہ یا صورت حال کے سلسلے میں موجودہ چارٹر میں تفویض کردہ کاموں کو انجام دے رہی ہے، جنرل اسمبلی اس تنازعہ یا صورت حال کے حوالے سے کوئی سفارش نہیں کرے گی جب تک کہ سلامتی کونسل سے درخواست نہ کی گئی ہو۔

نومبر 1950 کی "یونائٹنگ فار پیس" قرارداد کے ذریعے ،تاہم، جنرل اسمبلی نے اپنے آپ کو امن کو لاحق خطرات سے نمٹنے کا اختیار دیا ہے اگر سلامتی کونسل مستقل رکن کے ویٹو کے بعد عمل کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اگرچہ یہ دفعات جنرل اسمبلی کو ایک وسیع ثانوی کردار فراہم کرتی ہیں، لیکن سلامتی کونسل ایسے فیصلے کر سکتی ہے جو تمام اراکین کو پابند کرتی ہیں، جبکہ جنرل اسمبلی صرف سفارشات کر سکتی ہے۔ امن قائم کرنے کے لیے بین الاقوامی مسلح افواج کو پہلی بار 1948 میں کشمیر اور فلسطین میں جنگ بندی کے لیے استعمال کیا گیا۔ اگرچہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں خاص طور پر اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، فوجوں کے انخلا اور مذاکرات کے زیر التواء متحارب فریقوں کے درمیان بفر کے طور پر اس طرح کی قوتوں کا استعمال کر سکتے ہیں؟ جسے امن قائم کرنے کے نام سے جانا جاتا ہے-1956 میں مصر، اسرائیل، فرانس اور اقوام متحدہ کے درمیان سوئز بحران کے دوران رسمی شکل دی گئی تھی۔ بادشاہی امن مشن نے بہت سی شکلیں اختیار کی ہیں، حالانکہ ان میں یہ حقیقت مشترک ہے کہ ان میں کئی ممالک کے فوجی دستے شامل ہیں، اور یہ فوجی اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اختیار کے تحت کام کرتے ہیں۔ 1988 میں اقوام متحدہ کی امن فوج کو امن کا نوبل انعام دیا گیا۔ سرد جنگ کے دوران، نام نہاد فرسٹ جنریشن، یا "کلاسیکی"، امن کی حفاظت مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے تنازعات اور ایشیا میں نوآبادیات سے پیدا ہونے والے تنازعات میں استعمال ہوتی تھی۔ 1948 اور 1988 کے درمیان اقوام متحدہ نے سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کے علاوہ غیر جانبدار ممالک سے عام طور پر ہلکے ہتھیاروں سے لیس فوجیوں پر مشتمل 13 امن مشن شروع کیے اکثر کینیڈا، سویڈن، ناروے، فن لینڈ، انڈیا، آئرلینڈ اور اٹلی۔

ان مشنز میں موجود فوجیوں کو، نام نہاد "بلیو ہیلمٹ" کو صرف اپنے دفاع میں طاقت کا استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ مشن کو تنازعہ کے فریقین کی رضامندی اور سلامتی کونسل اور فوجی تعاون کرنے والے ممالک کی حمایت دی گئی۔ سرد جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی قیام امن کے چیلنجز مزید پیچیدہ ہو گئے۔ ان حالات کا جواب دینے کے لیے جن میں اندرونی نظم و نسق ٹوٹ چکا تھا اور شہری آبادی متاثر ہو رہی تھی، متعدد سیاسی اور سماجی مقاصد کے حصول کے لیے "دوسری نسل" کی امن فوج قائم کی گئی تھی۔ پہلی نسل کی امن فوج کے برعکس، دوسری نسل کی امن فوج میں اکثر سویلین ماہرین اور امدادی ماہرین کے ساتھ ساتھ فوجی بھی شامل ہوتے ہیں۔ دوسری نسل اور پہلی نسل کے امن کے درمیان ایک اور فرق وہ سپاہی ہے۔

21.8 اقوام متحدہ میں اصلاحات(Reforms in UNO)

18 ستمبر 2017 کو اقوام متحدہ کی 72 ویں جنرل اسمبلی میں، 120 ممالک نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوٹیرس کی تجویز کردہ اصلاحات کے لیے اپنے عزم کا اظہار کیا۔ 1946 سے، اقوام متحدہ نے مکمل یا جزوی طور پر متعدد اصلاحات کی ہیں۔ 'اصلاح' کی اصطلاح اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے لیے اس کی وضاحت کے فقدان اور اتفاق رائے کی کمی کی وجہ سے پریشان کن ثابت ہوئی ہے۔ عملدرآمد۔ یہ خاص طور پر 2018 میں امریکہ (امریکہ) کی طرف سے عالمی نظم ونسق کی ضرورت، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے فیصلوں کی اہمیت جیسے شکوک وشبہات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایران جوہری معاہدہ، اور اقوام متحدہ کی کارکردگی۔ یہ بریفنگ بتاتی ہے کہ موجودہ اصلاحات کس طرح پچھلی اصلاحات سے مختلف ہیں، جتنا کہ یہ نظم ونسق پر توجہ مرکوز کرتی ہے اور احتساب اور شفافیت کے فقدان، غیر موثریت، اور موجودہ نظام میں تنظیم اور اس کے رکن ممالک کے درمیان اعتماد میں کمی کی تنقیدوں کو دور کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کا اصلاحاتی ایجنڈا تین اہم شعبوں پر مرکوز ہے: ترقی، انتظام، اور امن وسلامتی۔ سب سے پہلے، ترقیاتی اصلاحات 2030 ایجنڈا برائے پائیدار ترقی کے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے اقوام متحدہ کے ترقیاتی نظام میں ایک جرات مندانہ تبدیلی لائے گی۔ یہ اقوام متحدہ کے ملکی ماہرین کی ایک آزاد ٹیم ('ریذیڈنٹ کوآرڈینیٹرز') کی قیادت میں ملکی ٹیموں کی ایک نئی نسل کی تشکیل پر مرکوز ہوگی۔ دوسرا، عمل کو آسان بنانا، شفافیت میں اضافہ اور مینڈیٹ کی بہتر ترسیل سیکرٹریٹ کے لیے ایک نئے انتظامی نمونے کی بنیاد بنے گی۔ تیسرا، تنازعات کی روک تھام اور قیام امن کو ترجیح دے کر، مؤثریت میں اضافہ اور امن وسلامتی کی اصلاحات پر زور دیا جائے گا۔ امن کی کارروائیوں اور سیاسی مشنوں کی ہم آہنگی اس کے آغاز کے دو سال بعد، اصلاحات کا عمل ثمر آور ہونا شروع ہوا، جس کا نفاذ 2019 میں شروع ہونے والا ہے اور اسے ہموار کرنے، جوابدہی، شفافیت اور کارکردگی پر توجہ دی جائے گی۔ تاہم، اصلاحاتی عمل میں انسانی حقوق کو تقویت دینے کا واضح ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بریفنگ موجودہ اصلاحات سے فائدہ اٹھانے کے امکانات کو بھی تلاش کرتی ہے تاکہ انسانی حقوق کی عدم تقسیم کو فروغ دیا جا سکے، جبکہ اقوام متحدہ کی جاری اصلاحات پر اسٹیک ہولڈرز کے رد عمل کا جائزہ لیا جائے۔

21.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے

- اقوام متحدہ کے اصل اور اس کے اصوُل اور مقاصد کو سمجھا۔
- اقوام متحدہ کے ڈھانچہ سے بھی روبرو ہوئے۔
- اقوام متحدہ کے ذیلی اعضاء اور اس کے انتظامیہ سے واقف ہوئے۔
- اقوام متحدہ کے افعال اور اس کا ہیڈ کوارٹر سے متعلق معلومات بھی حاصل کی۔

21.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

سلامتی کانسل

اس میں پانچ مستقل اور دس غیر مستقل اراکین ممالک ہوتے ہیں جو عالمی سطح پر امن قائم کرنے کے لئے پابند ہے

سین فرانسیسکو کانفرنس

بین الا قوامی تنظیم پر اقوام متحدہ کی کانفرنس (UNCIO) جسے عام طور پر سان فرانسسکو کانفرنس کے نام سے جانا جاتا ہے،

اقوام متحدہ کا چارٹر

اقوام متحدہ اور اس کے رکن ممالک کو بین الا قوامی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے، بین الا قوامی قانون کو برقرار رکھنے، "اعلیٰ معیار زندگی حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے۔

21.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

21.11.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ اقوام متحدہ میں کتنے ممالک مستقل ممبر ہوتے ہیں؟

(a) تین (b) چار (c) پانچ (d) چھ

2۔ سرکاری طور پر اقوام متحدہ کب وجود میں آیا؟

(a) 1919 (b) 1920 (c) 1945 (d) 1946

3۔ اقوام متحدہ کا ہیڈ کواٹر کہاں واقع ہے؟

(a) پیرس (b) لندن (c) ہیگ (d) نیو یارک

4۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل کتنے سال کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں؟

(a) تین سال (b) چار سال (c) پانچ سال (d) چھ سال

5۔ اقوام متحدہ کے کتنے اہم اعضاء ہوتے ہیں؟

(a) چار (b) پانچ (c) چھ (d) سات

6۔ سلامتی کونسل میں غیر مستقل ممبران کتنے ہوتے ہیں؟

(a) پانچ (b) دس (c) پندرہ (d) بیس

7۔ان میں سے کون سلامتی کونسل کے مستقل ممبر نہیں ہے؟

(a)روس (b)امریکہ (c)چین (d)جاپان

8۔ان میں کون واحد اعضاء ہے جس میں اقوام متحدہ کے تمام اراکین کی نمائندگی ہوتی ہے؟

(a)سلامتی کونسل (b)جنرل اسمبلی (c)اقتصادی اور سماجی کونسل (d)ان میں سے کوئی نہیں

9۔یو این ڈے کب منایا جاتا ہے؟

(a)22 اکتوبر (b)23 اکتوبر (c)24 اکتوبر (d)25اکتوبر

10۔موجودہ وقت میں ان میں سے کون اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل ہیں؟

(a)انتنیو گوٹیرس (b)کوفی انان (c)بطرس بطرس گھالی (d)ان میں سے کوئی نہیں

21.11.2۔مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. اقوام متحدہ کیا ہے اور اس کے قیام عمل کی ضرورت کیوں پڑی؟
2. اقوام متحدہ کے اصتلاحات پر مختصر نوٹ لکھیے؟
3. اقوام متحدہ کے اصول اور مقاصد کو بتایئے؟
4. اقوام متحدہ کے ذیلی اعضاء پر روشنی ڈالیئے؟
5. اقوام متحدہ کے انتظامیہ پر ایک مختصر نوٹ لکھئے

21.11.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. اقوام متحدہ کے افعال کو بیان کیجئے۔
2. سلامتی کونسل پر ایک مضمون لکھیے۔
3. اقوام متحدہ کے اہم اعضاء پر مختصر روشنی ڈالیئے۔

21.12 تجویز کردہ مواد (Suggested Readings)

---

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, *The Globalisation of World Politics* (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, *International Relations,* 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, *International Relations*, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, *Understanding International Conflicts*, 6th Ed., (Longman, 2007).

5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, *Introduction to Global Politics*, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, *Bainul-Aqwaami Taaluqaat* (Nisaab Publishers, 2005

7. Bluntschli, *Theory of the State*, Bk. III Chs. 1-3, Oxford Translation, 1892.
8 Prof. Gilchrist, *Political Science*, 6th edition, 1938.
9 Aronoff, Myron J and Jan Kubik, *Anthropology and Political Science: A Convergent Approach*, 2012.
10 Sarmah, Durga Kant , *Political Science*, New Age International publishers, New Delhi, 2004
11 David Easton, *Alternative Strategies in Theoretical Research* in Varieties of Political Theory, Englewood Cliffs, 1966.
12 Pokhraj Jain and N.D. Arora, *Political Science*, SBPD Publishing House, Agra, 2014-15
13 R.L. Gupta, *Political Theory*, Sultan Chand & Sons, New Delhi, 2003.
14 Imaan Ali, *Higher Secondary Political Science*, Nasim Publication, Kolkata, 2014.

اکائی 22۔ یوروپین یونین

(European Union)

اکائی کے اجزا:

22.0 تمہید

22.1 مقاصد

22.2 یوروپین یونین

22.3 یوروپین یونین کی ابتدا

22.4 تاریخ

22.5 یوروپین یونین گورننس

22.6 یوروپین یونین کے چیلنجز

22.7 یوروپین یونین کے مستقبل کے اہداف

22.8 ہندوستان اور یوروپین یونین کے درمیان تعلقات

22.9 اکتسابی نتائج

22.10 کلیدی الفاظ

22.11 نمونہ امتحانی سوالات

22.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

22.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

22.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

22.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

22.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء، یورپی یونین (EU)، یورپی ممالک کی ایک تنظیم ہے جس کو اقتصادی اور سیاسی انضمام کی نگرانی کے لیے 1993 میں تشکیل دی گئی۔ یہ Maastricht معاہدے کے ذریعہ بنایا گیا تھا اور یورپی کمیونٹی (EC) کے تمام ممبران نے اس کی توثیق کی تھی، جس میں سے EU نے ترقی کی تھی۔ کامیاب EC نے اپنے ممبران کو زیادہ سے زیادہ انضمام کے لیے زیادہ قابل قبول بنایا اور رکن ممالک کی جانب سے سیکورٹی اور خارجہ پالیسی میں متحد کارروائی اور پولیس اور انصاف کے معاملات میں تعاون کے لیے ایک فریم ورک فراہم کیا۔ ایک مشترکہ مالیاتی نظام بنانے کے اپنے بڑے ہدف کے تعاقب میں، یورپی یونین نے 'یورو' قائم کیا، جس نے 2002 میں یورپی یونین کے 15 ارکان میں سے 12 کی قومی کرنسیوں کی جگہ لے لی۔ 21ویں صدی کے اوائل میں یورپی یونین ممالک یورپی یونین کے بنیادی ادارے یورپی کمیونٹی، کونسل آف منسٹرز (انفرادی وزارتوں کے لیے ایک فورم)، یورپی کمیشن (انتظامی بیوروکریسی)، یورپی پارلیمنٹ، یورپی کورٹ آف جسٹس، اور یورپی مرکزی بینک قیام عمل میں آیا۔ 2012 میں یورپی یونین کو امن کا نوبل انعام بھی دیا جا چکا ہے۔

22.1 مقاصد (Objectives)

- یوروپین یونین کے تصورات کو جانیں گے۔
- یوروپین یونین کی ابتدا اور گورننس کی معلومات حاصل کریں گے۔
- یوروپین یونین کے چیلنجز اور اس کے اہداف سے بھی رُوبرو ہوں گے۔
- ہندوستان اور یوروپین یونین کے درمیان تعلقات سے استفادہ کریں گے۔

22.2 یوروپین یونین (European Union)

یورپی یونین ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جو یورپی ممالک پر مشتمل ہے، جو 1993 میں قائم ہوئی تھی۔ یہ 28 ممالک کی طرف سے Maastricht معاہدے پر دستخط کے بعد عمل میں آئی۔ Maastricht ٹریٹی کو ٹریٹی آف یورپی یونین (TEU) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ Maastricht ایک شہر ہے جو نیدرلینڈز میں واقع ہے۔ Maastricht معاہدے میں تین بار ترمیم کی گئی۔ یہ ترامیم ذیل میں درج ہیں۔

- ایمسٹرڈیم کا معاہدہ (1997)
- معاہدہ حسن(2001)
- لزبن کا معاہدہ(2007)

ان میں سے 19 ممالک یورو کو اپنی سرکاری کرنسی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ 9 یورپی یونین کے ارکان (بلغاریہ، کروشیا، جمہوریہ چیک، ڈنمارک، ہنگری، پولینڈ، رومانیہ، سویڈن، اور متحدہ کنگڈم) یورو استعمال نہیں کر رہے ہیں۔ EU صدیوں کے خاتمے کے لیے ایک واحد یورپی سیاسی وجود بنانے کی خواہش سے نکلا۔ یورپی ممالک کے درمیان جنگ جو دوسری جنگ عظیم کے ساتھ ختم ہوئی اور اس کا خاتمہ ہوا۔ براعظم کا بڑا حصہ۔ یورپی یونین نے قوانین کے ایک معیاری نظام کے ذریعے ایک داخلی سنگل مارکیٹ تیار کی ہے۔ جو تمام رکن ممالک میں ان معاملات میں لاگو ہوتے ہیں، جہاں ممبران نے ایک دوسرے کے طور پر کام کرنے پر اتفاق کیا ہے۔

یوروپین یونین کے مقاصد(Goals of European Union)

اس کا مقاصد امن، اقدار اور یورپی یونین کے تمام شہریوں کی فلاح و بہبود کو فروغ دینا ہے۔ اندرونی سرحدوں کے بغیر آزادی، سلامتی اور انصاف کی پیشکش کرنا۔ متوازن اقتصادی ترقی اور قیمت کے استحکام پر مبنی پائیدار ترقی، مکمل روزگار اور سماجی ترقی کے ساتھ انتہائی مسابقتی مارکیٹ کی معیشت، اور ماحولیاتی تحفظ معاشرتی اخراج اور امتیازی سلوک کا مقابلہ کرنا۔ سائنسی اور تکنیکی ترقی کو فروغ دینا EU ممالک کے درمیان اقتصادی، سماجی اور علاقائی ہم آہنگی اور یکجہتی کو بڑھانا اس کے بھرپور ثقافتی اور لسانی تنوع کا احترام کرنا۔ اور ایک اقتصادی اور مالیاتی یونین قائم کرنا جس کی کرنسی یورو ہو۔

22.3 یورپی یونین کی ابتدا (Origin of European Union)

دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپی رہنماؤں نے محسوس کیا کہ صرف بڑے پیمانے پر انضمام ہی اس انتہائی قوم پرستی کا تریاق ہوگا جو عالمی جنگ کا سبب ہے۔ ونسٹن چرچل نے مزید آگے بڑھ کر یونائیٹڈ سٹیٹس آف یوروپ کے ابھرنے کی وکالت کی۔ 1948 کی ہیگ کانگریس یورپی وفاقی تاریخ کا ایک اہم لمحہ تھا، کیونکہ اس سے یورپی تحریک انٹرنیشنل اور کالج آف یورپ کی تشکیل ہوئی، جہاں یورپ کے مستقبل کے رہنما ایک ساتھ رہیں گے اور تعلیم حاصل کریں گے۔ مندرجہ ذیل یونینوں کا قیام جو بالآخر یورپی یونین میں تبدیل ہوا: یورپی کول اینڈ اسٹیل کمیونٹی (ECSC)- معاہدہ پیرس 1951 یورپی اکنامک کمیونٹی (EEC)- روم کا معاہدہ 1957 یورپی کمیونٹیز کے اصل 6 ممبران تھے۔ فرانس اٹلی نیدرلینڈز بیلجیم مغربی جرمنی اور لکسمبرگ

یورپی یونین- بریگزٹ کے تحت 31 جنوری 2020 کو، برطانیہ (یوکے) نے باضابطہ طور پر یورپی یونین کو چھوڑ دیا۔ U.K یوروپین یونین کو چھوڑنے والا پہلا ملک ہے اور یہ اخراج معاہدے کے آرٹیکل 50 کے مطابق تھا۔

22.4 تاریخ (History)

تاریخ دوسری جنگ عظیم کے بعد، یورپی انضمام کو ضرورت سے زیادہ کے علاج کے طور پر دیکھا گیا۔ قوم پرستی جس نے براعظم کو تباہ کر دیا تھا۔ 1946 میں سوئٹزرلینڈ کی زیورخ یونیورسٹی میں ونسٹن چرچل مزید آگے بڑھے۔اور یورپ کے ایک ریاستہائے متحدہ کے ابھرنے کی وکالت کی۔1952 میں یورپین کول اینڈ اسٹیل کمیونٹی (ECSC) کی بنیاد رکھی گئی۔ پیرس کا معاہدہ (1951) میں 6 ممالک کے درمیان جس کو 'چھ' بھی کہا جاتا ہے (بیلجیم، فرانس، جرمنی، اٹلی، لکسمبرگ اور نیدرلینڈز) رکھ کر اپنی خود مختاری کا کچھ حصہ ترک کریں گے ان کے کوئلے اور اسٹیل کی پیداوار مشترکہ مارکیٹ میں، اس کے تحت۔ یورپی عدالت انصاف (جسے "کورٹ آف جسٹس آف دی یورپین کہا جاتا ہے۔ کمیونٹیز" 2009 تک) بھی 1952 میں پیرس کے تحت قائم کی گئیں۔

معاہدہ یورپی اٹامک انرجی کمیونٹی (EAEC یا Euratom) ایک بین الاقوامی ہے۔ اصل مقصد کے ساتھ یوراٹم ٹریٹی (1957) کے ذریعہ قائم کردہ تنظیم جوہری توانائی کی ترقی کے ذریعے، یورپ میں جوہری توانائی کے لیے ایک ماہر مارکیٹ بنانے کا توانائی اور اسے اپنے رکن ممالک میں تقسیم کرتے ہوئے اضافی رقم کے ساتھ غیر رکن ریاستوں کو فروخت کرتے ہیں۔ اس کے یوروپی یونین جیسے ہی ممبران ہیں اور اس پر یورپی یونین کی حکومت ہے۔ کمیشن (EC) اور کونسل، کے دائرہ اختیار کے تحت کام کر رہے ہیں۔ یورپی عدالت انصاف۔ یورپی اکنامک کمیونٹی (EEC) معاہدہ روم کے ذریعہ تشکیل دیا گیا تھا۔(1957)۔ کمیونٹی کا ابتدائی مقصد معاشی انضمام کو لانا تھا، ایک مشترکہ مارکیٹ اور کسٹم یونین سمیت، اس کے بانی ارکان میں سے (چھ)۔ لزبن ٹریٹی 2007 کے ذریعے اس کا وجود ختم ہو گیا اور اس کی سرگرمیاں یورپی یونین انضمام کا معاہدہ (1965، برسلز) جس میں انضمام کے لیے ایک معاہدہ طے پایا اداروں کے ایک سیٹ کے تحت تین کمیونٹیز (ECSC، EAEC، اور EEC)، یورپی کمیونٹیز (ECs) کی تشکیل ای ای سی کے کمیشن اور کونسل کو ذمہ داریاں سنبھالنی تھیں۔ دیگر تنظیموں میں اس کے ہم منصبوں (ECSC، EAEC) کا۔ ابتدائی طور پر ECs کی توسیع 1973 میں ہوئی جب ڈنمارک، آئرلینڈ، برطانیہ ممبر بن گئے۔ یونان 1981 میں شامل ہوا، پرتگال اور اسپین نے 1986 میں شمولیت اختیار کی۔

شینگن معاہدے (1985) نے زیادہ تر رکن ممالک کے درمیان پاسپورٹ کنٹرول کے بغیر کھلی سرحدوں کے قیام کی راہ ہموار کی۔ یہ 1995 میں موثر تھا۔ سنگل یورپی ایکٹ (1986): یورپی کمیونٹی کے ذریعہ نافذ کیا گیا۔ اپنے رکن ممالک کو اپنے اقتصادی انضمام کے لیے ایک ٹائم ٹیبل پر پابند کیا اور ایک واحد یورپی کرنسی اور مشترکہ غیر ملکی اور ملکی کا قیام پالیسیاں Maastricht Treaty-199210/2 (جسے ٹریٹی آن یورپی یونین بھی کہا جاتا ہے) تھا۔ 7 فروری 1992 کو یورپی کمیونٹی کے ممبران نے Netherlands،t مزید یورپی انضمام کے لیے دستخط کیے تھے۔ اسے زبردست دھکا ملا سرد جنگ کے خاتمے کے ساتھ یورپی کمیونٹیز (ECSC، EAEC، اور EEC) یورپی کے طور پر شامل ہیں۔ یونین یورپی شہریت بنائی گئی تھی، جس سے شہریوں کو رہائش اور منتقل ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ رکن ممالک کے درمیان آزادانہ طور پر۔ مشترکہ خارجہ اور سلامتی پالیسی قائم کی گئی۔ فوجداری معاملات میں پولیس اور عدلیہ کے درمیان قریبی تعاون تھا۔

اتفاق کہ اس نے ایک واحد یورپی کرنسی -یورو کی تخلیق کی راہ ہموار کی۔ یہ اقتصادیات کو بڑھانے پر کئی دہائیوں کی بحث کا اختتام تھا۔ یورپ میں آپسی تعاون سے یورپی مرکزی بینک (ECB) قائم کیا گیا۔ یورپی یونین کے ملک میں انتخابات جس میں وہ رہتے تھے اس نے لوگوں کو مقامی دفتر اور یورپی پارلیمنٹ کے لیے انتخاب لڑنے کے قابل بنایا۔ ایک مانیٹری یونین 1999 میں قائم کی گئی تھی اور 2002 میں مکمل طور پر نافذ ہوئی تھی اور یورپی یونین کے 19 رکن ممالک پر مشتمل ہے جو یورو کرنسی استعمال کرتے ہیں۔ یہ آسٹریا، بیلجیم، قبرص، ایسٹونیا، فن لینڈ، فرانس، جرمنی، یونان، آئرلینڈ، اٹلی، لٹویا، لتھوانیا، لکسمبرگ، مالٹا، نیدرلینڈز، پرتگال، سلوواکیہ، سلووینیا، اور اسپین۔ سن 2002 میں معاہدہ پیرس (1951) کی میعاد ختم ہو گئی اور ECSC کا وجود ختم ہو گیا۔

یورپی کمیونٹی (EEC) کی طرف سے مکمل طور پر جذب شدہ سرگرمیاں۔ لزبن کا معاہدہ 2007: یورپی کمیونٹی (اب صرف EEC، EAEC پر مشتمل ہے، جیسا کہ ECSC پہلے سے ہی ہے۔ 2002 میں بند کر دیا گیا) اور اس کی سرگرمیاں یورپی یونین میں شامل کر دی گئیں۔ EAEC صرف باقی کمیونٹی تنظیم ہے جو قانونی طور پر اس سے الگ ہے۔ یورپی یونین (EU)، ایک ہی رکنیت رکھتی ہے، اور بہت سے لوگوں کے زیر انتظام ہے۔ یورپی یونین کے اداروں کی. یورو بحران کی وجہ سے EU اور یورپی مرکزی بینک (ECB) نے کافی جدوجہد کی ہے۔ پرتگال، آئرلینڈ اور یونان اور میں اعلی خود مختار قرضوں اور گرتی ہوئی ترقی کے ساتھ 2008 کے عالمی مالیاتی مندی کے خاتمے کے بعد سے اسپین۔ یونان اور آئرلینڈ کو موصول ہوا۔

پرتگال نے 2011 میں دوسری یونانی بیل آؤٹ کے ساتھ پیروی کی۔ شرح سود میں کمی اور معاشی محرک کے متعدد دور حل کرنے میں ناکام رہے۔ مسئلہ. شمالی ممالک جیسے جرمنی، برطانیہ اور ہالینڈ تیزی سے جنوب سے مالی ڈرین ناراضگی. 2012 میں، یورپی یونین کو "اس میں تعاون کرنے کے لیے امن کا نوبل انعام ملا یورپ میں امن اور مفاہمت، جمہوریت اور انسانی حقوق کی ترقی۔ 10/3 بریگزٹ: 2016 میں، ایک ریفرنڈم (جسے Brexit کہا جاتا ہے) برطانیہ کی حکومت نے منعقد کیا، اور قوم نے یورپی یونین چھوڑنے کے حق میں ووٹ دیا۔ لیکن اب یہ عمل ختم ہو گیا ہے۔

22.5 یوروپین یونین گورننس (European Union Governance)

گورننس (Governance)

یورپی کونسل: یہ ایک اجتماعی ادارہ ہے جو یورپی یونین کے مجموعی سیاست کی وضاحت کرتا ہے۔

سمت اور ترجیحات: یہ یورپی یونین کے رکن ممالک یا حکومت کے سربراہان پر مشتمل ہے۔ ریاستیں، یورپی کونسل کے صدر کے ساتھ یورپی یونین کے اعلیٰ نمائندے برائے خارجہ امور اور سیکورٹی پالیسی بھی اس کے اجلاسوں میں حصہ لیتی ہے۔ اسے 1975 میں ایک غیر رسمی سربراہی اجلاس کے طور پر قائم کیا گیا۔ یوروپی کونسل معاہدے کے نافذ ہونے پر 2009 میں ایک ادارے کے طور پر رسمی شکل دی گئی۔

ٹریٹی آف لزبن۔اس کے سر براہی اجلاس کے فیصلے اتفاق رائے سے کیے جاتے ہیں۔

یورپی پارلیمنٹ: یہ یورپین کا واحد پارلیمانی ادارہ ہے۔

یونین(EU)جو 18 سال یا اس سے زیادہ عمر کے EU شہریوں کے ذریعہ براہ راست منتخب کی جاتی ہے۔

یورپی یونین کی کونسل (جسے 'کونسل' بھی کہا جاتا ہے) یہ EU کے ساتھ مل کر قانون سازی کے کام کو انجام دیتا ہے۔

یورپی پارلیمنٹ اتنی قانون سازی کی طاقت نہیں رکھتی جتنی اس کے ممبر کے پاس ممالک کی پارلیمنٹ کرتے ہیں۔

یورپی یونین کی کونسل: یہ بنیادی طور پر دوطرفہ یورپی یونین کا حصہ ہے۔ مقننہ (دوسرا قانون ساز ادارہ یورپی پارلیمنٹ ہے) اور یورپی یونین کے رکن کی ایگزیکٹو حکومتوں (وزیر) کی نمائندگی کرتا ہے۔ ریاستی کونسل میں، یورپی یونین کے ہر ملک کے حکومتی وزراء بحث کرنے کے لیے ملتے ہیں، قوانین میں ترمیم کرنا اور پالیسیوں کو مربوط کرنا اور اپنی حکومتوں کو میٹنگوں میں طے پانے والے اقدامات کے پابند کرنے کا اختیار۔ وزراء کے پاس ہے۔

یورپی کمیشن(EC): یہ EC کی ایک ایگزیکٹو باڈی ہے۔ یونین، قانون سازی کی تجویز، فیصلوں پر عمل درآمد، برقرار رکھنے کے لیے ذمہ دار ہے۔

EU معاہدے اور EU کے روزمرہ کے کاروبار کا انتظام۔ کمیشن ایک کابینہ حکومت کے طور پر کام کرتا ہے، جس میں 28 ممبران شامل ہیں۔

کمیشن کا ہر رکن ریاست میں ایک رکن ہوتا ہے۔ یہ ممبران رکن ممالک کی طرف سے تجویز کردہ اور یورپی پارلیمنٹ میں پاس شدہ کو حتمی دیتی ہے۔ ان پر منظوری یوروپی کونسل اور یورپی پارلیمنٹ کے ذریعہ منتخب. 28 ارکان میں سے ایک کمیشن کے صدر کی طرف سے تجویز کردہ ہے۔ کمیشن کو ان محکموں میں تقسیم کیا گیا ہے جنہیں ڈائریکٹوریٹ جنرل (DGs) کہا جاتا ہے جنہیں محکموں یا وزارتوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ ایک ڈائریکٹر جنرل کی طرف سے جو کمشنر کو ذمہ دار ہے۔ یونین برائے خارجہ امور کے اعلیٰ نمائندے (HR) اور سیکورٹی پالیسی کا تقرر یورپی کونسل ووٹنگ کے ذریعے کرتی ہے۔ EC کے صدر کا اس فیصلے سے متفق ہونا ضروری ہے۔ HR کے ساتھ ساتھ یورپی یونین کی خارجہ، سلامتی اور دفاعی پالیسیوں کی تشکیل اور ان پر عمل درآمد اسی کے تحت ہوتا ہے۔

یوروپی کورٹ آف آڈیٹرز (ECA)

EU اداروں کے اندر مالیات اور اس کے رکن ممالک کو فراہم کردہ EU فنڈنگ کے مناسب انتظام کی تحقیقات کرتی ہے۔۔ یہ حل نہ ہونے والے مسائل کو ثالثی کے لیے یورپی عدالت انصاف کو بھیج سکتا ہے۔ کوئی مبینہ بے ضابطگی ای سی اے کے اراکین کا تقرر قابل تجدید ہے۔ 6 سال کی شرائط کونسل کے ذریعے پارلیمنٹ سے مشاورت کے بعد کیا جاتا ہے۔

یورپی یونین کی عدالت انصاف(CJEU)

یہ EU قانون کی تشریح کرتی ہے۔یقینی بنائیں کہ یہ یورپی یونین کے تمام ممالک میں اسی طرح لاگو ہوتا ہے،اور قانونی تنازعات کو حل کرتا ہے۔

قومی حکومتوں اور یورپی یونین کے اداروں کے درمیان۔اسے لینے کے لیے افراد، کمپنیوں یا تنظیموں سے بھی رابطہ کیا جاسکتا ہے۔EU کے کسی ادارے کے خلاف کارروائی، اگر وہ محسوس کرتے ہیں کہ EU کے تحت ان کے حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔تو عدالتی نظام ہر جج اور ایڈووکیٹ جنزل کا تقرر قومی طور پر مشترکہ طور پر کیا جاتا ہے۔حکومتیں (رکن ملک)۔یہ لکسمبرگ میں واقع ہے۔

یورپی مرکزی بینک(ECB)

یہ یورو کے لیے ایک مرکزی بینک ہے۔یوروزون کے اندر مانیٹری پالیسی کا انتظام کرتا ہے، جس میں 19 رکن ہیں۔

یورپی یونین کی ریاستیں

گورننگ کونسل- یہ ECB کا اہم فیصلہ ساز ادارے پر مشتمل ہے ایگزیکٹو بورڈ کے علاوہ قومی مرکزی بینکوں کے گورنرز یوروزون کے ممالک سے ایگزیکٹیو بورڈ- یہ ECB کی روزانہ کی دوڑ کو سنبھالتا ہے۔یہ ECB کے صدر اور نائب صدر اور 4 دیگر ممبران کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔

- یوروزون کے ممالک کی قومی حکومتیں
- وہ شرح سود طے کرتا ہے جس پر یہ یورو میں تجارتی بینکوں کو قرض دیتا ہے۔
- زون،اس طرح پیسے کی فراہمی اور افراط زر کو کنٹرول کرتا ہے۔
- یوروزون کے ممالک کے ذریعہ یورو بینک نوٹوں کی تیاری کی اجازت دیتا ہے۔
- یورپی بینکنگ سسٹم کی حفاظت اور صحت کو یقینی بناتا ہے۔
- یہ فرینکفرٹ (جرمنی) میں واقع ہے۔
- مالیاتی نگرانی کا یورپی نظام(ESFS)

22.6 یورپی یونین کے لیے چیلنجز (Challenges for European Union)

یورپی یونین کے لیے چیلنجز یورپی یونین کے لیے سب سے اہم مسائل میں سے ایک انضمام کا ہے۔اس معاملے میں غور کرنے کے لئے بہت سے عوامل ہیں۔کیا یورپی یونین کا مقصد وسیع یا گہرا بڑھنا ہے، یا دونوں؟ مطلب، کیا یورپی یونین کو توسیع کی پیروی کرنی چاہیے اور مزید ممبر

ممالک کو شامل کرنا چاہیے یا اسے موجودہ ممبران کے درمیان زیادہ انضمام پر توجہ دینی چاہیے، جن کی تعداد پہلے ہی 27 ہے۔ یہ چیلنج یورپی یونین سے برطانیہ کے نکل جانے کے بعد اور بھی زیادہ مناسب ہے۔ کیا یورپی یونین کے انضمام کی کوئی حد ہے (تھیل، 2011) یورپی یونین کے انضمام کے لیے مذکورہ بالا طریقوں میں سے ہر ایک کی حمایت کرنے والے دلائل موجود ہیں (Wiener & Diez, 2009; Kelemen et al., 2014)۔ 2004 کے آئینی معاہدے کی توثیق کرنے میں یورپی یونین کی ناکامی اور اس کے نتیجے میں لزبن ٹریٹی کی طرف بڑھنے میں بھی یورپی یونین کے انضمام کی حدود کو نمایاں کیا (کاربون، 2010)۔ مزید برآں، یورپی یونین اس کے بعد سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکی ہے۔ ایک اور مسئلہ باقی ہے: خود یورپی ہونے کا سوال۔ یورپ کی سرحدیں کیا ہیں، حقیقی اور ثقافتی دونوں؟ یورپ میں بہت سی قدامت پسند اور قوم پرست جماعتیں مسلم اکثریتی ممالک جیسے مغربی بلقان اور ترکی میں یورپی یونین کی کسی بھی ممکنہ توسیع کے خلاف ہیں (Bélanger & Schimmelfennig, 2021)۔ یورپی یونین کے لیے ایک اور اہم چیلنج موسمیاتی تبدیلی ہے۔

موسمیاتی تبدیلی اور پائیداری یورپی یونین کی داخلی اور خارجہ پالیسی کی بات چیت کے اہم پہلو رہے ہیں۔ یورپی یونین نے اکثر موسمیاتی پالیسی میں عالمی رہنما بننے کے اپنے عزائم کا مظاہرہ کیا ہے (Çelik، 2020)۔ تاہم، یورپی یونین کو اکثر اس کی موسمیاتی تبدیلی کی منافقت اور ترقی پذیر ممالک پر غیر منصفانہ مطالبات کے لیے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے (گولڈ، 2022)۔ EU کی طرف سے بار بار مشترکہ لیکن تفریق شدہ ذمہ داری (CBDR) فریم ورک میں اصلاحات کی وکالت کی گئی ہے جس کے تحت ترقی یافتہ ممالک کو موسمیاتی تبدیلیوں کے خلاف ترقی پذیر ممالک کی نسبت زیادہ ذمہ داری لینے کی ضرورت ہے (Petri & Biedenkopf, 2019)۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ گرین ہاؤس گیسوں کے امیشن کو کنٹرول کرنے کے لیے چین اور بھارت کی ذمہ داریاں اس کی وجہ سے محدود ہیں، حالانکہ وہ دنیا کے دو سب سے بڑے اخراج کرنے والے ممالک ہیں (Friedrich et al., 2020)۔ تاہم، یورپی یونین خود دنیا میں تیسرا سب سے بڑا اخراج کرنے والا ملک ہے۔ مزید برآں، یورپی یونین کے ممالک کا فی کس اخراج زیادہ تر ترقی پذیر ممالک (ورلڈومیٹر) سے نمایاں طور پر زیادہ ہے۔ مزید برآں، توانائی کا بحران اور یوکرین کی جنگ بھی یورپی یونین کے 2030 اور 2050 کے ماحولیاتی غیر جانبدار ہدف کے لیے چیلنج ہیں۔ لہذا، ماحولیاتی تبدیلی کے لیے یورپی یونین کے نہ صرف خطرات اور کمزوریاں ہیں، بلکہ ماحولیاتی پالیسی میں رہنما بننے کے اس کے مقصد کو بھی کئی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

22.7 یورپی یونین کے مستقبل کے مقاصد (Future Goals of European Union)

یورپی یونین کے مستقبل کے مقاصد

یورپی یونین نے 2019-2024 کی مدت کے لیے چار ترجیحات طے کیں ہیں جن میں شہریوں کا تحفظ اور آزادی، مضبوط معیشت کی ترقی، یورپ میں پائیداری اور عالمی سطح پر یورپی اقدار اور مفادات کا وعدہ شامل ہے۔ اگرچہ یہ قلیل مدتی ترجیحات ہیں، یہ EU کے تاریخی اصولوں سے مطابقت رکھتی ہیں اور ساتھ ہی EU کے طویل مدتی مقاصد کی تصویر بھی فراہم کرتی ہیں۔

تاہم، مستقبل قریب میں یورپی یونین کا سب سے اہم مقصد اس کی مشترکہ خارجہ اور سلامتی پالیسی (CFSP) کی ترقی ہے۔ EU نے 2016 میں اپنی عالمی حکمت عملی کا اعلان کیا اور اس کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔

(1) تزویراتی خود مختاری، یا اپنی سلامتی کے لیے کسی پر انحصار نہ کرنا اور (2) کثیر الجہتی پر مبنی عالمی نظام کو فروغ دینا۔ مزید برآں، یورپی یونین نے مستقبل میں انڈو پیسیفک کی مرکزیت کو بھی محسوس کیا ہے۔ یورپی یونین کا مقصد اس وجہ سے خطے میں مزید جامعیت کردار ادا کرنا ہے۔ یورپی یونین کا مقصد ہمیشہ سے ایک معیاری خارجہ پالیسی کا فاعل ہونا ہے، یعنی اس کی خارجہ پالیسی حقیقت پسندانہ طاقت کی سیاست پر مبنی نہیں ہے بلکہ اپنی اقدار کو برآمد کرنے پر مبنی ہے۔ جہاں EU نے اپنی خارجہ پالیسی میں اپنی اقدار کو فروغ دینے کی اہمیت کا اعادہ کیا ہے، وہیں اس نے 2021 (یورپی پارلیمنٹ) میں ایک موثر جیو پولیٹیکل اداکار بننے کے اپنے عزائم کا بھی اعلان کیا ہے۔ خارجہ پالیسی EU کے سب سے کم مربوط عناصر میں سے ایک ہے، جس کا مطلب ہے کہ انفرادی ریاستوں اور EU کی خارجہ پالیسیاں بہت سے معاملات میں مسابقتی یا متضاد ہو سکتی ہیں (Hadfield et al., 2017)۔ تاہم، یہ یورپی یونین کے عالمی اہداف کے لیے سب سے اہم پہلو بھی ہے۔ لہٰذا، EU اور اس کے رکن ممالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے CFSP کی ترقی کے لیے ضروری اقدامات کریں اگر اس کا مقصد کثیر قطبی دنیا میں ایک اہم کھلاڑی بننا ہے۔

22.8 ہندوستان اور یوروپین یونین تعلقات (India and European Union)

جہاں ہندوستان اپنی آزادی کا 75 واں سال منا رہا ہے، وہیں وہ یورپی یونین (EU) کے ساتھ سفارتی تعلقات کے 60 سال بھی منا رہا ہے۔ 1994 میں دستخط کیے گئے ایک تعاون کے معاہدے نے دوطرفہ تعلقات کو تجارتی اور اقتصادی تعاون سے آگے بڑھایا۔ یورپی یونین اور جمہوریہ ہند کے درمیان تعلقات کی وضاحت فی الحال 1994 کے EU-انڈیا تعاون کے معاہدے کے ذریعے کی گئی ہے۔ یورپی یونین ہندوستان کے لیے ایک اہم تجارتی شراکت دار ہے اور دونوں فریق 2007 سے آزاد تجارتی معاہدے پر بات چیت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مشترکہ روڈ میپ اور مشترکہ وژن روڈ میپ پانچ ڈومینز میں مصروفیت کو نمایاں کرتا ہے: خارجہ پالیسی اور سیکورٹی تعاون؛ تجارت اور معیشت؛ پائیدار جدید شراکت داری؛ عالمی گورننس؛ اور عوام سے عوام کے تعلقات۔

مختصر تاریخ ہندوستان اور یورپی یونین کے تعلقات 1960 کی دہائی کے اوائل سے ہیں، ہندوستان یورپی اقتصادی برادری کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے والے پہلے ممالک میں شامل ہے۔ 2004 میں دی ہیگ میں ہونے والی 5 ویں ہندوستان-یورپی یونین سربراہی کانفرنس میں، تعلقات کو 'اسٹریٹجک پارٹنرشپ' میں اپ گریڈ کیا گیا۔ دونوں فریقوں نے 2005 میں ایک مشترکہ ایکشن پلان اپنایا (جس کا 2008 میں جائزہ لیا گیا) جس میں سیاسی اور اقتصادی شعبوں میں بات چیت اور مشاورت کے طریقہ کار کو مضبوط بنانے، تجارت اور سرمایہ کاری کو بڑھانے اور لوگوں اور ثقافتوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے فراہم کیا گیا۔ اسٹریٹجک پارٹنرشپ کیا ہے؟ ایک 'اسٹریٹجک پارٹنرشپ'، جیسا کہ اصطلاح سے پتہ چلتا ہے، دو یا دو سے زیادہ ریاستوں کے درمیان ماحول میں خطرات کی نوعیت اور خطرات کو کم کرنے میں

ان کی اجتماعی طاقت کے مقام پر مشترکہ مفاہمت شامل ہے۔ وہ کیوں اہم ہیں؟ دنیا کی دو سب سے بڑی جمہوریتوں کے طور پر، EU اور ہندوستان انسانی حقوق کے تحفظ اور فروغ، ایک اصول پر مبنی عالمی نظم، موثر کثیر الجہتی، پائیدار ترقی اور کھلی تجارت کے عزم کا اشتراک کرتے ہیں۔ اہمیت سیاسی شراکت داری 1993 میں دستخط کیے گئے مشترکہ سیاسی بیان نے سالانہ وزارتی اجلاسوں اور ایک وسیع سیاسی مکالمے کی راہ کھول دی۔ 2000 سے انڈیا-EU سمٹ کی صدارت کر رہے ہیں۔ آج EU ڈیٹا کی حفاظت اور رازداری کے میدان میں ہندوستان کے قانون سازی کے عمل کے لیے ایک اہم حوالہ کے طور پر کھڑا ہے۔

(b) اقتصادی تعلقات دوطرفہ تجارت: EU بھارت کا سب سے بڑا تجارتی شراکت دار ہے، جبکہ بھارت EU کا 9واں سب سے بڑا تجارتی شراکت دار ہے۔ یہ امریکہ کے بعد ہندوستانی برآمدات کے لیے دوسری سب سے بڑی منزل ہے۔ سرمایہ کاری: ہندوستان میں غیر ملکی سرمایہ کاری کے بہاؤ میں یورپی یونین کا حصہ گزشتہ دہائی میں 8% سے بڑھ کر 18% ہو گیا ہے۔ یہ یورپی یونین کو ہندوستان میں ایک اہم غیر ملکی سرمایہ کار بناتا ہے۔ ترجیحی سلوک: ہندوستان یورپی یونین کی جنرلائزڈ اسکیم آف پریفرنس (GSP) کے تحت یکطرفہ ترجیحی محصولات کا فائدہ اٹھانے والا ہے۔ توانائی: دونوں فریقوں نے سول نیوکلیئر تعاون کے معاہدے کو 13 سال کی بات چیت کے بعد حتمی شکل دی ہے جسے یورپی ایٹمی توانائی کمیونٹی (EURATOM) کہا جاتا ہے۔ اس میں سول نیوکلیئر توانائی کے شعبے میں تعاون شامل ہے۔ ترقیاتی تعاون: EU کی طرف سے 150€ ملین سے زیادہ مالیت کے منصوبے فی الحال ہندوستان میں جاری ہیں۔ یورپی انویسٹمنٹ بینک (EIB) لکھنؤ، بنگلور، اور پونے میٹرو پروجیکٹس کے لیے قرض فراہم کر رہا ہے۔

(c) دفاع اور سلامتی یورپی یونین اور ہندوستان نے انسداد دہشت گردی، بحری سلامتی اور جوہری عدم پھیلاؤ جیسے سیکورٹی چیلنجوں پر زیادہ تعاون کے لیے کئی میکانزم قائم کیے ہیں۔ انفارمیشن فیوژن سینٹر - نئی دہلی میں بحر ہند کا علاقہ (IFC-IOR) نے حال ہی میں میری ٹائم کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ سیکورٹی سینٹر - ہارن آف افریقہ EU (MSC-HOA) نیول فورس (NAVFOR) کے ذریعے قائم کیا گیا ہے۔ موسمیاتی تبدیلی یوروپی یونین اور ہندوستان نے پیرس معاہدے اور یو این ایف سی سی سی کے موثر نفاذ کے لئے اپنی اعلیٰ ترین سیاسی وابستگی کو بھی اجاگر کیا ہے حالانکہ امریکہ اس سے دستبردار ہو گیا ہے۔ 2016 کی چوٹی کانفرنس میں ہندوستان-یورپی یونین کلین انرجی اور کلائمیٹ پارٹنرشپ پر اتفاق کیا گیا تھا۔

صاف توانائی اور آب و ہوا کے موافق ٹیکنالوجی تک رسائی کو فروغ دینے اور پھیلانے اور R&D کی حوصلہ افزائی کے لیے۔ توانائی سے متعلق تعاون اب توانائی کے مسائل کی ایک وسیع رینج پر جاری ہے، جیسے سمارٹ گرڈ، توانائی کی کارکردگی، سمندری ہوا اور شمسی انفراسٹرکچر، اور تحقیق اور اختراع۔ یورپی یونین اور ہندوستان بھی صاف گنگا پہل پر قریبی تعاون کرتے ہیں اور پانی سے متعلق دیگر چیلنجوں سے مربوط انداز میں نمٹتے ہیں۔ تحقیق اور ترقی انڈیا-EU سائنس اور ٹکنالوجی اسٹیئرنگ کمیٹی ہر سال سائنسی تعاون کا جائزہ لینے کے لیے میٹنگ کرتی ہے۔ دونوں کے پاس ڈیجیٹل کمیونیکیشن، G5 ٹیکنالوجی، بائیو ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت وغیرہ جیسے شعبوں میں سرکاری طریقہ کار ہے۔ (Indian space Research organisation) ISRO کا یورپی یونین کے ساتھ 1970 کی دہائی سے دیرینہ تعاون ہے۔ اس نے

یورپی یونین کے سیٹلائٹ نیویگیشن سسٹم گیلیلیو میں تعاون کیا ہے۔ مستقبل کا دائرہ کار تجارتی اعداد و شمار اور سرمایہ کاری: دونوں کے درمیان دوطرفہ تجارت 2021-22 میں 116 بلین ڈالر سے تجاوز کر گئی۔ یوروپی یونین امریکہ کے بعد ہندوستان کا دوسرا سب سے بڑا تجارتی پارٹنر ہے، اور اس کے لئے دوسری سب سے بڑی منزل ہے ہندوستانی برآمدات۔

ملازمتیں پیدا کرنا: ملک میں 6,000 یورپی کمپنیاں ہیں جو بالواسطہ اور بلاواسطہ 6.7 ملین ملازمتیں پیدا کرتی ہیں۔

گرین اسٹریٹجک پارٹنرشپ: ہندوستان اور ڈنمارک کے درمیان آب وہوا کی تبدیلی، حیاتیاتی تنوع کے نقصان اور آلودگی سے نمٹنے کا مقصد ہے، اور ہندوستان-نارڈک چوٹی کانفرنس سبز ٹیکنالوجیز اور صنعت کی تبدیلی پر مرکوز ہے جو پائیدار اور جامع ترقی کے لیے بہت ضروری ہیں۔

توانائی کی حفاظت: توانائی ہندوستان اور یورپی یونین کے درمیان تعلقات کے ایک اہم پہلو کے طور پر کام کرتی ہے۔ موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات کے پیش نظر یہ پہلو آج انتہائی اہم ہو گیا ہے۔ دونوں ادارے صاف توانائی کی مشترکہ ترقی کے لیے تعاون کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

سیاسی تعاون:

ہندوستان اور یورپی یونین دہشت گردی اور بنیاد پرستی، سائبر سیکورٹی، خارجہ پالیسی کے بعض اہم اور متعلقہ پہلوؤں پر ہم آہنگی اور دیگر انسانی مسائل جیسے مسائل کے حل میں تعاون بڑھانے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

بین الاقوامی حمایت: یہ بہت اہم ہے کہ یورپ ہندوستان کو امن کے لیے ایک ایسے شراکت دار کے طور پر تسلیم کرے جو علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے لیے پرعزم ہے۔ ان کے سامنے چیلنجز بی ٹی آئی اے پر تعطل: ایک وسیع البنیاد دوطرفہ تجارت اور سرمایہ کاری کے معاہدے (بی ٹی آئی اے) کے لیے مذاکرات 2007 سے 2013 کے درمیان ہوئے تھے لیکن اس کے بعد سے معطل ہیں۔

ایکسپورٹ میں رکاوٹیں:

ہنرمند کارکنوں کی عارضی نقل و حرکت، سینیٹری اور فائٹو سینیٹری (ایس پی ایس) میں نرمی وغیرہ کے لیے 'ڈیٹا محفوظ' اسٹیٹس (ہندوستان کے آئی ٹی سیکٹر کے لیے اہم) کے لیے ہندوستانی مطالبات کو بڑی حد تک نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تجارتی عدم توازن: یہ چین کی طرف بہت زیادہ جھکاؤ رکھتا ہے۔ 2019 میں یورپی یونین کی کل اشیا کی تجارت میں ہندوستان کا حصہ صرف 1.9% ہے، جو چین کے (13.8%) سے بہت پیچھے ہے۔

بریکسٹ تنازعات:

عالمی طاقتوں کے توازن کی طویل مدت میں، اہم فوجی اور اقتصادی قوت برطانیہ کے بغیر چھوٹا یورپ، ایک مہتواکانکشی چین اور بڑھتے ہوئے تحفظ پسند امریکہ کے تناظر میں بہت کمزور ہے۔ یورپی یونین بنیادی طور پر ایک تجارتی بلاک بنی ہوئی ہے: اس کے نتیجے میں علاقائی سلامتی اور رابطے جیسے معاملات پر ٹھوس معاہدوں کا فقدان ہے۔

خود مختار خدشات کے حوالے سے غیر ضروری حوالہ جات: یورپی پارلیمنٹ نے 2019 میں جموں و کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کرنے کے بھارتی حکومت کے فیصلے اور شہریت (ترمیمی) ایکٹ دونوں پر تنقید کی۔

چین کا اثر: یورپی یونین کا تعلق چین کے ساتھ ہے۔اس کی وجہ چینی مارکیٹ پر اس کا زیادہ انحصار ہے۔ یہ چین کے بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹو (بی آر آئی) میں ایک اہم شراکت دار ہے۔

یوکرائنی جنگ: روس سے یورپی یونین کے تیل کی درآمد کے بارے میں EAM ایس جے شنکر کے دلچسپ جواب کا یورپی یونین میں خیر مقدم نہیں کیا گیا ہے۔اسے اب بھی توقع ہے کہ بھارت روس پر تنقید کرے گا۔ ہندوستان میں یورپی یونین کے مفادات کو چین پر منحصر کرنا: یہ دونوں فریقوں کے لیے ضروری ہے کیونکہ یہ انہیں چینی جارحیت کے لیے انتہائی کمزور بنا رہا ہے۔

مغربی لابی: یورپی یونین اپنی سپلائی چین کی کمزوری، چین پر حد سے زیادہ انحصار سے پیدا ہونے والے خطرے اور جمہوریتوں کی عالمی برادری کو مضبوط کرنے کی ضرورت کو تسلیم کرتی ہے۔

صحت کی دیکھ بھال: جاری وبائی مرض نے عالمی صحت میں تعاون کی ضرورت کو ظاہر کیا ہے۔ ہندوستان اور یورپی یونین نے ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (ڈبلیو ایچ او) میں اصلاحات کا مطالبہ کیا ہے۔

ایک بڑی مارکیٹ کے طور پر ہندوستان کا تصور: EU اب بھی بڑی حد تک ہندوستان کو ایک پارٹنر کے بجائے ایک بڑی مارکیٹ کے طور پر سمجھتا ہے۔

کثیر الجہتی کا فروغ: دونوں فریقوں کو امریکہ چین تجارتی جنگ اور امریکہ کی پالیسیوں کی غیر یقینی صورتحال سے متعلق مسائل کا سامنا ہے۔ ان کی دو قطبی دنیا سے بچنے اور قواعد پر مبنی آرڈر تیار کرنے میں مشترکہ دلچسپی ہے۔

یورپی یونین میں ہندوستان کے داؤ عالمی قیادت کا خلا: عالمی قیادت سے امریکہ کی پسپائی نے EU-انڈیا تعاون اور مشرق وسطیٰ، وسطی ایشیا اور افریقہ کے ممالک کے ساتھ سہ فریقی مکالمے کے مواقع فراہم کیے ہیں۔

چینی جارحیت: یوریشیا اور جنوبی ایشیا میں چین کی بڑھتی ہوئی موجودگی یورپ اور بھارت کے لیے ایک جیسے سیکورٹی، سیاسی اور اقتصادی خدشات پیدا کر رہی ہے۔

روایتی عالمی ترتیب کا زوال: تجارتی جنگ، WTO کے ٹوٹنے اور TPP کے ٹوٹنے وغیرہ نے یورپی یونین کو ہندوستان کی اقتصادی اہمیت کو سمجھا دیا ہے۔BREXIT: Brexit بھارت پر زور دے رہا ہے کہ وہ یورپ کے لیے نئے 'گیٹ ویز' تلاش کرے، کیونکہ اس کا روایتی ساتھی یونین چھوڑ رہا ہے۔ تجدید تجارت اور سیاسی تعاون وقت کی ضرورت ہے۔

ہند-بحرالکاہل پر مطابقت: ہند-بحرالکاہل عالمی تجارت اور توانائی کے بہاؤ کے لیے اہم ذریعہ ہے۔اصول پر مبنی انڈو پیسیفک یورپی یونین کے ساتھ یہ ہر کسی کے مفاد میں ہے۔

22.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا،اس اکائی میں آپ نے:

- یوروپین یونین کے تصورات کو جانا۔
- یوروپین یونین کی ابتدااور گورننس کی معلومات حاصل کی۔
- یوروپین یونین کے چیلنجز اوراس کے اہداف سے بھی واقف ہوئے۔
- ہندوستان اور یوروپین یونین کے درمیان تعلقات کو سمجھا۔

22.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

عالمی طاقت

اس کے معنی ایک سیاسی اکائی(جیسے کہ ایک قوم یا ریاست)اتنی طاقتور ہے کہ وہ اپنے اثر ورسوخ یا اعمال سے پوری دنیا کو متاثر کر سکے۔

یوروپین یونین

یہ 27 ممالک کی سیاسی اور اقتصادی یونین ہے۔یہ جمہوری اقدار کو فروغ دیتا ہے اور ایک طاقتور تجارتی بلاک ہے۔

سیاسی تعاون

دو ملک کے درمیان سیاسی طور پر تعاون کرنا۔

یوروپین کمیشن

یورپی کمیشن(EC)،یوروپی یونین(EU)کا ایک ادارہ اور اس کے جزوی ادارے جو تنظیم کے ایگزیکٹو بازو کو تشکیل دیتے ہیں۔

22.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

22.11.1۔معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ 2019 میں جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کرنے کے بھارتی حکومت کے فیصلے اور شہریت (ترمیمی) ایکٹ دونوں پر تنقید کس ملکوں کی گروہ نے کی؟

(a) یوروپین یونین　　(b) SAARC

(c) NATO　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ یوروپین یونین کے کتنے ممالک ممبر ہیں؟

(a) 24　　(b) 25

(c) 26　　(d) 27

3۔ یوروپین یونین کا قیام عمل میں کس سال آیا؟

(a) 1993　　(b) 1994

(c) 1995　　(d) 1996

4۔ یوروپین مرکزی بینک میں کتنے رُکن ہے؟

(a) 20　　(b) 21

(c) 22　　(d) 23

5۔ یوروپین یونین گروہ سے باہر ہونے والے ملک ان میں سے کون ہے؟

(a) جرمنی　　(b) یوکے

(c) فرانس　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ یوروپی کمیشن میں کتنے ممبران شامل ہیں؟

(a) 25　　(b) 26

(c) 27　　(d) 28

7۔ یوروپین یونین کی عدالتی انصاف کہاں واقع ہے؟

(a) برلن　　(b) لکجمبرگ

(c) لندن　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

8۔ گرین اسٹریٹجک پارٹنرشپ کن دو ممالک کے درمیان آب وہوا کی تبدیلی، حیاتیاتی تنوع کے نقصان اور آلودگی سے نمٹنے کا مقصد ہے

(a) بھارت اور ڈینمارک　　(b) بھارت اور جرمنی

(c) بھارت اور برطانیہ　　(d) ان میں سے کوئی بھی نہیں

9۔یوروپین یونین کا قیام کس معاہدہ کے تحت ہوا تھا؟

Masstricht (a) | Lisbon (b)

Berlin (c) | (d) ان میں سے کوئی بھی نہیں

10۔یورپین کول اینڈ اسٹیل کمیونٹی(ECSC) کی بنیاد کب رکھی گئی؟

1952 (a) | 1953 (b)

1954 (c) | 1955 (d)

22.11.2۔مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. یوروپین یونین پر ایک مختصر نوٹ لکھیئے۔
2. یوروپین یونین کی ابتداء کو مختصر طور پر بتائے۔
3. یوروپین یونین کی اہمیت پر مضمون لکھیئے۔
4. یوروپین یونین کے ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالیئے۔
5. یوروپین یونین کے گورننس کا جائزہ لیجیے۔

22.11.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ہندوستان اور یوروپین یونین کے درمیان تعلقات پر روشنی ڈالیئے۔
2. یوروپین یونین کے مستقبل کے اہداف پر بحث کیجیے۔
3. یوروپین یونین کے سامنے چیلنجز کو بیان کیجئے۔

22.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, The Globalisation of World Politics (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, International Relations, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, International Relations, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, Understanding International Conflicts, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, Introduction to Global Politics, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, Bainul-Aqwaami Taaluqaat (Nisaab Publishers, 2005

اکائی 23۔ساؤتھ ایشین اسوسی ایشن آف ریجنل کوآپریشن

(South Asian Association of Regional Corporation)

اکائی کے اجزا:

23.0 تمہید

23.1 مقاصد

23.2 سارک کا تاریخی ارتقا

23.3 سارک کے اراکین

23.4 سارک کا مقاصد

23.5 اصول

23.6 سارک کے عمل در پیش چیلنجز

23.7 پرنسپل اعضا

23.8 خاص اعضا

23.9 ہندوستان اور سارک

23.10 اکتسابی نتائج

23.11 کلیدی الفاظ

23.12 نمونہ امتحانی سوالات

23.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

23.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

23.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

23.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

23.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء! دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا کے کئی ملکوں کو آزادی ملی اور ان میں سے بیشتر ملکوں نے جمہوریت کو اپنایا۔ یہ عوامل سرد جنگ کے بعد اور بھی تیز وجہ تھی تمام ملکوں کا دونوں طاقت ور ملکوں سے الگ ہو جانا۔ اور پھر آہستہ آہستہ عالمی سطح پر دنیا کے کئی خطے میں ملک میں اپنی معاشی، سماجی، سیاسی ثقافتی جنگی اعتبار سے اسوسی ایشن یا گروپ بنانے لگے۔ اشیاء میں سارک کے نام سے ایک اہم آٹھ ملکوں کا اسوسی ایشن سامنے آیا۔

23.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طالب علم جان سکیں گے:

- سارک کا تاریخی ارتقا۔
- سارک کے اراکین اور اس کے مقاصد۔
- سارک کے اصول اور اس کے درپیش عمل کے چیلنجز۔
- سارک کے پرنسپل اور خاص اعضا
- ہندوستان اور سارک

23.2 سارک کا تاریخی ارتقا (Historical Development of SAARC)

سارک کا ارتقاء ساؤتھ ایشین ایسوسی ایشن فار ریجنل کو آپریشن اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 52 کے تحت تشکیل دیا گیا تھا جو اقوام متحدہ کے چارٹر کے مقاصد اور اصولوں کے ساتھ بین الاقوامی امن اور سلامتی کی بحالی سے متعلق ایسے معاملات سے نمٹنے کے لیے علاقائی انتظامات یا ایجنسیوں کا وجود فراہم کرتا ہے۔ اس کی تیاری کے تقریباً ساڑھے چار سال بعد 8 دسمبر 1985 کو اس کا قیام عمل میں آیا۔ اس ایسوسی ایشن کا بنیادی مقصد تعاون کے متفقہ شعبوں میں مشترکہ کارروائی کے ذریعے رکن ممالک میں اقتصادی اور سماجی ترقی کے عمل کو تیز کرنا ہے۔ سارک کا خطہ ہندوکش کے پہاڑوں سے گھرا ہوا جنوبی ہمالیہ میں واقع ہے۔ جنوبی ایشیا میں علاقائی تعاون کا نظریہ سب سے پہلے بنگلہ دیش کے مرحوم صدر ضیاء الرحمان نے شروع کیا جنہوں نے سارک ممالک کے درمیان علاقائی اقتصادی تعاون کے امکانات تلاش کرنے کے لیے 78۔ 1977 میں نیپال، بھارت، پاکستان اور سری لنکا کا دورہ کیا۔ انہوں نے ان تمام ممالک کے امن اور ترقی کی مشترکہ جدوجہد میں اجتماعی خود انحصاری کی تجویز پیش کی۔ مئی 1980 میں، انہوں نے سارک علاقائی تعاون کے لیے باقاعدہ دعوت نامہ جاری کی۔ ان کی دعوت کو تمام سارک ممالک سے مثبت جواب ملا۔ اس لیے مجوزہ تعاون کے لیے سرکاری سطح پر مشاورت کی گئی۔ ان ابتدائی تبادلوں سے یہ واضح طور پر

سامنے آیا کہ علاقائی تعاون ایک طرف، باہمی اعتماد، افہام و تفہیم اور خطے کے ممالک کے درمیان موجود سیاسی الہام کی ہمدردانہ تعریف کی عکاسی کرنی چاہیے، اور دوسری طرف، تعاون کی بنیاد خود مختاری مساوات، علاقائی سالمیت، دیگر اقوام کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت اور باہمی فائدے کے اصولوں پر ہونی چاہیے۔

پیکٹ 116 علاقائی تعاون کے لیے سات ممالک یعنی بنگلہ دیش، بھوٹان، بھارت، مالدیپ، نیپال، پاکستان اور سری لنکا کے خارجہ سیکریٹریوں کا پہلا اجلاس اپریل 1981 میں کولمبو (سری لنکا) میں منعقد ہوا۔ اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ علاقائی تعاون کی بنیاد باہمی اعتماد، افہام و تفہیم اور سارک خطے کے تمام ممالک کی قومی امنگوں کی ہمدردی پر مبنی ہونی چاہیے۔ اس کی وجہ سے علاقائی تعاون کے لیے پانچ وسیع شعبوں کی نشاندہی کی گئی۔ زراعت، دیہی ترقی، ٹیلی کمیونیکیشن، موسمیات، اور صحت اور آبادی کی سرگرمیاں۔ غیر ملکی حکمرانی سے آزادی کے بعد سے ہندوستان ہمیشہ مختلف شعبوں میں مشترکہ مسائل کے حل کے لیے علاقائی تعاون کے لیے گہری دلچسپی اور گہرا عزم رکھتا ہے۔ ہندوستان کے عظیم رہنما اور پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو اپنی تقریروں اور تحریروں میں ایشیا کے ثقافتی، اقتصادی سیاسی اتحاد اور یکجہتی پر زور دیتے رہے ہیں۔ ستمبر 1946 میں جواہر لعل نہرو نے قوم کے نام اپنی پہلی نشریات میں کہا تھا، "ہم ایشیا کے ہیں اور ایشیا کے لوگ ہم سے زیادہ قریب ہیں۔ اتنا واقع ہے کہ ہندوستان مغربی، جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا کا محور ہے"۔ اسی طرح ایک اور موقع پر نہرو نے بھی یہی بات دہرائی کہ "جب ہم ایشیا کی بات کرتے ہیں تو یاد رکھیں کہ ہندوستان اپنے کسی عزائم کی وجہ سے نہیں بلکہ حالات کے زور پر، جغرافیہ کی وجہ سے، تاریخ کی وجہ سے اور بہت سی دوسری چیزوں کی وجہ سے۔ لامحالہ ایشیا میں ایک بہت اہم کردار ادا کرنا ہے چاہے آپ ایشیا میں علاقائی تنظیموں کے حوالے سے سوچیں۔

آپ کو دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہنا ہوگا۔ علاقوں اور آپ کے ذہن میں کوئی بھی خطہ ہو، ہندوستان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مزید برآں، نہرو نے نئی دہلی میں ایشیائی تعلقات کی کانفرنس میں ہم آہنگی اور تعاون کی فضا کو برقرار رکھنے کے لیے اس حقیقت پر زور دیا کہ ایشیا کے ممالک کو برابری کی سطح پر ملنا چاہیے۔ ایک مشترکہ کام اور کوشش کی بنیاد۔ انہوں نے کہا کہ "یہ مناسب ہے کہ ہندوستان ایشیائی ترقی کے اس نئے مرحلے میں اپنا کردار ادا کرے"۔ نہرو کی رائے تھی اور امید تھی کہ مشترکہ مسائل کے مطالعہ کے لیے کوئی مستقل ایشین انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے اور قریبی تعلقات قائم کیے جائیں جو شاید ایشین اسٹڈیز کے اسکول کے طور پر ابھرے۔ کانفرنس سے نکلتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "میں تمام مضامین کو شمار کرنے کا حوصلہ نہیں کروں گا؛ کیونکہ ان پر بحث کرنا اور فیصلوں پر پہنچنا آپ کا کام ہے۔

جنوبی ایشیائی علاقائی تعاون کا نظریہ سب سے پہلے مئی 1980 میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے بعد اپریل 1981 میں کولمبو میں پہلی بار سات ممالک کے خارجہ سیکرٹریوں کی میٹنگ ہوئی جن میں بھارت، پاکستان، بھوٹان، بنگلہ دیش، نیپال، سری لنکا اور مالدیپ شامل تھے۔ علاقائی تعاون کی باقاعدہ تشکیل 8 دسمبر 1985 کو ہوئی۔

سارک کے رکن ممالک میں بنگلہ دیش، بھوٹان، بھارت، مالدیپ، نیپال، پاکستان اور سری لنکا شامل ہیں۔ افغانستان سارک کا آٹھواں رکن ہے۔ یہ خطہ مشرق اور مغرب کے درمیان دفاع، تجارت، نقل و حمل کی آبادی میں اضافے اور بلاواسطہ اور بالواسطہ طور پر ہندوستان کے لیے اقتصادی ترقی کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔ بحر ہند دفاع، تجارت اور آبی نقل و حمل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

سارک ممالک کا خطہ 3.3 کیلو میٹر پر مشتمل ہے۔ دنیا کا فیصد اور آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔ تمام سارک ممالک کو مختلف گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے، دو خشکی سے بند ملک ہیں بھوٹان اور نیپال۔ دوم، دو جزائر ہیں جیسے سری لنکا اور مالدیپ اور تیسرا، تین ممالک، ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش جن کے جنوب اور جنوب مغرب میں بحر ہند ہے اور ہندگنگا کے میدانی علاقے ہیں۔ ان سارک ممالک میں لوگوں کی اکثریت کا انحصار زراعت پر ہے اور ان کی تعلیم ناقص ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی کمی کے ساتھ ساتھ آبادی زیادہ ہے۔ زیادہ تر ممالک امداد اور تجارت کے لیے ترقی یافتہ ممالک پر انحصار کرتے ہیں۔

جنوبی ایشیائی ایسوسی ایشن فار ریجنل کوآپریشن کا قیام 8 دسمبر 1985 کو علاقائی کارپوریشن کی طرف پہلا قدم تھا۔ سارک کے قیام کے ایک دہائی بعد 1995 میں، سال کے آخر میں ساؤتھ ایشین فری پریفرینشل ٹریڈنگ ایگریمنٹ (SAPTA) کا آغاز کیا گیا۔ سال 2001 کو ساؤتھ ایشین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن (SAFTA) کے معاہدے کو حتمی شکل دینے کی آخری تاریخ قرار دیا گیا تھا۔ سارک کے سات ممالک نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جو مستقبل میں یورپی یونین کے خطوط پر جنوبی ایشیائی اقتصادی یونین کے لیے آزادانہ تجارت اور سامان کی نقل و حرکت کا باعث بنے گا۔ ساؤتھ ایشین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن (SAFTA)، معاہدے میں تجارتی رکاوٹوں کو دور کرنے، ٹیرف کے مرحلہ وار خاتمے اور معاہدے کے انتظام کے لیے وزارتی سطح کے میکانزم کے قیام اور اراکین کے درمیان تنازعات کے حل کی کوشش کرتی ہے۔ یہ معاہدہ یکم جنوری 2006ء سے نافذ العمل ہونا تھا۔ درحقیقت، ممالک کے درمیان باہمی تجربات کا تبادلہ زیادہ متعلقہ، سستا اور مؤثر ہے اور یہ باہمی تعاون کی وسیع گنجائش فراہم کرتا ہے۔

مختلف علاقوں زیادہ تر زراعت کئی سالوں تک ان معیشتوں پر حاوی رہے گی۔ معیشت کی ترقی جیسے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے خوراک، مویشیوں کے لیے چارہ، خام مال اور صنعتوں کے لیے منڈی اہم بازاری سامان ہیں۔

23.3 سارک کے ارکان (Members of SAARC)

سارک آٹھ رکن ممالک پر مشتمل ہے: افغانستان بنگلہ دیش بھوٹان انڈیا مالدیپ نیپال پاکستان اور سری لنکا اس وقت سارک کے نو مبصر ہیں، یعنی: (i) آسٹریلیا؛ (ii) چین؛ (iii) متحدہ یورپ؛ (iv) ایران؛ (v) جاپان؛ (vi) جمہوریہ کوریا؛ (vii) ماریشس؛ (viii) میانمار؛ اور (ix) ریاستہائے متحدہ امریکہ۔

23.4 سارک کا مقصد (Objective of SAARC)

سارک کا مقصد جنوبی ایشیا کے خطے میں اقتصادی ترقی، سماجی ترقی اور ثقافتی ترقی کو فروغ دینا ہے۔ سارک کے مقاصد، جیسا کہ اس کے چارٹر میں بیان کیا گیا ہے، درج ذیل ہیں:

- جنوبی ایشیا کے لوگوں کی فلاح و بہبود کو فروغ دینا اور ان کے معیار زندگی کو بہتر بنانا ہے۔
- تمام افراد کو باوقار زندگی گزارنے اور ان کی مکمل صلاحیتوں کا ادراک کرنے کا موقع فراہم کر کے خطے میں اقتصادی ترقی، سماجی ترقی اور ثقافتی ترقی کو تیز کرنا۔
- جنوبی ایشیا کے ممالک کے درمیان اجتماعی خود انحصاری کو فروغ دینا اور مضبوط کرنا۔
- باہمی اعتماد، افہام و تفہیم اور ایک دوسرے کے مسائل کی تعریف میں تعاون کرنا۔
- اقتصادی، سماجی، ثقافتی، تکنیکی اور سائنسی شعبوں میں فعال تعاون اور باہمی تعاون کو فروغ دینا۔
- دوسرے ترقی پذیر ممالک کے ساتھ تعاون کو مضبوط بنانا
- مشترکہ مفاد کے معاملات پر بین الاقوامی شکلوں میں آپس میں تعاون کو مضبوط بنانا؛ اور
- ایک جیسے مقاصد اور مقاصد کے ساتھ بین الاقوامی اور علاقائی تنظیم کے ساتھ تعاون کرنا شامل ہے۔

23.5 اصُول (Principle)

- ایسوسی ایشن کے فریم ورک کے اندر تعاون خود مختار مساوات، علاقائی سالمیت، سیاسی آزادی، دوسری ریاستوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت اور باہمی فائدے کے اصولوں کے احترام پر مبنی ہے۔
- اس طرح کا تعاون دوطرفہ یا کثیر جہتی تعاون کا متبادل نہیں بلکہ تکمیل کے لیے ہے۔
- اس طرح کا تعاون رکن ممالک کی دوطرفہ اور کثیر جہتی ذمہ داریوں کے مطابق ہونا چاہیے۔
- سارک میں تمام سطحوں پر فیصلے اتفاق رائے کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں۔
- دوطرفہ اور متنازعہ امور اس کے مباحث سے خارج ہیں۔

23.6 سارک کے عمل کو درپیش چیلنجز (Challenges before SAARC)

ساؤتھ ایشین ایسوسی ایشن فار ریجنل کوآپریشن (سارک) کے سربراہان مملکت نے غربت کے خاتمے پر آزاد جنوبی ایشیائی کمیشن قائم کیا تھا۔ اس کا مختصر مقصد جنوبی ایشیا کے لیے ترقیاتی آپشنز کے بارے میں دریافت کرنا تھا۔ 1992 کی اپنی رپورٹ میں، کمیشن نے کہا کہ اس سے کوئی

فرق نہیں پڑتا کہ کوئی بھی اشاریے استعمال کیے جائیں، مجموعی طور پر خطے میں غربت کی سطح پیمانے پر 40 فیصد ہے۔ نظریاتی طور پر مبنی لبرلائزیشن اور سادہ ساختی ایڈ جسٹمنٹ کی پالیسیوں کے نتیجے میں غربت کی اس شدت میں درمیانی مدت میں اضافہ ہونے کا امکان تھا۔ کمیشن نے 1993 کے سارک سربراہی اجلاس کو سیاسی پیغام بھیجا کہ یہ تعداد نہ صرف جنوبی ایشیا میں جمہوریت کو خطرے میں ڈالے گی بلکہ ایک غیر منظم سیاست کو بھی کمزور کرے گی کوئی بھی ملک خود اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتا۔ ایک ناگزیر پہلے قدم کے طور پر ایک مقررہ مدت میں غربت کے خاتمے کے لیے مربوط علاقائی کوششوں کی ضرورت ہے۔

سارک سربراہان مملکت نے ان انتباہی اشاروں کو قبول کیا جب انہوں نے غربت کمیشن کی رپورٹ کی سفارشات کی توثیق کی اور اس کی ملکیت حاصل کی۔ سفارشات میں مجموعی طور پر طویل مدتی ترقیاتی حکمت عملی اور سماجی متحرک ہونے کے ساتھ ایک عبوری مختصر مدتی غریب حامی حکمت عملی وضع کی گئی ہے۔ اس کا مقصد ایک مقررہ وقت میں جنوبی ایشیا میں غربت کی بدترین شکلوں کا خاتمہ تھا، جس سے حفاظتی جال اور فلاح و بہبود کے لیے صرف بقیہ تعداد رہ گئی تھی۔ دونوں طویل اور قلیل مدتی عبوری حکمت عملی مناسب ترقی پر مبنی تھیں، نہ کہ تقسیم اور بہبود پر۔ اس طرح سارک کے سامنے دوگنا چیلنج تھا۔ ایک غربت کے مسئلے کو تشویش کے مرکز میں لانا، اور دوسرا غربت کے ترقی کی حکمت عملی پر عمل کرنا۔

آج جنوب مشرقی ایشیا میں سادہ لبرلائزیشن کے معجزے کو برقرار رکھنے میں ناکامی، جنوبی ایشیائی معاشروں کی بڑھتی ہوئی پولرائزیشن اور پالیسیوں کو مستحکم کرنے میں ناکامی کے ساتھ، یہ سوال پوچھنے پر مجبور ہے۔

عالمگیریت، لبرلائزیشن اور ساختی ایڈ جسٹمنٹ کی ناکافی حکمت عملی؟ یہاں تک کہ اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (یو این ڈی پی)، 1999 کی انسانی ترقی کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ عالمگیریت، اپنے موجودہ فریم میں، امیروں کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنا رہی ہے۔ غربت کمیشن کی رپورٹ میں بیان کی گئی زیادہ خود انحصاری کے ساتھ، اس غیر معقول بیرونی حکمت عملی پر اور زیادہ پیچیدہ حکمت عملی پر مستقل اتفاق کیسے ہو سکتا ہے؟ رپورٹ ثقافتی طور پر جڑی ہوئی، اقتصادی طور پر عقلی اور سیاسی طور پر بھی درست ہے۔ یہ زیادہ عقلی ہے حکمت عملی نہیں ہے۔

دوبارہ تقسیم انصاف پر مبنی بلکہ معیشت کی بنیاد سے شروع ہونے والی غریب نواز ترقی کی متوازی حکمت عملی سے یہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ جنوبی ایشیا میں غریبوں کا مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس غریب حل کا حصہ وسائل ہو سکتا ہے۔

سارک کے لیے چیلنج یہ ہے کہ وہ مزید خود انحصاری کی ترقی اور ایک مستحکم سیاست کے لیے اپنے نقطہ نظر پر نظر ثانی کرے۔ غربت کی بدترین شکلوں کو ختم کر کے، اس طرح کی حکمت عملی تجارتی لبرلائزیشن اور تجارتی تعاون کے لیے پیشگی شرائط بھی طے کرے گی۔ ایک آزاد جنوبی ایشیائی کمیشن کے اس مشورے کو کافی سنجیدگی سے نہیں لیا گیا۔ اس کے بجائے، سارک کے لیے ایک ایڈہاک شاپنگ لسٹ اپروچ جاری ہوئی، جس کے بارے میں بہت زیادہ بیان بازی کی گئی ہے۔

غربت کا خاتمہ(Abolition of Poverty)

غربت کمیشن کی رپورٹ کی سفارش یہ تھی کہ ہر ملک ایک مناسب مربوط میکرو پلان تیار کرے۔ اُس کے نکات کے طور پر رپورٹ میں کارروائی کے لیے مجموعی تناظر اور احاطے کا استعمال روانگی، جنوبی ایشیا غریبوں کے لیے ایک نیا وژن پیش کر سکتا ہے، تاکہ غریب اب اس مسئلے کا حصہ نہیں رہے، بلکہ اس کے حل میں براہ راست کردار ادا کر سکیں۔ اور ان سبھی پر عمل ہونا چاہیے۔Translation is too lo

beبلٹ میں خود اصلاحی اقدامات کے ساتھ شراکتی انداز میں مسلسل نگرانی کی جاتی ہے۔ رپورٹ نے غربت کے مسئلے کے حل کے حوالے سے سارک حکومتوں کو اندرونی اور بیرونی ذرائع سے دیے جانے والے نظریاتی الجھنوں اور متضاد، تنگ نظری پر مبنی مشورے کو واضح کرنے میں مدد کی۔ 1993 اور 1995 کے سارک سربراہی اجلاسوں میں سفارشات کی بار بار توثیق کا مطلب یہ تھا کہ وژن اور سفارشات کی ملکیت اور غربت کے خاتمے کا طریقہ اب سارک کے سربراہان مملکت کے ہاتھ میں ہے۔ اگر سارک کو اپنے مقاصد کے حصول کی طرف بڑھنا ہے تو اسے دیرینہ دوطرفہ مسائل کے حل کو بھی اٹھانے کی ضرورت ہے۔ فی الحال دوطرفہ مسائل اور مسائل کو اس کے چارٹر کے آرٹیکل X، پوائنٹ 2 کے تحت زیر بحث نہیں لایا جاسکتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "دوطرفہ اور متنازعہ مسائل کو بحث سے باہر رکھا جائے گا"۔ مزید یہ کہ اسے مزید مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ سول سوسائٹی کی تنظیموں اور علاقائی اتحادوں کو جوڑنا اور ان کی شمولیت کو یقینی بنانا کہ علاقائی مسائل پر لوگوں کے نقطہ نظر کو اس کے تمام مباحثوں میں مناسب طور پر شامل کیا جائے۔(SAARC, ICSW,2003)

23.7 پرنسپل اجزاء (Principle Organs of SAARC)

سربراہان مملکت کی میٹنگ یا حکومتی ملاقاتیں سمٹ کی سطح پر ہوتی ہیں، عموماً سالانہ بنیادوں پر۔ خارجہ سیکرٹریز کی قائمہ کمیٹی مجموعی نگرانی اور رابطہ کاری فراہم کرتی ہے، ترجیحات کا تعین کرتی ہے، وسائل کو متحرک کرتی ہے، اور منصوبوں اور فنانسنگ کو منظوری دیتی ہے۔ سیکرٹریٹ سارک سیکرٹریٹ 16 جنوری 1987 کو کاٹھمنڈو میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کا کردار سارک سرگرمیوں کے نفاذ کو مربوط اور نگرانی کرنا، ایسوسی ایشن کے اجلاسوں کی خدمت اور سارک اور دیگر بین الاقوامی تنظیموں کے درمیان رابطے کے ایک چینل کے طور پر کام کرنا ہے۔ سیکرٹریٹ سیکرٹری جنرل، سات ڈائریکٹرز اور جنرل سروسز اسٹاف پر مشتمل ہے۔ سیکریٹری جنرل کا تقرر وزراء کی کونسل کے ذریعہ روٹیشن کے اصول پر تین سال کی غیر قابل تجدید مدت کے لیے کیا جاتا ہے۔

23.8 سارک کے مخصوص اجزاء (Special bodies of SAARC)

سارک ترقیاتی فنڈ (SAARC Development Fund)

اس کا بنیادی مقصد سماجی شعبوں جیسے غربت کا خاتمہ، ترقی وغیرہ پروجیکٹ پر مبنی تعاون کی فنڈنگ ہے۔

SDF ایک بورڈ کے زیر انتظام ہے جو ممبر ممالک کی وزارت خزانہ کے نمائندوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ SDF کی گورننگ کونسل (MSs کے وزرائے خزانہ) بورڈ کے کام کاج کی نگرانی کرتی ہے۔

ساؤتھ ایشین یونیورسٹی (South Asian University)

ساؤتھ ایشین یونیورسٹی (SAU) ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے، جو ہندوستان میں واقع ہے۔ SAU کی طرف سے دی گئی ڈگریاں اور سرٹیفکیٹ قومی یونیورسٹیوں/اداروں کی طرف سے دی گئی متعلقہ ڈگریوں اور سرٹیفکیٹس کے برابر ہیں۔

جنوبی ایشیائی علاقائی معیارات کی تنظیم

ساؤتھ ایشین ریجنل سٹینڈرڈز آرگنائزیشن (SARSO) کا سیکرٹریٹ ڈھاکہ، بنگلہ دیش میں ہے۔ اس کا قیام سارک کے رکن ممالک کے درمیان معیاری کاری اور موافقت کی تشخیص کے شعبوں میں ہم آہنگی اور تعاون کو حاصل کرنے اور بڑھانے کے لیے کیا گیا تھا اور اس کا مقصد خطے کے لیے ہم آہنگی کے معیارات کو فروغ دینا ہے تاکہ علاقائی تجارت کو آسان بنایا جاسکے اور عالمی منڈی تک رسائی حاصل کی جاسکے۔ سارک ثالثی کونسل یہ ایک بین الحکومتی ادارہ ہے جس کا دفتر پاکستان میں ہے اسے تجارتی، صنعتی، تجارت، بینکاری، سرمایہ کاری اور اس طرح کے دیگر تنازعات کے منصفانہ اور موثر حل کے لیے خطے کے اندر ایک قانونی فریم ورک/فورم فراہم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ اس کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔

23.9 ہندوستان اور سارک (India and SAARC)

ہندوستان جنوبی ایشیائی علاقائی تعاون کی تنظیم (سارک) کا ایک بانی رکن ہے جسے 1985 میں ایک تنظیم کے طور پر ایک مربوط اور مربوط جنوبی ایشیا کی تعمیر کے لیے قائم کیا گیا تھا جس کا مقصد خطے کے تمام ممالک کی ترقی اور پیشرفت کو فروغ دینا ہے۔ ہندوستان مختلف شعبوں میں قریبی تعاون حاصل کرنے کے لیے سارک فریم ورک میں مختلف اقدامات کی حمایت جاری رکھے ہوئے ہے۔ اب تک منعقدہ اٹھارہ سارک سربراہی اجلاسوں میں سے، ہندوستان نے تین کی میزبانی کی ہے۔ دوسرا (بنگلور، نومبر 1986)، آٹھواں (نئی دہلی، مئی 1995) اور چودھواں (نئی دہلی، اپریل 2007)۔ ہندوستان کے افغانستان، بنگلہ دیش، بھوٹان، مالدیپ، نیپال اور سری لنکا کے ساتھ بہترین باہمی تعلقات ہیں۔ ہماری 'پڑوسی سب سے پہلے' پالیسی کے مطابق، ہندوستان ایک فعال ترقیاتی شراکت دار ہے اور ان ممالک میں کئی منصوبوں میں مصروف ہے۔ ان ممالک کے ساتھ ہماری مصروفیت مشاورتی، غیر باہمی اور نتیجہ پر مبنی نقطہ نظر پر مبنی ہے، زیادہ تر کنیکٹیویٹی، بہتر انفراسٹرکچر، مختلف شعبوں میں مضبوط ترقیاتی تعاون، سیکورٹی اور عوام سے عوام کے وسیع تر روابط جیسے فوائد کی فراہمی پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اس کے ثمرات بانٹنے کے اپنے عہد میں ہندوستان ثابت قدم رہا ہے۔ اس کے پڑوس میں ہم خیال ممالک کے ساتھ تکنیکی ترقی۔ اس تناظر میں، ہندوستان کا اپنے قومی علم کو بڑھانے کا اقدام نیٹ ورک (NKN) کو جنوبی ایشیا کے ممالک سری لنکا، بنگلہ دیش اور بھوٹان تک

بڑھادیا گیا ہے۔ ہندوستان کے وزیر اعظم نے اگست 2019 میں بھوٹان تک توسیع کا افتتاح کیا۔ سارک کے دیگر شریک ممالک تک توسیع جاری ہے۔

ہندوستان نے مئی 2017 میں سری ہری کوٹا سے جنوبی ایشیائی سیٹلائٹ (SAS) لانچ کیا تھا۔ بھوٹان، مالدیپ، افغانستان، نیپال، بنگلہ دیش اور سری لنکا میں SAS کے ڈیمونسٹریشن ٹرمینل نصب کیے گئے ہیں۔ سارک فریم ورک میں تعاون میں ہندوستان کی ایک اور بڑی شراکت کے طور پر، ہندوستان ساؤتھ ایشین یونیورسٹی (SAU) کا گھر ہے۔ اس کا قیام 14 ویں سارک سربراہی اجلاس (اپریل 2008) میں ایک بین الحکومتی معاہدے کے ذریعے سارک ممالک کے طلباء اور محققین کو عالمی معیار کی تعلیمی سہولیات اور پیشہ ورانہ فیکلٹی فراہم کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ آٹھ شعبوں میں ماسٹرز اور ایم فل/پی ایچ ڈی پروگرام پیش کرتا ہے۔

اس وقت 550 سے زائد طلباء اور 60 کے قریب فیکلٹی ممبران ہیں۔ یونیورسٹی اکبر بھون، نئی دہلی میں اپنے عارضی احاطے سے کام کرتی تھی لیکن اب اس کا مستقل کیمپس جنوبی دلی کے میدان گڑھی میں 100 ایکڑ اراضی پر تعمیر کی جا چکی ہے۔۔ SAU کا آپریشنل بجٹ تمام سارک ممالک کے تعاون کی بنیاد پر ہے، جس میں بھارت سب سے زیادہ تعاون کرنے والا ہے۔ بھارت گجرات انسٹی ٹیوٹ آف ڈیزاسٹر مینجمنٹ (GIDM) گاندھی نگر میں سارک ڈیزاسٹر مینجمنٹ سینٹر (IU) کے عبوری یونٹ کی بھی میزبانی کرتا ہے۔ یہ نومبر 2016 سے کام کر رہا ہے، تمام سارک رکن ممالک کی ضروریات کو پالیسی ایڈوائس، سسٹم ڈویلپمنٹ پر تکنیکی مدد، صلاحیت سازی کی خدمات اور سارک خطے میں آفات کے خطرے کے جامع انتظام کے لیے تربیت کے ذریعے پورا کر رہا ہے۔ بھارت سرحد پار سے جنوبی ایشیا میں درپیش چیلنجز سے پوری طرح آگاہ ہے۔ دہشت گردی ان چیلنجوں میں سب سے سنگین ہے۔ 26 ستمبر 2019 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے موقع پر نیویارک میں منعقدہ سارک وزرائے خارجہ کی آخری غیر رسمی میٹنگ میں، ہندوستان نے اس بات پر زور دیا کہ کس طرح سارک کو گھیرنے والے مسائل صرف کھوئے ہوئے مواقع کی کہانی نہیں ہیں بلکہ جان بوجھ کر پیدا کردہ رکاوٹیں بھی ہیں، جن میں دہشت گردی ایک ہے۔ ان میں سے دہشت گردی کا اس کی تمام شکلوں میں خاتمہ نہ صرف نتیجہ خیز تعاون کے لیے بلکہ خود ہمارے خطے کی بقا کے لیے بھی پیشگی شرط ہے۔

انڈیا سارک اور کوویڈ 19 (India SAARC and Covid-19)

وزیر اعظم کی پہل پر، سارک کی ویڈیو کانفرنس 15 مارچ 2020 کو COVID-19 کا مقابلہ کرنے والے رہنماؤں کا اجلاس ہوا۔ کورونا وائرس وبائی امراض کے بے مثال چیلنج سے مل کر لڑنے کے لیے سارک خطے کے ممالک کے مشترکہ عزم کا مظاہرہ کیا۔ ہندوستان نے فوری کارروائیوں کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے 10 USD ملین کی ابتدائی پیشکش کے ساتھ ایک COVID-19 ایمرجنسی فنڈ بنایا۔ خطے میں ہندوستان کی انسانی امداد میں ضروری ادویات، اینٹی بائیوٹکس، طبّی استعمال کی اشیاء، کووڈ سے بچاؤ اور ٹیسٹنگ کٹس، اور دیگر لیبارٹری اور ہسپتال کے آلات شامل ہیں گاندھی نگر میں سارک ڈیزاسٹر مینجمنٹ سنٹر (عبوری یونٹ) نے MEA، MoHFW اور ہمارے مشنز کی مدد سے Covid-19 (http://www.covid19-sdmc.org/) کے استعمال کے لیے ایک وقف ویب سائٹ قائم کی ہے۔ سارک ممالک۔ ڈائریکٹر جنرل آف ہیلتھ سروسز (DGHS) کی سطح پر تمام سارک ممالک کی نمائندگی کرنے والے صحت کے پیشہ ور

افراد کی ایک ویڈیو کانفرنس مارچ 2020 میں منعقد کی گئی تھی۔ اپریل 2020 میں سارک ممالک کے تجارتی عہدیداروں کی ایک ویڈیو کانفرنس منعقد کی گئی تھی جس میں سفری پابندیوں کے اثرات پر تبادلہ خیال کیا گیا تھا۔ بین علاقائی تجارت پر COVID-19 کی بڑی صورتحال۔ ہندوستان نے نامزد صحت کے پیشہ ور افراد کے درمیان COVID-19 پر خصوصی معلومات اور آلات کے تبادلے کی سہولت کے لیے تمام سارک ممالک کے استعمال کے لیے ایک 'سارک COVID19 انفارمیشن ایکسچینج پلیٹ فارم (COINEX)' پلیٹ فارم تیار کیا ہے۔ ہندوستان کے ای-آئی ٹی ای سی نیٹ ورک کے تحت، ہمارے پڑوس میں صحت کی دیکھ بھال کرنے والے اہلکاروں کی تربیت سپر اسپیشلٹی طبّی اداروں جیسے ایمس اور پی جی آئی چنڈی گڑھ کے ذریعہ مواد کی فراہمی کے ساتھ کی گئی ہے۔ ایمس نئی دہلی نے سارک ممالک میں طبّی پیشہ ور افراد کی مشق کرنے کے لیے مئی 2020 میں COVID-19 پر 3 ویڈیو کانفرنسنگ سیشنز کی ایک سیریز بھی الگ سے منعقد کی ہے۔

23.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- سارک کا تاریخی ارتقاء کو سمجھا۔
- سارک کے اراکین اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟ اس سے بھی روشناس ہوئے۔
- سارک کے اصول اور اس کے درپیش عمل کے چیلنجز کو جانا۔
- سارک کے پرنسپل اور خاص اجزاء پر غور کیا۔
- ہندوستان اور سارک درمیان تعلق کی معلومات حاصل کی۔

23.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

سائوتھ ایشین یونیورسٹی

ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے، جو ہندوستان میں واقع ہے

مملکت

افلاطون کے مطابق ایک ریاست جو لوگوں کا ایک گروہ اکٹھا ہوتا ہے اور ایک جگہ آباد ہوتا ہے اور جس کی ایک آبادی، حکومت، علاقہ اور اقتدار اعلیٰ ہوتی ہے۔

کوئیڈ19

کوروناوائرس کی بیماری(COVID-19)ایک متعدی بیماری ہے جو SARS-CoV-2 وائرس کی وجہ سے ہوتی ہے۔ وائرس سے متاثرہ زیادہ تر لوگ سانس کی ہلکی سے اعتدال پسند بیماری کا تجربہ کریں گے اور خصوصی علاج کی ضرورت کے بغیر صحت یاب ہو جائیں گے۔ تاہم، کچھ شدید بیمار ہو جائیں گے اور انہیں طبّی امداد کی ضرورت ہو گی۔

23.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

23.12.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ کونسا ملک سارک کا آٹھواں رکن بنا ہے۔

(a) افغانستان (b) موریس

(c) نیپال (d) بھوٹان

2۔ ساوتھ آشیان یونیورسٹی کو سارک ممبران نے ساجھے طور پر کہاں پر شروع کیا؟

(a) ڈھاکہ (b) کاٹھمنڈو

(c) نئی دلی (d) اسلامہ آباد

3۔ان میں سے کون سارک کا ممبر نہیں ہے؟

(a) افغانستان (b) ایران

(c) نیپال (d) بھوٹان

4۔اقوم متحدہ کے کس دفعہ کے تحت سارک کا قیام عمل میں آیا؟

(a) 51 (b) 52

(c) 53 (d) 54

5۔ سارک کا ہیڈکوارٹر کہاں ہے؟

(a) ڈھاکہ (b) کاٹھمنڈو

(c) نئی دلی　　　(d) اسلامہ آباد

6۔ سارک کا قیام عمل کس سال آیا؟

(a) 1983　　　(b) 1984

(c) 1985　　　(d) 1986

7۔ سارک کے سربراہان مملکت نے کس کے خاتمے کے لیے آزاد جنوبی ایشیائی کمیشن قائم کیا تھا؟

(a) غربت　　　(b) آلودگی

(c) تجارتی خسارہ　　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

8۔ ہندوستان میں سب سے پہلے کس شہر میں سارک کا اجلاس منعقد ہوا تھا؟

(a) حیدرآباد　　　(b) کلکتہ

(c) نئی دلی　　　(d) بنگلور

9۔ پہلی بار سات ممالک کے خارجہ سیکرٹریوں کی میٹنگ کہاں ہوئی تھی؟

(a) کولمبو　　　(b) کاٹھمنڈو

(c) نئی دلی　　　(d) اسلامہ آباد

10۔ سارک کو قیام عمل میں لانے کے لیے کس ملک کے سربراہ نے سب سے پہلے کوشش کی تھی؟

(a) افغانستان　　　(b) بنگلہ دیش

(c) نیپال　　　(d) بھوٹان

23.12.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سارک کے تاریخی ارتقاء پر روشنی ڈالیے۔
2. سارک کے مخصوص اجزاء پر مختصر نوٹ لکھئے۔
3. سارک کے قیام کے وجوہات بیان کیجیے۔
4. سارک کے پرنسپل اجزاء کیا ہے واضح کیجیے۔
5. سارک کے ممبر ممالک پر مختصر روشنی ڈالئے۔

23.12.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سارک کے تاریخی ارتقاء پر روشنی ڈالیے۔
2. سارک کے درپیش عمل چیلنجز پر بحث کیجیے۔
3. ہندوستان اور سارک پر ایک مضمون لکھئے۔

23.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. John Baylis, Steve Smith and Patricia Owens, The Globalisation of World Politics (Oxford, 2011).
2. Keith L. Shimko, International Relations, 4th Edition (Houghton Mifflin Company, 2012).
3. Joshua S. Goldstein and Jon C. Pevehouse, International Relations, 11th Ed. (Pearson, 2016).
4. Joseph S. Nye, Understanding International Conflicts, 6th Ed., (Longman, 2007).
5. Richard W. Mansbach and Kirsten L. Rafferty, Introduction to Global Politics, 2nd Ed (Routledge, 2011).
6. Abdul Qayoom, Bainul-Aqwaami Taaluqaat (Nisaab Publishers, 2005)

اکائی 24۔ عالمی سیاست میں بین الاقوامی تنظیم کا کردار

(Role of International Organization in World Politics)

اکائی کے اجزا:

24.0 تمہید
24.1 مقاصد
24.2 بین الاقوامی تنظیم
24.3 ویسٹ پھالیہ سے پہلے بین الاقوامی تنظیموں کا ارتقا
24.4 لیگ آف نیشنز
24.5 اقوام متحدہ
24.6 اقوام متحدہ کا لیگ آف نیشنز سے موازنہ
24.7 بین الاقوامی ایجنسیاں اور کمیشن
24.8 ثالثی کی مستقل عدالت کا کردار
24.9 سمندر کے قانون کے بین الاقوامی ٹربیونل کا کردار
24.10 عالمی سیاست میں بین الاقوامی تنظیم کا کردار
24.11 بین الاقوامی تنظیم کے فرائض
24.12 اکتسابی نتائج
24.13 کلیدی الفاظ
24.14 نمونہ امتحانی سوالات
24.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
24.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
24.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
24.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد

24.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء، اس اکائی میں ہم "عالمی سیاست میں بین الا قوامی تنظیم کا کردار" کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ سب سے پہلے بین الا قوامی تنظیم کیا ہے، لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ کسے کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں جان لینا ضروری ہے تا کہ طالب علم اسے اچھی طرح سے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف سوالوں کا جواب دینے کے لائق بن جائے۔ اس باب میں ہم بین الا قوامی تنظیم، مغربی پھالیہ سے پہلے بین الا قوامی تنظیموں کا ارتقاء، ویانا سے ویسٹ پھالیہ، ویانا سے ور سائی، لیگ آف نیشنز، تنازعات کا پیسیفک تصفیہ، اجتماعی سلامتی کا فروغ، اسلحہ کی حد، مینڈیٹ سسٹم، اقلیتوں کا تحفظ، لیگ کی غیر سیاسی سر گرمیاں، لیگ آف نیشنز کی ناکامی، ناکامی کے اسباب، اقوام متحدہ، اقوام متحدہ کے اعضاء، جنرل اسمبلی، سلامتی کونسل، اقتصادی اور سماجی کونسل، ٹرسٹی شپ کونسل، انصاف کے میں بین الا قوامی عدالت، سیکرٹریٹ، اقوام متحدہ کا لیگ آف نیشنز سے موازنہ، فرق کے پوائنٹس، جائیزہ، بین الا قوامی ایجنسیاں اور کمیشن، ثالثی کی مستقل عدالت کا کردار، سمندر کے قانون کے بین الا قوامی ٹریبونل کا کردار، عالمی سیاست میں بین الا قوامی تنظیم کا کردار، بین الا قوامی تنظیموں کا کردار، مخصوص امور میں مہارت، سیاسی غیر جانبداری بغیر کسی مفاد کے، عالمی برادری کے مخصوص مسائل، تنازعات کا پر امن حل، قانون سازی کے افعال، اقوام متحدہ کی تنظیموں کا کردار، اور آخر میں بین الا قوامی تنظیموں کے کام جیسے معیارات کی تخلیق، بھرتی، سماجی کاری، اصول سازی، اصول کا اطلاق، قاعدہ-فیصلہ، معلومات، اور آپریشنز کے بارے میں تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔ تا کہ طالب علم اسے مطالعہ کرنے کے بعد کسی بھی سوال کا جواب دینے کے قابل بن جائے۔

24.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کرنے کے بعد طلبا اس قابل ہو جائیں گے کہ

- بین الا قوامی تنظیم کو سمجھ پائیں۔
- مجلس اقوام کے ساتھ اقوام متحدہ کی معلومات حاصل کریں۔
- اقوام متحدہ کا مجلس اقوام کے ساتھ موازنہ کر پائیں۔
- سمندر کے قانون کے بین الا قوامی ٹریبونل کا کردار کو جانیں۔
- عالمی سیاست میں بین الا قوامی تنظیم کا کردار کو سمجھیں۔
- بین الا قوامی تنظیموں کے کام سے واقف ہوں۔

24.2 بین الاقوامی تنظیم (International Organisation)

ہماری صدی میں ایک امید افزا پیش رفت بین الاقوامی تنظیموں کی ضرب ہے۔ سماجی ارتقاء کی تاریخ میں پہلی بار ہمہ گیر قسم کی مستقل تنظیمیں وجود میں آئی ہیں۔ ان میں سے کچھ عوامی ہیں اور دیگر نجی ہیں جیسے کہ انٹر نیشنل ریڈ کراس یا انٹر نیشنل چیمبر آف کامرس۔ انیسویں صدی سے پہلے تقریباً 30 بین الاقوامی تنظیمیں تھیں جن میں سے زیادہ تر 1860 کے بعد قائم ہوئی تھی۔ اور 1972 تک بین الحکومتی تنظیموں کی تعداد 280 اور غیر سرکاری تنظیموں کی تعداد 2,470 تک پہنچ گئی۔

24.3 مغربی پھالیہ سے پہلے بین الاقوامی تنظیموں کا ارتقا

(The Evolution of International Organizations before West Phalia)

بین الاقوامی تنظیم کا جدید نمونہ ویسٹ پھالیہ (1648) کے بعد سے تیار ہو رہا ہے حالانکہ اس کے نمونے قرون وسطی کی تاریخ میں بھی مل سکتے ہیں۔ بین الاقوامی تنظیم کوئی بھی تعاون پر مبنی انتظام ہے جو ریاستوں کے درمیان عام طور پر ایک بنیادی معاہدے کے ذریعے قائم کیا جاتا ہے تاکہ وقتاً فوقتاً ملاقاتوں اور عملے کی سرگرمیوں کے ذریعے نافذ کیے جانے والے کچھ باہمی فائدہ مند کاموں کو انجام دیا جا سکے"۔ ماضی کے معاہدے بین الاقوامی تنظیم کی طرف پہلا قدم ہے۔ یہاں تک کہ قومی اتحاد کے بغیر، یونانیوں نے بین ریاستی تنظیموں کے طریقہ کار اور نمونے تیار کیے جو حیرت انگیز طور پر جدید نظر آتے ہیں۔ بین الاقوامی تنظیم کا خیال رومیوں کے لیے غیر ملکی تھا۔ وہ عالمگیر سلطنت پر یقین رکھتے تھے۔ کونسل کانسٹینس تاریخ کی سب سے شاندار بین الاقوامی کانگریس ہے (1414) جو پاپیسی کے حریفوں کے دعووں کو حل کرتی ہے۔ رومن کیتھولک چرچ سب سے طاقتور غیر سرکاری (نجی) بین الاقوامی تنظیم تھی۔ ایک اور مثال ہانسیٹک لیگ تھی جو قرون وسطیٰ کے دوران قائم ہوئی تھی۔ یہ یورپی ممالک کے درمیان تجارت کے فروغ کے لیے ایک انجمن تھی جو ایک قسم کی سیاسی تنظیم بن گئی۔

ویانا سے ویسٹ پھالیہ (West Phalia to Vienna)

ویسٹ فالیا کی کانگریس بین الاقوامی تنظیم کی ترقی میں ایک قابل ذکر سنگ میل تھی۔ اس کانگرس میں دو عظیم کثیر الجہتی معاہدوں پر بات چیت کی گئی جس نے یورپی بین الاقوامی تعلقات کی نئی ترتیب کو قانونی شکل دی۔ 17 ویں اور 18 ویں صدیوں میں بین الاقوامی تنظیم کے لیے کچھ بہترین اسکیموں میں فرانس کے ہنری چہارم کا گرینڈ ڈیزائن اور ڈیوڈی سلی، ولیم پین کی یورپ کی پارلیمنٹ کی تجویز (1693)، ایبڈے سینٹ پیئر کا یورپ میں مستقل امن لانے کا منصوبہ (1712)، بینتھم کی یونیورسل اینڈ پرپیچوئل پیس (1793) اور کانٹ کا دائمی امن (1795) شامل ہیں۔

ویاناسے ورسائی (Vienna to Versailles)

ویاناتصفیہ (1815) کو نافذ کرنے والی مرکزی ایجنسی آسٹریا، برطانیہ، پرشیااور روس کا چار گنا اتحاد تھا جو 1818 میں فرانس کے اضافے کے ساتھ ایک چوگنی اتحاد بن گیا۔ یہ ترقی کئی وجوہات کی بنا پر بین الاقوامی تنظیم کی تاریخ میں ایک سنگ میل تھی۔ سب سے پہلے، یہ نپولین جنگ کے بعد بھی جاری رہا۔ دوسری بات یہ کہ اس اتحاد کے تحت وقتاً فوقتاً کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ تیسرا، عام اتفاق تھا کہ امن کسی نہ کسی بڑی طاقت کے اشتراک پر منحصر ہے۔

یہ اتحاد بین الاقوامی حکومت کی پہلی مثال تھی، لیکن یہ 1825 میں انگریزوں کے انحراف کے بعد قائم نہ رہ سکااور یوں ایک دہائی بھی قائم نہ رہ سکا۔ پھر بھی جب تک یہ زندہ رہا، یہ عظیم طاقتوں کی حکومت تھی۔ تاہم،اس میں کسی بھی قسم کی مستقل تنظیم کا فقدان تھا۔ موجودہ معاملات کو طے کرنے کے مقصد سے اس نے صرف کئی کانگریسیں منعقد کیں۔ اس کے باوجود، "مقدس اتحاد اصطلاح کے حقیقی معنوں میں ایک بین الاقوامی حکومت تھی"۔ یہاں تک کہ ایکسل-اے- چیپل (1818) کی کانگریس کے ایجنڈے پر اس مسئلے کی ایک نامکمل فہرست بھی اس کی سرگرمیوں کی حد کو واضح کرے گی۔

ہولی الائنس (1825) کے انتقال کے بعد، عظیم طاقتوں نے سیاسی تنازعات کو حل کرنے کی ذمہ داری سنبھالی۔ کنسرٹ آف یورپ ایڈہاک کانفرنسوں کے ذریعے چلایا گیا۔ اس نے بیلجیئم کے سوال، مشرقی سوال اور افریقہ کے مسائل سے نمٹا۔ اس نے مقدس اتحاد کے زوال اور لیگ آف نیشنز کے ظہور کے درمیان یورپ میں امن قائم رکھنے میں مدد کی۔ تاہم، یہ ایک حقیقی بین الاقوامی حکومت سے دو لحاظ سے مختلف تھا۔ سب سے پہلے، یہ ادارہ جاتی نہیں تھا۔ دوم، یہ ایک مضبوط اخلاقی اتفاق رائے سے متحرک نہیں تھا۔ اس کے باوجود یہ اپنے وجود کے 90 سالوں کے دوران امن کے تحفظ میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔ واحد بڑی جنگ - کریمین جنگ (1854-56)- حادثات کی ایک سیریز کی وجہ سے تھی۔ امن کے لیے جو فارمولہ تیار کیا گیا تھا اس میں 24 گھنٹے کی تاخیر ہوئی۔

اس کی کامیابی کی تین وجوہات ہیں۔ سب سے پہلے، یورپی برادری کا اخلاقی اتفاق ایک کمزور بازگشت کے طور پر زندہ رہا، جسے زمانے کے انسانی اخلاقی ماحول سے تقویت ملی۔ دوم، سیاسی ترتیب نے رہائش کے بڑے امکانات کے ساتھ خالی جگہوں میں توسیع کی حمایت کی۔ آخر میں، اس دور میں شاندار سفارت کار اور سیاست دان کا پے درپے آغاز ہوا جو جانتے تھے کہ کیسے امن قائم کرنا ہے اور جنگوں کو کس طرح مختصر اور محدود دائرہ کار میں رکھنا ہے۔

اس عرصے کے دوران بین الاقوامی انتظامی اداروں کی ایک بڑی تعداد ابھری۔ ان میں سب سے مشہور ہیں: دی یورپی کمیشن فار ڈینیوب (1856)؛ ٹیلی گرافک ایڈمنسٹریشن کا بین الاقوامی بیورو (1863)؛ یونیورسل پوسٹل یونین (1875)؛ وزن اور پیمائش کا بین الاقوامی بیورو (1875)؛ بین الاقوامی کاپی رائٹ یونین (1886)؛ انٹرنیشنل آفس آف پبلک ہیلتھ (1903)؛ اور انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایگریکلچر

(1905)۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے کچھ شاندار کانفرنسیں ہوئیں۔ جیسے 1899 اور 1907 کی ہیگ کانفرنس۔ پہلے ثالثوں کی مستقل عدالت قائم کی۔ اسے 1914 سے پہلے 14 صورتوں میں استعمال کیا گیا تھا۔

24.4 مجلس اقوام (The League of Nations)

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے ساتھ ہی بین الاقوامی تعلقات کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ تقریباً عالمگیر کردار کی ایک مستقل عمومی بین الاقوامی تنظیم پہلی بار 1920 میں وجود میں آئی۔ یہ ایک حقیقی تنظیم تھی جس کی اپنی قانونی شخصیت اور ایجنسیاں تھیں۔ اس کے تین اہم ادارے تھے۔ لیگ کونسل، لیگ اسمبلی اور سیکرٹریٹ۔ اس کے بعد اہمیت میں بین الاقوامی انصاف کی مستقل عدالت، بین الاقوامی لیبر آرگنائزیشن اور ٹیکنکل آرگنائزیشن تھے۔

اسمبلی کو کام کرنا نہیں تھا بلکہ مشورہ دینا تھا۔ اسے سیاسی مسائل اور امن کے تحفظ کے اقدامات سے متعلق پابند فیصلے دینے کا اختیار حاصل تھا۔ ایک حد تک اس نے حقیقی پارلیمنٹ کا کردار ادا کیا۔ کونسل 5 عظیم (مستقل) اختیارات اور 4 کم طاقتوں (غیر مستقل) پر مشتمل تھی۔ چونکہ یو ایس اے لیگ میں شامل نہیں ہوا اس لیے مستقل ارکان کی تعداد چار رہ گئی۔ سوویت یونین 1934 میں اس میں شامل ہوا اور 1939 میں اسے چھوڑ دیا۔ اسمبلی اور کونسل میں ہر ریاست کا ایک ووٹ تھا اور تمام سیاسی فیصلوں کے لیے موجود تمام اراکین کی اتفاق رائے ضروری تھی جن میں جنگ کی روک تھام سے متعلق امور بھی شامل تھے۔

سیکرٹریٹ ایک مستقل سول سروس تھی جس کی سربراہی ایک سیکرٹری جنرل اور 700 افراد پر مشتمل عملہ تھا۔ بین الاقوامی انصاف کی مستقل عدالت نے شاندار کامیابی کے ساتھ 20 سال تک کام کیا۔ اس نے 65 مقدمات کی سماعت کی اور 32 فیصلے اور 27 مشاورتی آراء اور کئی سو احکامات جاری کیے۔ لیگ کے ڈھانچے میں 3 تکنیکی تنظیمیں شامل تھیں۔ اقتصادی تنظیم، مواصلات اور ٹرانزٹ تنظیم اور صحت کی تنظیم۔

تنازعات کا پیسیفک تصفیہ (The Pacific Settlement of Dispute)

معاہدے میں بین الاقوامی تنازعات کے حل کے لیے تین طریقوں پر غور کیا گیا۔ سب سے پہلے، براہ راست مذاکرات، سفارت کاری، مفاہمت اور ثالثی کے روایتی آلات کا ہر ممکن استعمال کرنا۔ دوسرا، بین الاقوامی انصاف کی مستقل عدالت کا فیصلہ۔ تیسرا، کونسل امن کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دیتا، اگر دوسرے طریقے ناکام ہو گئے ہوں۔

اجتماعی سلامتی کا فروغ (The Promotion of Collective Security)

لیگ کے قیام کے بعد کے پندرہ سالوں کے دوران، اجتماعی سلامتی کے نظام کو مضبوط بنانے کے لیے پانچ کوششیں کی گئیں اور ان میں سے چار لیگ کے زیر اہتمام کی گئیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) باہمی امداد کا مسودہ معاہدہ؛ (2) جنیوا پروٹوکول؛ (3) لوکارنو معاہدے؛ اور (4) 1928 کا جنرل ایکٹ- اجتماعی سلامتی کا نظام قائم کرنے کی سب سے اہم کوشش۔ پیرس کا معاہدہ (1928) تاہم، مکمل طور پر لیگ سے باہر کی کوشش تھی اور امریکہ نے بھی اس پر دستخط کیے تھے۔

اسلحہ کی حد (The Limitation of Armament)

لیگ نے ایک مستقل مشاورتی کمیٹی قائم کی۔ ایک سال بعد بنائے گئے عارضی مخلوط کمیشن کو تخفیف اسلحہ میں چار منصوبوں کا سہرا دیا جاتا ہے۔ 1925 میں تخفیف اسلحہ کانفرنس کے لیے تیاری کے کمیشن نے 1932 میں مشہور جنیوا کانفرنس بلا کر تخفیف اسلحہ کے لیے ایک اعلیٰ کوشش کی لیکن یہ عظیم ڈپریشن، منچوریا کے بحران اور ہٹلر کے عروج کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔

مینڈیٹ سسٹم (The Mandate System)

یہ لیگ کی طرف سے جرمنی اور اٹلی سے لیے گئے نوآبادیاتی علاقوں کی انتظامیہ کے لیے ترتیب دیا گیا ایک طریقہ کار تھا۔ ایک مستقل لازمی کمیشن قائم کیا گیا۔

اقلیتوں کا تحفظ (The Protection of Minorities)

لیگ نے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا بیڑا اٹھایا۔ 1935 تک، اس نے تقریباً 400 درخواستوں کی جانچ کی تھی۔ اس طرح کی شکایات سے نمٹنے میں اس کا ریکارڈ کافی متاثر کن ہے۔

لیگ کی غیر سیاسی سرگرمیاں (The Non-Political Activities of the League)

یہاں اسے شاندار کامیابی ملی۔ اس نے اپنی متعدد ایجنسیوں کا خوب استعمال کیا اور غیر سیاسی سرگرمیوں میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔

لیگ آف نیشنز کی ناکامی (Failure of the League of Nations)

تاہم، لیگ اپنے اہم کام یعنی بین الاقوامی امن اور سلامتی کی بحالی میں مکمل طور پر ناکام رہی۔ یہ جاپانی جارحیت (1931)، اطالوی جارحیت (1935)، ہسپانوی جمہوریہ کی تباہی (1938)، ہٹلر کی جارحیت اور سوویت جارحیت (1939) کو روک نہیں سکی۔ نتیجہ دوسری جنگ عظیم کی صورت میں نکلا جس نے اس کی قسمت پر مہر ثبت کر دی۔

ناکامی کے اسباب (Causes of Failure)

اس کی ناکامی کی چند اہم وجوہات درج ذیل ہیں:

- بڑی طاقت کا تسلط؛
- کمزور طاقتوں کو نیچا دکھایا گیا، جیسے ایتھوپیا اور چین؛
- لیگ کی غیر منحصر رکنیت، امریکہ اس کا رکن نہیں تھا اور بڑی طاقتیں بھی اپنی مرضی سے منحرف ہوئی؛
- بڑی طاقتوں کی منافقت اور ان کی خوشامد کی پالیسی؛
- جرمنی، جاپان اور اٹلی کی جارحانہ قوم پرستی اور سامراجیت؛
- کونسل اور اسمبلی دونوں میں اتفاق رائے کا اصول؛
- بین الاقوامی قانون نافذ کرنے والے ادارے کی غیر موجودگی؛
- غیر متعینہ حیثیت-فرانسیسی نقطہ نظر برطانوی نقطہ نظر سے مختلف ہے؛اور
- لیگ ورسائی کے معاہدے کا ایک لازمی حصہ تھی۔

معاہدہ بھی معاہدہ کے ساتھ گر گیا کیونکہ یہ "ایک نامور ماں کی بے عزت بیٹی تھی"۔ مختصراً یہ کہ لیگ بہت زیادہ ڈپریشن، معاشی قوم پرستی اور استثنیٰ، توسیع پسندانہ نظریات کے عروج (جیسے کمیونزم اور فاشزم) امریکی تنہائی پسندی اور بین الاقوامی نظام کے ٹوٹنے کی وجہ سے ناکام ہوئی۔

24.5 اقوام متحدہ (The United Nations)

دوسری جنگ عظیم کے ابتدائی مراحل سے ہی لوگوں کو مختلف اجلاسوں، کانفرنسوں اور اعلانات کے ذریعے یقین دلایا گیا کہ اتحادیوں کی حتمی فتح کے بعد کسی نہ کسی طرح کی عالمی تنظیم قائم کی جائے گی۔ بالآخر اقوام متحدہ کے چارٹر پر 26 جون 1945 کو سان فرانسسکو کانفرنس میں 50 ممالک نے دستخط کیے تھے۔ چارٹر میں 10,000 سے زیادہ الفاظ، 111 آرٹیکلز اور 2 ترمیمات (1965) اور 19 ابواب ہیں۔ آرٹیکل (1) اقوام متحدہ کا وسیع مقصد بیان کرتا ہے: بین الاقوامی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنا، اقوام کے درمیان دوستانہ تعلقات استوار کرنا، انسانی حقوق اور سب کے لیے بنیادی آزادیوں کے احترام کو فروغ دینا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا، اور دوسروں کی اعمال کو ہم آہنگ کرنے کا مرکز بننا۔ آرٹیکل (2) اعلان کرتا ہے کہ یو این او اپنے تمام ممبران کی خود مختار مساوات کے اصول پر قائم ہے۔

اقوام متحدہ کے اعضا (The Organs of the United Nations)

چھ بنیادی اعضاء ہیں: جنرل اسمبلی؛ سلامتی کونسل؛ اقتصادی اور سماجی کونسل؛ ٹرسٹی شپ کونسل؛ انصاف کی بین الاقوامی عدالت؛ اقوام متحدہ کے سیکرٹریٹ۔ اس کے علاوہ کئی خصوصی ایجنسیاں ہیں۔

جنرل اسمبلی (General Assembly)

جنرل اسمبلی اقوام متحدہ کے تمام اراکین پر مشتمل ہوتی ہے، ہر ایک کا ایک ووٹ ہوتا ہے۔ اس کے فرائض بحث کرنا، سفارشات دینا، غور کرنا، توجہ دلانا، مطلع کرنا اور مطالعہ شروع کرنا ہے۔ یہ زیادہ تر سفارشات اور مشورے کے ذریعے کام کرتا ہے۔ اس کے پاس وسیع نگرانی اور تفتیشی ذمہ داریاں ہیں۔ اس کے پاس مالیات، غیر خود حکومتی علاقوں، سلامتی کونسل کے اراکین کے انتخاب، اقتصادی اور سماجی کونسل اور ٹرسٹی شپ کونسل، سلامتی کونسل کی سفارشات پر نئے اراکین کی شمولیت، سلامتی کونسل کے ساتھ بین الاقوامی عدالت انصاف کے ججز شامل ہیں۔ جنرل اسمبلی میں تمام اہم معاملات کا فیصلہ دو تہائی اکثریت سے کیا جاتا ہے۔ اہم سوالات میں امن و سلامتی سے متعلق سفارشات، سلامتی کونسل کے غیر مستقل ارکان اور ٹرسٹی شپ کونسل کے ارکان کا انتخاب، ارکان کی بے دخلی اور بجٹ کے سوالات شامل ہیں۔

تاہم، جنرل اسمبلی کا موازنہ لیگ اسمبلی سے نہیں کیا جا سکتا جو ایک حقیقی سیاسی پارلیمنٹ تھی اس لحاظ سے کہ وہ لیگ کونسل کے مقابلے میں سیاسی معاملات میں کارروائی کر سکتی ہے۔ جنرل اسمبلی صرف امن کے حوالے سے سفارشات دے سکتی ہے۔ یہ بحث، تحقیق اور سفارش کر سکتا ہے لیکن عمل نہیں کر سکتا۔ آرٹیکل 12 سلامتی کونسل کے ایجنڈے میں شامل معاملات پر سفارشات کو بھی شامل نہیں کرتا۔ اس طرح اس کے پاس لیگ آف نیشنز میں اس کے ہم منصب جیسا کوئی ہم آہنگ دائرہ اختیار نہیں ہے۔ ایک بار پھر، سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کے درمیان افعال کی تقسیم نے اقوام متحدہ کو تقسیم کی شخصیت سے نوازا ہے۔ مور گنتھاؤ اس تقسیم کو "آئینی عفریت" کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

لیکن عصری عالمی سیاست کے کردار اور بعض آئینی آلات کے استعمال کی وجہ سے دیر سے جنرل اسمبلی کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ یہ آلات ہیں:

- مسائل کو سلامتی کونسل سے جنرل اسمبلی میں منتقل کرنا؛
- سلامتی کونسل کے ایجنڈے میں شامل مسائل کے حوالے سے سفارش کرنا؛
- دو تہائی اکثریت سے "امن کے لیے اتحاد" کو منظور کرنا؛
- اس کی سفارشات پر اس طرح عمل کیا جانا جیسے وہ قانونی طور پر پابند فیصلے ہوں۔

اس طرح یہ دنیا کی ٹاؤن میٹنگ، بنی نوع انسان کا کھلا ضمیر اور انسان کی پارلیمنٹ کی طرح ہے۔

سلامتی کونسل (The Security Council)

اصل میں یہ 11 ارکان پر مشتمل کمیٹی ہے۔ چارٹر کی پہلی ترمیم نے اس کی طاقت کو بڑھا دیا۔ اب یہ 15 ارکان پر مشتمل ہے، 5 مستقل اور 10 غیر مستقل دو سال کے لیے منتخب کیے گئے ہیں- 5 ایشیا، افریقہ سے۔ 2 لاطینی امریکہ سے؛ 1 مشرقی یورپ سے؛ اور 2 مغربی یورپ اور دیگر ریاستوں سے۔ 5 مستقل ارکان (برطانیہ، امریکہ، روس، فرانس اور عوامی جمہوریہ چین نومبر 1971 سے) کو ویٹو کا حق حاصل ہے۔ اہم معاملات پر ان کا اتفاق ضروری ہے۔ لیکن طریقہ کار کے معاملات پر کسی بھی 9 ارکان کا مثبت ووٹ کافی ہے، ایسے معاملات کونسل کی

صدارت، ایجنڈے میں شامل اشیاء، میٹنگ کی تاریخیں اور اوقات۔ کوئی خاص معاملہ طریقہ کار ہے یا اصل اس کا فیصلہ ایک اہم مسئلے کے لیے ضروری ووٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اس لیے مستقل ارکان کو دوہرا ووٹ حاصل ہوتا ہے۔

سلامتی کونسل کو بحث، تحقیقات اور سفارش کے وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ چارٹر کے مطابق، اس کے پاس جنرل اسمبلی سے زیادہ اختیارات ہیں۔ اسے اقوام متحدہ کی واحد ایکشن ایجنسی کے طور پر ڈیزائن کیا گیا ہے۔ یہ پورے ڈھانچے کا مرکزی قلعہ ہے۔ اس پر بین الاقوامی امن اور سلامتی کی بحالی کی بنیادی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ پہلی مثال میں، یہ تنازعہ کے فریقوں کو مقررہ پرامن طریقوں سے حل تلاش کرنے کے لیے بلا سکتا ہے اور بالآخر یا ناکام ہونے پر وہ اراکین کو اقتصادی پابندیاں لینے یا فوجی کارروائی کرنے کے لیے کہہ سکتا ہے، مسلح افواج، امداد اور سہولیات کا استعمال کر سکتا ہے۔ جو اقوام متحدہ کے رکن ممالک فراہم کرتے ہیں، جہاں "امن کی قرارداد کے لیے اتحاد" کا اثر اقوام متحدہ کے قیام امن کے اختیارات کو سلامتی کونسل سے جنرل اسمبلی کو منتقل کرنے کا تھا، وہیں ساٹھ کی دہائی کے وسط کے مالیاتی بحران نے اسے دوبارہ سلامتی کونسل میں ڈال دیا۔

اقتصادی اور سماجی کونسل (Economic and Social Council)

اصل میں یہ 18 ارکان پر مشتمل ہے۔ دوسری ترمیم (1965) کے بعد اس کی تعداد 27 ہو گئی۔ بعد میں اس کی طاقت کو مزید بڑھا کر 54 کر دیا گیا۔ اس کے ارکان جنرل اسمبلی کی دو تہائی اکثریت سے منتخب ہوتے ہیں۔ ایک تہائی اراکین (18) تین سال کی مدت کے لیے ہر سال منتخب ہوتے ہیں۔ اس کے تین اہم مقاصد ہیں:

- اعلیٰ معیار زندگی، مکمل روزگار اور معاشی اور سماجی ترقی کے حالات کو فروغ دینا؛
- بین الاقوامی اقتصادی، سماجی، صحت اور متعلقہ مسائل کے حل، اور ثقافتی اور تعلیمی تعاون؛ اور
- نسل، جنس، زبان یا مذہب کے امتیاز کے بغیر سب کے لیے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا عالمی احترام اور ان کی پابندی۔

اس کے علاوہ، یہ تنظیم کے تحت کام کرنے والی خصوصی ایجنسیوں کے کاموں کو بھی مربوط کرتا ہے۔ یہ علاقائی اقتصادی کمیشنوں اور متعدد فعال کمیشنوں کی مدد سے کام کرتا ہے۔

ٹرسٹی شپ کونسل (The Trusteeship Council)

باب XII ایک بین الاقوامی ٹرسٹی شپ سسٹم فراہم کرتا ہے۔

- وہ علاقے جو اب مینڈیٹ کے تحت ہیں،
- وہ علاقے جو دشمن ریاست سے الگ ہو سکتے ہیں،
- علاقے رضاکارانہ طور پر نظام کے تحت رکھے گئے ہیں۔

نظام کے مقاصد یہ ہیں:

- امن وسلامتی کو فروغ دینا،
- اپنے باشندوں کے مفادات کو فروغ دینا،
- خود حکومت کی طرف پیش رفت،
- انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کی حوصلہ افزائی۔

ٹرسٹی شپ سسٹم کے تحت رکھے گئے 11 میں سے نو علاقوں نے آزادی حاصل کر لی ہے۔

انصاف کی بین الاقوامی عدالت (The International Court of Justice)

یہ اقوام متحدہ کا ایک لازمی حصہ ہے۔ اقوام متحدہ کے ممبران اس کے آئین کے خود فیکٹو فریق ہیں اور دیگر ریاستیں اس میں فریق بن سکتی ہیں۔ عدالت 15 ممتاز فقہا پر مشتمل ہے، جو دنیا کے بڑے قانونی نظاموں کی نمائندگی کرتی ہے۔ بین ریاستی تنازعہ کا فیصلہ کرنے کے علاوہ، اس کا مشاورتی کام بھی ہے۔ اس نے پہلے ہی تقریباً 34 مقدمات کا فیصلہ کیا ہے۔

سیکرٹریٹ (The Secretariat)

چارٹر ایک سیکرٹریٹ قائم کرتا ہے جو لیگ آف نیشنز سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس کا انتظامی سربراہ سیکرٹری جنرل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کا عملہ 4000 افراد پر مشتمل ہے۔ سیکرٹری جنرل بین الاقوامی امن کے لیے خطرہ بننے والے کسی بھی معاملے کو سلامتی کونسل کی توجہ دلانے کا مجاز ہے۔ اقوام متحدہ کے چیف ایگزیکٹو کا بنیادی کام ثالثی کرنا، مفاہمت کرنا، اتفاق رائے پیدا کرنا اور ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کے ضمیر کا محافظ ہے اور اس کی طاقتیں بڑھ رہی ہیں۔

24.6 اقوام متحدہ کا مجلس اقوام سے موازنہ

(Comparison of UN with League of Nations)

اقوام متحدہ کے اپنے بنیادی کردار لیگ کی طرح ہے۔ دونوں محدود اختیارات والی خود مختار ریاستوں کی انجمنیں ہیں۔ پروفیسر ایگلٹن کا مشاہدہ ہے کہ اگرچہ ڈھانچے اور عمومی انداز میں دونوں نظاموں کے درمیان مماثلت ہے، لیکن بنیادی فرق ظاہر کرتے ہیں کہ اقوام متحدہ تصور اور کردار میں لیگ سے بالکل مختلف ہے۔ اقوام متحدہ لیگ سے زیادہ جامع اور فعال ہے۔

فرق کے نکات (Points of Difference)

چارٹر زیادہ اہم دستاویز ہے اور لیگ کے عہد سے تین گنا بڑا ہے۔ اقوام متحدہ ایک زیادہ لچکدار نظام ہے اور دائرہ کار میں زیادہ جامع ہے۔ خاص طور پر، معاشی، سماجی اور انسانی ترقی کے لیے اس کی دفعات اور ایجنسیاں زیادہ وسیع اور زیادہ یقینی ہیں۔ یہ علاقائی تنظیموں اور دیگر ایجنسیوں اور

ایجنٹوں کے کام کو زیادہ طول و عرض فراہم کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اسمبلی اور کونسل کے درمیان تقسیم بہت زیادہ درست ہے۔ جنرل اسمبلی زیادہ عام ہدایت کرنے والی ایجنسی ہے۔ امن کے لیے سلامتی کونسل کی زیادہ ذمہ داری ہے۔ ایک بار پھر اقوام متحدہ کردار میں زیادہ عالمگیر ہے۔ لیگ آف نیشنز میں 5 عظیم طاقتوں میں سے صرف دو مسلسل شامل ہیں۔ اس کے پاس کبھی بھی عالمی طاقتوں کی صف نہیں تھی۔ مزید، جہاں یہ عہد ایک قسم کی دستاویز تھی جسے اعلیٰ معاہدہ کرنے والے فریقین نے منظور کیا تھا، چارٹر اقوام متحدہ کے عوام کے نام سے تیار کیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ میں ایک اور بہتری یہ ہے کہ یہاں اتفاق رائے کے بجائے اکثریت کا اصول لاگو ہوتا ہے۔ یہ عظیم طاقت کے اتفاق کی پہچان پر مبنی ہے۔ لیگ کے مقابلے میں، اقوام متحدہ کے پاس نفاذ کا زیادہ طاقتور نظام ہے۔ یہاں پابندیاں زیادہ وسیع ہیں۔ اس کی حمایت ملٹری اسٹاف کمیٹی کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کارروائی کر سکتا ہے یہاں تک کہ جب صرف امن کو خطرہ ہو یا اس وقت بھی جب کوئی غیر رکن ملک ملوث ہو۔ "امن کے حل کے لیے اتحاد" نے نفاذ کے انتظامات کو مزید مضبوط کیا ہے۔ مزید یہ کہ چارٹر اجتماعی دفاع کا نظام بھی فراہم کرتا ہے۔ مزید، اقوام متحدہ تخفیف اسلحہ کے مقصد کے لیے زیادہ مضبوطی سے اور پوری طرح پر عزم ہے۔ دنیا میں بہتر سماجی اور معاشی حالات پیدا کرنے کا اقوام متحدہ کا پروگرام بھی لیگ کے مقابلے زیادہ جامع اور کامیاب ہے۔

ایک بار پھر، ٹرسٹی شپ کونسل کو مستقل لازمی کمیشن سے زیادہ اختیارات سے نوازا گیا ہے۔ تاہم، کچھ معاملات میں اقوام متحدہ لیگ سے کمزور ہے۔ چارٹر میں ذمہ داریوں کو قطعی شرائط میں وضع نہیں کیا گیا ہے۔ جب تک سلامتی کونسل کارروائی کرنے کا فیصلہ نہیں کرتی، ارکان کی طرف سے کوئی کارروائی کرنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس کے برعکس، عہد کے آرٹیکل 16 میں اقتصادی منظوری کے فوری اطلاق کی ضرورت ہے۔ ایک بار پھر، اقوام متحدہ کے تحت گھریلو دائرہ اختیار کی حدود زیادہ سخت ہیں۔ معاہدے میں یہ لیگ کونسل کو طے کرنا تھا کہ کوئی معاملہ گھریلو ہے یا نہیں۔

جائزہ (Appraisal)

اقوام متحدہ کامیابیوں اور ناکامیوں کا ملا جلا بیگ ہے۔ نہ ہی یہ ایک انتہائی ناکامی ہے اور نہ ہی یہ ایک زبردست کامیابی ہے۔ درحقیقت، اس کا اندازہ کسی کے نقطہ نظر، توقعات، فلسفیانہ رجحان اور تعلیمی پس منظر پر منحصر ہے۔ اقوام متحدہ کی صحیح تشخیص کے لیے کسی کو اس کام کی وسعت کو ذہن میں رکھنا چاہیے جس سے اسے نمٹنا ہے۔ اسے انسانیت کی جنگ کے سب سے مشکل مسئلے سے نمٹنا ہے۔ لیکن کسی ادارے کے لیے 5000 سالہ جنگ کی تاریخ، 500 سالہ عسکری قوم پرستی اور 50 سالہ نظریاتی جنون کو 35 سالوں میں مٹانا ناممکن ہے۔ ناکامیوں کی تاریخ اس کی کامیابیوں سے زیادہ متاثر کن ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کی ناکامیاں قابل فہم ہیں۔ اگرچہ یہ ظاہر کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اقوام متحدہ نے کسی جنگ کو روکا ہے اس نے مادی طور پر کئی جنگوں کو مختصر کیا ہے اور بہت سے اہم حالات میں تناؤ کو دور کیا ہے۔

اس کے باوجود، یہ تسلیم کیا جانا چاہیے کہ وہ صرف ثالثی، حقائق کی تلاش، باہمی پوزیشن اور نگرانی جیسی سرگرمیوں میں کامیاب ہوا ہے جس کا بنیادی مقصد انتظامی بحران کو دور کرنا تھا لیکن منجمد رہنے والے بنیادی تنازع کو حل کرنا نہیں ہے۔ کہ اس کے قیام سے لے کر اب تک کوئی عالمی جنگ نہیں ہوئی ہے، یہ بذات خود ایک بڑی کامیابی ہے۔ کم از کم اس نے سرد جنگ کو گرم جنگ میں تبدیل نہیں ہونے دیا۔ کئی سالوں

میں کچھ نئی تکنیکیں تیار کر کے، جیسے کہ امن برقرار رکھنے کے آپریشنز، گڈ آفس مشن، پر سکون سفارت کاری اور سیکرٹری جنرلز کے مختلف استعمال، اس نے کشمیر، کانگو، مغربی ایشیا، قبرص، یمن اور دیگر جگہوں جیسے بحرانوں میں تشدد کو روکنے یا ان پر قابو پانے میں مدد کی۔ یونان، انڈونیشیا، لبنان، مصر، غزہ کی پٹی، کانگو، قبرص، یمن، عرب اسرائیل تنازعات میں اس کی امن کی کوششیں قابل تعریف ہیں۔ بعض اوقات یہ انتہائی شدت کے بحران کو برداشت کرنے کے لیے کسی طرح کا کنٹرول لاتا ہے اور وسیع تشدد پر پردہ ڈال دیتا ہے۔

اس کے علاوہ، تنظیم نے دیگر شعبوں میں بھی خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کیں، جیسے تخفیف اسلحہ، ڈی کالونائزیشن، انسانی حقوق کا فروغ، بین الاقوامی قانون کی ترقی، آبادی کنٹرول، ماحولیات، بیرونی خلا اور سمندری فرش کے قدرتی وسائل اور خام مال پر کامیابی حاصل کی ہے۔ شاید اقوام متحدہ کی تمام کامیابیوں میں سب سے اہم یہ ہے کہ یہ 78 سال سے زیادہ عرصے تک زندہ رہا اور اس کی رکنیت تقریباً تین گنا بڑھ (اب 192) ہو گئی ہے۔

اپنی بہت سی ناکامیوں کے باوجود، یہ اب بھی میدان جنگ کے لیے کانفرنس کی میز کے متبادل کے لیے انسان کی بہترین منظم امید کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ اب بھی بہترین ادارہ ہے جسے انسان نے ابھی تک وضع کیا ہے۔ کم از کم یہ عالمی رائے عامہ کے اظہار کے لیے دنیا کا سب سے بڑا صوتی بورڈ ہے۔ یہ بین الاقوامی بحران کے لیے ایک پیغام کا مرکز اور ڈیماڈنگ ڈیوائس ہے۔ اس کا بنیادی حصہ عالمی سیاست کو اپنے اوپر مرکزیت اور اس کی اپنی پیداوار پر مشتمل ہے۔ عملی طور پر تمام سیاسی مسائل اقوام متحدہ میں اپنا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ یہ بحرانی سفارت کاری کا ایک فورم اور کثیر جہتی امداد کا ذریعہ فراہم کرتا ہے۔ اس نے ہتھیاروں کے کنٹرول کی حوصلہ افزائی کی ہے اور اقوام کو بین الاقوامی قانون کی حدود میں توسیع کے معاہدوں تک پہنچنے میں مدد کی ہے۔ حدود کے باوجود یہ ایک ناگزیر ادارہ ثابت ہوا ہے۔ اس کی تردید کی گئی ہے، ان کی خلاف ورزی کی گئی ہے، اسے نظرانداز کیا گیا ہے، لیکن اس نے امن کی بحالی میں اس سے زیادہ کردار ادا کیا ہے جتنا کہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

لیکن بدقسمتی سے "آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اقوام متحدہ نے عالمی استحکام اور عالمی امن کی طرف جو سست پیشرفت کی ہے، اس کے ایک یقینی الٹ پلٹ ہیں۔ اس سمت میں مزید بڑھوتری، اگر بروقت نظرثانی نہ کی گئی تو، بڑی توقعات کے ایک باب کے اختتام اور ایک نئے باب کا آغاز ہو گا جس میں عالمی تنظیم محض ایک بحث کا فورم فراہم کرے گی اور کچھ نہیں"۔ دیر سے یہ بنیادی طور پر کسی ایسے ادارے کی بجائے جہاں بین الاقوامی تنازعات سے نمٹنے کے لیے وسائل کی ترقی، آبادی پر کنٹرول، سمندری آلودگی، شمال۔ جنوبی تنازعات جیسے عالمی عدم تحفظ کے مسائل پر بحث کا ایک فورم بن گیا ہے۔

آخر میں، "اقوام متحدہ اب بھی مہذب معاشرے کی خواہشات کا سب سے کم عام پیمانہ ہے"۔ یہ تباہی کے بھنور میں بنی نوع انسان کی ایک تاریک امید ہے۔ یہ عالمی سنسر کے لیے واحد پوڈیم ہے۔ اگر اقوام متحدہ کا وجود نہ ہوتا تو اسے ایجاد کرنا پڑتا۔ آخر کار، تنازعات اور عالمی مسائل کو سننے اور ان پر غور کرنے کے لیے ایک ایجنسی ہونی چاہیے۔ "اگر دنیا کی قومیں اپنی شکایات کو ہوا دینے اور اپنے اختلافات کو بین الاقوامی طرز عمل کے ضابطہ کے تحت ایڈجسٹ کرنے کی جگہ نہ رکھتی تو ہماری تہذیب ایٹمی جنگ میں تباہ ہو سکتی تھی"۔

24.7 بین الاقوامی ایجنسیاں اور کمیشن (International Agencies and Commissions)

خصوصی ایجنسیاں تقریباً 15 ہیں جو اقوام متحدہ سے منسلک ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

WHO, FAO, ILO, ICAO, ITU, UPU, IMF, IBRD, UNESCO, .UNESCAP, GATT, etc

ایجنسیوں کے علاوہ کچھ کمیشن بھی اقوام متحدہ کے ساتھ وابستہ ہیں جیسے کہ بین الاقوامی قانون کمیشن، انسانی حقوق کمیشن، اقوام متحدہ کے بین الاقوامی بچوں کا ہنگامی فنڈ وغیرہ بھی ہیں۔

24.8 ثالثی کی مستقل عدالت کا کردار (Role of Permanent Court of Arbitration)

ثالثی کی مستقل عدالت (پی سی اے) ہیگ کنونشن 1899 کے آرٹیکل 41 کے تحت قائم کی گئی تھی۔ کنونشن کے آرٹیکل 41 کے مطابق، دستخط کرنے والی طاقتیں بین الاقوامی اختلافات کی ثالثی میں سہولت فراہم کرنے کے لیے ثالثی کی مستقل عدالت کے قیام پر متفق ہیں، جسے سفارت کاری سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ پی سی اے بین الاقوامی ثالثی کے لیے انتظامی معاونت فراہم کرتا ہے۔ یہ ثالثی کے تمام معاملات کے لیے مجاز ہے، تاہم، تنازعہ کے فریقین کو اجازت ہے کہ وہ ایک خصوصی ٹریبونل تشکیل دے سکتے ہیں اگر وہ ایسا فیصلہ کریں۔ تاہم، پی سی اے کے کام صرف ثالثی تک محدود نہیں ہیں اور اس میں بین الاقوامی تنازعات کے پرامن حل کی دیگر شکلوں بشمول ثالثی، مفاہمت، اور تنازعات کے متبادل حل کی دیگر اقسام میں مدد فراہم کرنا بھی شامل ہے۔ عدالت کے ارکان ثالثی کی سہولت فراہم کرنے کے لیے اہم ادارہ ہیں۔ عدالت کے ممبران ممکنہ ثالث ہیں جن کا تقرر معاہدہ کرنے والی جماعتوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

24.9 سمندر کے قانون کے بین الاقوامی ٹریبونل کا کردار (Role of International Tribunal of Law of the Sea)

بین الاقوامی ٹریبونل آف لاء آف دی سی ایک آزاد عدالتی ادارہ ہے جو سمندری کنونشن 1982 کے قانون کے تحت قائم کیا گیا ہے۔ یہ کنونشن کی تشریح اور اطلاق سے پیدا ہونے والے تنازعات اور جہازوں کی رہائی سے متعلق تنازعات پر فیصلہ کرتا ہے۔ کنونشن کے آرٹیکل 281 کے مطابق، فریقین اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 33 کے تحت دیئے گئے مختلف طریقوں پر عمل کرتے ہوئے اپنے تنازعات کو پرامن طریقے سے حل کرنے کے پابند ہیں، جس میں انکوائری گفت وشنید، مفاہمت، ثالثی، عدالتی تصفیہ یا دیگر پرامن طریقے ان کی پسند شامل ہیں۔ ٹریبونل خصوصی اقتصادی زون اور بلند سمندروں میں گہری سمندری کان کنی سے متعلق تنازعات کو سی بیڈ ڈسپیوٹ چیمبر کے ذریعے حل کرتا ہے۔

مزید برآں، ٹریبونل کے تحت دیگر خصوصی چیمبرز قائم کیے گئے ہیں جیسے چیمبر برائے فشریز ڈسپیوٹ، چیمبر برائے سمندری ماحولیات تنازعات، چیمبر برائے سمندری حد بندی تنازعات مخصوص مسائل سے نمٹنے کے لیے۔ اس طرح بین الاقوامی ٹریبونل آف لاء آف دی سی نے یونائیٹڈ نیشنل کنونشن آن لا آف دی سیز 1892 کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔

24.10 عالمی سیاست میں بین الاقوامی تنظیم کا کردار

(Role of International Organisation in World Politics)

بین الاقوامی تنظیمیں بین الاقوامی میدان میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں، ثالثی، تنازعات کے حل، امن قائم کرنے، پابندیوں کا اطلاق، عالمی حکمرانی وغیرہ میں طاقت کے ساتھ۔ وہ بین الاقوامی تشویش کے کلیدی شعبوں یا عالمی مسائل جیسے کہ عالمی صحت کی پالیسی، دنیا بھر میں مالیاتی پالیسیاں، موسمیاتی تبدیلی، وسائل کی کمی اور "گلوبل کامنز" کے انتظام سے نمٹنے میں بھی مدد کرتے ہیں۔ بین الاقوامی تنظیمیں آج 21ویں صدی کے تقریباً تمام سیاسی اور معاشی چیلنجز میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ بین الاقوامی اداروں کا سب سے اہم وصف ان کی غیر جانبداری، غیر جانبداری اور آزادی ہے۔

بین الاقوامی تنظیموں کا کردار (Role of International Organisations)

مختلف بین الاقوامی تنظیموں کے کردار کا اندازہ ان معاہدوں سے لگایا جا سکتا ہے جن کے تحت وہ قائم ہیں۔

مخصوص امور میں مہارت (Expertise in Specific Matters)

ریاستوں کو آزاد بین الاقوامی تنظیموں کے رکن کے طور پر قائم کرنے یا اس میں شرکت کرنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ایسی تنظیمیں ان معاملات میں اختیار رکھتی ہیں اور ان کو تفویض کر سکتی ہیں جن کے لیے علم، مہارت، معلومات، وقت اور وسائل کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر وقت دستیاب نہیں ہوتے۔ بین الاقوامی تنظیمیں ایسی کارروائیاں کرتی ہیں جو قانونی حیثیت سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور ریاستی سرگرمی کی قانونی حیثیت کو متاثر کرتی ہیں۔

سیاسی غیر جانبداری بغیر کسی مفاد کے (Political Neutrality with no Vested Interests)

بین الاقوامی تنظیمیں غیر سیاسی اور مخصوص غیر جانبدارانہ بات چیت کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتی ہیں جو کہ کسی بھی دوسرے انتظامات کے مقابلے میں زیادہ مؤثر طریقے سے ہوتی ہیں۔ وہ ریاستوں کے درمیان جاری تعامل کی مخصوص شرائط کو بیان کرتے ہیں اور مضبوط اور کمزور قوموں کے درمیان، مفادات اور علم کے درمیان تعلقات کو متوازن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بین الاقوامی تنظیمیں عالمی سطح پر آزاد اور غیر جانبدار اداکاروں کے طور پر حصہ لیتی ہیں اور اس سے ان کے انفرادی یا اجتماعی فیصلوں کی کارکردگی اور قانونی حیثیت کو بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔ اس طرح، بین الاقوامی تنظیمیں بین الاقوامی تعاون کو یقینی بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

عالمی برادری کے مخصوص مسائل (Specific Problems of Global Community)

تاہم، بین الاقوامی تنظیموں کا بنیادی مقصد مذاکرات میں سہولت فراہم کرنا اور معاہدوں پر عمل درآمد، تنازعات کے حل، اور تکنیکی مدد اور مالیاتی امداد کی پیشکش اور قواعد کو تیار کرنا ہے۔ مخصوص بین الاقوامی تنظیمیں عالمی برادری کو درپیش کسی خاص مسئلے کو پورا کرتی ہیں۔

تنازعات کا پرامن حل (Peaceful Settlement of Dispute)

بنیادی طریقوں میں سے ایک جس میں بین الاقوامی تنظیمیں تعاون کر سکتی ہیں اور بین الاقوامی قانون کو برقرار رکھ سکتی ہیں وہ ہے تنازعات کا پرامن حل۔ اس طرح کے میکانزم کے بغیر، عالمی دنیا جو ہمیشہ انارکی کی حالت میں رہتی ہے اور ہوبسیئن "فطرت کی حالت" میں اتر جائے گی، جو ہر ایک کے خلاف ہر ایک کی جنگ کی حالت ہے اور اس میں زندگی "بدتمیز اور سفاک ہوگی۔ ایسی تمام تنظیمیں اقوام متحدہ کے چارٹر کی رکنیت رکھتی ہیں، جس کے مطابق تمام رکن ممالک کو اپنے بین الاقوامی تنازعات کو پرامن طریقے سے حل کرنا چاہیے تاکہ بین الاقوامی امن و سلامتی اور انصاف کو خطرہ نہ ہو۔ اس طرح، اقوام متحدہ کا چارٹر سلامتی کونسل کے آلہ کار اور بین الاقوامی عدالت انصاف کے قیام کے ذریعے تنازعہ کے بحرالکاہل تصفیہ کے لیے فراہم کرتا ہے۔ مزید یہ کہ 1899 اور 1907 کے ہیگ کنونشن کے تحت ثالثی کی ایک مستقل عدالت ہے۔

قانون سازی کے افعال (Legislative Functions)

بین الاقوامی تنظیمیں مختلف خصوصی قانون سازی اور نگرانی کے کام انجام دیتی ہیں، جس میں تعاون، معاہدوں، قواعد وضوابط وغیرہ کی ترقی کے لیے ایک فریم ورک تیار کرنا شامل ہے۔ تاہم، یہ عالمی پارلیمنٹ کے طور پر کام نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل (یو این ایس سی) کی طرف سے منظور کردہ قراردادیں رکن ممالک پر پابند ہیں۔ اسی طرح انٹرنیشنل سول ایوی ایشن آرگنائزیشن، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن، انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن خصوصی قانون سازی اور ریگولیٹری کام انجام دیتے ہیں۔

اقوام متحدہ کی تنظیموں کا کردار (Role of United Nations Organizations)

اقوام متحدہ بین الاقوامی قوانین کو برقرار رکھنے کے لیے کوشاں ہے۔ یہ ایسے حالات قائم کرتا ہے جن کے تحت معاہدوں اور بین الاقوامی قانون کے تحت ذمہ داریوں کا انصاف اور احترام برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ترقی اور احترام اقوام متحدہ کے کام کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ کام بہت سے طریقوں سے بین الاقوامی عدالت انصاف، بین الاقوامی ٹربیونلز، کثیر جہتی معاہدوں اور سلامتی کونسل کے ذریعے کیا جاتا ہے، جو امن مشن کی منظوری دے سکتی ہے، پابندیاں عائد کر سکتی ہے، یا جب بین الاقوامی امن و سلامتی کو خطرہ ہو تو طاقت کے استعمال کی اجازت دے سکتی ہے۔ اگر اسے ضروری سمجھا۔ یہ اختیارات اسے اقوام متحدہ کے چارٹر کے ذریعے دیئے گئے ہیں، جسے ایک بین الاقوامی معاہدہ سمجھا جاتا ہے۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد اقوام متحدہ کا ادارہ قائم کیا گیا تھا اور اس طرح سب سے اہم مسئلہ ریاستوں کو جنگ کی لعنت سے روک کر اور عالمی تشویش کے مختلف مسائل کو حل کر کے بین الاقوامی امن و سلامتی کو برقرار رکھنا تھا۔ اس طرح، اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 1 کے تحت، اقوام متحدہ کے ادارے کو امن کو لاحق خطرات کو روکنے کے لیے اقدامات کرنے اور جارحانہ کارروائیوں اور امن کی دوسری خلاف ورزیوں کو دبانے کے ذریعے امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ مزید یہ کہ اقوام متحدہ لوگوں کے مساوی حقوق اور خود ارادیت کے اصول کے احترام کی بنیاد پر اقوام کے درمیان دوستانہ تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کا مقصد معاشی، ثقافتی، سماجی اور انسانی کردار کے بین الاقوامی مسائل کے حل کے لیے بین الاقوامی تعاون حاصل کرنا اور بغیر کسی امتیاز کے انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کے احترام کو فروغ دینا ہے۔

24.11 بین الاقوامی تنظیموں کے فرائض (Functions of International Organisations)

بین الاقوامی تنظیمیں مندرجہ ذیل طریقوں سے کام کرتی ہیں:

بیان اور جمع (Articulation and Aggregation)

بین الاقوامی تنظیمیں اپنے اراکین کے قومی مفادات کو بین الاقوامی نظام میں جمع کرنے اور بیان کرنے کے لیے کام کر سکتی ہیں۔ اس طرح، وہ دلچسپی رکھنے والی ریاستوں کو ایک ہی فریم ورک میں لاتے ہیں تاکہ عالمی معاشرے میں اپنے مفادات کو بیان کیا جا سکے۔ جس طرح قومی نظاموں میں مفاد پرست گروہ ادارے، انجمنیں، اور بہتر اجرت اور کام کے حالات کے لیے یونینز، یا صاف ستھرا ماحول کے لیے گرین پیس جیسے مفاداتی گروپس تشکیل دے کر اپنے مشترکہ مفادات کو بیان کرتے اور جمع کرتے ہیں، ریاستیں بھی ایسا ہی کرتی ہیں۔ بین الاقوامی تنظیموں کے ذریعے بین الاقوامی سیاسی نظام پر مشترکہ مفادات ہوتا ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے وہ تعاون، اتحاد بناتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اوپیک تیل برآمد کرنے والے ممالک کو جمع کرنے اور بیان کرنے، تیل کی قیمتوں میں اضافے، یا تیل کو بطور ہتھیار استعمال کر کے اپنی طاقت بڑھانے کی تنظیم ہے۔ انکٹیڈ ترقی پذیر ممالک کے مفادات کو بیان کرنے اور نظام میں ان کی آواز کو بڑھانے کے لیے اقوام متحدہ کا ذیلی ادارہ ہے۔ دوسری طرف، اسی مقصد کے لیے کچھ بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیمیں ہیں، جیسے عالمی صیہونی تنظیم، انٹرنیشنل چیمبر آف شپنگ وغیرہ۔

معیارات کی تخلیق (Creation of Norms)

وہ بین الاقوامی تعلقات کو چلانے کے لیے اصول اور قانون بنانے والے کے طور پر کام کر سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں، وہ ریاستوں کی پیروی کے لیے قانون بناتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے: سیاسی معاملات پر، انہوں نے انسانی حقوق کو بہتر بنانے کے لیے کئی دستاویزات یا معاہدے تیار کیے، مثال کے طور پر 1948 اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ، 1982 کا قانون۔ اقتصادی معاملات پر، وہ اقوام کے درمیان تجارتی اور اقتصادی تعلقات کو بہتر بنانے کے انتظامات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جی اے اے ٹی

نے کسٹم ٹیرف کو کم کر کے اور عالمی تجارت کو چلانے کے لیے کچھ معیارات لاکر آزاد بین الاقوامی تجارت کے لیے اہم اصول وضع کیے ہیں۔ سلامتی کے معاملات پر، اقوام متحدہ اور دیگر علاقائی تنظیموں نے تخفیف اسلحہ، جوہری عدم پھیلاؤ، طاقت کے استعمال پر پابندی، نوآبادیاتی نظام کو غیر قانونی قرار دینے وغیرہ میں کچھ اصول وضع کیے ہیں۔

بھرتی (Recruitment)

وہ بین الاقوامی نظام میں نئے اداکاروں کو بھرتی کرنے کی قوت کے طور پر کام کرتے ہیں۔ خاص طور پر یو نے نوآبادیاتی طاقتوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اپنی کالونیوں کو آزاد کریں، اور کالونیوں کو تنظیم میں شامل ہو کر بین الاقوامی نظام میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ 1950-60 کی دہائی میں کئی نئی ریاستیں اقوام متحدہ کی رکن بنیں۔ اس کے نتیجے میں، اقوام متحدہ کے ارکان کی تعداد تیزی سے 50 سے بڑھ کر 100 تک پہنچ گئی۔

سماجی کاری (Socialisation)

وہ ریاستوں کو سماجی بنا کر بین الاقوامی نظام میں ڈھال لیتے ہیں۔ جس طرح قومی نظام میں شہریوں کو قومی نظام میں سماجی بنانے کے لیے فوج، اسکول، فاؤنڈیشنز جیسے ادارے ہوتے ہیں، اسی طرح بین الاقوامی ادارے ان کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ یہ دو سطحوں پر ہوتا ہے: پہلا، براہ راست ذرائع سے، کوئی بھی تنظیم رکن ممالک کے شہریوں کو تعلیمی، سماجی، نفسیاتی ماحول فراہم کرتی ہے۔ اس طرح وہ ایک "کمیونٹی اسپرٹ" تشکیل دیتے ہیں جس میں کچھ بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیمیں لوگوں کو مختلف طریقوں سے متاثر کر کے بہت بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔ دوسرا، رسمی اور سفارتی طریقوں سے، ریاستی نمائندوں یا سفارت کاروں کو کچھ مخصوص طریقوں سے کام کرنے کے لیے "سماجی" بنایا جا سکتا ہے جو باقی "بین الاقوامی برادری" کے لیے قابل قبول ہو۔ وہ نئی سوچ اور زندگی کے متبادل طریقے سیکھتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر وہ بین الاقوامی نظام کے عمومی اصولوں کے مطابق ایک طرح سے قائل ہیں۔

اصول سازی (Rule-Making)

وہ اس کے ارکان کے درمیان تعلقات کے انتظامات کے لیے اصول بناتے ہیں۔ قواعد ایک فیصلے، ایک قرارداد، ایک سفارش، ایک کانفرنس کے اعلان، یا ایک معاہدے یا معاہدے کی شکل لے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، یورپی یونین اپنے رکن ممالک، سول گروپس یا شہریوں کے لیے اصول بناتی ہے۔ اقوام متحدہ مختلف مسائل پر قراردادیں یا سفارشات لیتی ہے۔ لیکن زیادہ تر معاملات میں، یہ اصول مؤثر ہونے کے لیے اراکین کی اتفاق رائے سے لیا جانا چاہیے۔

اصول کا اطلاق (Rule-Application)

اصول-اطلاق کا مطلب ہے اصول کو نافذ کرنا زیادہ تر معاملات میں، رکن حکومتوں کی طرف سے قواعد کے نفاذ کی توقع کی جاتی ہے کیونکہ بین الاقوامی تنظیموں کے پاس ان کو نافذ کرنے کے لیے وسائل یا ذرائع نہیں ہو سکتے ہیں۔ لیکن قوانین کو وسیع پیمانے پر لاگو کرنے کے لیے، انہیں ممبر ممالک کو اپنے مفادات کے لیے مفید سمجھ کر قبول کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر، وہ کاغذات کے طور پر رہ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کئی جارحین پر پابندیاں عائد کیں، لیکن ان میں سے صرف چند کو عملی جامہ پہنایا گیا، جیسے کہ عراق کے خلاف، لیکن اسرائیل کے خلاف نہیں، جس میں ادارے کے سیاسی مفادات مضمر ہیں۔

قاعدہ—فیصلہ (Rule-Adjudication)

اصول-فیصلہ کا مطلب ہے عدالتی عدالتوں کے ذریعے مسائل کا قانونی حل۔ قومی ریاستوں میں، حکمرانی کا فیصلہ عدلیہ کے ذریعے کیا جاتا ہے- قانون کی عدالتیں، ثالثی پینل، ٹریبونل وغیرہ۔ بین الاقوامی سطح پر، یہ کچھ اداروں کے ذریعہ کیا جاتا ہے جیسے کہ اقوام متحدہ کے معاملے میں بین الاقوامی عدالت انصاف، اور لیگ آف نیشنز کے معاملے میں بین الاقوامی انصاف کی مستقل عدالت، یا یورپی عدالت انصاف کے معاملے میں متحدہ یورپ میں بھی۔ لیکن ان عدالتوں کے فیصلے صرف ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو اس کے اختیار کو تسلیم کرتے ہیں۔

معلومات (Information)

وہ معلومات اکٹھا کرتے ہیں، رکھتے ہیں، اور ان ریاستوں تک پھیلاتے ہیں جنہیں ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، ڈبلیو ایچ او، ڈبلیو ایم او، ایف اے او، اور بہت سی دیگر فعال بین الاقوامی تنظیموں کے پاس اپنے مخصوص شعبے میں وسیع معلومات موجود ہیں۔ اور ریاستیں اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

آپریشنز (Operations)

ان کی کارروائیاں بین الاقوامی تنظیم کے میدان کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس طرح کچھ قرض (بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور ورلڈ بینک) فراہم کرنے کے ساتھ، کچھ پناہ گزینوں کی مدد کے ساتھ (یو این ایچ سی آر)، کچھ صحت کے مسائل (ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن) وغیرہ سے متعلق ہیں۔

24.12 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کرنے کے بعد آپ

- بین الاقوامی تنظیم کو سمجھ پائیں۔

- لیگ آف نیشنز کے ساتھ اقوام متحدہ کی معلومات حاصل کر سکیں۔
- اقوام متحدہ کا لیگ آف نیشنز کے ساتھ موازنہ کر پائیں۔
- سمندر کے قانون کے بین الاقوامی ٹریبونل کا کردار کو جان گئے۔
- عالمی سیاست میں بین الاقوامی تنظیم کا کردار کو سمجھ پائے۔
- بین الاقوامی تنظیموں کے کام سے واقف ہوئے۔

24.13 کلیدی الفاظ (Keywords)

APEC

ایشیا پیسیفک اکنامک کوآپریشن ایک علاقائی اقتصادی فورم ہے جو 1989 میں ایشیا پیسفک کے بڑھتے ہوئے باہمی انحصار سے فائدہ اٹھانے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ ایشیا پیسیفک اکنامک کوآپریشن کے 21 ممبران کا مقصد متوازن، جامع، پائیدار، اختراعی اور محفوظ ترقی کو فروغ دے کر اور علاقائی اقتصادی انضمام کو تیز کر کے خطے کے لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ خوشحالی پیدا کرنا ہے۔

OPEC

پٹرولیم برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم ایک ایسی تنظیم ہے جو تیل پیدا کرنے والے سر کردہ ممالک کے تعاون کو فعال کرتی ہے تاکہ تیل کی عالمی منڈی پر اجتماعی طور پر اثر انداز ہو سکے اور زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جا سکے۔ اس کی بنیاد 14 ستمبر 1960 کو بغداد میں پہلے پانچ ارکان (ایران، عراق، کویت، سعودی عرب اور وینزویلا) نے رکھی تھی۔ 13 رکن ممالک تیل کی عالمی پیداوار کا تخمینہ 30 فیصد بناتے ہیں۔

ICAO

انٹرنیشنل سول ایوی ایشن آرگنائزیشن اقوام متحدہ کی ایک خصوصی ایجنسی ہے جو بین الاقوامی فضائی نیویگیشن کے اصولوں اور تکنیکوں کو مربوط کرتی ہے، اور محفوظ اور منظم ترقی کو یقینی بنانے کے لیے بین الاقوامی ہوائی نقل و حمل کی منصوبہ بندی اور ترقی کو فروغ دیتی ہے۔

AU

افریقی یونین ایک براعظمی یونین ہے جو براعظم افریقہ پر واقع 55 رکن ممالک پر مشتمل ہے۔ اے یو کا اعلان 9 ستمبر 1999 کو لیبیا کے شہر سرتے کے اعلامیے میں کیا گیا تھا، جس میں افریقی یونین کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

EU

یوروپی یونین 27 رکن ممالک کی ایک اعلیٰ قومی سیاسی اور اقتصادی یونین ہے جو بنیادی طور پر یورپ میں واقع ہے۔ یونین کا کل رقبہ 4,233,255کلومیٹر ہے اور اس کی کل آبادی448 ملین سے زیادہ ہے۔

24.14 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

24.14.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ 1935 تک مجلس اقوام نے کتنی درخواستوں کی جانچ کی؟

(a) 100 (b) 200

(c) 300 (d) 400

2۔ 1972 تک، بین الحکومتی تنظیموں کی تعداد کس حد تک بڑھی؟

(a) 280 (b) 281

(c) 282 (d) 283

3۔ 1972 تک غیر سرکاری تنظیموں کی تعداد کس حد تک بڑھی؟

(a) 2450 (b) 2460

(c) 2470 (d) 2480

4۔ کونسل کے کتنے غیر مستقل اختیارات پر مشتمل تھا؟

(a) 3 (b) 4

(c) 5 (d) 6

5۔ سوویت یونین نے 1934 میں کونسل میں شمولیت اختیار کی اور کس سال چھوڑ دی؟

(a) 1936 (b) 1937

(c) 1938 (d) 1939

6۔اقوام متحدہ کے چارٹر پر 26 جون 1945 کو سان فرانسسکو کانفرنس میں کتنے ممالک نے دستخط کیے؟

49 (a) 50 (b)

51 (c) 52 (d)

7۔ 19ویں صدی سے پہلے کتنی بین الاقوامی تنظیمیں تھیں؟

30 (a) 40 (b)

50 (c) 60 (d)

8۔ 19ویں صدی سے پہلے 30 بین الاقوامی تنظیمیں کب قائم ہوئیں؟

1858 (a) 1859 (b)

1860 (c) 1861 (d)

9۔ 1911 تک، کتنی بین الاقوامی تنظیمیں موجود تھیں؟

43 (a) 44 (b)

45 (c) 46 (d)

10۔ ہولی الائنس کس سال ختم ہوا؟

1825 (a) 1826 (b)

1827 (c) 1828 (d)

24.14.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ویانا سے ویسٹ پھالیہ کے بارے میں مختصراً وضاحت کریں۔
2. مجلس اقوام پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔
3. مجلس اقوام کی ناکامی کا احاطہ کریں۔
4. مجلس اقوام کی ناکامی کی وجوہات کیا ہیں؟ مختصراً وضاحت کریں۔
5. مجلس اقوام اور اقوام متحدہ کا موازنہ کریں۔

24.14.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بین الاقوامی تنظیموں کے کام کا جائزہ لیجیے۔
2. اقوام متحدہ کے اعضاء پر روشنی ڈالیئے۔
3. اقوام متحدہ کا مجلس اقوام سے موازنہ کیجیے۔

24.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Readings)

1. P. Chandra, International Politics, Vikas Publishing House Pvt. Ltd., New Delhi-110014, First Published in 1979, Third Revised Edition in 1985, Reprint in1992, pp. 156-165.
2. Palmer and Perkins, International Relations, Calcutta, 1965, p.333-430.
3. Morgenthau, Politics Among Nations, 1966, pp. 464-465.
4. Sophie Crockett, The Role of International Organisations in World Politics, E-International Relations, 7, February, 2012, ISSN: 2053-8626, pp.1-4.
5. Jon C. W. Pevehouse and Inken von Borzyskowski, International Organizations in World Politics, 06 November 2017, pp.3-32. https://doi.org/10.1093/law/9780199672202.003.0001
6. Beth Simmons and Lisa Martin, International Organizations and Institutions, 2002, p.94.
7. John Duffield, What are International Institutions?, International Studies Review, 2007, 9 (1), pp.1-22.
8. Pitman B. Potter, The Classification of International Organisations, American Political Science Review, 1935, 29 (2), p.215.
9. Michael Barnett and M. Finnemore, Rules for the World: International Organisations in Global Politics, Cornell University Press, 2004.
10. Ian Hurd, International Organisations: Politics, Law, Practice, Cambridge University Press, 2018.
11. Ranjit Lall, Beyond Institutional Design: Explaining the Performance of International Organizations, International Organization, 2017, Vol.53, pp.699-732.
12. Ranjit Lall, Making International Institutions work: The Politics of Performance, Cambridge University Press, 2023.
13. Tamar L. Gutner, International Organisations in World Politics, CQ Press; First Edition, 12 February, 2016, pp.304.
14. David P. Forsythe, Kelly-Kate Pease, RogerCoate and Thomas Weiss, The United Nations and the Changing World Politics, West View Press, 8 Edition, 2 August, 2016.
15. Margaret P. Karns, International Organizations: The Politics and Processes of Global Governance, Lynne Rienner Publishers Inc, 3rd Edition, 22 July, 2015.
16. David Armstrong, Lorna Lloyd, John Redmond, International Organisation in World Politics, Springer Link, January, 2005.

نمونہ امتحانی پرچہ

بین الاقوامی تعلقات

جملہ نمبرات:۷۰ Maximum Marks: 70 | وقت:۳گھنٹے Time: 3 hours

ہدایات:

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃً ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

1۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات ہیں/خالی جگہ پُر کرنا/ مختصر جوابوالے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔ (1x1=10 Marks)

2۔ حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں۔اس میں سے طالب علم کو کوئی 5 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دو سو (200) لفظوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 06 نمبرات مختص ہیں۔ (5x6=30 Marks)

3۔ حصہ سوم میں 5 سوالات ہیں۔اس میں سے طالب علم کو کوئی 3 سوال کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباپانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہوناچاہیے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔ (3x10=30 Marks)

حصہ اول

سوال(1)

(i) سرد جنگ کا دور کب شروع ہوا؟

(a)1945 (b)1948 (c)1950 (d)1960

(ii) 'کیوٹو پروٹوکول' کا ________ تعلق ہے؟

(a)ماحولیات سے (b)سیاسیات سے (c)ماحولیات سے (d)ان میں سے کوئی نہیں

(iii) فرانسیسی انقلاب کب ہوا تھا؟

(a) گورڈن براون (b) ولادیمیر لینن (c) فریڈرک اینگلز (d)انتونیو گرامسی

(iv) 'SAARC' کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟

(a) نئی دہلی (b)کاٹھمنڈو (c)ڈھاکا (d)نیپال

(v) کس مارکسی مفکر نے "سامراجیت کو سرمایہ داری کے اعلیٰ ترین مرحلے کے طور پر" کا تصور پیش کیا۔

(a)انارکی (b) ولادیمیر لینن (c) فریڈرک اینگلز (d)انتونیو گرامسی

(vi) دوسری جنگِ عظیم کے دوران برطانیہ کا وزیر اعظم کون تھا؟

(a) جان میجر (b)ٹونی بلیر (c)ونسٹن چرچل (d) گورڈن براو ن

(vii) 'وارسا معاہدہ' پر کس ملک نے دستخط کیا تھا؟

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

(viii) "ایک پر حملہ سب پر حملہ ہے" کا تصور کس چیز سے زیادہ قریب سے وابستہ ہے۔

(a) اقتصادی تعاون (b) دوطرفہ معاہدے (c) اجتماعی سیکورٹی اتحاد (d) تنہائی پسندی

(ix) پہلی عالمی جنگ بندی پر دستخط کس ملک نے کی تھی؟

(a) امریکہ (b) جاپان (c) جرمنی (d) فرانس

(x) 'کوریائی جنگ' کن دو ملکوں کے درمیان واقع ہوئی؟

(a) شمالی کوریا اور جنوبی کوریا (b) شمالی کوریا اور چین (c) جنوبی کوریا اور چین (d) عدالتی نظر ثانی

حصہ دوم

(2) نو حقیقت پسندی کا نظریہ پر غور و فکر کیجیے۔

(3) بین الاقوامی تعلقات میں مارکسی نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ لیں؟

(4) طاقت کے معنی اور مفہوم بیان کیجیے۔

(5) جنگ سے امن کی شرائط پر ایک مختصر نوٹ لکھیں؟

(6) پہلی عالمی جنگ پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔

(7) سرد جنگ کے وجوہات پر غور و فکر کیجیے۔

(8) اقوام متحدہ کے اصول اور مقاصد کو بتائیے۔

(9) سارک کے خاص اعضاء پر مختصر نوٹ لکھیے۔

حصہ سوم

(10) بین الاقوامی تعلقات کے مختلف نظریات کا جائزہ لیجئے؟

(11) دوسری عظیم جنگ کے واقعات پر روشنی ڈالیے؟

(12) جنگ کو روکنے میں بین الاقوامی اداکاروں کے کردار کا تجزیہ کیجیے۔

(13) تخفیف اسلحہ کی راہ میں رکاوٹوں پر روشنی ڈالیے۔

(14) بین الاقوامی تنظیموں کے کام کا جائزہ لیجیے۔

یہ کتاب مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ڈی ٹی پی سیل کاؤنٹر پر دستیاب ہے۔

ملنے کا پتہ:

ڈی ٹی پی سیل کاؤنٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد-500032 (تلنگانہ)

DTP Sale Counter, Directorate of Translation & Publications

Room No. G-09, H. K. Sherwani Centre for Deccan Studies
Maulana Azad National Urdu University, Gachibowli,Hyderabad-500032
M: 9394370675, 9966818593, Email: directordtp@manuu.edu.in

Account Name: DTP Sale Counter **Account No.:** 187901000009349
Bank Name: Indian Overseas Bank **IFSC:** IOBA00001879
Branch: Gachibowli, Hyderabad

Counter Timinings

Monday To Friday
09:30 a.m. To 05:30 p.m.

کتابوں کی قیمت پر رعایت کی شرح:

1۔عام قارئین کے لیے 25%

2۔طلبا، کالجز اور دیگر اداروں کے لیے 30%

کتابیں ڈاک سے بھی منگوائی جاسکتی ہیں۔

نوٹ: -/500روپے سے زائد کے بل پر ڈاک خرچ نہیں لیا جائے گا۔